

تحقیق و تخریج کے ساتھ (اضافہ شدہ ایڈیشن)

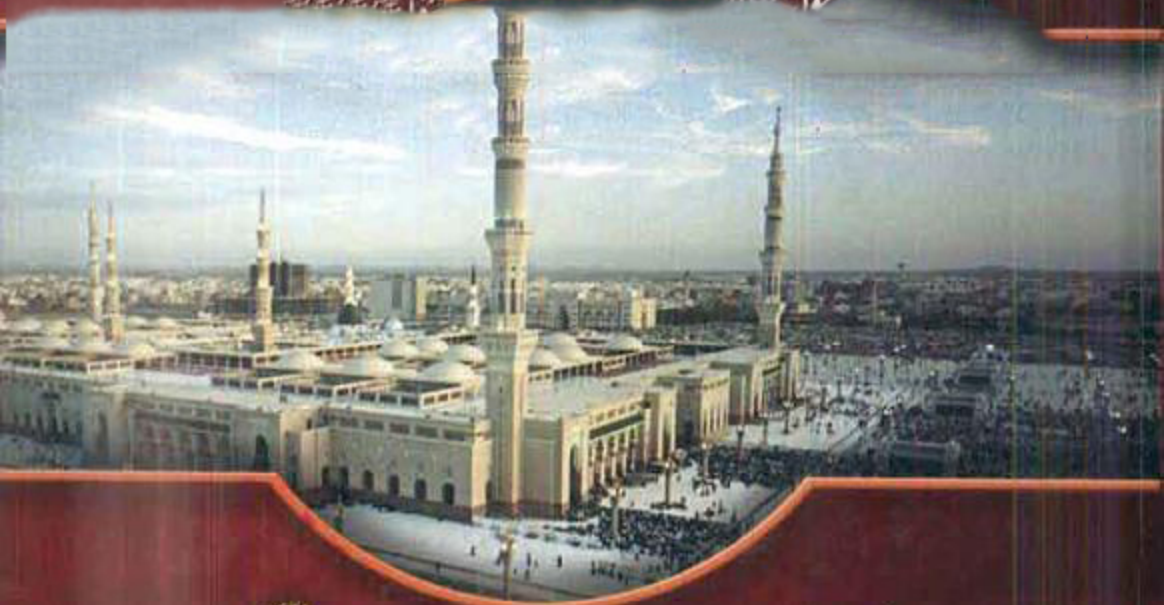
پیلا الرسول

ﷺ
صلی علیہ

(مع جواب ”پیلا الرسول“ پر ایک نظر)

مترجم: مولانا محمد رفیع الرحمن

۱۱۷/۱۲۲



مؤلف

تحقیق و افادہ :

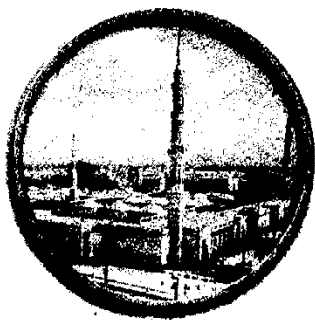
حضرت مولانا حکیم محمد صادق صاحب الکوٹہ

ابوصہیب مولانا محمد داؤد اشہد

نعمانی کتب خانہ

حق سٹریٹ اردو بازار لاہور (پاکستان)

WWW.IRCPK.COM



سید الفاضل
محمد امجد علی شاہ

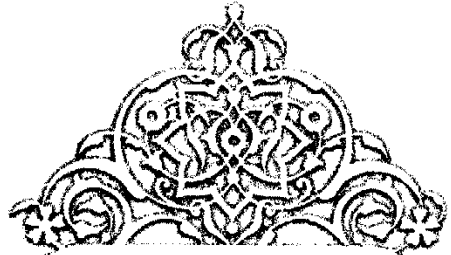
264.15
م ۲۲ - س



COPY RIGHT

All rights reserved

Exclusive rights by
Nomani Kutab Khana
Lahore Pakistan. No part
of this publication may be
translated, reproduced,
distributed in any form or
by any means or stored in
a data base retrieval
system, without the prior
written permission of the
publisher.



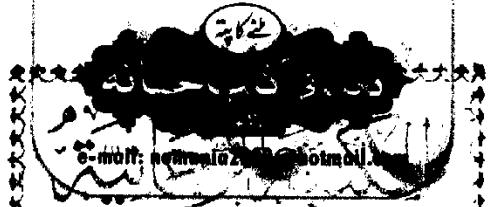
نام کتاب سبیل الرسول ﷺ

مؤلفہ
حضرت الامام محمد رضا بن صاحب المآثر

تصنیف و افادات :
ابو محمد محمد بن اسماعیل بن عبد اللہ بن محمد بن اسماعیل

تاریخ اشاعت
اکتوبر ۲۰۰۲ء

مطبوعہ
علی آصف پرنٹرز لاہور

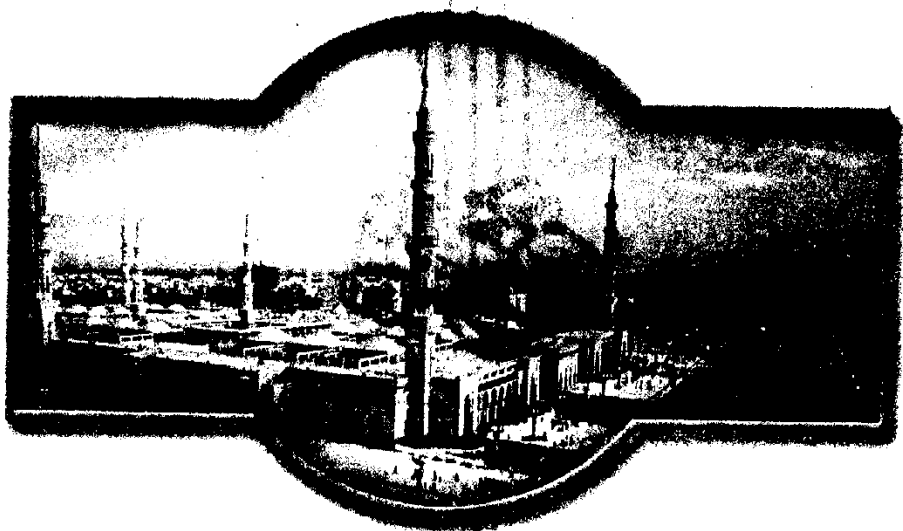


۹۹۔۔۔ ہے مآثر ناؤن۔ لاہور

15742

سُبْحَانَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(مع جواب ”سبیل التوفیق“ پر ایک نظر)

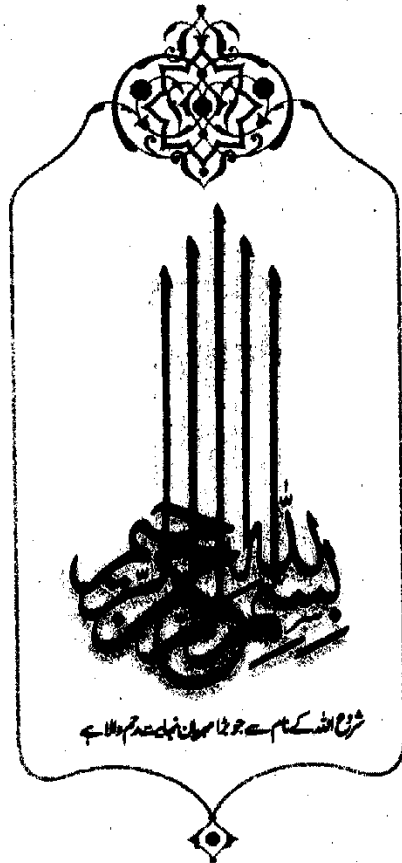


حضرت مولانا حکیم محمد صدیق صاحب شاہ کوٹی

تحقیق و افادات :
 ابو محمد محمد بن محمد کاوندی اشهد

نعمانی مکتب خانہ

حق سٹوٹ اردو بازار لاہور 042-7321865



بہ مصطفیٰ بہ رساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہی است



پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر



منزل ملے مراد ملے مدعا ملا
سب کچھ ملا مجھ کو ترّا نقش پا ملا

فہرست مضامین

۱۷	نخن ناشر
۱۹	مقدمہ
۲۵	تبصرے
۳۱	خطبہ رحمت للعالمین ﷺ
۳۳	پیش کلام
۳۹	دعوت الی اللہ
۴۰	سبیل الرسول ﷺ کیا ہے؟
۴۱	دعوت قبول کرنے کا پھل
۴۱	اللہ تعالیٰ کی ضیافت
۴۲	مسلمانوں کو دعوت رسول ﷺ قبول کرنے کا حکم
۴۳	دعوت قبول نہ کرنے کی سزا
۴۴	مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی کی تشریح
۴۴	نبی کریم ﷺ آگ سے کھینچتے ہیں
۴۵	شاہراہ بہشت کی نشاندہی
۴۶	سیدھی راہ
۴۸	ناجی جماعت ہے فرقہ محمد نہیں
۴۹	مَا آتَا عَلَيْهِ وَ أَصْحَابِهِ
۴۹	رسول اللہ ﷺ کا طریقہ
۵۰	سنت کو زندہ کرنے کا حکم
۵۱	نماز جنازہ میں ترک فاتحہ
۵۳	دعوت رسول ﷺ سے زندگی
۵۳	ضد اور ہٹ کا نتیجہ
۵۴	رسول اللہ ﷺ کی معیت

- ۵۵ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اتباع رسول ﷺ کرتے
- ۵۶ تورات دیکھنے کی اجازت نہ ملی
- ۵۶ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طلبِ غفو
- ۵۷ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی پر قدغن
- ۵۸ ترکِ حدیث کی چند مثالیں
- ۵۸ قبروں کو پختہ نہ بناؤ
- ۵۹ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ
- ۶۰ تشہد میں انگلی اٹھانا
- ۶۱ قبروں پر چراغ جلانا
- ۶۲ عورتوں کا قبروں پر جانا
- ۶۲ قبروں پر مسجدیں بنانا
- ۶۳ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طریقہ
- ۶۳ صحابہ رضی اللہ عنہم کو رلا دینے والا ارشاد
- ۶۳ معیار حق
- ۶۵ بدعات سے بچنے کی وصیت
- ۶۵ شیطان کی پیشوائی
- ۶۶ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا وزن
- ۶۷ حضور انور کے وزن کا غلبہ
- ۶۷ ساری امت پر غالب
- ۶۸ رسالت کا کام امتیوں سے لینا
- ۶۸ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی تعلیم
- ۶۹ حضور ﷺ پر نور کو مت تولو
- ۶۹ شیخ جیلانی کے ارشادات
- ۷۰ جلسہ استراحت
- ۷۰ رفع الیدین
- ۷۰ سینے پر ہاتھ

- ۷۰..... آئین ہاجر
- ۷۰..... توڑک فی الصلوٰۃ
- ۷۰..... تشہد میں انگلی
- ۷۱..... ہر نماز میں سورۃ فاتحہ فرض ہے
- ۷۲..... عیدین میں بارہ تکبیریں
- ۷۲..... جماعت میں اکہری اقامت
- ۷۲..... نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ
- ۷۲..... ہاتھ اٹھا کر دُعا قنوت پڑھنا
- ۷۳..... اسلام کی حد بندی
- ۷۵..... اسلام میں فرقہ بندی
- ۷۵..... سیدی راہ کا مطلب
- ۷۶..... میز می راہیں
- ۷۸..... ہو بہو طریقہ رسول ﷺ پر چلنے کا حکم
- ۷۹..... سنت پر زیادتی
- ۷۹..... ہمیشہ کاروزہ روزہ نہیں
- ۸۰..... کالی بھنگ نماز
- ۸۲..... گلہ سوچ کر پڑھیں
- ۸۳..... پہلے نفی پھر اثبات
- ۸۳..... مشرکین کا حج
- ۸۳..... سفارش کا عقیدہ
- ۸۵..... بعض مسلمانوں کے شرک کا عقیدہ
- ۸۹..... اللہ تعالیٰ کا حصہ مقرر کرنا
- ۹۱..... عملوں کا ضائع ہونا
- ۹۲..... فجر کی سنتیں ضائع
- ۹۲..... نماز ضائع
- ۹۳..... اکیلی عورت کا حج

- ۹۳ اُسے محمد یہ ﷺ میں مذہبی انتشار
- ۹۵ تین بہتر زمانے
- ۹۵ صحابہ رضی اللہ عنہم اہل سنت اہل حدیث تھے
- ۹۶ اللہ کی رسی
- ۹۶ جماعت پر اللہ کا ہاتھ
- ۹۷ ہوا کا اکڑ جانا
- ۹۸ اہل سنت اور اہل حدیث
- ۹۹ ایک عقین غلط فہمی
- ۱۰۰ چار مذہب
- ۱۰۰ قرون ثلاثہ کا قصہ
- ۱۰۰ اہلسنت کی پہچان
- ۱۰۱ اہل سنت کو شناخت کر لو
- ۱۰۳ تقلید کا ایجادی دور
- ۱۰۳ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اور مذاہب اربعہ
- ۱۰۵ تقلید کی تعریف
- ۱۰۸ تقلید کے متعلق علماء ربانی اور بزرگوں کے ارشادات
- ۱۰۹ حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ کا ارشاد
- ۱۱۰ حضرت مولانا روم رحمہ اللہ کا ارشاد
- ۱۱۳ حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمہ اللہ کا ارشاد
- ۱۱۶ حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی رحمہ اللہ کا ارشاد
- ۱۱۸ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ کا ارشاد
- ۱۱۹ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے نزدیک تقلید کی دو قسمیں
- ۱۲۱ حدیث کے مقابلہ میں قول چھوڑ دو
- ۱۲۱ حدیث کے خلاف قیاس پر نہ چلو
- ۱۲۲ اقوال کو احادیث پر پیش کرو
- ۱۲۲ صحابہ رضی اللہ عنہم کا طرز عمل

- ۱۲۳ تقلید جامد کا رد۔
- ۱۲۳ عامی کی غیر مشروط تقلید بھی حرام ہے۔
- ۱۲۴ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کا ارشاد۔
- ۱۲۵ حضرت مولانا سعلیل رحمہ اللہ کا ارشاد۔
- ۱۲۵ مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ کا ارشاد۔
- ۱۲۶ حنفی شافعی بننے کا اللہ نے حکم نہیں دیا۔
- ۱۲۶ حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ کا ارشاد۔
- ۱۲۷ مولانا عبدالحی رحمہ اللہ لکھنوی کا فتویٰ۔
- ۱۲۷ محمدی کیوں نہیں کہلواتے؟
- ۱۲۷ تقلید یہود کا نمونہ۔
- ۱۲۸ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے ارشاد کا مطلب۔
- ۱۲۸ یہودی کی تقلید سے بچیں۔
- ۱۲۹ حنفی شافعی شاگردی نسبتیں ہیں۔
- ۱۳۰ عقل دلیل چاہتی ہے۔
- ۱۳۰ تقلید شرطی درست ہے۔
- ۱۳۱ تقلید شخص۔
- ۱۳۲ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید سے ممانعت۔
- ۱۳۳ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی تقلید سے ممانعت۔
- ۱۳۵ امام شافعی رحمہ اللہ کی تقلید سے ممانعت۔
- ۱۳۶ امام مالک رحمہ اللہ کی تقلید سے ممانعت۔
- ۱۳۷ ائمہ امت اور علماء کی تقلید سے ممانعت۔
- ۱۳۸ بیت اللہ میں چار مصطلے۔
- ۱۳۸ رواجی اہلسنت والجماعت۔
- ۱۳۹ مجھے میرے مقلدوں سے بچاؤ۔
- ۱۵۰ عصمت صرف رسول اللہ ﷺ کے لئے ہے۔
- ۱۵۲ رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے اختلاف۔

- ۱۵۵ کتے کا ناپاک برتن
- ۱۵۶ بیت اللہ کی چھت پر نماز
- ۱۵۶ عورتوں کی امامت کا مسئلہ
- ۱۵۷ نابالغ کی امامت
- ۱۵۸ ہبہ کی ہوئی چیز کا مسئلہ
- ۱۵۹ استسقاء کی نماز باجماعت
- ۱۶۰ نماز جنازہ عاٹنا
- ۱۶۰ جماعت میں اکہری تکبیر
- ۱۶۱ نماز کی امامت کا مسئلہ
- ۱۶۲ رسول اللہ ﷺ کے کلام پر مسئلہ ختم کر دینے کا حکم
- ۱۶۵ نماز کا اول وقت
- ۱۶۷ جمع صلوٰتین
- ۱۶۸ عورت مرد کی نماز میں امتیاز نہیں
- ۱۷۰ ایک وتر کا مسئلہ
- ۱۷۱ جلسہ استراحت
- ۱۷۲ مسئلہ یتیم
- ۱۷۲ پگڑی پر مسح
- ۱۷۳ شراب کا سرکہ بنانا
- ۱۷۴ کتے کی خرید و فروخت
- ۱۷۵ معتقل کے پیچھے مفترض کی اقتداء
- ۱۷۶ ارکان نماز کی اہمیت
- ۱۷۷ خفی بھائیوں کے لئے لمحہ فکریہ
- ۱۷۹ جماعت کھڑی ہونے پر سنتیں پڑھنا
- ۱۸۱ حلالہ کی لعنت
- ۱۸۱ حلالہ کرنے والا ملعون ہے
- ۱۸۳ حدیث کے موافق فقہ سر آنکھوں پر

- ۱۸۵ فیصلہ رسول ﷺ سے اعراض کا نتیجہ
- ۱۸۵ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر خون کا دعویٰ
- ۱۸۵ حدیث چھوڑ کر قول امتی کی طرف آنا منافقت ہے
- ۱۸۶ حدیث کے مقابلہ میں قول پر عمل کرنے والے
- ۱۸۷ فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ
- ۱۸۷ فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ کا اغتہاء
- ۱۸۸ حضرت امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ
- ۱۹۲ بلا دلیل فتویٰ دینا حرام ہے
- ۱۹۲ قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کا حکم
- ۱۹۲ حدیث اور آراء رجال
- ۱۹۳ حدیث سر آنکھوں پر
- ۱۹۳ امام صاحب رحمہ اللہ کا طریق عمل
- ۱۹۳ گھڑے ہوئے مسائل
- ۱۹۴ ہدایہ کے مصنف کا زمانہ
- ۱۹۵ امام صاحب رحمہ اللہ بری الذمہ ہیں
- ۱۹۵ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی کوئی کتاب نہیں
- ۱۹۶ وفات حسرت آیات
- ۱۹۷ فقہ پر علی وجہ البصیرت عمل کریں
- ۲۰۰ فرقہ بندی کا ہلکاؤ
- ۲۰۲ ملت واحدہ احمدیہ
- ۲۰۳ احمدیہ کا مفہوم
- ۲۰۴ احمدیہ محدثہ فرقہ نہیں
- ۲۰۴ احمدیہ کی ابتداء
- ۲۰۵ صحابہ رضی اللہ عنہم احمدیہ تھے
- ۲۰۵ ایک حدیث کے لئے مدینہ سے دمشق کا سفر
- ۲۰۷ سنت اور حدیث

- ۲۰۸ صحابی رضی اللہ عنہ کی زبان پر لفظ الحمد یتھ
- ۲۰۹ الحمد یتھ کل پیدا ہوئے؟
- ۲۱۲ منکر حد یتھ مسلمان نہیں
- ۲۱۳ الحمد یتھ ہونے کی دعوت
- ۲۱۵ اصحاب الحمد یتھ کے حق میں حضور انور ﷺ کی دُعا
- ۲۱۵ قیامت تک حق پر رہنے والی جماعت
- ۲۱۸ اصحاب الحمد یتھ کا حشر کے دن مرتبہ
- ۲۱۹ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا نعرہ حق
- ۲۱۹ اہلسنت والجماعت الحمد یتھ ہیں
- ۲۲۱ شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے فرمان سے اہل بدعت کی پہچان
- ۲۲۲ بدعتی اہل حد یتھ کو برا بھلا کہتے ہیں
- ۲۲۳ علماء سوء کی انجمن
- ۲۲۳ یہود کے فرقہ ساز علماء کا حال
- ۲۲۶ اُمس خیر الرسل ﷺ کو اغتباہ
- ۲۲۸ علمائے ربانی لوگوں کے لئے رحمت ہیں
- ۲۲۹ الحمد یتھ کا ایک ہی نام ہے
- ۲۳۰ الحمد یتھ کے لئے اُٹے سیدھے نام رکھنا بدعتیوں کا کام ہے
- ۲۳۱ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا مذہب
- ۲۳۲ بادہ پیماؤں کے سلیقے
- ۲۳۳ دین کے ٹکڑے اور حصے بخرے
- ۲۳۳ رسول اللہ ﷺ کا فرقہ بازوں سے کوئی تعلق نہیں
- ۲۳۵ راہ خدا سے بھٹکے ہوئے ظالم کا حشر کے دن داویلا
- ۲۳۶ مشرکین مکہ کا مذہب
- ۲۴۰ مسلمان آباد اچداد
- ۲۴۱ یہودیوں کی راہ وروش سے بچنے کا حکم
- ۲۴۲ علماء و مشائخ کو رب بنانا

- ۲۴۴ حدیث کے مقابلہ میں رائے پر عمل کرنے والے گمراہ ہیں۔
- ۲۴۴ فقہ انگیز لوگ۔
- ۲۴۵ حدیث کے خلاف رائے کے مسائل۔
- ۲۴۶ اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔
- ۲۴۷ الحمد للہ مسلمان۔
- ۲۴۸ فرقوں کو اسلام میں مدغم کر دیں۔
- ۲۴۹ قبر میں نکیرین کے سوال۔
- ۲۵۰ دنیا کا اندھا آخرت میں اندھا ہے۔
- ۲۵۱ خاتمہ اور دعا۔

ضمیمہ سبیل الرسول ﷺ

- ۲۵۳ کیا تقلید جائز ہے۔
- ۲۵۶ حدیث رسول ﷺ میں تحریف۔
- ۲۵۶ حدیث عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کے معنی میں تحریف۔
- ۲۵۷ سبیل الرسول میں اوہام۔
- ۲۵۸ مقلدین کا طرز عمل۔
- ۲۶۱ تقلید کی دلیل۔
- ۲۶۳ کتے کا ناپاک برتن۔
- ۲۶۵ زبان پر گالیاں اور مجنوں سی باتیں۔
- ۲۶۷ بیت اللہ کی چھت پر نماز۔
- ۲۶۷ کیا عورتیں جنازہ میں شامل ہو سکتی ہیں۔
- ۲۶۸ کیا دھوکا کرنے سے بچ بچ نہیں ہوتی۔
- ۲۶۹ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور حدیث من قال لا الہ الا اللہ۔
- ۲۷۰ عورتوں کی امامت کا مسئلہ۔
- ۲۷۳ عورت امامت کے وقت کہاں کھڑی ہو۔
- ۲۷۵ نابالغ کی امامت کا مسئلہ۔
- ۲۸۲ صہ کو واپس لینا۔

- ۲۸۲ ہبہ رجوع کی دلیل اول
- ۲۸۵ زبان پر گالیاں مجنوں سی باتیں
- ۲۸۵ تبصرہ
- ۲۸۶ نماز استسقاء میں جماعت کا مسئلہ
- ۲۸۸ غائبانہ نماز جنازہ
- ۲۹۰ جماعت میں اکہری تکبیر
- ۲۹۱ تبصرہ
- ۲۹۷ ماسٹر امین کا ایک سوال
- ۲۹۸ نماز کی امامت کا مسئلہ
- ۳۰۱ فضول بھرتی
- ۳۰۱ مرزائی کی اقتداء
- ۳۰۲ حدیث رسول اللہ ﷺ میں معنوی تحریف
- ۳۰۳ سچ کی حلت و حرمت
- ۳۰۳ خارجی اور رافضی کی اقتداء
- ۳۰۴ امام اور مقتدی کی نماز
- ۳۰۵ امامت کی مزید شرائط
- ۳۰۶ من گھڑت روایات
- ۳۰۶ تبصرہ
- ۳۰۸ نماز کا اول وقت
- ۳۰۹ عبارت پر تبصرہ
- ۳۱۲ کبھی اپنا یا لیا کبھی بیگانا
- ۳۱۲ پیر جی سید مشتاق علی شاہ
- ۳۱۵ دو نمازوں کا جمع کرنا
- ۳۱۶ ایک نئی دریافت
- ۳۱۶ قرآن میں معنوی تحریف
- ۳۱۶ مفہوم القرآن وسعت میں تنگی کا مظاہرہ
- ۳۱۷ تفسیر بالرائے کا ایک مزید نمونہ
- ۳۱۸ حدیث نبوی علیہ السلام سے استدلال

- ۳۱۸ کیا یہ گناہ کبیرہ ہے.....
- ۳۱۹ مرد و عورت کی نماز کا امتیاز.....
- ۳۲۲ رسول اللہ ﷺ پر اثر.....
- ۳۲۲ تبصرہ.....
- ۳۲۲ مسائل و تر.....
- ۳۲۳ وجوب وتر کے دلائل.....
- ۳۲۶ تین رکعت وتر کا ثبوت.....
- ۳۲۹ نماز وتر کی دوسری رکعت پر سلام پھیرنا.....
- ۳۳۵ فرمان نبوی علیہ التحیۃ والسلام سے مذاق.....
- ۳۳۶ وتروں میں درمیانی تشہد.....
- ۳۳۶ ضعیف و موضوع روایات.....
- ۳۴۱ جلسہ استراحت.....
- ۳۴۳ قیاس فاسد.....
- ۳۴۷ خلاصہ کلام.....
- ۳۴۸ تیمم کا مسئلہ.....
- ۳۵۷ خلاصہ کلام.....
- ۳۵۸ پکڑی پر سح.....
- ۳۶۱ دعویٰ نسخ.....
- ۳۶۱ شراب کا سرکہ بنانا.....
- ۳۶۳ کتے کی خرید و فروخت.....
- ۳۶۶ معطل کے پیچھے مفترض کی اقتداء.....
- ۳۶۸ جماعت کھڑی ہونے پر صبح کی سنتیں پڑھنا.....
- ۳۷۱ عبداللہ بن عمرؓ کا عمل.....
- ۳۷۲ ایک حدیث ہے استدلال.....
- ۳۷۳ حضرت ابو موسیٰؓ کا اثر.....
- ۳۷۴ مزید دعویٰ.....
- ۳۷۴ ترکش کا آخری تیر.....
- ۳۷۵ حلالہ کی لعنت.....

سخن ناشر

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور اندھیرے سے اُجالے کو پیدا کیا مخصوص فرشتوں اور انسانوں کو اپنا قاصد اور پیغامبر بنا کر ان پر عظیم تر آسمانی کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے تاکہ اللہ کا دین اللہ کے بندوں تک پہنچے۔ اور انہیں دنیا کی ظلمتوں اور تاریکیوں میں سے صرف اسی کے بتائے ہوئے راستے پر چل کر مرنے کے بعد جینے کا آرام اور جی خوشی ملے۔

ہر آن اور ہر گھڑی تابہ ابد درود و سلام ہو رحمت عالم ﷺ سرور دو عالم ﷺ پر جنہیں اللہ تعالیٰ نے ازل سے اپنا محبوب اور آخری نبی اور رسول ہونے کا شرف بخشا اور ان کے اُسوۂ حسنہ کی پیروی کرنے والوں کو داور محشر روز حشر ”لواء حمہ“ ”مقام محمود“ اور ”حوض کوثر“ پر آپ ﷺ کی سپردگی عطا فرمائی۔

رحمت حق کا سایہ ہو آپ ﷺ کی پاک اور برگزیدہ آل اولاد پر اور آپ ﷺ کے تمام جانثار صحابہ کرام پر اور تاقیامت آنے والے ان تمام اللہ کے بندوں پر جنہوں نے راستی اور اخلاص کے ساتھ آپ ﷺ کی کامل پیروی میں اپنی عمریں کھپا دیں۔ حد سے زیادہ مخلص اور بے لوث ثابت ہوئے اپنی نیکو کاری پر بیہ گاری، علمی قابلیت کا دنیا والوں سے لوہا منوالیا۔

ایسے ہی بندوں میں ایک نام برصغیر پاک و ہند میں مولانا محمد صادق سیالکوٹی کا ہے۔ آپ سیالکوٹ پاکستان میں پیدا ہوئے۔ یہ وہ دور تھا جب آسان سلیس اردو زبان میں کتاب و سنت کی روشنی میں عام فہم لوگوں کی ضرورتوں کے مطابق دینی مسائل معاملات پر لٹریچر کی کمی شدت سے محسوس کی جاتی تھی۔ آپ نے اس خلاء کو محسوس کرتے ہوئے ان تمام دینی مسائل پر اپنا قلم اٹھانے کا بیڑا اٹھایا۔ اور ان کی طباعت و نشر و اشاعت کی خدمت مکمل طور پر والد گرامی (بشیر احمد نعمانی رحمۃ اللہ علیہ) نے اعلیٰ نعمانی کتب خانہ لاہور پاکستان کے سپرد کر دی۔ یہ ان بزرگوں کے اخلاص نیت کا صلہ تھا کہ انتہائی محدود مالی وسائل اور نامساعد حالات کے باوجود قرآن حکیم حدیث نماز حج روزہ زکوٰۃ اور دیگر اہم ترین موضوعات پر یہ علمی تصانیف ایک ایک کر کے ہمارے ادارے نعمانی کتب خانہ لاہور پاکستان سے پوری آب و تاب سے شائع ہونے لگیں۔ آسان سلیس اردو زبان میں عام فہم انداز لیے دلائل و شواہد کے ساتھ جا بجا قرآن پاک اور احادیث مقدسہ کی قندیلوں اور ان کے جلو میں عقل و قیاس اور روزمرہ کی مثالوں، مشاہدوں پر مشتمل یہ کتب عوام الناس کے ضمیر کو جلا بخشتی ہوئی راست دلوں میں اترتی چلی گئیں آج یہی وجہ ہے کہ آپ کی تصانیف نہ صرف برصغیر پاک و ہند بلکہ برطانیہ، یورپ کے دیگر ممالک اور سعودی عرب کی لائبریریوں کی زینت

ہیں۔ اور ہزاروں لاکھوں لوگوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں انقلاب برپا کر رہی ہیں۔

✽ اسلام اور اس کی تعلیمات کو سمجھنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و اتباع اساسی اور بنیادی شے ہے۔ دین اسلام پر چلنے کے لیے سرور کائنات حضرت محمد ﷺ کے راستے کے سوا اور کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے صرف احادیث نبوی ﷺ کی مشعل اور سنن ہدیٰ کے چراغ ہی قرآن مجید کی راہِ عمل کے چراغ ہیں یہی وہ موضوع ہے جو زیر نظر کتاب (سبیل الرسول) میں برصغیر پاک و ہند کے مشہور مؤلف جناب حضرت مولانا حکیم محمد صادق سیالکوٹی رحمہ اللہ کے زیر قلم آیا۔ یہ کتاب متذکرہ موضوع پر مولانا موصوف کے سنجیدہ اور عالمانہ انداز میں نہایت حسن و خوبی اور دلائل کے ساتھ ایک کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔ کتاب کی یہ خوبی خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ اس کے پڑھنے سے رسول اکرم کی صحبت اور اتباع کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سلیس عبارت، دلکش طرزِ تحریر اور موقع بہ موقع، موزوں اشعار سے مزین ہوتا ہے۔

الحمد للہ ہم اب مؤلف رحمہ اللہ کی اپنے ادارے کی جانب سے شائع شدہ کم و بیش تیس (۳۲) کتب کو از سر نو حوالہ جات میں احادیث کی تحقیق و تخریج اور تعلیق کے ساتھ جدید کمپیوٹرائزڈ کتابت کرا کے نعمانی کتب خانہ کے مخصوص طباعتی معیار کے ساتھ قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

اس اہم کتاب پر تحقیقی کام محترم جناب مولانا محمد داؤد ارشد حفظہ اللہ نے کیا ہے۔ جو کہ علوم قرآن، علوم حدیث سے بہرہ ور وسیع النظر وسیع المطالعہ نوجوان ہیں۔ جن کی کئی تحقیقی کتب بہترین فن نگارش کی احسن ترین مثال ہیں۔

چنانچہ انہوں نے اس کتاب کے آخر میں ضمیمہ کے طور پر ”سبیل الرسول“ پر تنقید کے حوالے سے جو مواد شائع ہو چکا تھا ان کی دلائل حق سے وضاحت کر کے اس کے بالمقابل مسائل صحیح کی وضاحت کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔

امید ہے کہ قارئین کرام ہماری اس کاوش کو سراہتے ہوئے اپنے مفید مشوروں سے نوازیں گے۔ اور اس کتاب میں کسی قسم کی لغزش پائیں تو اس کی نشاندہی فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تصحیح کر دی جائے۔

طالب دُعا

ضیاء الحق نعمانی

مَقَلَمَات

الحمد لله وحده و الصلاة والسلام على من لا نبی بعده

قارئین کرام! بلاشبہ قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ کی سنت مبارکہ ہی امت اسلامیہ کے لیے ہر خیر و برکت اور ہر رشد و ہدایت کا منبج اور سرچشمہ ہے۔

نبی کریم ﷺ نے اتحاد امت کے اسی ربانی منبج کے مطابق صحابہ کرام کی تربیت کی تھی۔ آپ ﷺ نے ہر موقع محل سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں صحیح اسلامی عقیدہ اور اتباع قرآن و سنت کی بنیادوں پر اخوت اسلامی کے قیام کا درس دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی جڑیں ان کے دلوں کی گہرائیوں تک اترتی چلی گئیں اور اس کے اثرات ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں پوری طرح نظر آنے لگے۔

ان کی زندگیوں میں دور دور تک کفر و شرک اور بدعت کا نام و نشان نہیں تھا۔ ان تمام نفوس قدسیہ کا ایک ہی عقیدہ، عقیدہ توحید خالص اور ایک ہی منبج، منبج قرآن و سنت تھا، وہ سبھی حصرات ایمان کے دیگر ارکان پر بغیر تاویل و تحریف یقین رکھتے تھے، یعنی اسی طرح جس طرح قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ کی سنت میں ثابت ہے ان سب نے مل کر اللہ کی مضبوط رسی قرآن کریم اور سنت نبویہ کو تھام رکھا تھا۔ اس بارے میں ان کے درمیان قطعی طور پر دورائے نہیں تھے اور نہ ان کے نزدیک اس سلسلہ میں کسی اختلاف رائے کی گنجائش تھی۔

صحابہ کرام اسی سچی اخوت کے زیر سایہ پروان چڑھے اور اسی صاف ستھرے عقیدہ و منبج کی بنیاد پر انہوں نے ایک ایسی قوی اور مضبوط امت کی بنیاد رکھی جس نے چٹان بن کر ہر باطل، ہر مکار دشمن اور ہر دھوکہ باز منافق کا مقابلہ کیا، دشمنان اسلام ان کی وحدت کی دیوار میں دراڑ ڈالنے کی کوشش کرتے رہے، لیکن ان کی ایک نہ چلی، انہوں نے قرآن و سنت کے خلاف شبہات پھیلانے کی بہت کوشش کی، لیکن ان کی سازشیں ناکام ہوتی رہیں، صحابہ کرام تابعین عظام اور تبع تابعین کے دور تک بہر حال مسلمانوں کے ذہنوں پر صحیح اسلام حکومت کرتا رہا، امت اسلامیہ صحیح اسلامی عقیدہ اور منبج قرآن و سنت سے جڑی رہی۔

لیکن مذکورہ بالا تین قرون اولیٰ کے بعد اسلام کے خلاف سازشیں گہری ہوتی گئیں، باطل فرقوں نے سر اٹھانا شروع کیا، گمراہ کن نظریات و مذاہب نے اسلام سے منافقانہ طور پر اپنا رشتہ جوڑنے والوں کے دلوں اور دماغوں

میں گھر کر لیا، اسلامی اخوت کے تار پود بکھرنے لگے، مرض نے جڑ پکڑ لیا، مرور زمانہ کے ساتھ مسلمانوں کی قوت کمزوری میں بدل گئی، ان کا شیرازہ بکھر گیا، اور مختلف مذہبوں اور ٹولیوں میں بٹ گئے، اور ہر فرقہ دوسرے کے ساتھ دست بہ گریباں ہونے لگا۔ امت اسلامیہ کے اس زوال کے اسباب کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اس زوال کا بنیادی سبب یہی تھا کہ مسلمان اس صحیح اسلامی عقیدہ اور راہِ عمل سے دور ہو گئے، جس کی بنیاد قرآن و سنت پر تھی اور جس کی تعلیم نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو دی تھی اور جس کے بارے میں آپ نے صحابہ کرام سے فرمایا تھا کہ ”میں تمہیں ایک ایسی شاہراہ پر چھوڑے جا رہا ہوں جس کی رات دن کے مانند روشن ہے، اس شاہراہ کو چھوڑ کر جو کوئی بھی کسی پگڈنڈی پر چلنے کی کوشش کرے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔“ چنانچہ امت اسلامیہ آہستہ آہستہ شاہراہ اسلام کو چھوڑ کر پگڈنڈیوں پر چلنے لگی، اور قرآن و سنت سے شعوری یا غیر شعوری طور پر دور ہوتی گئی، اور مختلف گروہوں اور جماعتوں میں تقسیم ہوتی گئی، پہلے باطل عقائد کی بنیاد پر تقسیم ہوئی، خوارج، شریعہ زنادقہ، معزل، جہمیہ، قدریہ، اشاعرہ، ماتریدیہ اور اسی طرح کی بہت ساری گمراہ جماعتیں پیدا ہوتی گئیں۔ اور ان سب فرقوں کے وجود کا سبب واحد قرآن و سنت سے دوری تھی۔ جس فرقہ نے جتنی دوری اختیار کی اتنی ہی شاہراہ اسلام سے دور ہوتا گیا۔

تیسری صدی کے اواخر میں امت فقہی مذاہب کی بنیاد پر مزید تقسیم ہونے لگی۔ کسی نے اپنے آپ کو خفی کہا، کسی نے مالکی، کسی نے شافعی اور کسی نے اپنے آپ کو حنبلی کہا، اور اس مبغوض تقسیم کا بنیادی سبب بھی یہی تھا کہ مسلمان اس اسلام سے دور ہوتے گئے، جس پر صحابہ کرام قائم رہے، اور جس پر چل کر انہوں نے رب العالمین سے اس کی رضا و خوشنودی کی شہادت حاصل کی، اس اسلام سے رشتہ جوڑنے لگے، جس کے لیے ”اتھارٹی“ امت کے غیر معصوم افراد کو بنالیا گیا۔ ائمہ کرام کو ”معصوم عن الخطأ“ قرار دینے کے لیے، اور ان کے فقہی مذاہب کو امت کے درمیان رواج دینے کے لیے جھوٹی حدیثیں گھڑی گئیں، اور پوری دیدہ دلیری کے ساتھ انہیں امت میں پھیلا دیا گیا: بعض فقہی مذاہب کے ماننے والوں نے دوسرے مذاہب کے امام کو شیطان اور ابلیس تک کہا، مسجدیں الگ الگ بنائی گئیں۔ ایک ہی مسجد میں الگ الگ چار مصلے بنائے گئے۔ ان تمام مبغوض و مکروہ کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان زندگی بھر انہی فقہی مذاہب کے گھروندوں میں بند رہے، ان سے نکل کر کھلے دل و دماغ کے ساتھ انہیں کبھی قرآن و سنت کی طرف جھانکنے کی توفیق ہی نہیں ہوئی، کبھی انہیں محض قرآن و سنت کی اتباع کرنے والے علماء و دعاۃ سے ملنے کا موقع نہیں دیا گیا۔ اور عہد نبوی سے جتنا زمانہ دور ہوتا گیا، اتنا ہی یہ فقہی منافرت بڑھتی گئی، بغض و عداوت کی دیوار موٹی سے موٹی ہوتی گئی۔

جادہ مستقیم سے امت اسلامیہ کا انحراف یہیں نہیں رک گیا، بلکہ انتہائی گہری سازش کے مطابق اسے ”تصوف“ کے نام سے بھی تقسیم کیا گیا، اور نبی کریم ﷺ کے سلوک و عبادت کے طریقہ سے ہٹ کر امت کو اللہ سے رشتہ جوڑنے کے دوسرے طریقے دیئے گئے، اور ان طریقوں کی صحت و صداقت کی یہ جھوٹی اور من گھڑت دلیل دی گئی

کہ ان پیروں اور صوفیوں کی مثال طبیعوں کی ہے جو اپنے قدیم تجربات کی بنیاد پر کچھ ایسی چیزیں بھی کھانے کی اجازت دیتے ہیں جن کا ذکر اصل طبی نسخہ میں نہیں ہوتا۔ اور بے چارے سیدھے مسلمان ان دام ہم رنگ زمین میں پھنس جاتے ہیں۔ انہیں یہ سوچنے کا موقع ہی نہیں دیا جاتا کہ کیا خاتم النبیین کے لائے ہوئے دین اور ان کے بتائے ہوئے طریقہ سلوک و عبادت میں کوئی کمی رہ گئی تھی جس کی تکمیل نام نہاد صوفیاء اور پیران طریقت کرتے ہیں۔

تصوف کے نام پر اسلام کو ظاہر و باطن میں تقسیم کیا گیا جس سے بڑھ کر اسلام کے حق میں خیانت نہیں ہو سکتی۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی تیس سالہ دعوتی زندگی میں ایک کلمہ کے ذریعہ بھی امت کو نہیں بتایا کہ اسلام کے ظاہر و باطن دو حصے ہیں۔ ظاہر وہ ہے جو قرآن و سنت میں موجود ہے اور باطن کی تعلیم کے اہل امت کے سبھی افراد نہیں ہیں اس لیے میں نے وہ باطنی تعلیم پوشیدہ طور پر کچھ صحابہ کو سکھا دیا ہے جن کے ذریعہ اس باطنی اسلام کی تعلیم میری امت میں جاری رہے گی۔

میں اپنے پورے ایمان و ايقان کے ساتھ کہتا ہوں کہ نبی کریم ﷺ پر شاید اس سے بڑا بہتان نہیں لگایا گیا ہو گا۔ نبی کریم ﷺ نے تو وفات سے پہلے امت کو یہ کہا کہ ”میں تمہارے درمیان صرف دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم انہیں مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔“ معلوم ہوا کہ ظاہر و باطن کی تقسیم دشمنان اسلام نے کی تاکہ اسلام کی بیخ کنی کی جائے اور امت تقسیم در تقسیم ہوتی چلی جائے۔ چنانچہ سب کو معلوم ہے کہ ہر چیز طریقت کی الگ راہ ہوتی ہے جو اس کے نام سے یا اس کے شہر اور ملک کے نام سے موسوم ہوتی ہے۔ چشتیہ قادریہ نقشبندیہ سہروردیہ نظامیہ تجانیہ اور نہ جانے کیسے کیسے اور کتنے عجیب و غریب ناموں کے ذریعہ امت کو تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ہر ایک کے سلوک و عبادت کا طریقہ الگ الگ ہے جو طریقہ نبوی سے بالکل ہٹ کر ہے اور ان مذاہب کے ماننے والوں کے نزدیک ان کی صداقت کی یہ دلیل کافی سمجھی جاتی ہے کہ ہر طریقت نے انہیں ایسا ہی سکھایا ہے انہیں قرآن و سنت سے کوئی مطلب نہیں۔

بے سجادہ رنگین کن اگر پیر مغال گوید

کہ سالک بے خبر نہ بود زراہ و رسم منزلہا

”اگر پیر مغال کہتا ہے کہ مصلیٰ پر شراب انڈیل دو تو ایسا کر گزر دو اور دلیل نہ مانگو کیونکہ ہر طریقت منزلوں کے راہ و رسم سے بے خبر نہیں ہوتا۔“

ان صوفیاء میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو کہتا ہے کہ ولی کا مقام نبی سے ارفع و اعلیٰ ہوتا ہے اس لیے کہ نبی کو ج کچھ ملا جبریل کی وساطت سے ملا اور ولی کا تعلق اللہ سے بلا واسطہ ہوتا ہے اسے دربار الہی سے احکام بالواسطہ جبریل ملتے رہتے ہیں اور یہ کہ یہ سلسلہ کبھی بند نہیں ہوا اور نہ بند ہوگا۔ اسلام کے خلاف یہ خطرناک سازش اس لیے کی گئی تاکہ امت کو قرآن و سنت والے اسلام سے بالکل ہی دور کر دیا جائے چنانچہ اس گروہ باطل پرست نے امت سے

درمیان اس فکر کو رواج دیا کہ جو شخص اس طریقہ تصوف پر چلے گا چلتا چلتا ایسے مرحلہ میں داخل ہو جائے گا جہاں پہنچنے کے بعد وہ نماز اور دیگر احکام شریعت سے آزاد ہو جائے گا!!

اسلام کے خلاف تصوف کے نام سے اس گہری سازش نے حقائق کو بدل ڈالا انہوں نے زہر ہلاہل کو خالص شہد کا نام دے دیا اور امت مسلمہ کے درمیان اس گمراہی کو خوب عام کیا کہ قرآن و سنت میں تو صرف ظاہری دین ہے باطنی اسلام اور دین کا مغز تو مشائخ طریقت کے پاس ہے اور ان کے ان اور دو وظائف سے اور قبروں کے پاس مراقبہ کرنے سے حاصل ہوتا ہے جن کی تعلیم وہ اپنے مریدوں کو دیتے ہیں اور جن میں اللہ کے بجائے ان مردوں کا تصور کرتے ہیں جو ان قبروں میں مدفون ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ان قبروں کے پاس مراقبہ کر کے ان مدفون مردوں سے کسب فیض کرتے ہیں۔ کیا اسلام کی طرف اپنی نسبت کرنے والے ان لوگوں کے پاس قرآن و سنت سے اس کی کوئی دلیل موجود ہے؟ کیا صحابہ کرام نے نبی کریم ﷺ کی قبر کے پاس ایسا کیا؟ کیا نبی کریم ﷺ کی کوئی ایسی حدیث موجود ہے کہ میرے مرنے کے بعد میری قبر کے پاس بیٹھ کر مجھ سے کسب فیض کرنا؟

اُن کے اس خود ساختہ اسلام نے امت اسلامیہ کو شرک و بدعت کی وادیوں میں بھٹکتا چھوڑ دیا ہے۔ قرآن و سنت سے ان کا رشتہ کاٹ دیا ہے۔ ان سے تو حید خالص جیسی نعمت عظمیٰ چھین لی ہے اور پھر بھی اپنے آپ کو بڑے موحد بڑے پارسا اور بڑے متقی و صالح سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ زہد و پارسائی کی پرفریب چادر اوڑھ کر امت کو گمراہ کر رہے ہیں اور قرآن و سنت کی دعوت دینے والوں کے بارے میں سیدھے سادھے مسلمانوں کے درمیان پھیلاتے ہیں کہ ان کے پاس تو صرف چھلکارہ گیا ہے یہ بے عمل ہیں یہ گستاخ ہیں یہ صوفیائے کرام کا احترام نہیں کرتے اور نہ جانے کیسی کیسی غلط باتیں علمائے سلف کے بارے میں کرتے ہیں۔ میں نے تاریخ کی کتابوں میں پڑھا ہے کہ جب دہلی میں انیسویں صدی کے اوائل اور نصف میں شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین بہاری دہلوی رحمہ اللہ کی مجلس علم کا شہرہ ہند و بیرون ہند عام تھا۔ تشنگانِ علم قرآن و سنت دور دور سے آ کر ان سے استفادہ کر رہے تھے ہر طرف انہی کی علمی مجلسوں کا چرچا تھا تو ایک صوفی روزگار نے ایک خواب گھڑ کر لوگوں میں عام کیا کہ میں نے بھی ارادہ کیا کہ دہلی جا کر میاں نذیر حسین سے حدیث پڑھوں تو خواب میں رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے کہا کہ وہاں تمہیں کیا ملے گا؟ وہاں تو صرف چھاچھ بنتی ہے یعنی مغز و حقیقت کا فقدان ہے۔ چنانچہ میں نے وہاں جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس جھوٹے خواب کی نشر و اشاعت کا مقصد حدیث نبوی کو صوفیاء کے اصول کے مطابق علم ظاہر چھاچھ چھلکار اور بے مغز بتانا تھا تاکہ حدیث نبوی کی تعلیم حاصل کرنے والوں کے سلی رواں کے سامنے بند باندھا جائے۔

قرآن و سنت کے جادہ مستقیم سے انحراف کرنے والوں نے اُن احادیث کو رد کرنے کے لیے جو ان کے فقہی مذہب کی تائید نہیں کرتی تھیں صحابہ کرام کو فقیہ اور غیر فقیہ دو جماعتوں میں بانٹا۔ محدثین کرام کے بارے میں کہا کہ ان کی حیثیت صیادلہ کی ہے جو دو انیس تو بیچتے ہیں لیکن ان دواؤں کے اثرات و حقائق سے نا آشنا ہوتے ہیں۔ حقائق

شہاسی کا کام فقہاء کرتے ہیں۔ حالانکہ انہیں معلوم نہیں کہ اکثر و بیشتر وہ لوگ جو اپنی نسبت فقہ اسلامی کی طرف کرتے ہیں ان کی مثال اس آدمی کی ہوتی ہے جو رات میں جنگل سے لکڑیاں جمع کرتا ہے اور لکڑی کے ساتھ سانپ اور بچھو بھی باندھ کر اپنے گھر لے آتا ہے!! انہیں صحیح و ضعیف احادیث کا پتہ ہی نہیں ہوتا۔ بسا اوقات یہ لوگ جھوٹی حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں اور مسائل در مسائل نکالتے جاتے ہیں اور ہندی کی چندی اڑاتے جاتے ہیں اور انہیں پتہ ہی نہیں ہوتا ہے کہ یہ اللہ کے رسول کی حدیثیں نہیں، یہ تو سانپ اور بچھو ہیں جنہیں رات میں لکڑیاں جمع کرنے والا لکڑیوں کے ساتھ باندھ کر اپنے گھر لے آیا ہے۔

مسلمانان برصغیر کو اس وقت ایسے علماء اور زعماء مخلصین کی ضرورت ہے جو جزوی اختلافات سے بالاتر ہو کر مسلمانان برصغیر کو اس وقت کی بنیاد پر جمع کریں، اس کے لیے ہر قسم کی قربانی دیں ہر اذیت برداشت کرنے کے لیے تیار رہیں۔

اور مسلمانوں میں ایسی کتابوں کو پھیلائیں جو انہی تمام عصبیتوں سے بالاتر ہو کر محض قرآن و سنت کی بنیاد پر متحد و متفق ہونے کی دعوت دیں اور پوری صراحت کے ساتھ اعلان کریں کہ اسلام صرف قرآن و سنت کا نام ہے، یہی ہمارا اصل سرمایہ ہے، امت اسلامیہ صرف انہی دونوں بنیادوں پر متحد ہو سکتی ہے۔

دورِ حاضر میں تو حید خالص اور قرآن و سنت پر عمل کی دعوت دینے والے جو علمائے کرام سرخیل مانے جاتے ہیں، ان میں مولانا محمد صادق سیالکوٹی رحمہ اللہ ایک ممتاز حیثیت رکھتے ہیں، بلکہ اس جماعت حقہ کے ہراول دستہ کے ایک فرد خاص ہیں۔ اس سلسلہ میں آپ کی تصنیفات کی تعداد تیس سے زیادہ ہے، جن میں آپ نے اتباع قرآن و سنت کی دعوت کو نہایت مؤثر انداز میں پیش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو قبول فرمائے، انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

”سبیل الرسول“ مؤلف رحمہ اللہ کی اہم کتب میں سے ہے جس کی اشاعت کے سلسلہ میں جناب ضیاء الحق نعمانی (مدیر نعمانی کتب خانہ لاہور پاکستان) کی کوششوں کو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، ہم سب کی نجات کا ذریعہ بنائے اور اس ایڈیشن کو قبول عام عطا کرے۔ (آمین)

ڈاکٹر محمد لقمان السلفی

تبصرے

اخبار ”الہمدیث“ دہلی

مولانا حکیم محمد صادق صاحب ان علماء میں سے ایک ہیں جو ہمیشہ مسلک عمل بالحدیث کی تبلیغ و اشاعت عملی طور پر کرتے رہے ہیں۔ مولانا نے اس وقت تک جس قدر کتابیں لکھی ہیں وہ سب قابل قدر ہیں، مگر ”سبیل رسول ﷺ“ میں مولانا نے جو کچھ اشاعت توحید و سنت پر لکھا ہے وہ انہیں کا حق ہے۔ شرک و بدعتِ مروجہ کی تردید جس پیرایہ میں کی ہے وہ بہت خوب ہے۔ تقلید اور بدعات کا رد ایسے پیرائے میں کیا گیا ہے کہ پڑھنے والے کے ذہن نشین ہوتا چلا جاتا ہے اور گراں نہیں گزرتا۔ کتاب اس قابل ہے کہ ہر لائبریری میں پہنچائی جائے!

”الہمدیث“ دہلی/ یکم فروری ۱۹۵۶ء

اخبار ”الہمدیث“ سوہدرہ

قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي کی جامع تفسیر، سنت رسول ﷺ کا مکمل نقشہ، مسائل صحیحہ کا خوب ترین گلدستہ، تبیینِ سنت کیلئے بہترین تحفہ۔ حکیم محمد صادق صاحب یا لکھنؤ کی محنت کا آخری ثمرہ..... سبیل الرسول ﷺ ہے۔

”الہمدیث“ سوہدرہ/ یکم فروری ۱۹۵۶ء

سہ روزہ ”منہاج“ لاہور

”سبیل الرسول ﷺ“ اپنے مباحث میں ایک دلچسپ اور جامع کتاب ہے۔ اس میں ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام کو سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے لئے رسول اللہ ﷺ کا دامن پکڑنا انتہائی ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے

رستہ کے سوا اور کوئی رستہ ایسا نہیں جو مسلمان کو صاف ستھرے اسلام کی طرف لے جاسکے۔ رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس کی اتباع و فرمانبرداری اسلام میں اصل شے ہے۔ جو شخص براہ راست حضور ﷺ کے ارشادات و فرامین کا تتبع نہیں کرتا ہے اور کچھ درمیانی راستوں کا متلاشی ہے وہ اسلام اور اس کی تعلیمات کو سمجھنے میں کامیاب نہیں ہوا۔ قرآن حکیم کو سمجھنے کے لئے بھی رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و اتباع اساسی اور بنیادی شے ہے اگر مسلمان کے ہاتھ میں سنت رسول اللہ ﷺ کی شمع ہوگی تو اس کے راستے کے تمام اندھیرے اجالوں میں تبدیل ہو جائیں گے اور وہ کامیابی سے اپنی منزل مقصود تک پہنچ جائے گا، لیکن اگر بد قسمتی سے اس نعمت سے محروم ہے تو اس کی کامیابی کی صورت کوئی نہیں ہے۔

اس کتاب میں وہ تمام مسائل بہت اچھے انداز میں آگئے ہیں جو سنت کے عین مطابق ہیں۔ کتاب کی یہ بحث بڑی عمدہ ہے۔ کہ الہدایت فرقہ نہیں بلکہ اصل دین یہی ہے۔ یعنی ایک شخص جب یہ کہتا ہے کہ میں الہدایت ہوں تو وہ اپنے آپ کو کسی فرقہ کی طرف منسوب نہیں کرتا بلکہ وہ یہ بتاتا ہے کہ وہ ایسا مسلمان ہے جو تمام حد بندیوں اور فرقہ بندیوں سے بالا ہے اور اس کی وابستگی صرف احکام اسلام سے ہے۔

”سبیل رسول ﷺ“ کے مطالعہ سے ذہن و دماغ کی بہت سی گریں خود بخود کھل جاتی ہیں۔

”منہاج“ لاہور/ ۲۸ فروری ۱۹۵۹ء

”نوائے ملت“ مردان

حضرت مولانا محمد صادق صاحب سیالکوٹی نے حال ہی میں ”سبیل الرسول ﷺ“ کے نام سے ایک قابل قدر علمی کتاب شائع کی ہے۔ جس میں قرآن و حدیث کے استدلال سے ثابت کیا گیا ہے کہ دین اسلام پر چلنے کے لئے سرور کائنات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے راستے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ صرف احادیث نبوی ﷺ کی مشعل اور سنن ہدیٰ کے چراغ ہی قرآن مجید کی راہ عمل کے اجالے ہیں۔

اس کتاب میں یہ موضوع نہایت حسن و خوبی اور دلائل کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن پاک کی تشریح و تبیین کے لئے احادیث نبوی ﷺ ایک کلیدی حیثیت رکھتی ہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے حکم کے مطابق..... قرآن شریف لوگوں کو سنایا، اور ہر حکم پر عمل کر کے دکھایا اور اپنے عمل سے راستہ متعین فرمایا۔ اگر حضور ﷺ ہمیں قرآن پر عمل کر کے نہ دکھاتے اور اللہ کے احکام پر چلنے کی راہ نہ دکھاتے تو ہم راہ پر نہ آتے نہیک اصل ہدایت قرآن ہی ہے لیکن اس ہدایت پر عمل کرنے کا طریقہ بھی تو چاہئے۔ وہ طریقہ ہمیں صرف رسول اللہ ﷺ ہی سے مل سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب متذکرہ موضوع پر ایک جامع مدلل اور دلنشین پیرائے میں لکھی گئی ہے اور نہایت مفید ہے۔ کتاب کی ہمہ گیری اس سے ظاہر ہے کہ اس میں دو سو چھپیس عنوانات پر بحث کی گئی ہے اور ہر عنوان مطلب خیر اور

جاذب توجہ ہے۔

”نوائے ملت“ مردان/ یکم جنوری ۱۹۵۶ء

روزنامہ ”احسان“ لاہور

دینیات کی یہ کتاب تقریباً ۳۵۰ صفحات پر مشتمل ہے جس میں قرآن مجید اور احادیث کے استدلال سے ثابت کیا گیا ہے کہ دین اسلام پر چلنے کے لئے حضرت رسول اللہ ﷺ کے راستے کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔ صرف احادیث خیر الوزی کے دیپ اور سنن ہدی کے چراغ ہی قرآن کی راہ عمل کے اُجالے ہیں۔ جس کو پڑھتے وقت قاری کا ذہن نہیں تھکتا۔ مولانا محمد صادق صاحب کا انداز سنجیدہ اور عالمانہ ہے۔ انہوں نے بعض نظریات کے متعلق مشہور مصنفین سے بھی استفادہ کیا ہے۔

”احسان“ لاہور/ یکم جنوری ۱۹۵۵ء

”نوائے وقت“ لاہور

حکیم صاحب کی تعارف کے محتاج نہیں۔ آپ ”صلوٰۃ الرسول ﷺ“ اور اسی نوع کی متعدد دینی و تبلیغی کتب کے مصنف ہیں۔ زیر نظر کتاب دراصل اقبال رحمہ اللہ کے شعر۔

بہ مصطفیٰ بہ رساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او ز سیدی تمام بولہی است!

کی تفسیر ہے۔ رسول اللہ ﷺ ساری دُنیا کے لئے ایک نمونہ انسانیت بن کر تشریف لائے تھے۔ ایک رسول ﷺ ایک آقا، ایک باپ۔ ایک دوست، ایک بھائی، ایک جزل..... غرض آپ نے ہر حیثیت سے ایک مثالی زندگی گزاری۔ آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ کی روشنی آج بھی گمراہ انسانیت کو منزل مقصود تک پہنچا سکتی ہے۔ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے بارے میں مسلمانوں کو سرور کائنات کی زندگی سے قابل تقلید مثال نہ ملتی ہو اور کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس کا حل آپ ﷺ نے پیش نہ کیا ہو۔

مصنف کے الفاظ میں رسول اللہ ﷺ کا قول، فعل، سنت، حدیث، سیرت، اسوہ اخلاق اور کردار ہی سبیل الرسول ﷺ ہے۔ جو کچھ آپ ﷺ نے فرمایا اور زندگی بھر کر کے دکھایا..... یہی حضور ﷺ کی راہ ہے۔ سنت کی شمعیں، حدیث کے چراغ، سیرت کی قدیلیں..... اسوہ حسنہ کے فانوس، اخلاق اور کردار کے اُجالے، بہشت بریں کی راہ کو روشن کر رہے ہیں۔ فاضل مصنف نے احادیث وغیرہ نقل کر کے فقہ کے بعض مسائل اور ائمہ کے بعض ارشادات کا ان سے تضاد اور اختلاف بھی دکھایا ہے۔

”نوائے وقت“ لاہور/ ۲۰ ستمبر ۱۹۵۵ء

”ترجمان“ دہلی

مولانا محمد صادق صاحب سیالکوٹی کی یہ دوسری تصنیف ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ انسانی ہدایت کے لئے کامل و مکمل نمونہ رسول ﷺ کی ذات ہی میں ہے۔ غلط راستوں کی نشاندہی بھی کر دی گئی ہے۔ اسوۂ رسول ﷺ سے ہٹ کر ملت صد پارہ کے خطرناک نتائج بھی بتا دیئے گئے ہیں۔ بدعات پر جگہ جگہ ضرب لگائی گئی ہے۔ تقلید پر سیر حاصل بحث کے بعد مسلک اہلحدیث کا تسلسل بتایا گیا ہے۔ یہ بحث بڑی دلچسپ ہے کہ اہلحدیث کوئی فرقہ نہیں بلکہ ”جماعت“ ہے۔ جس کیلئے بشارت آنحضور ﷺ کے کلام سے ملی ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت حق کا بیان بھی موجود ہے۔

”ترجمان“ دہلی/ جون ۱۹۵۶ء

تنظیم اہلحدیث، لاہور

مولانا محمد صادق صاحب سیالکوٹی اہل علم حلقوں میں عموماً اور اہل قلم حلقوں میں خصوصاً اور جماعت اہلحدیث میں بالخصوص متعارف شخصیت ہیں۔ بدعت اور الحاد کے اس دور میں جس انداز سے وہ تصنیفی خدمات سرانجام دے رہے ہیں اور جو عنوانات انہوں نے اپنی تحریری مساعی کے لئے تجویز کئے ہیں۔ اور جس جدوجہد سے انہیں پایہ تکمیل تک پہنچا رہے ہیں اس گئے گزرے زمانے میں اس کی حیثیت جہاد بالقلم سے کم نہیں۔ آج کا دور ہوش ربا گرانی کا دور ہے اور آج تصنیف و تالیف کا کام کرنے کے لئے جس قدر اسباب و وسائل کی ضرورت ہے اس سے ہر صاحب علم آگاہ ہے۔ لیکن حیرانی ہے کہ برادر مکرم مولانا محمد صادق صاحب سیالکوٹی تنہا یکے بعد دیگرے چند سال میں ایک درجن سے زیادہ علمی اور ضخیم کتابیں نہایت عمدگی سے پبلک میں لے آئے ہیں۔ سچ ہے۔

ہر کسے راہبر کارے ساختہ

اللہ تعالیٰ جب کسی سے کوئی کام لینا چاہتا ہے تو اس کے لئے راہ کی مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔

آج دنیا مذہب سے بہت دور جا چکی ہے اور تعلیم یافتہ طبقہ کے مطالعہ کے محبوب ترین موضوع افسانہ ڈرامہ تاریخ اور جاسوسی ناول کے علاوہ نفسیات اور جنسیات رہ گئے ہیں۔ اس غربت اسلام کے دور میں توحید و سنت اور ارکان اسلام اور اسلامی اخلاق جیسے خشک اور غیر مانوس لیکن بنیادی مسائل کو موضوع تصنیف بنانا اسی شخص کا کام ہے جسے توفیق ایزدی نے اپنے دین کی خدمت کے لئے چن لیا ہو۔

”تنظیم اہلحدیث“ کے کسی گذشتہ شمارے میں موصوف کی تین کتب کا تعارف کرایا جا چکا ہے۔ ”سبیل رسول

”تنظیم الہدیت“ لاہور/۲۳ اکتوبر ۱۹۵۹ء

”صحیفہ الہدیت“ کراچی

اس کتاب میں راہِ رسول ﷺ بتانے کے سلسلہ میں توحید کا اثبات کر کے شرک اور بدعت کی دھجیاں اڑا کر رکھ دی گئی ہیں۔ کلمہ طیبہ کا مفہوم نہایت احسن پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی دعوتِ اطاعت

اتباع اور استجاب پر دلائل کی رُو سے از حد زور دیا گیا ہے۔ ”حضرت محمد ﷺ کے وزن“ کے زیر عنوان رسول پاک ﷺ کا مقام اور مرتبہ بیان کر کے اُمت کو ”بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست“ کی تاکید کی گئی ہے اور تمام اُمت کی نجات کا دار و مدار ”بہ مصطفیٰ برساں“ بتایا گیا ہے۔ اور آیات و احادیث کی روشنی میں ﴿مَعَا أَنَا عَلَيْهِ وَ أَصْحَابِي﴾ کی شاہراہ بہشت کو ایسا واضح کیا ہے کہ فرقوں کی خود ساختہ راہیں جدا نظر آ رہی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی دعوت الی اللہ..... شاہراہ بہشت کی نشان دہی..... ناجی جماعت..... دعوت رسول ﷺ سے زندگی..... حضرت موسیٰ علیہ السلام اتباع رسول ﷺ کرتے..... بدعات سے بچنے کی وصیت..... شیطان کی پیشوائی، رحمت عالم ﷺ کا وزن، رسالت کا کام امتیوں سے لینا، اسلام کی حد بندی..... اسلام میں فرقہ بندی، نیزہی راہیں، کلمہ سوچ کر پڑھیں..... بعض مسلمانوں کے شرکیہ عقیدے..... تین بہتر زمانے..... صحابہ اہلسنت والجمہیث تھے تقلید کا دور۔ تقلید جامد کے کارنامے ملت واحدہ الہمدیث..... قیامت تک حق پر رہنے والی جماعت..... شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا نعرہ حق..... دین کے حصے بخرے..... بادہ پیماؤں کے سلیقے وغیرہ..... کتاب کی اہمیت کو اجاگر کر رہے ہیں۔ تمام کتاب کے اندر ایسے ہی تقریباً ۲۳۶ بصیرت افروز عنوان ہیں۔ جن کے تحت بیش بہا معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ کتاب اس لائق ہے کہ ہر اہل سنت، اہل حدیث کے گھر میں موجود ہو اور سب مسلمان اسے پڑھیں۔

کتاب کی یہ خوبی خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ اس کے پڑھنے سے رسول اکرم ﷺ کی محبت اور آپ ﷺ کی اتباع کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ عبارت سلیس، عام فہم اور آسان ہے۔ حقیقت میں یہ کتاب جواہرات سے تولنے کے لائق ہے۔

”صحیفہ الہمدیث“ کراچی/۳ دسمبر ۱۹۵۹ء

مطابق یکم جمادی الثانی ۱۳۷۹ھ



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

خطبہ رحمت للعالمین ﷺ

الْحَمْدُ لِلَّهِ ^(۱) نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَتُؤْمِنُ بِهِ وَتَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يَضِلَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ. وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ ^(۲) أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ وَخَيْرُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحَدَّثَاتُهَا وَكُلُّ مُحَدَّثَةٍ بِذَعَةٍ وَكُلُّ بِذَعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ

”سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں (اس لئے) ہم اس کی تعریفیں کرتے ہیں اور (اپنے ہر کام میں) اسی سے مدد مانگتے ہیں۔ ہم اس (رب العالمین) سے اپنے گناہوں کی بخشش چاہتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہیں اور اسی (پاک ذات) پر ہمارا بھروسہ ہے۔ ہم اپنے نفس کی شرارتوں سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں اور اپنے اعمال کی برائیوں سے (بھی) اس کی پناہ میں آتے ہیں۔ (یقین مانو) کہ جسے اللہ راہ دکھائے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ (خود ہی) اپنے در سے دھکاردے اس کے لئے کوئی راہبر نہیں ہو سکتا اور ہم (تہ دل سے) گواہی دیتے ہیں کہ معبود برحق (صرف) اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور (اسی طرح تہ دل سے) ہم اس بات کی بھی گواہی دیتے ہیں کہ محمد ﷺ

(۱) مسند احمد ۳۹۲/۲ و ترمذی کتاب النکاح (۹) باب ماجاء فی خطبة النکاح (۱۶) الحدیث ۱۱۰۵ و ابوداؤد کتاب النکاح (۱۲) باب فی خطبة النکاح (۳۳) الحدیث (۲۱۱۸) و نسائی کتاب النکاح (۲۶) باب ما يستحب من الکلام عند النکاح (۳۹) الحدیث (۳۲۹) عن ابن مسعود رضی اللہ عنہما ترمذی اور البانی نے صحیح کہا ہے۔ (صحیح ترمذی ۸۸۲) لیکن اس میں محمدؐ کا لفظ نہیں اسے مسلم کتاب الجمعة (۷) باب تخفيف الصلاة والخطبة (۱۷۸) الحدیث ۲۰۰۸ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے۔

(۲) مسلم کتاب الجمعة (۷) باب تخفيف الصلاة والخطبة (۱۷۸) الحدیث ۲۰۰۵ عن جابر بن عبد الله رضی اللہ عنہ

اس کے خاص بندے اور (آخری) رسول ﷺ ہیں۔“

حمد و صلوة کے بعد (یقیناً) تمام باتوں سے بہتر بات اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور تمام راستوں سے بہتر راستہ محمد مصطفیٰ ﷺ کا ہے اور تمام کاموں میں بدترین کام وہ ہیں جو اللہ کے دین میں اپنی طرف سے نکالے جائیں۔ (یاد رکھو) دین میں جو کام نیا نکالا جائے وہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں لے جانے والی ہے۔



پیش کلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی قدرت سے پیدا کیا اسے بہشت میں جگہ دی اور فرمایا:

﴿يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ﴾ (پ ۱ : ۴ع)

”اے آدم علیہ السلام! اُٹھ اور تمہاری بیوی بہشت میں بسو اور اس میں جہاں کہیں سے تمہارا دل چاہے با فراغت کھاؤ مگر اس درخت کے پاس نہ جانا۔ (اگر گئے) تو ظالموں سے ہو جاؤ گے۔“

یہ آیت بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں میاں بیوی کو ارشاد فرمایا ہے کہ وہ بہشت میں رہ کر خوب کھائیں پئیں مزے سے زندگی گزاریں لیکن ایک درخت سے بچیں۔ اس کے قریب نہ جائیں ہرگز ہرگز اس کا پھل نہ کھائیں۔

حضرت آدم علیہ السلام سے بھول ہو گئی۔ انہوں اس درخت کا پھل کچھ لیا۔ جیسا کہ اللہ نے ارشاد فرمایا:

﴿فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُورِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوَاتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَنْ تَكُونَا مَلَكَتَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ فَلَذَلَّهُمَا بِغُرُورٍ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوَاتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفْنَ عَلَيْهِمَا مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ وَنَادَاهُمَا رَبُّهُمَا أَلَمْ أَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكَمَا الشَّجَرَةِ وَأَقُلْتُ لَكُمَا إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُبِينٌ﴾ (پ ۸ : ۹ع)

”پھر شیطان نے دونوں (میاں بیوی) کو بہکایا تا کہ ظاہر کر دے واسطے ان کے جو کچھ کہ چھپایا گیا تھا ان سے ان کی شرمگاہوں سے اور کہنے لگا: تمہارے پروردگار نے جو تمہیں اس درخت (کے پھل) سے منع کیا تھا تو اس کا سبب یہ ہے کہ کہیں (ایسا نہ ہو) تم دونوں فرشتے بن جاؤ یا دونوں ہمیشہ زندہ رہو اور ان کے

آگے قسم کھائی کہ میں بلاشبہ تمہارا خیر خواہ ہوں۔ پھر دھوکے فریب سے ان کو مائل کر لیا تو جو نبی انہوں نے درخت (کے پھل) کو چکھا تو ان کی شرمگاہیں ان کے لئے ظاہر ہو گئیں اور پھر بہشت کے پتے اپنے اوپر چکانے لگے اور ان کے پروردگار نے ان کو پکارا کہ کیا منع نہ کیا تھا میں نے تم کو اس درخت سے اور نہ کہا تھا میں نے تم کو کہ شیطان تمہارا صریح دشمن ہے۔“

جب ہمارے جد اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام نے شیطان کے جھانسنے میں آ کر شجر ممنوعہ کو کھالیا۔ بقول قرآن:

﴿عَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ﴾ (پ ۱۶ : ع ۱۶)

”آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی۔“^(۱)

تو پھر اللہ نے فرمایا:

قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبَعَ هَٰذَا فَلَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

يَحْزَنُونَ ﴿پ ۱ : ع ۴﴾

”پھر ہم نے کہا کہ تم (آدم علیہ السلام، حوا علیہا السلام اور اولاد جو تمہاری پشت میں ہے سب (کے سب) یہاں (بہشت) سے اتر جاؤ۔“^(۲)

(۱) اللہ کی ذات پر قربان جائیں۔ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو توبہ کی توفیق بھی دے دی اور خود ہی استغفار کے کلمات سکھا کر معاف کر دیا:

﴿فَتَلَقَّىٰ آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ﴾

”پس سکھ لیں آدم نے اپنے پروردگار سے کچھ باتیں“

﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾

”بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔“

(۲) حضرت آدم علیہ السلام سے خطا ہوئی اور ان کو بہشت سے نکلنا پڑا۔ اس عبرت ناک واقعہ سے متاثر ہو کر حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت روتے ہوئے یہ اشعار پڑھے۔

جعلت رجائی نحو عفوک . سلما

ولما قسى قلبى وضافت مذهبى

”اور جب میرا دل سخت ہوا اور میرے راستے تنگ ہوئے تو میں نے اپنی امید کو تری عفو کی طرف یزیدگی بنایا۔“

بعفوک ربى کان عفوک اعظما

تعاضمنى ذنبى فلما قرنته

”میرا گناہ مجھ کو بہت بڑا معلوم ہوتا ہے مگر میں نے جب اس کا ترے عفو کے ساتھ اندازہ کیا تو تیرے عفو کو بھاری پایا۔“

تجود و تعفو منه و تکرما

فماذلت ذاعفو عن الذنب لم تزل

”تو ہمیشہ گناہوں سے درگزر کرینو! بخشش اور مہربانی اور احسان کرینو! لا ہے۔“

” (اور یاد رکھو کہ) جو ہماری طرف سے تم لوگوں کے پاس ہدایت آئے گی (اس پر چلنا۔ کیونکہ) جو ہماری ہدایت کی پیروی کریں گے۔ ان پر (آخرت میں) نہ تو (کسی قسم کا) خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“

آپ سمجھ گئے کہ ہمارے باپ حضرت آدم علیہ السلام ایک غلطی کے سبب اپنے اصلی وطن..... گھر (بہشت) سے نکالے گئے۔ گویا وہ مسافر بن کر دنیا میں آ گئے۔ اور ہم بھی جو ان کی پشت میں ساتھ ہی جلا وطن ہو گئے۔ اب ہماری دنیا کی زندگی جلا وطنی کی زندگی ہے۔ ہمارا اصل وطن آخرت ہے وہی بہشت ہے جہاں سے نکالے گئے ہیں۔ ہم نے دنیا کے قید خانے سے نکل کر پھر اپنے ”وطن“ کو جانا ہے۔ خوب سمجھ لیں کہ ہم مسافر ہیں۔ اس سفر کو ختم کر کے گھر جانا ہے۔

چونکہ ہم مسافر ہیں اور راہی ہیں اس لئے ہمارے لئے نہایت ضروری ہے کہ اپنے سفر میں بڑی احتیاط اور غورو فکر سے اس راہ کو اختیار کریں۔ اس راستے پر چلیں جو ہماری منزل مقصود تک پہنچانے والا ہو لیکن اس راستے کو ہم از خود متعین نہیں کر سکتے اور نہ ہی ہمیں اس کی تعیین اور تجویز کا علم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہم پر بڑا احسان کیا کہ اس دنیا میں اپنے پاس سے ہدایت بھیجی تاکہ ہم اس کی ہدایت کے مطابق زندگی بسر کریں اور پھر سے اپنے گھر جا سکیں۔ ذات برحق نے ارشاد فرمایا: (۱)

فلو لاک لم یسلم من ابلیس عابد
و کیف و قد اغوی صعیک ادا
”اگر تیرا افضل نہ ہو تو شیطان سے کوئی عابد بھی نہ بچ سکے کیونکہ جب اس نے تیرے برگزیدہ آدم علیہ السلام کو بہکا دیا تھا تو پھر اور کسی کا کیا کہنا ہے۔“ (ترجمہ اکمال فی اسماء الرجال ۱۷۴)

علامہ شوکانی رحمہ اللہ از راہ عبرت نفس فرماتے ہیں:

عصی ابو العالم وهو الذمى	من طینه صورہ اللہ
واسجد الاملاک من اجله	وصیر الجنة ماواه
اغواه ابلیس فمن ذا انا	المسکین ان ابلیس اغواه

”جہاں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ کا حکم ٹال دیا اور وہ وہ جس جن کا اللہ نے مٹی سے نقشہ کھینچا اور فرشتوں سے ان کو سجدہ کرایا اور بہشت کو ان کا ٹھکانا بنایا۔ انھیں ابلیس نے بہکا دیا تو پھر مجھ کا جی کیا حقیقت ہے اگر ابلیس نے مجھ کو بہکا دیا۔“ (ترجمہ القرآن بہ لطائف البیان پ ۱۶ ص ۵۲۳)

(۱) حضور انور ﷺ نے فرمایا ہے: الدنیا صیغۃ المؤمن (مسلم کتاب الامارۃ ۳۳) باب النهی عن طلب الامارۃ والحرص علیہا (۵۶) الحدیث (۴۷۱۷) عن ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ ”دنیا مومن کا قید خانہ ہے۔“ (مشکوٰۃ) مطلب یہ کہ تا فرمائی کے سبب اللہ نے ہمیں ہمارے گھر سے نکال کر دنیا کے قید خانے میں بھیج دیا۔ اس قید خانہ میں جو اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کریں گے۔ اب اللہ کی تا فرمائی نہیں کریں گے۔ ”شجر ممنوعہ“ (اللہ کی تا فرمائیاں) کو کھرنہ چھکیں گے تو مرنے کے بعد اس قید خانے سے چھوٹ کر اپنے وطن پہنچ جائیں گے۔ گھر آ جائیں گے۔ اپنے باپ کی چھٹی ہوئی وراثت پائیں گے اور پھر ہمیشہ ہمیشہ اس جہنم کی زندگی بسر کریں گے۔

پس ہے چرخ نخلی قام سے منزل مسلاں کی
ستارے جس کی گرد راہ ہیں وہ کارواں تو ہے

﴿فَأَمَّا يَا تَبِيتُكُمْ مِّنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ (پ ۱ :

ع ۳)

”جو ہماری طرف سے تم لوگوں کے پاس ہدایت آئے گی (پھر) جو ہماری ہدایت کی پیروی کریں گے ان پر (آخرت میں) نہ تو (کسی قسم کا) خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔“

معلوم ہوا کہ اللہ کی ہدایت کے مطابق زندگی گزارنا سیدھی راہ پر چلنا ہے جو ہمیں بہشت میں لے جائے گی۔ وہ اللہ کی ہدایت..... تورات انجیل زبور اور دیگر صحیفوں کی صورت میں انبیاء کے ذریعے لوگوں کو پہنچائی گئی یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد وہ ہدایت قرآن کی شکل میں حضرت ختم المرسلین، شفیع المذنبین، رحمت للعالمین، اکرم الاولین، اکرم الآخرین جناب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ پر نازل ہوئی چنانچہ ارشاد خداوندی ہوتا ہے:

﴿كَذَلِكَ أَرْسَلْنَاكَ فِي أُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَا أُمَمٌ لِّتَلْتَوُوا عَلَيْهِمْ أَلَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ﴾ (پ ۱۳ : ع ۱۰)

”(اے پیغمبر!) اسی طرح بھیجا ہم نے تجھ کو بیچ اُمت کے، تحقیق کہ گزر گئیں پہلے اس سے بہت امتیں (اور تیرے بھیجنے کی غرض یہ ہے) کہ جو (قرآن) تجھ پر وحی کے ذریعے ہم نے اتارا ہے وہ ان کو پڑھ کر سناو۔“

رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے حکم کے مطابق قرآن مجید لوگوں کو سنایا اور ہر حکم پر عمل کر کے دکھایا۔ اپنے عمل سے راستہ متعین فرمایا۔ اگر حضور ﷺ ہمیں قرآن پر عمل کر کے نہ دکھاتے، اللہ کے احکام پر چلنے کی راہ نہ دکھاتے تو ہم راہ پر نہ آتے۔ بیشک اصل ہدایت قرآن ہی ہے لیکن اس ہدایت پر عمل کرنے کا طریقہ بھی تو چاہئے۔ وہ طریقہ ہمیں صرف رسول اللہ ﷺ سے ہی مل سکتا ہے۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا:

﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ (پ ۵ : ع ۸)

”یعنی رسول اللہ ﷺ کی تابعداری میں اللہ کی حکم برداری ہے۔“

﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ (پ ۵ : ع ۵)

کا بھی یہی مطلب ہے کہ حقیقی مطاع..... اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ پھر اس کی اطاعت، رسول رحمت ﷺ کی راہ اختیار کرنے سے ہی ہو سکتی ہے۔ اپنی ہدایت نازل کر کے ساتھ ہی اس نے یہ حکم بھی دے دیا۔

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي﴾ (پ ۳ : ع ۱۲)

”(اے پیغمبر ﷺ!) لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ کو چاہتے ہو تو میری پیروی کرو۔“

یعنی میری راہ پر چلو، میرا راستہ اختیار کرو۔ معلوم ہوا کہ اللہ کی ہدایت کے مطابق زندگی گزارنے کے لئے راہ رسول ﷺ اختیار کرنی ضروری ہے۔ قرآن پر عمل کرنے کے لئے حضور ﷺ کا راستہ پکڑنا لازمی ہے۔ مثلاً اللہ نے

حکم دیا:

﴿اقِمْوُ الصَّلٰوةَ﴾

”نماز قائم کرو۔“

اب ہم نماز کس طرح قائم کریں؟ قرآن مجید میں قیام نماز کی کوئی ہیئت بیان نہیں کی گئی تو لامحالہ ہم نماز ادا کرنے کا طریقہ رسول اللہ ﷺ ہی سے سیکھیں گے۔ خود اللہ نے فرمایا:

﴿وَمَا اتَّكُمْ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ﴾ (پ ۲۸ : ع ۴)

”اور جو (طریقہ عملی) دے تم کو رسول ﷺ پس پکڑ لو اس کو۔“

یعنی میرے احکام کی عملی صورت رسول اللہ ﷺ سے حاصل کرو تو اللہ کے اس حکم سے ہمیں نماز حضور ﷺ کے طریقے پر پڑھنی ہوگی۔

اگر غیر مسنون طریقے پر نماز پڑھیں گے تو قبول نہ ہوگی یقیناً مردود ہوگی۔ ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ نجات کے لئے سبیل الرسول ﷺ کو اختیار کرنا زبں ضروری ہے۔ ارشاد خداوندی ہوتا ہے:

﴿قُلْ هٰذِهِ سَبِيلِيْ اَدْعُوْا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَاْ وَ مَنْ اَتَّبَعْنِيْٓ وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ مَا اَنَاْ

مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (پ ۱۳ : ع ۶)

”کہہ (اے پیغمبر ﷺ) یہ ہے راہ میری (توحید کی) پکارتا ہوں میں (اس راہ سے تم کو) طرف اللہ کی۔

اوپر بینائی کے ہوں میں۔ اور جس نے تابعداری کی میری۔ اور پاکی بیان کرتا ہوں میں واسطے اللہ کے

(شرک سے) اور نہیں ہوں میں شریک لانے والوں سے۔“

اس آیت میں صاف طور پر اللہ نے حکم دیا ہے کہ اے میرے پیغمبر ﷺ! لوگوں کو کہہ دیجئے! ﴿هٰذِهِ

سَبِيلِيْ﴾ کہ یہ ہے میری سبیل، میری راہ! ﴿اَدْعُوْا اِلَى اللّٰهِ﴾ پکارتا ہوں طرف اللہ کی۔۔۔ یعنی جس راہ پر میں

چل رہا ہوں اسی راہ پر چلنے کے لئے تم کو بلاتا ہوں۔ یہی میری دعوت ہے کہ میری راہ پر چلو۔

﴿عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَاْ﴾..... اوپر بصیرت کے ہوں میں..... یعنی میرا راہ پر چلنا اور اس راہ پر چلنے کی تمہیں

دعوت دینا علی وجہ البصیرت ہے اندھیرے میں تیر نہیں مار رہا ہوں۔ اٹکل بچو باتیں نہیں کر رہا ہوں بلکہ میرا راہ پر چلنا

اور تمہیں چلانا بینائی، دانائی اور بصیرت پر ہے..... وحی الہی کی روشنی میں ہے۔

﴿وَمَنْ اَتَّبَعْنِيْ﴾ اور جس نے تابعداری کی میری..... یعنی جس نے میری متابعت کی جو میری راہ پر چلاؤ

بھی بصیرت^(۱) پر ہے، نور ہدایت پر ہے میرے قدم پر قدم رکھنے والے کی دل کی آنکھیں روشن ہیں..... معلوم ہوا کہ

(۱) مولانا اشرف علی تھانوی کا ترجمہ یہ ہے۔ ﴿عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَاْ وَمَنْ اَتَّبَعْنِيْ﴾ ”میں دلیل پر قائم ہوں میں بھی اور میرے ساتھ والے

بھی“ یعنی حضور ﷺ اور صحابہؓ بصیرت پر تھے۔ تفسیر خازن میں ہے۔ ﴿مَنْ اَتَّبَعْنِيْ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَاْ وَمَنْ اَتَّبَعْنِيْ﴾ یعنی =

حضور ﷺ کے صحابہؓ کے سینے آپ ﷺ کی پیروی کے سبب روشن تھے۔ ہدایت کے نور سے معمور تھے اور اسی طرح حضور ﷺ کے ہر تابع کے چہ تیغ کو دینی بصیرت اور قرآنی نور ملتا ہے۔

﴿وَسُبْحَنَ اللّٰهُ﴾ پاکی بیان کرتا ہوں میں واسطے اللہ کے، یعنی حضور ﷺ نے تمام زندگی شرک کو مٹانے اور توحید کو پھیلانے میں صرف کی۔

﴿وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ اور نہیں ہوں میں شریک لانے والوں میں سے۔“ یعنی آپ ﷺ نے اپنی قوم، برادری اور سارے جہان کو کہہ دیا کہ میں اللہ تعالیٰ کی قوی، بدنی، مالی عبادت میں کسی غیر اللہ کو شریک نہیں بناتا۔ اور شرک سے ہر طرح نافر اور بیزار ہوں۔

اس آیت کریمہ میں راہ رسول ﷺ اختیار کرنے کی ہدایت کی گئی ہے کیونکہ صرف حضور ﷺ ہی کی وہ راہ ہے جو سیدھی بہشت کو جاتی ہے۔ راہی کو اس کے وطن میں پہنچاتی ہے تو پھر ضروری ہے کہ ہم حضور انور ﷺ کی راہ اختیار کریں۔ سبیل الرسول ﷺ پر چل کر منزل مقصود کو پالیں۔

گو شمع میارید دریں بزم کہ امشب!
در مجلس ما ماہ رخ دوست تمام است

محمد صادق سیالکوٹی

جنوری ۱۹۵۵ء



اناعلی بصيرة ومن اتبعني ابضا على بصيرة قال ابن عباس ان محمدا ﷺ واصحابه كانوا على احسن طريقه وافضل هداية وهم معدن العلم وكنز الايمان و جند الرحمن ﴿خازن سورہ یوسف ص ۳۶﴾ یعنی حضور ﷺ بھی بصیرت پر تھے اور صحابہ ﷺ بھی بصیرت اور روشنی پر تھے۔ اسی طرح تفسیر مدارک میں ہے۔ اوانا مبتدا او علی بصيرة خبر مقام و من اتبعني عطف علی انا بانہ، ومن اتبعني علی حجة و برهان (تفسیر مدارک بر حاشیہ خازن سورہ یوسف ص ۳۶) مطلب یہ ہے کہ حضور انور ﷺ کے پیرو بصیرت برہان دلیل اور روشنی پر تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی دعوت الی اللہ

﴿قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ﴾ (پ ۱۳)

”کہہ (اے پیغمبر ﷺ) ! یہ ہے میری راہ۔ پکارتا ہوں میں طرف اللہ کی۔“

رسول اللہ ﷺ نے قرآنی ہدایت پر پہلے آپ عمل کیا۔ پھر اس ہدایت کی دعوت اپنی راہ عمل پر دی۔ یعنی پہلے خود عمل کر کے راہ متعین کی، پھر اس پر چلنے کے لئے لوگوں کو پکارا کہ آ جاؤ! یہ ہے میری راہ! اس پر چلو۔ اس لحاظ سے رسول اللہ ﷺ اسلام میں سب سے پہلے موحّد سب سے پہلے مومن اور سب سے پہلے مسلمان ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ إِنْ صَلَوَتِي وَنُصْحِي وَمَخْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ

أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ﴾ (پ ۸ : ۷)

”کہہ (اے پیغمبر ﷺ) ! تحقیق میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت واسطے اللہ رب العالمین کے ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو ایسا (عقیدہ رکھنے کا) ہی حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں میں پہلا مسلمان ہوں۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور پُر نور اول المسلمین ہیں۔ سب سے پہلے اللہ کے فرماں بردار ہیں۔ جب آپ اللہ کے حکموں کو ماننے والوں میں پہلے حکم بردار فرمانبردار ہوئے تو سب سے پہلے عامل قرآن ہوئے۔ حضور ﷺ کا عمل پہلے اور دعوت پیچھے ہے، آپ راہ بنا کر پھر بلاتے ہیں اس لحاظ سے حضور ﷺ اپنی اُمت کے واحد پیشوا۔ اکیلے رہبر اور تنہا امام ہیں۔ اللہ کی ہدایت کے مطابق صرف آپ ﷺ ہی آخرت کی راہ متعین کرنے والے ہیں۔ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین رضی اللہ عنہم، تبع تابعین رضی اللہ عنہم، محدثین رضی اللہ عنہم، فقہاء رضی اللہ عنہم، اولیاء اللہ رضی اللہ عنہم اور سب صالحین رضی اللہ عنہم حضور ﷺ ہی کی راہ پر بلا مدخلت چل کر اللہ کے مقرب ہوئے اور آپ ہی کی راہ پر چلنا ہر شخص کی نجات کے لئے شرط ہے۔ آپ ﷺ کا طریقہ ہی اُمت کی فلاح کا ضامن ہے!

سبیل الرسول ﷺ کیا ہے؟

رسول اللہ ﷺ کا قول، فعل، سنت، حدیث، سیرت، اسوۂ، اخلاق اور کردار ہی سبیل الرسول ﷺ ہے جو کچھ آپ ﷺ نے فرمایا اور زندگی بھر کرنے دکھایا، یہی حضور ﷺ کی راہ ہے۔ سنت کی شمعیں، حدیث کے چراغ، سیرت کی قدیلیں، اسوہ حسنہ کے فانوس، عادت، اخلاق اور کردار کے اجالے، بہشت بریں کی راہ کو روشن کر رہے ہیں، پتہ دے رہے ہیں کہ ہادی عالم ﷺ اس راہ سے گزرے ہیں۔ مروی حیات کے انوار، جنت فردوس کی بہار ہیں۔

دعوت قبول کرنے کا پھل

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ جَاءَتْ مَلَائِكَةُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ نَائِمٌ فَقَالُوا إِنَّ لِمَا جِئْنَاكَ بِهِ مَثَلًا فَاصْرُبُوا لَهُ مَثَلًا قَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّهُ نَائِمٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةً وَالْقَلْبَ يَقْظَانُ فَقَالُوا مَثَلُهُ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى دَارًا وَجَعَلَ فِيهَا مَادِيَةً وَبَعَثَ دَاعِيًا فَمَنْ أَجَابَ الدَّاعِيَ دَخَلَ الدَّارَ وَآكَلَ مِنَ الْمَادِيَةِ وَمَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّاعِيَ لَمْ يَدْخُلِ الدَّارَ وَلَمْ يَأْكُلْ مِنَ الْمَادِيَةِ فَقَالُوا أَوَلَوْ هَالَهُ يَفْقَهُهَا قَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّهُ نَائِمٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ وَالْقَلْبَ يَقْظَانُ فَقَالُوا الدَّارُ الْجَنَّةُ وَالْدَّاعِيَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَنْ أَطَاعَ مُحَمَّدًا فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ عَصَى مُحَمَّدًا فَقَدْ عَصَى اللَّهَ وَ مُحَمَّدٌ فَرَقَ بَيْنَ النَّاسِ. (بخاری شریف) (۱)

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہ فرشتے رسول اللہ ﷺ کی طرف آئے اور حضور ﷺ سوتے تھے..... فرشتوں نے آپس میں کہا کہ تمہارے اس صاحب (حضرت محمد ﷺ) کے لئے مثل (کہات) ہے۔ پھر آپ ﷺ کے لئے وہ مثل بیان کر دو (یعنی وہ کہات آپ ﷺ کو سناؤ..... تاکہ آپ ﷺ اپنی امت کو سنائیں) بعض فرشتے کہنے لگے: حضور ﷺ سو رہے ہیں (پھر بیان کرنے سے کیا حاصل؟) بعضوں نے کہا کہ (آپ ﷺ کی) آنکھ سوتی ہے اور دل جاگتا ہے (اسلئے مثل اور کہات بیان کرنی چاہئے)۔ پھر فرشتوں نے کہا مثل ان کی اس شخص کی مثل کی مانند ہے جس نے گھر بنایا۔ اور پھر اس میں کھانا کھلانا (دعوت کرنا) ٹھیرایا اور بھیجا بلانے والے کو پھر جس نے بلانے والے کو مانا (یعنی اس کی دعوت قبول کر لی) وہ گھر میں داخل ہوگا اور کھانا کھائے گا اور جس نے نہ قبول کیا بلانے والے کو (یعنی دعوت اس کی قبول نہ کی) وہ گھر میں داخل نہیں ہوگا اور نہ کھانا کھائے گا۔ پھر بعض فرشتوں

(۱) بخاری کتاب الاعتصام بالكتاب والسنة (۹۶) باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ الحديث (۷۴۸۱)

نے کہا کہ اس مثل کو بیان کرو..... (یعنی اس کا مطلب بتاؤ) تاکہ حضور ﷺ سمجھ لیں۔ بعض فرشتے کہنے لگے آپ ﷺ سوتے ہیں۔ بعض نے کہا (آپ ﷺ کی) آنکھ سوتی ہے۔“ اور دل جاگتا ہے (اس لئے مطلب بیان کر دینا چاہئے۔ پھر فرشتوں نے کہا: (اس کہادت کا مطلب یہ ہے) کہ مراد گھر سے بہشت ہے اور (مراد) بلانے والے سے محمد ﷺ ہیں۔ پس جس نے (دعوت قبول کر کے) فرمانبرداری کی محمد ﷺ کی اس نے فرمانبرداری کی اللہ تعالیٰ کی اور جس نے (دعوت نہ قبول کر کے) نافرمانی کی محمد ﷺ کی اس نے نافرمانی کی اللہ تعالیٰ کی اور محمد ﷺ فرق کرنے والے ہیں (حق اور باطل میں) درمیان لوگوں کے۔“

تشریح

حدیث بالا کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک گھر یعنی بہشت بنایا، اور اس میں کھانے کا بندوبست کیا پھر حضرت محمد ﷺ کو لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا اور حکم دیا کہ لوگوں کو بہشت کے کھانے کی طرف دعوت دو۔ رسول اللہ ﷺ لوگوں کو بہشت کی دعوت دیتے رہے اللہ کی طرف بلا تے رہے..... جنہوں نے حضور کی دعوت (پکار) کو قبول کر لیا ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ﴾ صدق دل سے پڑھ کر آپ کی تابعداری میں زندگی گزاری وہ اس گھر میں..... بہشت میں داخل ہو کر اللہ کی نعمتوں سے مستمتع ہوں گے، بہشت کے کھانے کھائیں گے اور جو آپ ﷺ کی پکار..... دعوت کو نہ مانیں گے وہ گھر میں داخل نہ ہوں گے اور نہ اس گھر (بہشت) کا کھانا کھائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی ضیافت

فرشتوں نے یہ بھی کہا کہ حضور ﷺ کے بلانے کو قبول کرنے والے حضور ﷺ کے فرمانبردار اللہ کے فرمانبردار ہیں اور آپ ﷺ کے بلانے کو قبول نہ کرنے والے آپ ﷺ کے نافرمان اللہ کے نافرمان ہیں۔ پھر حضور ﷺ کے بلانے اور پکارنے کو قبول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کی نبوت کو مان کر آپ ﷺ کے اقوال و افعال کو اپنایا جائے۔ دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب جانا جائے اور ہر قیمت پر انہیں عمل میں لایا جائے۔ آپ ﷺ کے اقوال کو سن کر عمل کی شاہراہ کو پکڑا جائے۔

غور کریں کہ اللہ نے فرشتوں کو بھیجا کہ وہ حضور ﷺ کے ذریعے لوگوں کو بتادیں کہ حضور انور ﷺ ”داعی الی اللہ“ ہیں۔ خلقت کو اللہ کی طرف بلانے والے ہیں۔ جو لوگ حضور ﷺ کے بلانے کو قبول کریں گے یعنی نبوت کو مان کر موصد ہو کر تازیست آپ ﷺ کی فرمانبرداری میں رہیں گے وہ اللہ کے بنائے ہوئے گھر میں اس کا تیار کیا ہوا

کھانا کھائیں گے۔ دُنیا میں حضور ﷺ کی دعوت کو قبول کرنے والے آخرت میں اللہ کی دعوت (ضیافت) کا مزا پائیں گے اور فرشتوں نے اللہ کی زبانی یہ بھی سنا دیا کہ حضور ﷺ کی دعوت پر کان نہ دھرنے والے..... آپ ﷺ کے نافرمان اللہ کے نافرمان ہیں۔

جہاں دُنیا میں تمام غیر مذہب والوں پر حضور انور ﷺ کی دعوت نبوت کو قبول کرنا فرض ہے۔ وہاں نبوت کے ماننے والوں کو بھی چاہئے کہ وہ حضور ﷺ کی کسی سنت اور حدیث کا انکار نہ کریں، بلکہ قبول کر کے عمل کریں۔ آپ ﷺ کی کسی پکار، آواز، ندا، نوا، صدا کو رائیگاں نہ جانے دیں اور ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھیں کہ دین میں صرف آپ ﷺ ہی کی آواز کو قابلِ لبیک جانیں..... کسی اور کی صدا پر کان نہ دھریں۔ ہاں اگر کوئی حضور ﷺ ہی کی ندا سنائے تو ہمتن گوش بن جائیں..... کیونکہ صاحبِ وحی و کتاب آپ ﷺ ہی ہیں اور صرف آپ ﷺ کی زبان سے دین نکلتا ہے۔

در مجلس ما عطر میامیز کہ جاں را
ہر لحظہ بہ گیسوئی تو خوشبوئی مشام است

مسلمانوں کو دعوتِ رسول ﷺ قبول کرنے کا حکم!

صحیح میں ابوسعید بن المعلیؓ (۱) سے روایت ہے کہ میں مسجد میں نماز پڑھتا تھا کہ اتنے میں آنحضرت ﷺ نے مجھے پکارا، پس میں نے استجابت نہ کی۔ پھر میں نماز سے فارغ ہو کر آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں نماز پڑھتا تھا۔ تو فرمایا کہ تو نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اسْتَجِبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ اِذَا دَعَاكُمْ﴾ (پ ۹ : ع ۱۶)

”جب رسول ﷺ بلائے تو قبول کرو۔“

اور ایک حدیث میں ابی بن کعبؓ کے ساتھ ایسا ہی واقعہ پیش آیا (۲) اور اس میں جب حضور ﷺ نے کہا کہ تجھے معلوم نہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ساتھ حکم بھیجا کہ:

﴿اسْتَجِبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ اِذَا دَعَاكُمْ﴾ (پ ۹ : ع ۱۶)

”یعنی جب رسول ﷺ پکارے وہ بلائے تو استجابت کرو۔“

(۱) بخاری کتاب التفسیر (۶۵) باب یاہیا الذین امنوا استجبوا للہ (الانفال ۲۳) الحدیث (۴۶۳۷)

(۲) ترمذی کتاب التفسیر (۴۳) باب ماجاء فی فضل فاتحہ (۱) الحدیث (۴۸۷۵) عن ابی ہریرۃؓ امام ترمذی اور علامہ البانی نے صحیح کہا ہے

صحیح ترمذی (۴۳۰۷) یہ حدیث مختصر نسائی کتاب الافتتاح (۱۱) باب تاویل قول اللہ عزوجل ولقد اتینک سبعا من الشانی..... الحدیث

(۹۱۳) (۱۹۱۳) و مسند احمد ۴/۳۵۷ و مستدرک للحاکم ۲/۲۵۸ میں بھی مروی ہے۔

پس ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے معلوم تو تھا مگر خطا ہوئی انشاء اللہ اب ایسا نہ کروں گا۔
 حضرت حظلہ بن صفوان رضی اللہ عنہ غسیل الملائکہ نے اپنی بیوی سے صحبت کی کہ اتنے میں جہاد احد کے واسطے
 رسول اللہ ﷺ کی طرف سے پکار ہوئی اور اس وجہ سے نہ نہائے کہ استجابت میں تاخیر ہوگی لہذا اسی طرح جا کر شہید
 ہوئے اور ملائکہ نے جب ان کو غسل دیا..... تو حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ اس کا کیا حال تھا کہ ملائکہ اس کو غسل دیتے
 ہیں۔ اس کی جو رو سے دریافت کیا جائے۔ پس اس سے یہ سب حال معلوم ہوا۔
 حضور ﷺ کا دونوں صحابہ رضی اللہ عنہما کو ارشاد فرمانا کہ میرے پکارنے پر تمہیں نماز توڑ کر استجابت ضروری ہے اور
 اوپر حضرت حظلہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی پکار کو منکر بلاتا خیر جہاد میں شریک ہو گئے..... اس سے استدلال کیا جاتا ہے کہ
 جو امر کہ مطلق ہو کسی قید کے ساتھ نہ ہو تو فی الفور حضور ﷺ کی تعمیل کیلئے ہوتا ہے..... الحاصل آیت مذکورہ اور
 حدیث بالا کی روشنی میں یہ ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی استجابت فوراً چاہئے اور چونکہ اب آپ ﷺ خود
 تشریف نہیں رکھتے۔ لہذا سنت سے جو حکم ثابت ہو اس کی استجابت فی الفور واجب ہے کہ حدیث اور سنت حضور
 ﷺ کی دعوت اور پکار ہے۔

دعوت قبول نہ کرنے کی سزا

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ أُمِّيٍّ يَذْخُلُونَ الْجَنَّةَ
 الْأَمَنُ ابْنِي قَبِيلٍ وَمَنْ ابْنِي قَالَ مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ ابْنِي (بخاری
 شریف) ^(۱)

”حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری تمام امت
 بہشت میں داخل ہوگی مگر جس نے (مجھے) قبول نہ کیا۔ (صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا) اور کس نے (حضور
 ﷺ کو) قبول نہ کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے تابعداری کی میری وہ (میری پکار کو قبول کر کے)
 بہشت میں داخل ہوا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے یقیناً (میری پکار کو) قبول نہ کیا۔“

تشریح

اس ارشاد پاک سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی تابعداری آپ ﷺ کی دعوت کو قبول کرنا ہے اور آپ ﷺ
 کی نافرمانی آپ ﷺ کی دعوت کو مسترد کرنا ہے۔ یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ اگر ایک طرف حدیث رسول

(۱) بخاری کتاب الاعتصام بالكتاب والسنة (۹۶) باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ (۲) الحديث (۷۲۸۵) عن ابی
 ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

ﷺ (دعوت سید الکونین) ہو اور دوسری طرف امتی کا قول ہو۔ پھر جو شخص دانستہ حدیث کو چھوڑ کر اس کے خلاف امتی کے قول کو مانتا اور اس پر عمل کرتا ہے..... وہ بھی حضور انور ﷺ کا نافرمان اور آپ ﷺ کی دعوت کو قبول نہ کرنے والا ہے۔

مولانا شاہ عبدالحق محدث رحمۃ اللہ علیہ دہلوی کی تشریح

مذکورہ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق حضرت مولانا شاہ عبدالحق محدث رحمۃ اللہ علیہ دہلوی ارشاد فرماتے ہیں:

﴿كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ﴾ ہم امت منی در آید بہشت را۔ ﴿إِلَّا مَنْ أَبَى﴾ مگر کسے کہ سرکشی کرو۔ ﴿قِيلَ مَنْ أَبَى﴾ گفتہ شد کہ سرکشی کرو قال: گفت: ﴿مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ﴾ کسے کہ فرمانبرداری کند۔ مراد چنگ درزند کتاب وسنت در آید بہشت را۔ ﴿وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبَى﴾ کسی کہ بے فرمانی کند بدعت ورزد و تابع ہوئے نفس گرد و پس بہ تحقیق سرکشی کرو و در نیاید بہشت را۔ (اشعۃ اللمعات جلد اول ص ۱۲۶)

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے من اطاعنی کا مطلب کتاب وسنت کو مضبوط پکڑنا بتایا ہے جس میں امت اجابت داخل ہے۔ جیسا کہ ایک دوسری صحیح حدیث میں فرمایا: ”میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ تم ہرگز ہرگز گمراہ نہ ہو گے جب تک ان دونوں کو مضبوط تھا مے رہو گے! ایک اللہ کی کتاب اور دوسری اس کے رسول ﷺ کی سنت“ یہ کتاب وسنت بھی امت اجابت کو دی ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ﴿وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبَى﴾ کے متعلق اوپر فرمایا ہے: جس نے نافرمانی کی اور بدعت کو اختیار کیا اور تابع ہوئے نفس ہو اس نے سرکشی کی۔ ”گویا سرکشی سے مراد نافرمانی..... اور بدعت لی گئی ہے۔“

مسلمان بھائیو! حضور ﷺ کی نافرمانی مت کرو آپ ﷺ کی سنتوں اور حدیثوں پر دل و جان سے عمل کرو اور بدعت سے بچو!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آگ سے کھینچتے ہیں

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَلَيْ كَمَلِ رَجُلٍ نِ اسْتَوْ قَدْ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَحْوَلَهَا جَعَلَ الْفَرَّاشُ وَهَذِهِ الدَّوَابُّ الَّتِي تَقَعُ فِي النَّارِ يَقَعْنَ فِيهَا وَجَعَلَ يَحْجُزُهُنَّ وَيَغْلِبْنَهُ فَيَتَّقِمْنَ فِيهَا فَأَنَا اخِذٌ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ وَأَنْتُمْ تَقَحُمُونَ

فِيهَا (بخاری شریف) (۱)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری مثال اس شخص کی مثال کی مانند ہے کہ جس نے آگ جلائی پھر جب آگ نے اپنا ارد گرد روشن کیا، پروانوں اور ان جانوروں نے جو آگ میں گرتے ہیں گرنا شروع کیا اور آگ جلانے والے نے انہیں (آگ میں گرنے سے) روکنا شروع کیا، اور وہ غالب آتے ہیں اس پر (یعنی اس کے روکنے سے نہیں رکتے) اور داخل ہوتے جاتے ہیں آگ میں۔ پس (اسی طرح میں محمد رسول اللہ ﷺ) پکڑتا ہوں کمریں تمہاری کہ بچاؤں تمہیں آگ سے اور تم (مجھ سے کمریں چھڑا چھڑا کر) داخل ہوتے ہو آگ میں۔“

معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے پکار پکار کر لوگوں کو کہا کہ ادھر آؤ میری طرف، دعوت پر دعوت دی کہ میری راہ چلو۔ حتیٰ کہ کمریں پکڑ پکڑ کر کھینچا، یعنی بے حد تبلیغ کی۔ ہر قیمت پر اللہ کے احکام سنائے۔ عذاب جہنم سے پکار پکار کر ڈرایا لیکن بدبختوں نے کمریں چھڑا چھڑا کر دوزخ میں چھلانگیں لگائیں..... آپ ﷺ کی پکار..... آواز کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دوزخ کی طرف منہ کیا۔

مسلمانو! کلمہ پڑھنے والے پیارے بھائیو! صرف ایک ہی پکار، حضور ﷺ کی پکار سنو! اور باقی سب مقابلے کی ”پکاروں“ سے بہرے ہو جاؤ..... دین کے مقتداؤں سے عرض کرو کہ وہ آپ کو حضور ﷺ ہی کی ”پکاریں“ سنائیں۔

وہ دانائے سب، ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٰ سینا

شاہراہ بہشت کی نشاندہی

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ خَطَّ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطًّا ثُمَّ قَالَ هَذَا سَبِيلُ اللَّهِ ثُمَّ خَطَّ خُطُوطًا عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ وَقَالَ هَذِهِ سُبُلٌ عَلَى كُلِّ سَبِيلٍ مِنْهَا شَيْطَانٌ يَدْعُوا إِلَيْهِ وَقَرَأَ أَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ (الآيَةُ) (احمد نسائی، دارمی) (۲)

(۱) بخاری کتاب الرقاق (۸۱) باب الانتفاء عن المعاصي (۲۶) الحدیث (۶۳۸۳) وسلم کتاب الفضائل (۴۳) باب سلفته ﷺ علی امتہ

مباغتہ فی تحدید مملایضہم (۶) الحدیث (۵۹۵۷) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ

(۲) مسند احمد ۱/۳۶۵ و سنن دارمی (۱/۷۸) المقدمة باب فی کراہیۃ اخذ الراۃ (۲۳) الحدیث (۲۰۲) و

النسائی فی السنن الکبریٰ علی ما ذکرہ المعذی فی تحفة الاشراف (۷/۲۵) الترجمة (۹۲۱۵) و (۷/۳۹) =

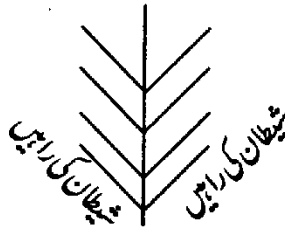
”عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے (سمجھانے کے) لئے ایک (سیدھا) خط کھینچا۔ پھر فرمایا: یہ راہ اللہ کی ہے (یعنی اللہ کے پاس پہنچانے والی ہے)۔ پھر آپ ﷺ نے اس (سیدھے) خط کے دائیں اور بائیں چند (ترچھے) خط کھینچے اور فرمایا: یہ راہیں ہیں۔۔۔۔۔۔ ان میں سے ہر راہ پر شیطان ہے پکارتا ہے اس راہ کی طرف۔ پھر آپ ﷺ نے قرآن کی یہ آیت پڑھی: ﴿وَ اِنَّ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ فَاتَّبِعُوْهُ﴾ اور تحقیق! یہ ہے راہ میری سیدھی پس پیروی کرو اس کی۔“

سیدھی راہ

رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے بڑے خیر خواہ تھے حضور ﷺ نے ہر طریق سے امت کو نیکی کی طرف بلایا..... بھلائی کی دعوت دی اور سیدھی راہ بتائی۔ مثال کے طور پر آپ نے ایک سیدھی لکیر کھینچی اور اس لکیر کے داہنے ترچھی لکیریں کھینچیں اور بائیں بھی ترچھی لکیریں کھینچیں۔

اس طرح

اللہ کی راہ



ایک حدیث یوں بھی آئی ہے:

﴿عَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَطَّ خَطًّا وَ خَطَّ خَطَّيْنِ عَنْ يَمِينِهِ وَ خَطَّ خَطَّيْنِ عَنْ يَسَارِهِ ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ فِي الْخِطِّ الْأَوْسَطِ فَقَالَ هَذَا سَبِيلُ اللَّهِ﴾ (ابن

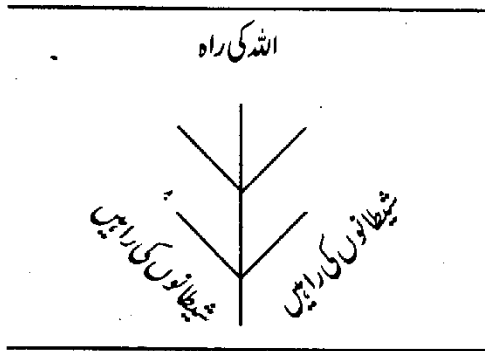
الترجمہ (۹۲۸۱) والدر المنثور ۳/۵۵۵ (۵۶) و ابن حبان رقم الحديث ۷۶ و مستدرک للحاکم ۲/۳۱۸ عن ابن

مسعود رحمۃ اللہ علیہ حاکم و دہمی اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے اور البانی نے حسن قرار دیا ہے (المشکوۃ ۱۶۶)

(۱) ماجہ

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ نے..... ایک سیدھی لکیر کھینچی۔ پھر دو لکیریں (ترجھی) اس کے داہنے اور دو لکیریں (ترجھی) اس کے بائیں کھینچیں۔ پھر درمیانی (سیدھی) لکیر پر ہاتھ مبارک رکھ کر فرمایا: یہ اللہ کی راہ ہے۔۔۔ (باقی چاروں اللہ کی نہیں)

وہ نقشہ اس طرح ہے۔



دونوں شکلوں کا مطلب ایک ہی ہے۔ حضور ﷺ نے درمیانی لکیر کو سبیل اللہ یعنی اللہ کی راہ کہا، یعنی وہ اللہ کے پاس پہنچانے والی ہے۔ یہی نجات پانے والوں..... نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور نیکو کاروں کی راہ ہے۔۔۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ یہ حضرت محمد ﷺ کی راہ ہے۔۔۔ راہ عمل ہے۔ سید المرسلین، خاتم النبیین اس راہ پر چل گئے ہیں۔ چنانچہ اس راہ کی شناخت حدیث ذیل میں یوں کرائی گئی ہے:

﴿وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَاتَيْنِ عَلَى أُمْتِي كَمَا أَتَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ حَذَوُ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتَّىٰ إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتَى أُمَّهُ غَلَابِيَّةً لَكَانَ فِي أُمْتِي مَنْ يَضَعُ ذَلِكَ وَإِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً وَ تَفْتَرِقُ أُمْتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً قَالُوا مَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللَّهِ

(۱) مسند احمد ۳/۳۹۷ و ابن ماجہ، المقدمة، باب اتباع سنة رسول الله ﷺ (۱) الحديث ۱۱۔ عن جابر رضی اللہ عنہ اس کی سند میں بحالہ بن سعید راوی شکوک فیہ ہے، لیکن شواہد کی وجہ سے حسن درجہ کی ہے۔

اللہ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي ﴿﴾ (مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی) ^(۱)

”حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت پر زمانہ آئے گا جیسے زمانہ آیا بنی اسرائیل پر برابر ^(۲) پاپوش کے ساتھ پاپوش کے (یعنی ہو بہو زمانہ بنی اسرائیل کے) یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی آتا تھا اپنی (سوتیلی) ماں کے پاس علانیہ (بدفعلی کے لئے) البتہ ہوگا میری امت میں بھی ایسا شخص جو کرے گایہ (ہاں۔ ہاں) بیشک بنی اسرائیل (برے بیروں اور مولویوں کی شرارت سے) متفرق ہوئے اوپر بہتر فرقوں کے اور (آہ) متفرق ہوگی میری امت (علماء سوء کی فتنہ انگیزی سے) اوپر بہتر فرقوں کے (سنو) اسب فرتے دوزخ میں جائینگے سوائے ایک گروہ (جماعت) کے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا وہ گروہ کونسا ہوگا؟ (یعنی اسکی پہچان کیا ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي﴾ جس (راہ) پر میں ہوں اور میرے اصحاب رضی اللہ عنہم“

یعنی نجات پانے والی جماعت میرے اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقے پر چلے گی۔ ان کا وہی عقیدہ اور عمل ہوگا جو میرے اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے۔

ناجی جماعت ہے فرقہ محدثہ نہیں

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت احمد اور ابوداؤد میں یوں آئی ہے:

﴿عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سَفْيَانَ فِي النَّارِ وَوَاحِدٌ فِي الْجَنَّةِ وَهِيَ الْجَمَاعَةُ وَأَنَّهُ سَخِرُجُ فِي أُمَّتِي أَقْوَامٌ تَتَجَارَى بِهِمْ تِلْكَ الْأَهْوَاءُ كَمَا يَتَجَارَى الْكَلْبُ بِصَاحِبِهِ لَا يَبْقَى مِنْهُ عَرَقٌ﴾

(۱) ترمذی کتاب الایمان (۳۸) باب ماجاء فی افتراق هذه الامة (۱۸) الحدیث ۲۶۳۱۔ اس کی سند میں عبدالرحمن بن زید

افریقہ راوی شاکم فیہ ہے اور شواہد کی وجہ سے امام ترمذی اور علامہ البانی نے ’حسن‘ کہا ہے صحیح ترمذی ۲۱۲۹۔

(۲) برابر پاپوش کے ساتھ پاپوش کے یعنی بیکہ بعینہ مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اللہ سے خبر پا کر اپنی امت کو تنبیہ کی ہے کہ اس پر ایک پر

آشوب زمانہ بنی اسرائیل کے زمانہ کی مانند آئے گا بالکل اسی طرح کہ جیسے وہ مذہبی فرقوں کی لعنت میں گرفتار ہو گئے ایسے ہی یہ امت بھی

فرقوں میں بت جائے گی۔ بالکل یہودیوں کی طرح ہو جائے گی۔ خلی کہ یہودیوں میں سے اگر کوئی شخص اپنی (سوتیلی) ماں سے بدفعلی

کرتا تھا تو اس امت میں بھی یہ کام ہوگا۔ یعنی مذہبی طور پر فرتے بند یوں کی واپس سے امت پر باد ہوگی۔ اور اخلاقی طور پر بے حیائی اور

بدکاری کی انتہا ہوگی کہ سوتیلی (ماں) تک سے بدفعلی ہونے لگے گی۔ یعنی نہ مذہب رہے گا نہ اخلاق۔ فرتے بند مذہب کا دیوالیہ نکال

دے گی اور بدفعلی کی انتہا اخلاق کو مٹا دے گی۔ یہ خبر امت کے کان کھولنے کے لئے دی گئی ہے کہ امت ایسے پرفتن دور میں اللہ کا خوف

کرے ہوش کرے پھونک کر قدم رکھے اور اپنے مذہب اور اخلاق کی حفاظت کرے۔ صرف سبیل الرسول ﷺ پر چل کر مذہب کو

بچائے فرتے بند سے پرہیز کرے اور بے حیائی اور بدکاری کے محرکات اور مقدمات سے دور رہ کر اخلاق کی چادر کو کالا نہ کرے۔

(محمد صادق) *

وَلَا مَفْصِلَ إِلَّا دَخَلَهُ (رواہ ابو داؤد) (۱)

”حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (حضور ﷺ نے فرمایا) بہتر گروہ دوزخ میں ہوں گے اور ایک گروہ بہشت میں اور وہ گروہ جماعت ہے اور بے شک میری امت میں کئی قومیں نکلیں گی کہ سرایت کریں گی ان میں خواہشیں (یعنی ان کے عقائد اور اعمال میں بدعتیں (چلیں گی) جیسے سرایت کرتی ہے ہڑک (باؤ لے کتے کا زہر) ہڑک والے کو کہ اس کے رگ دریشہ اور جوڑ جوڑ میں داخل ہوتی ہے۔“ (۲)

مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي

حضور ﷺ نے ناجی جماعت کی پہچان یہ بتائی کہ وہ لوگ میرے اور میرے صحابہ رحمہ اللہ کے طریقے پر ہوں گے۔ یعنی ان کی راہ وہی راہ ہوگی جس پر میں اور میرے اصحاب چل رہے ہیں۔ پیچھے آپ سیدھی لکیر کا ذکر پڑھ آئے ہیں تو وہ سیدھی لکیر جو حضور ﷺ نے کھینچی اور اسے اللہ کی راہ کہا..... یہ اللہ کی راہ۔۔۔ وہی راہ ہے جس پر سرور کائنات ﷺ گام فرما رہے ہیں۔ اور اسی راستے پر سوا لاکھ سے زائد صحابہ رحمہ اللہ نے آپ ﷺ کی پیروی کی ہے۔ **هَمَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي** کا مطلب یہی ہے کہ جس (مذہب۔ طریقے۔ عقیدت اور عمل) پر میں (اللہ کا رسول ﷺ) ہوں۔ اور میری پیروی میں اور میرے صحابہ رحمہ اللہ ہیں۔ نجات پانے والی جماعت بھی بالکل میرے ہی طریقے، عقیدے اور عمل پر ہوگی، میرے صحابہ کی سی چال چلے گی۔

رسول اللہ ﷺ کا طریقہ

اب آپ انصاف سے کہئے: اللہ کے ڈر سے سچ بچائیے کہ رسول اللہ ﷺ کے طریقے اور عمل کو سنت نہیں کہتے؟ آپ ﷺ کے قول اور فرمان کو حدیث نہیں کہتے؟ جب آپ ﷺ کا طریقہ عمل اور قول سنت اور حدیث ہے تو کیا ہر مسلمان کا مذہب سنت اور حدیث نہیں ہونا چاہئے؟ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تمام صحابہ رحمہ اللہ صرف حدیث اور سنت پر ہی چلتے تھے تو کیا ہمیں صحابہ رحمہ اللہ کی چال نہیں چاہئے..... جو دراصل پیروی رسول ﷺ ہے! خوب یاد رکھیں! اور **هَمَا أَنَا عَلَيْهِ** کی دلیل سے یاد رکھیں۔۔۔ کہ حضور انور ﷺ کی حدیث اور سنت ہی

(۱) مسند احمد ۱۰۴/۳ و ابو داؤد کتاب السنۃ (۳۹) باب شرح السنۃ (۱) الحدیث ۳۵۹۷ و دارمی ۳۱۲/۲ کتاب السیر (۱۷) باب فی افتراق هذه الامۃ (۷۵) الحدیث ۲۵۱۸ - منفری نے 'الترغیب' ۸۳/۱ میں اس کے صحیح ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے اور علامہ البانی نے 'صحيح الجامع' ۳۷۵/۲ میں صحیح کہا ہے۔

(۲) حضور ﷺ نے نجات پانے والوں کو جماعت کے نام سے یاد فرمایا ہے فرقہ نہیں کہا جماعت میں جمع 'اکتھ' اتفاق اور اتحاد کا مفہوم پایا جاتا ہے اور فرقہ جدائی، علیحدگی، پھوٹ اور انتشار کے معنی رکھتا ہے۔ اللہ فرقہ بندی سے بچائے۔ (آمین)

سیدھی راہ ہے۔ یہی اللہ کا راستہ ہے، نجات کا ذریعہ ہے، بہشت کا موجب ہے۔ آپ کے قول و فعل پر ہی تمام صحابہ علیہم السلام تابعین و تبع تابعین کا رہنما رہا۔ سب کا مذہب حدیث اور سنت ہی تھا۔ پھر آپ بھی عہد کریں کہ صرف حدیث اور سنت پر ہی عمل کریں گے۔ احادیث کے خلاف اقوال رجال مسترد کر دیں گے۔ بغیر دلیل حدیث کے کوئی عقیدہ۔۔۔ عمل اور طریقہ قبول نہ کریں گے۔

سنت کو زندہ کرنے کا حکم

اللہ کے سچے رسول ﷺ حضرت محمد ﷺ کے قول و فعل کا نام ہی دین ہے۔ اگر آپ ﷺ کا کوئی فعل ترک کر دیا جائے، بھلا دیا جائے تو اتنا ہی دین میں نقصان واقع ہوتا ہے۔ اس لئے حضور ﷺ نے اپنی سنتوں کو جو گم ہو گئی ہوں..... زندہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور انہیں پھیلانے اور شائع کرنے پر بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے چنانچہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

﴿وَعَنْ بِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ الْمُزَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَحْيَى سُنَّةً مِنْ سُنَّتِي قَدْ أَمِيتَتْ بَعْدِي فَإِنَّ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلَ أُجُورٍ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا﴾ (ترمذی، ابن ماجہ) (۱)

”حضرت بلال بن حارث مزی روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! جس نے زندہ کیا (رواج دیا) میری ایسی سنت کو جو چھوڑ دی گئی تھی بعد میرے پس اس سنت کو جاری کرنے والے کے لئے اتنا ثواب ہے جتنا اس سنت پر عمل کرنے والے لوگوں کے لئے ہے اور ان کے ثواب سے کچھ کم نہ ہوگا۔“

مسلمان بھائیو! رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کو زندہ کرو! انہیں رواج دو جتنے لوگ ان پر عمل کر کے ثواب پائیں گے۔ ان لوگوں کے ثواب کے برابر آپ کو بھی ثواب ملتا رہے گا۔ نماز میں جتنی سنتیں چھوڑ دی گئی ہیں۔ انہیں زندہ کر کے رحمت عالم ﷺ کی بشارت لو! ایسے ہی دوسری عبادتوں میں ترک کردہ سنتوں کو عمل میں لا کر احیائے سنت کا رتبہ پاؤ اور زندگی کے ہر شعبے میں احادیث و سنن کی شمعیں جگاؤ!

(۱) ترمذی کتاب العلم (۳۹) باب ماجاء فی الاخذ بالسنة و اجتناب البدعة (۱۶) الحدیث ۲۶۷۷ و ابن ماجہ المقدمة باب من احیاء سنة قد امیت (۱۵) الحدیث ۲۱۰۹ و ۲۱۰۸ اس کی سند میں کثیر بن عبد اللہ راوی ضعیف ہے بلکہ بعض آثار میں اسے کذب سے متهم کیا ہے تقریباً ۲۸۵ علامہ البانی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے ضعیف ابن ماجہ (۲۱۰) و ضعیف ترمذی (۲۸۳۰)

نماز جنازہ میں ترکِ فاتحہ

تقلید جامد کی بنا پر مسلمانوں کی اکثریت اور ان کے امام نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتے..... حالانکہ حضور ﷺ نے حدیث شریف میں فرمایا:

﴿لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ﴾ (بخاری، مُسَلَّم) ^(۱)
 ”بغیر الحمد شریف کے (کوئی) نماز نہیں ہوتی۔“

یعنی سورہ فاتحہ پڑھے بغیر نہ فرض نماز ہوتی ہے نہ سنت نہ نفل، تہجد، اشراق، استخارہ، کسوف، خسوف، عیدین، استسقاء، تسبیح، جنازہ وغیرہ ہر نماز میں ضرور ضرور فاتحہ پڑھنی چاہئے۔ پھر کس قدر انفس کا مقام ہے کہ اماموں نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا چھوڑ دیا ہوا ہے اور ان کی تقلید میں عوام فاتحہ الکتاب کا پڑھنا بھول چکے ہیں۔

آؤ دیکھیں کہ حضور انور ﷺ نے نماز جنازہ کس طرح پڑھائی؟ نماز جنازہ میں حضور ﷺ کی دعوت اور پکار کیا ہے؟ ﴿دَعَاكُمْ لِمَا يُخْبِتُكُمْ﴾ (پ: ۹) حضور انور ﷺ پکارتے ہیں تم کو کہ زندہ کریں تمہیں..... یہ ہے پکار رسول اللہ ﷺ، حصن حصین میں جنازہ کے بیان میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَإِذَا صَلَّى عَلَيْهِ كَبَّرْتُمْ قَرَأَ الْفَاتِحَةَ﴾ (حصن حصین) ^(۲)
 ”اور جب حضور نماز پڑھتے میت پر تکبیر کہتے پھر سورہ فاتحہ پڑھتے۔“

آپ وہ پڑھ آئے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اے ایمان والو! رسول اللہ ﷺ کی پکار قبول کرو..... تو کیا ہم نے نماز جنازہ میں فاتحہ پڑھنے کی پکار رسول قبول کی ہوئی ہے؟..... نہیں! تو پھر کس طرح ہمیں اور ہماری بیٹیوں کو وہ ”زندگی“ ملے گی جس کا ملنا استجاب رسول ﷺ پر موقوف ہے۔ جتنا ہم حضور کی پکاروں (حدیثوں) کی استجاب سے غافل رہیں گے: اتنا ہی ہم اپنے دین کا نقصان کریں گے۔۔۔ مسلمان بھائیو! حضور ﷺ کی حدیث کے مطابق نماز جنازہ میں ضرور ضرور سورۃ فاتحہ پڑھا کرو!

(۱) بخاری کتاب الاذان (۱۰) باب وجوب القراءة للامام و العمام فی الصلوات كلها (۹۵) الحدیث ۷۵۶

مسلم کتاب الصلاة (۳) باب وجوب قراءة الفاتحة فی کل رکعة (۱۱) الحدیث ۸۷۴ عن عبادة بن الصامت رضی اللہ عنہ

(۲) مؤلف مرحوم نے اس حدیث کو حصن حصین کے حوالے سے درج کیا ہے اور حصن حصین میں درج ذیل حدیث بیان کی گئی ہے۔ شریعت

بن سعد ج ۱ ص ۲۵۷ سے روایت ہے کہ ابواء کے مقام پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نماز جنازہ پڑھائی آپ نے تکبیر کہہ کر سورہ فاتحہ کی تلاوت کی

پھر درود پڑھا اس کے بعد دعا کی اور فارغ ہو کر کہا کہ میں نے سورہ فاتحہ اس لیے جبری تلاوت کی ہے تاکہ تمہیں علم ہو جائے کہ یہ سنت

ہے اس کو احکم نے مستدرک ۱/۳۵۹ اور بیہقی نے السنن الکبریٰ ۳/۴۲۲ میں روایت کیا ہے مگر یہ مبنیٰ بن یثوب زعمی راوی کی وجہ سے

ضعیف ہے مگر اس کا ایک صحیح شاہد موجود ہے (دیکھئے بخاری کتاب الجنائز (۲۳) باب قراءة فاتحة الكتاب علی الجنائز (۶۵) الحدیث

۱۳۳۵۔ جس کی وجہ سے یہ صحیح ہے۔

﴿وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ عَلَى الْجَنَازَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ﴾
(ابن ماجہ) (۱)

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنازے کی نماز میں (تکبیر اولیٰ کے بعد) سورہ فاتحہ پڑھی۔“

حضرت ام شریک انصاریہ سے بھی روایت ہے کہ ”رسول اللہ ﷺ نے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا۔“ (ابن ماجہ) (۲)

برادرانِ اسلام! دیکھا آپ نے کہ حضور ﷺ نے جنازوں میں سورہ فاتحہ پڑھی۔۔۔ صحابہ کرام نے پڑھی لیکن ہم نے چھوڑ رکھی ہے۔ اصل فاتحہ چھوڑ کر رسم فاتحہ پرا ترا آئے ہیں۔ افسوس۔۔۔ نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی نہ وہ ٹم ہے زلف یاز میں

ترکِ حدیث کی ہم نے یہ ایک مثال دی ہے۔ ایسی ہی بہت سی حدیثیں ہم نے کورانہ تقلید کی بنا پر اقوالِ رجال کی نذر کر رکھی ہیں ہمیں چاہئے کہ حضور ﷺ کی تمام حدیثوں کو زندہ کریں اور خوب پھیلائیں۔ مسلمانوں کو ان پر عمل کرنے کی رغبت دلائیں تاکہ لوگوں کو ”زندگی“ ملے۔ ارشاد خداوندی ہوتا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ﴾ (پ: ۹ : ۱۷۷)

”اے ایمان والو! پکارنا قبول کرو واسطے اللہ کے اور واسطے رسول ﷺ کے جب پکارے تم کو واسطے اسکے کہ زندہ کرے تم کو اور جان لو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہوتا ہے اور (جان لو) کہ تم اللہ کے پاس حاضر کئے جاؤ گے۔“

(۱) ابن ماجہ کتاب الجنائز (۶) باب ماجاء فی القراءة علی الجنائز (۲۲) الحدیث ۱۳۹۵ و ترمذی کتاب الجنائز (۸)

باب ماجاء فی القراءة علی الجنائز بفاتحة الكتاب (۳۹) الحدیث ۱۰۲۶ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کی سند میں ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان راوی تحت ضعیف ہے، لیکن صحیح مسلم نے کی وجہ سے صحیح ہے جیسا کہ صفحہ نمبر ۵۱ حاشیہ نمبر ۲ میں بیان ہوا ہے۔

(۲) ابن ماجہ الحدیث ۱۲۹۶۔ باب سابق، مگر اس کے متن اور سند میں اختلاف کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے، سند میں اختلاف یہ ہے کہ طبرانی کبیر ۱۶۲/۲۳ (۳۱۳) میں بھی روایت مروی ہے جس میں راوی محمد بن حمران نے ام شریک کی بجائے اسماء بنت یزید سے روایت کیا ہے اور متن میں اختلاف یوں ہے کہ یہاں پڑھنے کا حکم بیان ہوا ہے جبکہ ابن عدی ۲/۶۵۶ اور طبرانی کبیر ۲۵/۹۷ میں حکم کی بجائے پڑھنے کا ذکر ہے علامہ البانی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، ضعیف ابن ماجہ (۱۳۹۶)

دعوتِ رسول ﷺ سے زندگی

اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت پکارنا اور بلانا مسلمانوں کے لئے پیغامِ حیات ہے جو شخص آپ ﷺ کی پکار کو قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے۔ اللہ اس کو زندگی..... روح کی پاکیزگی عطا کرتا ہے! مسلمان بھائیو! سوچو! سنت اور حدیث کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کا کتنا فائدہ ہے۔ اللہ فرماتا ہے: ﴿يُحْيِيكُمْ﴾ رسول ﷺ تم کو (میری مشیت کے ماتحت) زندہ کرتا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کی پکار ہماری روح کی زندگی ہے۔ دل کی اور ایمان کی زندگی ہے۔ جب ہم آپ ﷺ کی دعوت کو قبول کریں گے سنت اور حدیث پر عمل کریں گے تو اللہ ہمیں روحانی زندگی عطا کرے گا۔ یاد رکھیں یہی روحانی زندگی مرنے کے بعد کام آنے والی چیز ہے۔

ضد اور ہٹ کا نتیجہ

اللہ نے جب فرمادیا کہ ”رسول اللہ ﷺ کے پکارنے کو قبول کرو۔“ آپ کی حدیث پر عمل کرو تو ہر مخلص اور انصاف پسند مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اللہ کے حکم کو مان کر اپنی زندگی رحمتِ عالم ﷺ کی زندگی کے مطابق گزارے۔ عقائد میں اعمال میں زندگی کے ہر ہر گوشے اور زاویے میں اتباعِ رسول ﷺ کی شمع جگائے اور استجابِ رسول ﷺ میں کوئی شخص ضد اور ہٹ نہ کرے۔ کابلی سستی اور دیر نہ کرے۔ موقع کو غنیمت جان کر ابھی سے لبیک کہہ دے۔ چونکہ دل اللہ کے قبضے میں ہے۔ شروع شروع میں اللہ کسی کے دل کو قبول حق سے نہیں روکتا اس لئے پکارِ رسول ﷺ کو سنتے ہی آمنا و صدقنا کہہ کر جلد عمل کرنا چاہئے۔

اور اگر حضور ﷺ آوازوں پر آوازیں دیں تو ان کی آوازوں (حدیثوں) پر کان نہ دھرا جائے۔ حضور ﷺ پکارتے چلے جائیں..... ادھر توجہ نہ کی جائے آپ ﷺ کے پیغام پر پیغام آئیں۔۔۔ کوئی جواب نہ دیا جائے۔ تو اللہ تعالیٰ ایسے لا پرواہ کابل اور نافرمان لوگوں سے ناراض ہو جاتا ہے اور اس ناراضی میں توفیقِ خیر سے محروم کر دیتا ہے۔ ایسے لا پرواہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے روک بن جاتا ہے۔ اس کے دل پر کفرانِ نعمت کی پاداش میں مہر کر دیتا ہے۔ آیت مذکورہ میں یہی چیز بیان کی گئی ہے۔ پھر سنیں!

﴿وَاعْلَمُوا﴾ اور (رسول اللہ ﷺ کی پکاروں کی پروا نہ کرنے والو) جان لو!

﴿إِنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ﴾

”(کہ اللہ اپنی قدرت سے) آدمی اور اس کے دل میں آڑے آ جاتا ہے۔“

جب اللہ بندے اور اس کے دل میں آڑے آ گیا۔ حائل ہو گیا، روک بن گیا تو وہ بد نصیب بندہ پھر کیا کر

سکے گا؟ کیا حق کو قبول کرے گا؟ عمل کی توفیق پائے گا؟ ہرگز نہیں..... اسکا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ اگر تم نے میرے رسول اللہ ﷺ کی پکار ^(۱) کو نہ سنا، نہ مانا، نہ عمل کیا تو اس لا پرواہی، سستی، مخالفت، ضد اور اباء کی سزا میں تمہارے دل کے کواڑ بند کر دوں گا جو زندگی استجابات رسول ﷺ سے تمہیں ملنی تھی (نبوت کی نعمت کی ناشکری کے سبب) اس سے محروم کر دوں گا۔ مردہ دل ہو کر رہ جاؤ گے، ”مر جاؤ گے۔“

مسلمان بھائیو! یقین جانو کہ حضور انور ﷺ کی آواز پر لبیک کہنے میں دل کی زندگی ہے اور انکار میں دل کی موت ہے۔ پھر جس نے حدیث مصطفیٰ کو اپنا مذہب بنا کر سنت کے آب حیات سے زندگی پائی، وہ شخص دراصل زندہ جاوید ہو گیا۔

دست از مس وجود جو مردان راہ بشوے
تا کیسائے عشق بیابی و زر شوی!

رسول اللہ ﷺ کی معیت

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿مَنْ أَحَبَّ سُنَّتِي فَقَدْ أَحَبَّنِي وَمَنْ أَحَبَّنِي كَانَ مَعِيَ فِي الْجَنَّةِ﴾ (مشکوٰۃ شریف) ^(۲)

”جس نے دوست رکھا میری سنت کو، اس نے دوست رکھا مجھ کو، اور جس نے دوست رکھا مجھ کو، ہوگا میرے ساتھ بہشت میں۔“

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ کی سنت اور حدیث سے محبت کرنا رحمت دو عالم ﷺ کی رفاقت اور معیت کا موجب عمل بالحدیث بہشت کا باعث ہے۔ پھر آپ کو چاہئے کہ سنتوں۔۔۔ اور حدیثوں پر عمل کیا کریں کہ یہی راہ نجات ہے!

(۱) حضور ﷺ کے زندگی بھر کے قول و فعل حضور ﷺ کی پکار ہے۔ (محمد صادق)

(۲) ترمذی کتاب العلم (۳۹) باب ماجاء فی الاخذ بالسنة و احتساب البدعة (۱۶) الحدیث ۲۶۷۸ عن انس رضی اللہ عنہ سند میں علی بن زید ابن جدعان راوی ضعیف ہے، تقریب علامہ البانی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے، ضعیف ترمذی ص ۳۱۸ واضح رہے کہ مؤلف مرحوم نے (مشکوٰۃ رقم الحدیث ۱۷۵) پر اعتماد کی وجہ سے لفظ ”من احب“ نقل کیے ہیں حالانکہ ترمذی میں ”من احبہ“ کے الفاظ ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اتباع رسول ﷺ کرتے

﴿وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ أَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنُسْخَةٍ مِنَ التَّوْرَةِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ هَذِهِ نُسْخَةٌ مِنَ التَّوْرَةِ فَجَعَلَ يَقْرَأُ وَجْهَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَغَيَّرُ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ ثَكَلْتِكَ الْفَوَاحِلُ مَا تَرَى بِوَجْهِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَنَظَرَ عُمَرُ إِلَى وَجْهِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ غَضَبِ اللَّهِ وَغَضَبِ رَسُولِهِ رَضِينَا بِاللَّهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ ﷺ نَبِيًّا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ ﷺ بِيَدِهِ لَوْ بَدَأَ لَكُمْ مُوسَى فَاتَّبَعْتُمُوهُ وَتَرَكْتُمُونِي لَضَلَلْتُمْ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ وَلَوْ كَانَ مُوسَى حَيًّا وَ أَذْرَكَ نُبُوْتِي لَا تَبْعَنِي﴾ (مشکوٰۃ شریف) ^(۱)

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس نسخہ تورات کالائے اور کہا: حضور ﷺ ایسے نسخہ تورات کا ہے! حضور اکرم ﷺ خاموش رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے پڑھنے لگ گئے اور حضور ﷺ کا چہرہ متغیر ہو گیا پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کہا: کم کریں ^(۲) تجھ کو گم کر نیوالیاں کیا نہیں دیکھتا تو وہ چیز جو حضور ﷺ کے چہرے پر (ظاہر ہوئی) ہے؟ (یعنی حضور ﷺ غضب ناک ہو گئے ہیں۔) پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے چہرے کی طرف دیکھا (کانپ گئے) --- اور کہنے لگے: (حضور ﷺ)! پناہ پکڑتا ہوں میں ساتھ اللہ کے، اللہ کے غضب سے اور اللہ کے رسول ﷺ کے غضب سے راضی ہوئے ہم ساتھ اللہ کے رب ہونے پر اور ساتھ اسلام کے دین ہونے پر اور ساتھ محمد ﷺ کے نبی ہونے پر (یعنی اللہ کے سوا ہمیں کسی دین کی ضرورت نہیں۔ اسلام کے سوا کسی دین کی ضرورت نہیں۔ محمد ﷺ کے سوا کسی نبی کی ضرورت نہیں) پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر ظاہر ہوتے تمہارے لئے سیدنا موسیٰ علیہ السلام

(۱) سنن دارمی ۱/۱۶۶ (المقدمة) باب ما يتفق من تفسير حديث النبي ﷺ و قول غيره عند قوله ﷺ (۳۹) الحديث ۳۳۵۔ عن جابر رضی اللہ عنہ صحیح ہے علامہ البانی نے حسن کہا ہے المشکوٰۃ (۳۳۵) یہ روایت مختصر، مسند احمد ۳/۳۲۸ و السنن الكبرى للبيهقي ۱۱/۲ و شعب الایمان ۱/۲۰۰ رقم الحديث ۱۷۹ و ابو يعلى ۲/۳۲۶ (رقم الحديث ۲۱۳۲) میں بھی مروی ہے۔

(۲) عرب اپنے محاورے میں اس جملہ کو مقام تعجب پر بولتے ہیں۔ حضرت ابوبکر کے کہنے کا مطلب ہے کہ حضور ﷺ کا چہرہ غصہ سے متغیر ہو گیا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ تعجب ہے کہ تو یہ بات نہیں سمجھتا۔ (محمد صادق)

(آج) پھر پیروی کرتے تھے ان کی اور چھوڑ دیتے تھے مجھ کو! البتہ گمراہ ہوتے تھے..... سیدھی راہ سے۔ (سنو)!

اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام (آج) زندہ ہوتے اور پاتے میری نبوت کو تو ضرور پیروی کرتے میری (ہی)۔“

تورات دیکھنے کی اجازت نہ ملی

مذکورہ حدیث پڑھ کر مسلمانوں کو بڑی سنجیدگی سے اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں نسخہ تورات دیکھ کر رحمت عالم ﷺ غضب ناک ہو گئے۔ حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس نیت سے تورات کی ورق گردانی نہیں کر رہے تھے کہ وہ اس کی تعلیم کے مطابق عبادات بجالائیں گے زندگی گزاریں گے شریعت موسوی پر چلیں گے۔ دراصل بات یہ تھی کہ تورات انہیں اتفاقاً مل گئی اور وہ اسے یونہی سر راہ دیکھ رہے تھے۔ حضور انور ﷺ نے قرآن اور حدیث کے ہوتے ہوئے تورات (اللہ کی نازل کردہ برحق کتاب) کو جناب عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیکھ کر اس لئے غصے کا اظہار فرمایا کہ کہیں عمر رضی اللہ عنہ کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی کتاب وسنت کے علاوہ مذہب میں دوسری کتابوں بزرگوں کی بے سند باتوں قصوں کہانیوں کی طرف نہ رجوع کرنے لگ جائیں اور رفتہ رفتہ غیر کتاب وسنت چیزیں اسلام میں بار نہ پانے لگ جائیں۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ سوائے قرآن وحدیث کے کسی چیز کو دین اور مذہب میں دخل حاصل نہیں جب تورات تک پڑھنے کی اجازت نہیں ملتی تو ”قال اللہ اور قال الرسول“ کے سوا کس کتاب کے پڑھنے اور کس امتی کی بات ماننے کی اجازت ہو سکتی ہے؟ پھر یقین کر لیں کہ دین صرف نام ہے قرآن اور قرآن پر عمل رسول ﷺ کا۔ جو شخص بحیثیت مسلمان اسلام پر چلنا چاہے اسے صرف سبیل الرسول ﷺ ہی اختیار کرنی چاہئے۔^(۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طلب عفو

حضور ﷺ کو غضب ناک پا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے اس کے غضب اور اس کے رسول ﷺ کے غضب سے پناہ چاہی۔ پھر عرض کیا: حضور ﷺ! میں اللہ کو رب مان کر اسلام کو دین اور محمد ﷺ کو نبی مان کر راضی ہوا ہوں..... یعنی میں تمام زندگی بحیثیت مسلمان صرف اللہ کا حکم مانوں گا اور اس کے حکم پر صرف آپ ﷺ کے طریقے کے مطابق چلوں گا۔ قرآن اور حدیث کے سوا تیسری کسی بات کی طرف رجوع نہ کروں گا اور نہ اسے دین کی چیز

(۱) حضور ﷺ کے قول فعل وسنت اور حدیث کے ہوتے ہوئے تورات کو دیکھنا پڑھنا غضب رسول ﷺ کا سبب ہے تو دانستہ حدیث چھوڑ کر اس کے خلاف امتی کے قول پر عمل کرنا کس قدر رسول اللہ ﷺ کے غصے کا موجب ہو سکتا ہے۔ جو لوگ جان بوجھ کر خلاف حدیث اقوال رجال پر چل رہے ہیں یقیناً وہ غضب رسول ﷺ مول لے رہے ہیں۔ انہیں بڑی جد تو بہ کر کے عامل بالحدیث ہو جانا چاہئے۔ (محمد صادق)

تصور کروں گا۔

مسلمان بھائیو! کیا آپ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح اقرار کرتے ہیں کہ صرف سبیل الرسول ﷺ پر ہی چلیں گے۔ دین صرف اللہ کی کتاب اور حدیث نبوی ﷺ کو ہی مانیں گے اور بلا سند و دلیل اندھا دھند کسی کے قول و فعل کو دین میں قابل قبول نہ جانیں گے؟ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ تورات کی صرف ورق گردانی پر حضور انور ﷺ کو غضبناک پا کر آپ ﷺ سے معافی مانگتے ہیں تو کیا آپ ﷺ کو اللہ کے غضب اور اس کے رسول ﷺ کے غضب سے خوف کھا کر کتاب و سنت کے معارضے کی ہر چیز سے دست بردار نہیں ہو جانا چاہئے؟ اور حدیث کے مقابلہ میں اقوال رجالِ سنت کے معارضہ میں بزرگوں کی بے سند باتوں کو تیاگ نہیں دینا چاہئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی پر قدغن

حدیث بالا میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:-

”قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے۔ اگر ظاہر ہوتے تمہارے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام (آج) پھر پیروی کرتے ثم ان^(۱) کی اور چھوڑ دیتے ثم مجھ کو البتہ گمراہ ہوتے ثم سیدھی راہ سے۔“

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر آج میری (محمد رسول اللہ ﷺ) کی موجودگی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بالفرض آجائیں تو ثم مجھے چھوڑ کر ان کے پیچھے لگ جاؤ۔ میری باتیں ماننے کی بجائے ان کی ماننے لگو۔ میری حدیثوں کے مقابلے میں ان کے اقوال پر چلنے لگو۔۔۔ میری سنتوں کو پس پشت ڈال کر ان کی روش اختیار کرو تو قسم اللہ کی ثم سیدھی راہ سے بھٹک جاؤ گے!

اللہ اکبر! موسیٰ علیہ السلام! جو کہ رسول اللہ ہیں کی پیروی حدیث اور سنت کے مقابلہ میں گمراہی ہے۔

مسلمان بھائیو! سوچو! رحمت عالم ﷺ کی حدیث اور سنت کے ہوتے ہوئے اللہ کے سچے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف رجوع کرنے کا حکم نہیں ہے تو آج سنت اور حدیث کے مقابلہ میں جو کتابوں کے انبار لگ چکے ہیں اور ان انباروں کے نیچے حدیث کی کتابیں دب چکی ہیں اور مسلمان ان حدیث کی کتابوں کی بجائے انباروں

(۱) اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تنقیص شان نہیں ہو سکتی اور نہ حضور ﷺ نے اپنا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس لحاظ سے مقابلہ کیا ہے بلکہ حضور ﷺ پر نور نے امت کو سبق سکھایا ہے کہ پہلی شریعتیں اپنے اپنے وقت کیلئے تھیں۔ اب اسلام میں صرف میرا طریقہ میری راہ روش حدیث سنت اور میری سبیل پر چلنا ہی نجات کا موجب ہے۔ میری موجودگی میں حدیث و سنت کے آفتاب کی نصف انہاری میں کسی پیغمبر کی شیعہ نبوت نہیں چل سکتی۔ گویا اللہ کے حکم سے امت کو مسئلہ بتایا کہ حدیث کے مقابلہ میں ہر چیز کو چھوڑ دینا چاہئے۔ (محمد صادق)

کی طرف لپک رہے ہیں۔۔۔ حدیث کی بہ نسبت قول سے زیادہ پیار ہے۔ ایسے لوگ یقیناً اللہ اور رسول ﷺ کے غصے کے لائق ہیں۔ ان بھائیوں کو چاہئے کہ مغائر احادیث، اقوال و اساطیر کو چھوڑ کر سنت کے نور میں زندگی گزاریں۔

ترکِ حدیث کی چند مثالیں

﴿عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُحْصَصَ الْقَبْرُ وَأَنْ يُسْنَى عَلَيْهِ وَأَنْ يُقْعَدَ عَلَيْهِ﴾ (مشکوٰۃ شریف باب دفن الميت بحوالہ صحیح مسلم) ^(۱)
 ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبر کو پختہ بنانے اور اس پر عمارت (قبر گنبد) مینار وغیرہ بنانے اور اس پر (مجاور، محکف، چلہ کش وغیرہ بن کر) بیٹھنے سے منع فرمایا۔“

قبروں کو پختہ نہ بناؤ!

اس حدیث میں حضور ﷺ نے قبروں کو پختہ بنانے ان پر ہر قسم کی بنائے، عمارت کھڑی کرنے، پھر ان پر ہر طرح کی نشست۔۔۔ مجاوری چلہ کشی، اعتکاف وغیرہ سے منع فرمایا ہے۔ یہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے۔ کیا حضور ﷺ کے اس حکم۔۔۔ حدیث پاک کے خلاف قبریں پختہ نہیں بنائی جا رہی ہیں؟ اور بناتے کون ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی شریعت کے وارث بنے ہوئے ہیں۔۔۔ علماء، مشائخ، طریقت پیران، عظام! بزرگوں کی قبروں پر لاکھوں روپے خرچ کرتے ہیں۔ قبے اور گنبد بناتے ہیں۔ ایسا کرانے والے ”بزرگ“ اور ان کے ہزاروں مرید۔۔۔ کیا حضور انور ﷺ کی حدیث آپ ﷺ کے فرمان پاک کو دانستہ نہیں چھوڑتے ہیں؟ پھر مریدانِ باصفا جو حضور ﷺ کے حکم کو ترک کر کے ان ”بزرگوں“ کے حکم کو مانتے ہیں، کیا وہ رب اور رسول ﷺ کو ناراض نہیں کرتے ہیں؟ اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات تو شریعت محمدیہ میں نہ مانی جائے بلکہ اس ماننے کو نبی اکرم ﷺ گمراہی قرار دیں، لیکن حدیث کے خلاف ان امتیوں کی بات کو مان لیا جائے۔ کتنا اندھیر ہے۔ مسلمان بھائیو! خدا را اپنے پیارے رسول ﷺ، سہارے نبی حضرت محمد ﷺ کے فرمان کو سر آکھوں یا نہ کر کے خلاف کسی کی بات مت مانو۔

از چشم شوخش اے دل! ایمان خود نگہدار!

کاں جادوئے کماں کش، بر عزم غارت آمد

(۱) مسلم کتاب الجنائز (۱۱) باب النہی عن تحصیص القبر و البناء علیہ (۳۲) الحدیث ۲۲۳۵۔

امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ

سرور دو عالم ﷺ نے نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کی سخت تاکید کی ہے۔ یہاں تک فرمایا:

﴿لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ﴾ (بخاری، مُسَلَّم) ^(۱)

”الحمد شریف پڑھے بغیر کوئی نماز نہیں ہوتی۔“

یعنی امام پڑھے، مقتدی پڑھے، منفرد پڑھے اور نماز فرض ہو یا نفل ہو کوئی ہو..... بغیر سورۃ فاتحہ کے نہیں ہوتی!

ایک دن حضور ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی۔ فارغ ہو کر پوچھا: کیا تم امام کے پیچھے پڑھتے ہو؟ مقتدیوں نے

عرض کیا: ہاں حضور ﷺ ہم پڑھا کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿لَا تَفْعَلُوا إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَإِنَّهُ لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا﴾

”سورۃ فاتحہ کے سوا اور کچھ (یعنی اگلی قرأت) نہ پڑھو اس لئے کہ سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔“

(۱) (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، موطا امام مالک، مسند احمد)

حضور ﷺ کے اس حکم سے ثابت ہوا کہ امام کے پیچھے ضرور ضرور سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہئے۔ اگر نہ پڑھیں گے تو نماز نہیں ہوگی۔۔۔ کون کہتا ہے، نہیں ہوگی؟ حضرت محمد ﷺ فرماتے ہیں: نہیں ہوگی۔ لیکن بہت سے لوگ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتے۔ ان سے پوچھو تو کہتے ہیں ہمارے امام صاحب رحمہ اللہ نے ہمیں سورۃ فاتحہ پڑھنے سے منع کیا ہے اس لئے ہم نہیں پڑھتے۔ عوام تو درکنار بعض علماء لوگوں کو کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے منع (۳) کیا

(۱) بخاری کتاب الاذان (۱۰) باب وجوب القراءة للإمام والعامة في الصلوة كلها (۹۵) الحديث ۷۵۶ و مسند

کتاب الصلاة (۳) باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة و انه اذا لم يحسن (۹۱) الحديث ۸۷۴ عن عبادة بن

الصامت رحمہ اللہ

(۲) مسند احمد ۳۱۶/۵، ۳۲۲ و ابوداؤد کتاب الصلاة (۲) باب من ترك القراءة في صلاته بفاتحة الكتاب (۱۳۲)

الحديث ۸۲۴ و ترمذی کتاب الصلاة (۲) باب ما جاء في القراءة خلف الإمام (۱۱۸) الحديث ۳۱۱ و ابن خزيمة

۳۶/۳ الحديث ۱۵۸۱ و ابن حبان (موارد) ص ۱۲۷ الحديث (۳۶۰ و ۳۲۱) مستدرک للحاکم ۱/۲۳۸ و بیہقی

۱۶۴/۲ عن عبادة بن الصامت رحمہ اللہ ترمذی نے حسن حاکم نے مستقیم اور ابن حبان ابن خزيمة وغیرہ نے صحیح کہا ہے۔

(۳) ہمارا تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے متعلق ہوائیک گمان ہے کہ وہ ہرگز حدیث رسول ﷺ کے مقابلہ میں اپنے قول پیش نہیں کرتے

تھے۔ یہ سب کچھ امام صاحب رحمہ اللہ کے انوکھے عقوب کی تراشی ہوئی باتیں ہیں جو ان کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ

رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ﴿إِذَا صَحَّ الْحَدِيثُ فَلَهُوْ مَذْهَبِي﴾ ”صحیح حدیث ہی میرا مذہب ہے۔ (عقیدہ الجید) تو جب صحیح حدیث

میں سورۃ فاتحہ کا امام کے پیچھے پڑھنا ثابت ہو گیا تو امام صاحب کا مذہب بھی یہی ہو گیا۔ کہ امام کے پیچھے الحمد شریف پڑھو۔ ہر امام

صاحب نے تو اپنی بریت یہاں تک کر دی ہے فرمایا: ﴿وَإِذَا رَأَيْتُمْ تُخَالِفَ الْحَدِيثَ فَاعْمَلُوا بِالْحَدِيثِ =

ہے۔ اس لئے امام کے پیچھے الحمد شریف مت پڑھو۔ اب آپ ازراہ انصاف غور کریں کہ رسول اللہ ﷺ تو فرمائیں: سورۃ فاتحہ ضرور پڑھو نہ پڑھو گے تو نماز نہیں ہوگی اور لوگوں نے حضور ﷺ کے حکم کو بالائے طاق رکھ کر امام بیہودہ کی بات پر عمل کر لیا ہے کہ خلف امام الحمد شریف نہیں پڑھتے۔^(۱) ایسے لوگوں کو ٹھنڈے دل سے اس کوتاہی پر غور کرنا چاہئے۔

زمصہب زبغ دلدار آیتے برخواں!
نہ این مقام مقالات کش و کشاف است

تشہد میں انگلی اٹھانا

رسول اللہ ﷺ جب نماز پڑھتے تو تشہد کے اندر ﴿أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ کہتے وقت انگلی اٹھاتے تھے تاکہ زبان کی قوی شہادت وحدانیت کے ساتھ فعلی شہادت بھی ہو جائے۔ حضور ﷺ کی اس سنت منوکدہ پر سوا لاکھ صحابہ جن اللہ عمل کرتے رہے اور تمام محدثین رحمۃ اللہ علیہ اور فقہاء رحمۃ اللہ علیہ کا بھی اس پر عمل رہا۔ لیکن بہت سے مولوی صاحبان لوگوں کو اس سنت سے روکتے ہیں اور اس حد تک مسلمانوں کو اس سنت پاک کے خلاف اکسار کھا ہے کہ انگلی اٹھانے والوں کے ساتھ کئی لڑائیاں اور جھگڑے ہو چکے ہیں۔ ہم مسلمانوں کے سامنے حضور انور ﷺ کی سنت رفع سبابہ پیش کرتے ہیں:

﴿وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُشِيرُ بِإِصْبَعِهِ إِذَا دَعَا

= وَأَصْبَرُوا بِكَلَامِي الْحَاطِطِ﴾ ”اور جب میرے کلام کو حدیث کے خلاف پاؤ تو (خردوار) حدیث پر عمل کرو اور میرے قول کو دیوار پر مار دو۔“ (عقد الجید) اس کا مطلب یہ ہے کہ بالفرض اگر میرا قول حدیث نہ ملنے کی وجہ سے حدیث کے خلاف ہو جائے اور تم کو میرے قول کے خلاف حدیث مل جائے تو تم ضرور ضرور حدیث پر ہی عمل کرو اور میرے قول کو دیوار پر مار دو۔ سبحان اللہ! امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہتے عاشق حدیث تھے۔ لیکن امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ماننے والوں کا یہ حال ہے کہ انہوں نے امام صاحب کے قول (الحمد نہ پڑھو) کو پلے باندھ لیا ہے اور حدیث رسول ﷺ کو چھوڑ دیا ہے۔ یہ روش اچھی نہیں ہے ان بھائیوں کو چاہئے کہ وہ حضور سید المرسلین ﷺ کی حدیث پاک پر عمل کر کے خلف امام ضرور سورۃ فاتحہ پڑھا کریں ایسا کرنے سے وہ عامل حدیث ہو کر حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بھی تابعدار ہو جائیں گے کہ ان کا فرمان ہے کہ صحیح حدیث میرا مذہب ہے۔ تم بھی حدیث پر عمل کرو۔ (محمد صادق)

(۱) تین عظیم الشان مجتہد یعنی حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھو۔ اور اسی طرح حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی بھی غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں: ﴿فَإِنْ قَرَأْتَهَا فَرِيضَةً وَهِيَ زُحْنٌ تَبْطُلُ الصَّلَاةُ بِتَرَكِهَا﴾ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے اور یہ نماز کا رکن ہے اس کے ترک سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ ”جب سورۃ فاتحہ کا پڑھنا فرض اور رکن ہوا۔ تو پھر امام اور مقتدی دونوں کے لئے لازمی ہو گیا۔ جس طرح وضو فرض ہے۔ امام بھی کرے اور مقتدی بھی کرے پس سب بھائیوں کو خلف امام فاتحہ ضرور پڑھنی چاہئے۔“

..... (ابوداؤد، نسائی) (۱)

”حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اشارہ کرتے تھے اپنی انگلی کے ساتھ جس وقت (تشہد میں) دُعا مانگتے تھے۔“

حضور ﷺ کا فعل..... سنت پاک آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔ حضور ﷺ نے انگلی مبارک اٹھائی، سنت ثابت ہو گئی۔ حضور ﷺ نے اپنی اس سنت سے آپ کو حکم دیا کہ انگلی اٹھاؤ۔ بعض مولوی صاحبان کہتے ہیں: نہ اٹھاؤ! آپ کو کس کی بات ماننی چاہئے؟ جن کی رسالت کا آپ نے کلمہ پڑھا ہے ان کا ہی حکم ماننا چاہئے نا؟ پھر جو لوگ حضور ﷺ کا حکم ترک کر کے امتیوں کا حکم مان لیتے ہیں سنت کو ان کے کہنے پر ترک کر دیتے ہیں۔ ایسے تابع اور متبوع اللہ کے نزدیک کتنے قصور وار ہیں؟

قبروں پر چراغ جلانا

ایک اور حکم رسول اللہ ﷺ کا سنئے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

﴿لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَائِرَاتِ الْقُبُورِ وَ الْمُتَحِدِّينَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدِ وَالسَّرَجَ﴾ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی) (۲)

”رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں (۳) پر لعنت فرمائی اور قبروں پر مسجدیں بنانے والوں پر لعنت کی اور قبروں پر چراغ جلانے والوں پر لعنت کی۔“

(۱) ابوداؤد کتاب الصلاة (۲) باب الإشارة فی التشہد (۱۸۱ و ۱۸۰) الحدیث ۹۸۹ و نسائی کتاب السہو (۱۳) باب موضع البصر عند الإشارة و تحذیر السبابة (۳۹) الحدیث (۱۲۷۶) ابو عوانہ ۲/۲۲۶ و بیہقی ۲/۱۳۱، ۱۳۲ عن عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ علامہ البانی نے حسن کہا ہے مشکوٰۃ ۹۱۲

(۲) ابوداؤد کتاب الحنائن (۲۰) باب فی زیارة النساء القبور (۷۷ و ۷۸) الحدیث ۳۲۳۶ و ترمذی کتاب الصلاة (۲) باب ما جاء فی کراهیة ان یتخذ علی القبر مسجداً (۱۲۱) الحدیث ۳۲۰ و نسائی کتاب الحنائن (۲۱) باب التعلیظ فی اتخاذ السرج علی القبر (۱۰۳) الحدیث ۲۰۳۵ و مسند احمد ۱/۲۲۹ و ۲۸۷ و ابن حبان (موارد) ۷۸۸ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ترمذی نے حسن اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے، لیکن یہ روایت بوجہ ابوصالح باذان کے ضعیف ہے علامہ البانی نے ضعیف قرار دیا ہے (الضعیفہ ۲۲۵)

(۳) قبروں کی زیارت کی ممانعت عورتوں کو ہے، مردوں کو نہیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں ﴿فَلْيُزَوِّرُوا الْقُبُورَ فَإِنَّهَا تَذَكِّرُ الْمَوْتَ﴾ (مسلم کتاب الحنائن باب (۱۱) باب استئذان النبی ﷺ رحمہ عز و جل، فی زیارة قبر امہ (۳۶) الحدیث ۲۲۵۹ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ) پس (اے مردو!) تم زیارت کرو قبروں کی، کیونکہ زیارت کرنی قبروں کی موت کو یاد دلاتی ہے۔ (صحیح مسلم) یہ جو قبروں کی زیارت کی اجازت دی گئی ہے یہ بھی موت کو یاد کرنے کے لئے کہ قبروں کو دیکھ کر اپنی قبر کا تصور کر کے بدیوں سے بچو اور نیکیاں کرو۔ نہ کہ اہل قبور سے حاجتیں مانگنے اور مرادیں چاہنے کے لئے!

غور کیا آپ نے! حضور ﷺ نے قبروں پر چراغ جلانے والوں پر لعنت کی ہے۔ لیکن ایک مذہبی طبقہ..... کئی علماء اور گدی نشین حضرات مسلمانوں کو کہہ کر قبروں پر چراغ جلوار ہے ہیں۔ اس کام کو ثواب کا کام بتا رہے ہیں۔ استغفر اللہ حضور ﷺ جس کام پر لعنت بھیجیں علماء و مشائخ اسے کارِ ثواب بتائیں سوچ لیں کیا حشر ہوگا ایسے مسلمانوں کا! مسلمان بھائیو! خدا را حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے آگے تسلیم خم کرو آپ کی پکار کو سنو اور قبول کرو!

عورتوں کا قبروں پر جانا

حدیث مذکور میں حضور ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔ پھر قبروں کے عرسوں پر جو عورتوں کے تھمگئے ہوتے ہیں کیوں ہوتے ہیں؟ کیا یہ حضور ﷺ کی صریح نافرمانی نہیں ہے؟ آپ ﷺ کی آواز اور پکار کو نہ سننا نہیں ہے؟ جو علماء اور مشائخ عورتوں کو قبروں کے عرسوں پر بلاتے ہیں اور جو عورتیں وہاں جاتی ہیں یہ رحمتِ عالم ﷺ کی نافرمانی کرتے وقت کانپ کیوں نہیں جاتیں؟ مسلمان بھائیو! رسول اللہ کی پکار سنو اور مانو۔ آپ ﷺ کی پکار کے خلاف کسی کی آواز پر کان نہ دھرو۔ سرورِ دنیا و دیں بزمِ امکاں کے امیرِ مادی، محرومِ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کو بسر و چشم قبول کرو کہ یہی مسلمانی ہے۔

قبروں پر مسجدیں بنانا

حدیث بالا میں قبروں پر مسجدیں بنانے والوں پر بھی حضور ﷺ نے لعنت کی ہے۔ قبر پر مسجد بنانے کا ایک مطلب تو واضح ہے کہ قبر کے پاس مسجد کی تعمیر کی جائے۔ حضور نے اس سے منع فرمایا ہے۔ اور ”اتخاذ المساجد“ کا یہ مفہوم بھی ہے کہ جو کام مسجد میں اللہ کے لئے کئے جاتے ہیں وہ کام قبروں پر کئے جائیں۔ مثلاً قیامِ اعتکاف، رکوعِ سجدہ، دعا، نذرِ نیاز وغیرہ۔ یہ سب کام عبادت کے ہیں۔ ان کو قبروں پر بجالانا حرام ہے۔ بقولِ خالصہ خاصانِ رسل ﷺ لعنتی کا کام ہے۔ پھر جو حاجات اللہ ہی پوری کر سکتا ہے جو مشکلات رب ہی حل کر سکتا ہے ان کے لئے اہل قبر سے التجا کرنا، قبر کو سجدہ گاہ بنانا ہے۔ آج کل ہزاروں لوگ یہ کام قبروں پر کر رہے ہیں حالانکہ رسول پاک ﷺ قبروں پر ان کاموں کو کرنے سے روک رہے ہیں۔ افسوس! ان لوگوں کو علماء و مشائخ کی شہ ہے۔ یہ ”بزرگ“ انہیں ان کاموں کی رغبت دلاتے ہیں۔ ”استمدادِ ازاہل قبور“ کا موضوع مقرر کر کے عوام کو دھوکا دیتے ہیں۔ پھر عوام ان حضرات کے کہنے پر لگ جاتے ہیں اور رحمتِ للعالمین ﷺ کے حکم پر کان نہیں دھرتے ان لوگوں کو حشر کے دن پتہ چلا گا کہ حضراتِ انور ﷺ کی نافرمانی کا کیا حشر ہوا ہے؟

علماء و مشائخ کے کہنے پر حدیثوں کو چھوڑ دینے کی ہم نے صرف یہ چند مثالیں پیش کی ہیں کہ سادہ دلوں کو معلوم

ہو جائے کہ وہ کیا کر رہے ہیں؟ ان سے کیا کرایا جا رہا ہے؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طریقہ

ادھر آپ حدیث میں حضور ﷺ کے یہ الفاظ پڑھ آئے ہیں:

﴿وَلَوْ كَانَ مُوسَى حَيًّا وَ أَذْرَكَ بُيُوتِي لَا تَبْعَنِي﴾ (۱)

”اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے اور پاتے میری نبوت کو تو پیروی کرتے میری۔“

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ کے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام اگر حضور انور ﷺ کی نبوت کو پاتے تو وہ ضرور ضرور حضور ﷺ کے طریقے پر چلتے سنت اور حدیث پر عمل کرتے وہ خود کو کسی امتی کی طرف منسوب نہ کرتے۔ کسی فرقے میں شامل نہ ہوتے۔ تقلید جاد نہ کرتے بلکہ براہ راست صحابہ کی طرح سرورِ رسالہ ﷺ کے قول و فعل پر چلتے۔ سبیل الرسول ﷺ پکڑتے۔

مسلمان بھائیو! سوچو کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سوائے اتباع رسول ﷺ کے کسی امتی کی طرف رجوع کرنے کا حکم نہ ہوتا۔ جو حکم حضور اکرم ﷺ دیتے صرف اسی کو پکڑتے۔ پھر اگر آپ حدیث اور سنت رسول ﷺ کو ترک کر کے مولویوں، پیروں، بزرگوں کی بے سند باتوں کو دین مانیں گے۔۔۔ ان پر عمل کریں گے تو آپ کا کیا انجام ہوگا؟ سوچ سمجھ لیں! آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تو بڑے نہیں ہیں۔ حدیث اور سنت کے سامنے کسی پیغمبر کی سنت نہیں چل سکتی تو کیا اقوال رجال کام آسکتے ہیں؟ حدیث خیر الوریٰ ﷺ کے سامنے نبوت انبیاء کا سکوت تو آپ مانیں لیکن علماء و مشائخ کے اقوال کے سامنے حدیث کا خون روار کھیں۔

بہوش باش کہ ہنگام باد استغناء

ہزار خرمن طاعت بہ نیم جو بدہند

صحابہ کو رُلا دینے والا ارشاد!

﴿وَعَنِ الْعِرْبَاضِ ابْنِ سَارِيَةَ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بَوَّاحًا مُوَعِّظًا مُوَعِّظَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُونُ وَ وَجَلَتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ فَقَالَ رَجُلٌ يَارَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذِهِ مُوَعِّظَةٌ مُوَدِّعٌ فَأَوْصِنَا فَقَالَ أَوْصِيكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ كَانَ عَبْدًا حَبِشِيًّا فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرِى اخْتِلَافًا كَثِيرًا فَلَعَلَّكُمْ بَسْتَنِّي وَسَنَةَ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ تَمْسُكُوا بِهَا وَغَضُّوا عَلَيْهَا

(۱) صحیح ہے تفصیل حاشیہ نمبر ۲۰ میں گزر چکی ہے۔

بِالنَّوَاجِدِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحَدَّثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحَدَّثَةٍ بِدْعَةٍ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ.....
(مشکوٰۃ، باب الاعتصام بالكتاب والسنتہ) ^(۱)

”عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ہم کو نماز پڑھائی پھر آپ ہماری جانب متوجہ ہوئے اور مؤثر نصیحت فرمائی۔ (یہ) نصیحت سن کر ہماری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور دل لرز گئے۔ ایک شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ نصیحت تو ایسی (معلوم ہوتی) ہے: جیسے کسی رخصت کرنے والے کی ہوتی ہے۔ (حضور ﷺ) ہم کو (مزید خاص) نصیحت فرمائیے (جو زندگی بھر کام آئے)۔ حضور ﷺ نے فرمایا: (سنو!) میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرتے رہنا اور اپنے سردار کی بات سننا اور ماننا۔ اگرچہ (سنانے والا) غلام حبشی ہو (ہاں ہاں یاد رکھنا میرے بعد جو تم میں سے زندہ رہے گا وہ (مذہب میں) بہت اختلاف دیکھے گا) کہ بندگان حرص و آز علماء سوء فرقتے بندی پیدا کریں گے اور اپنے اپنے اقوال و آراء پر عوام کو چلائیں گے۔ خبردار! اثم اس وقت میری سنت اور خلفائے راشدین کے طریقے کو لازم پکڑنا مضبوط پکڑنا..... اور دانتوں سے پکڑے رکھنا۔ (صرف حدیث سنت اور تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم پر جم جانا) اور (دین کے اندر) نئے نئے کاموں (بدعتوں کے جاری کرنے) سے بچتے رہنا۔ کیونکہ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“

معیارِ حق

سرورِ رسولاں ختمِ نبیاں ﷺ نے اس حدیث شریف میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو راہِ دینے والا اُمت کو لرزادینے والا خطبہ قیامت تک روشن رہنے والی شمع کے اجالے میں صداقت کی وہ راہ دکھائی ہے۔ طالبِ حق کو سیدھا راستہ بتایا ہے کہ جس کا راہی کبھی دھوکا نہیں کھا سکتا، کبھی راہ نہیں بھول سکتا۔

حضور انور ﷺ نے اس رخصتانہ وصیت میں یہ بھی فرمایا کہ مذہب میں اختلاف کثیر ہوگا۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ مذہب میں فرقے بندیاں اور گروہ سازیاں ہوں گی۔ دین میں نئے نئے طریقے جاری ہوں گے۔ کئی مذہب نکل آئیں گے، فتنے جاگیں گے، فساد مٹھائیں گے اُمت ٹوٹے ٹوٹے ہو جائے گی۔ ہاں تو ایسے نازک وقت میں اپنے ایمان کو بچانے کے لئے صرف سنتِ مصطفیٰ ﷺ ہی کام آئے گی۔ تمام جھگڑوں، فتنوں، فسادوں، اختلافوں میں

(۱) مسند احمد ۱۲۶/۳ و ۱۲۷/۱ و الدارمی ۵۷/۱ (المقدمة) باب اتباع السنة (۱۶) الحديث ۹۵ ابو داؤد کتاب السنة (۳۹) باب فی لزوم السنة (۵) الحديث ۳۶۰۷ و ترمذی کتاب العلم (۳۹) باب ماجاء فی الاخذ بالسنة و اجتناب البدعة (۱۶) الحديث ۲۶۷۶ و ابن ماجة المقدمة باب اتباع السنة الخلفاء الراشدين المهديين (۶) الحديث ۴۲ و مسند للحاکم ۹۷/۱ و ۹۸/۱ حاکم ذہبی ترمذی اور علامہ البانی نے صحیح ترمذی ۲۱۵۷۔

سچائی کی کوئی اور حق کا معیار صرف حضور خواجه دوسرا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی حدیث ہی ہوگی اور اگر حدیث و سنت کی عملی صورت دیکھنی ہو تو صحابہ رضی اللہ عنہم کا طریقہ معلوم کرنا چاہئے۔

پس ﴿مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي﴾ ہی سلامتی کا راستہ ہوا۔ یہی راہ..... راہ نجات ٹھہری اور مسلمان وہ قرار پایا جو سنت اور اس پر عمل صحابہ رضی اللہ عنہم کو نگاہ میں رکھے اسی کو دین جانے کا معیار حق قرار دے اور جھگڑوں میں منصف مانے۔

بدعات سے بچنے کی وصیت

ایمان کے جواہر اور ہیزوں کے ساتھ تولنے والی مذکورہ حدیث پاک میں حضور پُر نور ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

﴿وَأَيُّكُمْ وَمُخْدَعَاتِ الْأُمُودِ﴾

”اور جو تم نئے نئے کاموں سے۔“

یعنی دین مکمل ہو چکا ہے۔ کوئی مسئلہ ایسا نہیں جو میں نے تمہیں بتا نہیں دیا۔ یاد رکھو! میں نے تمہیں دین کی روشنی میں چھوڑا ہے جہاں کوئی تاریکی نہیں ہے۔ اس لئے خبردار انہم خود دین میں مسئلے گھڑنے شروع نہ کر دینا۔ نفس کی نکال سے نئے نئے سکے ڈھالنے نہ لگ جانا۔ خبردار خبردار! ایسا ہرگز نہ کرنا۔ کوئی نیا کام نیا طریقہ نیا مسئلہ نئی بات بدعت میری مکمل شریعت میں جاری نہ کرنا۔ سنو! سنو!! ﴿فَإِنَّ كُلَّ مُخْدَعَةٍ بِذُعَةٍ﴾ بیشک ہر نئی بات جو دین میں نکالی جائے کار ثواب بتائی جاتی ہے۔۔۔ مسئلہ کہہ کر سنائی جائے وہ بدعت ہوگی ﴿وَكُلُّ بِذُعَةٍ ضَلَالَةٌ﴾ اور ہر بدعت گمراہی ہے یعنی بدعت پر عمل کرنے والا راہ گم کرے گا۔۔۔ راہ راست سے ہٹ جائے گا۔ اس سے صراط مستقیم چھوٹ جائیگی۔ وہ ﴿مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي﴾ کی شاہراہ سے بھٹک کر شیطان کی پگھڑی پر چلنے لگے گا۔ بدعت کے عامل کی مہار شیطان کے ہاتھ میں ہوگی۔

شیطان کی پیشوائی

اس فرمان ہدیٰ سے ثابت ہوا کہ سنت اور حدیث پر چلنے والے کے پیشوا اور ہادی حضرت محمد ﷺ ہیں اور بدعت پر چلنے والے کا پیشوا اور ہادی شیطان ملعین ہے۔ اب آپ کا فرض ہے کہ سنت اور بدعت میں تمیز کریں دونوں کو پہچانیں۔ اس طرح کہ جو کام حضور سید العرب والجم ﷺ نے کیا ہے یا کرنے کو کہا ہے وہ سنت اور حدیث ہے اور جو کام مہبط وحی والہام ﷺ نے نہ کیا ہے نہ کرنے کو کہا ہے۔۔۔ بلکہ امت کے لوگوں نے اسے دین کے نام سے ایجاد کیا ہے وہ بدعت اور گمراہی ہے۔ شیطان کی پیشوائی ہے۔ آگ کا انگارا ہے۔ دوزخ کا شعلہ ہے۔ اس سے بچو

پھر بچو کنارا کرو الگ رہو!

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا وزن

بساط کھٹکناں پر ہے کند ارتقاء تیری!
تری راہ معین سے نہ آگے بڑھ سکے رہرو
(شمر)

﴿وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ الْغَفَارِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ عَلِمْتُ أَنَّكَ نَبِيٌّ حَتَّى اسْتَيْقَنْتُ
فَقَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ أَتَانِي مَلَكَانِ وَأَنَا بَعْضُ بَطْحَاءِ مَكَّةَ فَوَقَعَ أَحَدُهُمَا إِلَى الْأَرْضِ وَكَانَ
الْأُخْرَيَيْنِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ فَقَالَ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ أَهْوُ هُوَ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَرَنَّهُ بِرَجُلٍ مِنْ
أُمَّتِهِ فَوَزَنَتْ بِهِ فَوَزَنَتْ ثُمَّ قَالَ زَنَّهُ بِعَشْرَةِ فَوَزَنَتْ بِهِمْ فَرَجَحَتْهُمْ ثُمَّ قَالَ زَنَّهُ بِمِائَةِ فَوَزَنَتْ
بِهِمْ فَرَجَحَتْهُمْ ثُمَّ قَالَ زَنَّهُ بِأَلْفٍ فَوَزَنَتْ بِهِمْ فَرَجَحَتْهُمْ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَنْشُرُونَ عَلَيَّ
مِنْ خِفَّةِ الْمِيزَانِ قَالَ فَقَالَ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ لَوْ وَزَنْتَهُ بِأُمَّتِهِ لَرَجَحَهَا﴾ (مشکوٰۃ
شریف) (۱)

”حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے کہا: ”اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ نے کس طرح جان لیا کہ آپ ﷺ نبی ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: (سنو!) میں بطحاء مکہ کی ایک جانب تھا کہ میرے پاس دو فرشتے آئے۔ ان دونوں فرشتوں میں سے ایک تو زمین کی طرف اتر آیا اور دوسرا آسمان اور زمین کے درمیان (ٹھہرا)۔ پھر دونوں میں سے ایک نے اپنے دوست کو کہا: ”کیا وہ یہی ہے؟“ کہا: ہاں وہی ہے۔ پھر اس نے اپنے دوست کو کہا: ”تو! اس کو اس کی امت کے ایک مرد کے ساتھ (تاکہ لوگ اسکی قدر جانیں اور اس کے قول و فعل کے مقابل دنیا و مافیہا کو بیچ سمجھیں)۔“ (ترازو لگ جاتی ہے ایک پلڑے میں حضور کو بٹھا دیا جاتا ہے اور دوسرے پلڑے میں ایک مرد رکھ دیا جاتا ہے) پھر میں تولا گیا اس مرد کے ساتھ اور میں غالب آیا اس پر۔ پھر اس نے اپنے دوست کو کہا: ”تو! اس کو دس مردوں کے ساتھ۔ پھر میں تولا گیا ان کے ساتھ اور غالب آیا ان پر۔ پھر اس نے اپنے دوست کو کہا: ”تو! اس کو سو مردوں کے ساتھ۔ پھر میں تولا گیا ان کے ساتھ اور غالب آیا ان پر پھر اس نے کہا تو! اس کو ہزار مردوں

(۱) سنن دارمی ۲۱/۱ (المقدمة) باب کیف کان اول شان النبی ﷺ (۳) الحدیث (۱۳) اس کی سند میں جعفر بن عبد اللہ القرظی راوی ہے امام عقیلی فرماتے ہیں کہ اس کی حدیث میں وہم اور اضطراب ہے الضعفاء الکبیر ۱۸۳/۱ جبکہ امام احمد نے نقد کہا ہے اور ابو حاتم نے اس ثقات پر خاموشی کی ہے کسان المیزان ۱۱۷/۲ الغرض روایت حسن درجہ کی ہے۔

کے ساتھ پھر میں تو لا گیا ان کے ساتھ۔ اور غالب آیا ان پر اور (اس دفعہ) کیا دیکھتا ہوں کہ وہ ہزار مرد اپنا پلڑا ہلکا ہونے کے سبب مجھ پر گرے ہیں (یعنی ان کا پلڑا باوجود اتنے بوجھ کے اونچا ہو گیا) پھر ان دونوں میں سے ایک نے دوسرے کو کہا کہ اگر تو اس (حضرت محمد ﷺ) کو اس کی ساری اُمت کے ساتھ تو لے تو یقیناً یہ اپنی ساری اُمت پر غالب آئے گا!“

نبی کریم ﷺ کے وزن کا غلبہ

حدیث بالا میں جو حضور انور ﷺ کو اللہ کے حکم سے فرشتوں نے تو لا تو اس سے مراد یہ ہے کہ حضور ﷺ کا مرتبہ اور درجہ اُمت کو بتایا گیا ہے کہ نہ صرف فردا فردا ہی کوئی ان کے مقابلہ کا ہے بلکہ ساری اُمت آپ ﷺ کے مقابلہ میں جسمانی اور روحانی طور پر بے وزن ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ حضور ﷺ کے قول و فعل کے مقابل آپ ﷺ کی سنت اور حدیث کے سامنے تمام اُمت میں سے کسی کا قول و فعل کچھ حیثیت نہیں رکھتا بلکہ پائے استحقاق سے ٹھکرا دینے کے لائق ہے۔ اگر حضور ﷺ کے وزن کے مقابل ساری اُمت بے وزن ہے تو حضور ﷺ کے قول و فعل کے مقابل بھی ساری اُمت کا قول و فعل بے وزن ہے۔

یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جو شخص یہ تسلیم کرتا ہے کہ حضور ﷺ کے مرتبہ کا کوئی انسان کوئی رسول نہیں ہے۔ آپ ﷺ کے وزن کی کوئی ہستی نہیں ہے لیکن حضور اکرم ﷺ کی صحیح حدیث کے مقابلہ میں اُمتی کا قول لے لیتا ہے اور حدیث چھوڑ دیتا ہے تو اس نے اُمتی کا مرتبہ حضور سید الانبیاء ﷺ کے مرتبہ سے معاذ اللہ بڑا مانا۔ حضور ﷺ سے اُمتی کو وزنی سمجھا اور اس کے عمل نے اس کے زبانی دعویٰ پر پانی پھیر دیا۔ یاد رکھیں کہ جو شخص سرورِ رسولان ﷺ کے قول و فعل سنت اور حدیث کے مقابلہ یا تبادلہ میں کسی اُمتی کے قول و فعل یا رائے قیاس کو دین میں دانستہ عمل میں لاتا ہے تو وہ نہ صرف حضور ﷺ کا نافرمان اور بے ادب ہے بلکہ حضور انور ﷺ کی رسالت کے متوازی ایک رسالت کھڑی کرتا ہے رسالت کھڑی کرنے کا قائل نہ سہی فاعل ضرور ہے۔ بھائیو! حضور ﷺ کے مرتبے کو پیچا پنو اور اس کی قدر کرو۔ اس طرح کہ ”ارشاد سید الکونین ﷺ کے سامنے ہر چیز آپ کو گردِ راہ دکھائی دے۔“

ساری اُمت پر غالب

حدیث مذکور پر ایک بار پھر غور کریں کہ جب فرشتوں نے ایک پلڑے میں سرور کائنات کو بٹھا کر دوسرے پلڑے میں اُمت کا ایک آدمی رکھا تو حضور ﷺ غالب آئے۔ پھر دس آدمیوں پر بھی غالب، پھر ہزار پر بھی غالب ہوئے۔ اب فرشتہ کہتا ہے۔ ﴿لَوْ وَزَنْتَهُ بِأَمْتِهِ لَوَجَّحَهَا﴾ اگر تو حضور ﷺ کو ان کی ساری اُمت کے ساتھ

جب رحمت عالم حضور خاتم النبیین ﷺ کی رسالت کے مقابل رسالت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تو صاحب ﴿مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ﴾ کی احادیث کے مقابل اور معارض اقوال رجال کیوں ہوں؟ پھر جو لوگ ایسے ہیں جنہوں نے ترازو کے ایک پلڑے میں حضرت سید المرسلین ﷺ کو بٹھا کر دوسرے پلڑے میں ائمہ و مشائخ کو بٹھا رکھا ہے اور ان کے پلڑے کو معاذ اللہ وزنی بناد رکھا ہے اندھا دھند احادیث کے خلاف باتیں مانتے ہیں۔ یہ لوگ کیسے مسلمان ہیں؟ اور کس منہ سے ﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ﴾ پڑھتے ہیں؟

رسالت کا کام اُمتیوں سے لینا

حضرت سرور عالم ﷺ نے جو اپنے مٹنے کا حال بیان فرمایا ہے۔ اس کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ آپ ﷺ کے تولد کے لئے کوئی بات نہیں ہے۔ یعنی امت کے لوگوں کو حکم دیا گیا ہے کہ حضور کو ہرگز نہ تولدنا۔ آپ ﷺ کے مقابل کے پلڑے میں خبردار! کوئی بات نہ رکھنا۔ حدیث اور سنت کا مقابلہ نہ کرنا۔ لیکن افسوس! بہت سے مسلمان رتیوں^(۱) ماشوں، تولوں، چھٹانگوں سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو تول^(۲) رہے ہیں اور پھر سپوتوں نے اپنے زعم میں ان ”باتوں“ کے پلڑے کو بھاری^(۳) کر رکھا ہے۔ حدیثوں کے مقابلہ میں اقوال رجال پر عمل کر رہے ہیں۔ پیر کی بات مان لیتے ہیں۔ اور سنت کا انکار کر دیتے ہیں تو کیا یہ لوگ حضور ﷺ کے مقابل کے پلڑے کو بھاری کرنے والے نہیں ہیں؟ قولاً حضور ﷺ کی رسالت کو مانتے ہیں لیکن عملاً رسالت کا کام امتیاز سے بھی لیتے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی، رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم

حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَجْعَلِ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ أَمَامَكَ وَانْظُرْ فِيهِمَا بِتَأَمُّلٍ وَتَدَبُّرٍ وَأَعْمَلْ بِهِمَا وَلَا تَغْتَرَّ بِالْقَالَ وَالْقِيلِ وَالْهُوسِ﴾

(فتوح الغیب)

- (۱) حضور ﷺ پر تو نبوت کا ایک پہاڑ ہیں جس سے وحی الہی کے ہیرے عظیم اور اصل نکلتے ہیں اور امت کے امام مجتہد وغیرہ اس پہاڑ کے آگے ریتیاں ماشے لار تو لے ہیں جو بالکل بے وزن ہیں۔
- (۲) حدیثوں کے مقابلہ میں اقوالی رجال کو لیمان کی تبلیغ کرنا نبوت کے پہاڑ کو ریتوں ماشوں اور قولوں کے ساتھ تو لانا ہے۔
- (۳) حدیث کو چھوڑ دینا اور اس کے خلاف امتی کے قول پر عمل کرنا۔۔۔ امتی کے پڑے کو حضور ﷺ کے پڑے کے مقابلہ میں بھاری کرنا ہے۔

”اور کتاب اور سنت کو اپنا امام (پیشوا) بنالے اور دونوں کو غور اور تدبیر سے پڑھا کر (خبردار) ان دونوں پر (یعنی) عمل کرنا، کسی کے قول قیاس رائے پر نہ چلنا۔“

حضرت پیر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد بھی آپ نے پڑھ لیا کہ سوائے قرآن و حدیث کے دین میں کسی کی رائے قیاس اور قول و فعل پر مت چلو۔ آپ مزید ارشاد فرماتے ہیں:

﴿لَيْسَ لَنَا نَبِيٌّ غَيْرُهُ فَتَبِعَهُ وَلَا كِتَابٌ غَيْرَ الْقُرْآنِ فَتَعَمَّلْ بِهِ فَلَا تَخْرُجْ عَنْهُمَا فَتَهْلِكَ فَيُضِلُّ هَوَاكَ وَالشَّيْطَانُ﴾

(فتوح الغیب)

”سوائے حضرت محمد ﷺ کے ہمارا کوئی نبی نہیں جس کی ہم اتباع کریں۔ سوائے قرآن کے ہمارے پاس کوئی کتاب نہیں جس پر ہم عمل کریں۔ خبردار! اگر تو نے قرآن اور حدیث کے سوا کسی اور چیز کی طرف رخ کیا تو برباد اور ہلاک ہو جائے گا خواہش نفس اور شیطان تجھے گمراہ کر دیں گے۔“

اس ارشاد میں بھی حضرت پیر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف قرآن و حدیث پر جم جانے کی تلقین کی ہے اور قرآن و حدیث سے ادھر ادھر ہونے کو گمراہی کہا ہے۔ آپ مزید وضاحت فرماتے ہیں:

﴿وَالسَّلَامَةُ مَعَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَالْهَلَاكُ مَعَ غَيْرِهِمَا بِهِمَا يُرْتَقَى الْعَبْدُ إِلَى حَالَةِ الْوَلَايَةِ وَالْبَدَلِيَّةِ﴾ (فتوح الغیب)

”خبردار! سلامتی صرف کتاب و سنت (قرآن و حدیث) پر عمل کرنے میں ہے اور ان دونوں کے سوا کسی اور چیز پر عمل کرنے میں بربادی اور ہلاکت ہے (میرے مرید یاد رکھ) اولیاء اللہ اور ابدال بننے کے مرتبے صرف قرآن و حدیث پر عمل کرنے سے حاصل ہوتے ہیں۔“

حضور ﷺ پر نور کو مست تو لو

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان ارشادات سے مسلمانوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ قرآن اور حدیث کے سوا کسی چیز کی طرف رخ نہ کریں۔۔۔ عمل کے لئے صرف کتاب و سنت کو کافی جانیں۔ یعنی کسی ایسی چیز کے قول کو حدیث کے مقابلہ میں قبول نہ کریں۔ گویا آپ کی یہ تعلیم مذکورہ بالا حدیث کے مطابق ہی ہوئی کہ ترازو میں صرف حضرت محمد ﷺ کو بیٹھنے دو۔ مقابل کے پلڑے میں امتوں کو بٹھا کر حضور ﷺ کو مست تو لو۔

شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات

حضرت پیران چرخ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی بعض سنتوں کو (جو نماز جیسی عظیم الشان عبادت

سے متعلق ہیں) بیان فرماتے ہیں تاکہ مسلمان ان پر عمل پیرا ہو کر سنت کی معراج کو پائیں اور غلط فہمیوں اور تنازعوں سے بچیں!

جلسہ استراحت

﴿جَلَسَةِ الْأَسْتِرَاحَةِ﴾ (غنیۃ الطالبین)

”(اے طالب حق)! نماز کی پہلی یا تیسری رکعت کے بعد کھڑے ہونے سے پہلے (تھوڑی دیر بیٹھنا چاہئے۔“

رفع الیدین

﴿وَالرُّكُوعُ وَالرُّفْعُ مِنْهُ﴾ (غنیۃ الطالبین)

”(اے طالب حق)! رکوع میں آتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرنا چاہئے۔“

سینے پر ہاتھ

﴿وَضَعُ الْيَمِينِ عَلَى الشِّمَالِ فَوْقَ السُّرَّةِ﴾ (غنیۃ الطالبین)

”(اے طالب حق)! نماز میں ہاتھ ناف سے اوپر (سینے پر) باندھنے چاہیں۔“

آمین بالجہر

﴿وَالجَهْرُ بِأَمِينٍ﴾ (غنیۃ الطالبین)

”(اے طالب حق)! اونچی قرأت والی نماز میں آمین اونچی آواز سے پکارنی چاہئے۔“

تورک فی الصلوٰۃ

﴿وَالتَّوَرُّكُ فِي الثَّانِي﴾ (غنیۃ الطالبین)

”(اے طالب حق)! آخری قعدہ میں بایاں پاؤں دائیں طرف نکال کر بیٹھنا چاہئے۔“

تشہد میں انگلی اٹھانا

﴿مُشِيرًا بِالسَّبَابَةِ﴾ (غنیۃ الطالبین)

”(اے طالب حق)! التحیات میں ﴿أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ کہتے وقت انگشت شہادت کھڑی کرنی چاہئے۔“

ہر نماز میں سورہ فاتحہ فرض ہے

﴿فَإِنْ قَرَأْتَهَا فَرِيضَةً وَهِيَ ذُكُنْ تَبْطُلُ الصَّلَاةُ بِتَرَكِهَا﴾ (غنیۃ الطالبین)
 ”(اے طالب حق) ہر نماز میں (خواہ تو امام ہو مقتدی ہو مسبوق ہو مفرد ہو) سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے اور یہ نماز کا رکن ہے۔ اس کے ترک سے نماز باطل ہوتی ہے۔ (یعنی اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی)“

ملاحظہ

شیخ علیہ الرحمۃ نماز میں سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض بتاتے ہیں اور فرض ہر نمازی کے لئے ضروری ہے خواہ امام ہو یا مقتدی جیسے وضو فرض ہے امام بھی وضو کرے اور مقتدی بھی ضرور کرے مقتدی بے وضو نماز پڑھے گا تو نہیں ہوگی۔ ایسے ہی سورہ فاتحہ نہ پڑھے تو نماز نہیں ہوگی۔

شیخ جیلانی کا ارشاد۔ اور مولانا محمد ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سیالکوٹی کی تشریح

حضرت شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ جیلانی کے ارشاد مذکور کی جو تشریح ہم نے کی ہے کہ نماز میں سورہ فاتحہ امام بھی پڑھے اور مقتدی بھی پڑھے کیونکہ اس کا پڑھنا فرض ہے۔ حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی نے بھی شیخ علیہ الرحمۃ کے ارشاد کی وہی تشریح کی ہے کہ مقتدی بھی خلف الامام سورہ فاتحہ پڑھے۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

حضرات صوفیاء قائلین قرأت فاتحہ خلف الامام

اکثر صوفیاء کرام کا مذہب بھی قرأت خلف الامام کا تھا۔ چنانچہ ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ صاحب کی عبارت سے ابھی گزر چکا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ غنیۃ الطالبین میں ارکان الصلوٰۃ کی تفصیل میں فرماتے ہیں:

﴿وَقَرَأْتَهُ الْفَاتِحَةَ﴾

یعنی ”فاتحہ کا پڑھنا بھی ایک رکن ہے نماز کا۔“

اسی طرح آپ دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

﴿فَإِنْ قَرَأْتَهَا فَرِيضَةً وَهِيَ ذُكُنْ تَبْطُلُ الصَّلَاةُ بِتَرَكِهَا﴾

(غنیۃ الطالبین مترجم فارسی صفحہ ۸۵۳)

”کیونکہ سورہ فاتحہ کی قرأت فرض ہے اور وہ ایک رکن ہے۔ اس کے ترک سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔“

ملاحظہ

جو تشریح ﴿فَإِنْ قَرَأْتَهَا فَرِيضَةً﴾ کی ہم نے کی ہے کہ مقتدی بھی خلف الامام سورہ فاتحہ پڑھے۔ حضرت

مولانا محمد ابراہیم صاحب میرسیا لکھنؤی رحمہ اللہ نے بھی ﴿فان قراءتها فريضة﴾ لکھ کر بحینہ وہی تشریح فرمائی ہے اور حضرت شیخ جیلانی کو قائل قرأت خلف الامام مانا ہے۔

عیدین میں بارہ تکبیریں

﴿يَكْبِرُ فِي الْأُولَى سِتًّا سِوَى تَكْبِيرَةِ الْإِمَامِ وَفِي الثَّانِيَةِ خَمْسًا﴾ (غنية الطالبين)
 ”(اے طالب حق) عیدین کی نماز میں پہلی رکعت میں سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں کہنی چاہئیں۔“

جماعت میں اکہری اقامت

﴿اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، حَتَّى عَلَى الصَّلَاةِ، حَتَّى عَلَى الْفَلَاحِ، قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ، قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ.....﴾ (غنية الطالبين)

نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ

﴿يَقْرَأُ فِي الْأُولَى الْفَاتِحَةَ﴾ (غنية الطالبين)
 ”(اے طالب حق) نماز جنازہ میں پہلی تکبیر کے بعد سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہئے۔“

ہاتھ اٹھا کر دُعا قنوت پڑھنا

﴿ثُمَّ يُعْرِي يَدَهُ عَلَى وَجْهِهِ﴾ (غنية الطالبين)
 ”(اے طالب حق)!“ ورت کی آخری رکعت میں رکوع کے بعد ہاتھ اٹھا کر دُعا قنوت پڑھنی چاہئے اور پھر ہاتھوں کو منہ پر پھیرنا چاہئے۔“

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے رسول اللہ ﷺ کی مذکورہ سنتوں پر عمل کرنے کے لئے مسلمانوں کو تاکید کی ہے۔۔۔ مریدوں کو حکم دیا ہے کہ وہ نماز میں جلسہ استراحت کریں۔ رکوع میں آتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت (تکبیر اولیٰ کی مانند) رفع الیدین کریں۔ نماز میں ناف سے اوپر (سینہ پر) ہاتھ باندھیں۔ اونچی قرأت والی نماز میں اونچی آواز سے آمین کہیں۔ نماز کے آخری قعدہ میں بایاں پاؤں دائیں طرف نکال کر بیٹھیں۔ التیحات میں انگشت شہادت اٹھائیں۔ ہر نماز میں (خواہ فرض ہو، سنت ہو، نفل ہو اور نمازی امام ہو، مقتدی ہو، مفرد ہو)

مسبق ہو) سورۃ فاتحہ ضرور پڑھیں کہ اس کا پڑھنا فرض ہے۔ عیدین کی نماز میں بارہ تکبیریں کہیں۔ فرض نماز کی جماعت میں اقامت اکبری کہیں۔

نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھیں۔ پھر حضور ﷺ کی ان سنتوں سے جو مولوی حضرات منع کرتے ہیں سوچیں کہ کیا وہ آپ کے خیر خواہ ہیں؟ ان کے دل میں حضور انور ﷺ کی کیا محبت اور عزت ہے اور حضرت پیر جیلانی کے ساتھ ان کا کیا تعلق ہے؟ اگر وہ خود ان سنتوں پر عمل نہیں کرتے تو دوسروں کو روکتے کیوں ہیں؟ برادران اسلام! خدا را آنکھیں کھولو اور اتباع رسول ﷺ سے اللہ کو راضی کرلو۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہم پر فرض کی ہے۔ پس حضور ﷺ کی اطاعت لازم جانو، تعصب چھوڑ دو۔ کسی امتی کو حضور کے ساتھ نہ تولو اور حضور ﷺ کے ارشاد کے مقابلہ میں کسی غیر نبی کی بات مان کر اسے وزنی نہ بناؤ۔

اور پھر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے ولی اللہ کی زبان پر بھی آپ کو اعتبار نہیں جو حضور انور ﷺ کی سنتوں پر عمل کرنے کی تاکید فرماتے ہیں اور اس تاکید سے فرتے بندیوں اور لڑائیوں جھگڑوں کو مٹاتے ہیں۔ کیونکہ جب تمام مسلمان، کیا علماء اور کیا عوام حضور ﷺ کی سنت پر عمل کر لیں تو کوئی جھگڑا باقی نہیں رہتا۔

حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کے فرمان پر بھی اگر آپ نے عمل نہ کیا، اور بعض علماء کی بے سند باتوں کو ہی مانا تو گویا یہ علماء حضرات، حضرت شیخ جیلانی سے بڑے ہوئے۔۔۔ علم میں بھی بڑے، عمل میں بھی بڑے مذہبی بصیرت میں بھی بڑے اور ولایت میں بھی بڑے۔ فرمائیے آپ کو کس کی بات پر اعتبار کرنا چاہئے؟ حضرت میر حقانی شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ زیادہ معتبر ہیں یا یہ علماء حضرات؟ اگر واقعی حضرت شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے نزدیک ہر لحاظ سے ان علماء حضرات سے بزرگ، برتر، افضل اور معتبر ہیں تو پھر آپ شیخ علیہ الرحمۃ کی زبان پر اعتبار کر کے مذکورہ سنتوں پر عمل کریں!

پھر تعجب آتا ہے ایسے لوگوں پر جو کہتے ہیں کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی بڑے ولی اللہ تھے۔۔۔ قطب الاقطاب تھے۔۔۔ ابدالوں کے ابدال تھے۔۔۔ ان سے بڑھ کر کوئی ولی اللہ نہیں ہوا۔ لیکن ان ولی اللہ کا کہنا نہیں ماننا، ان کی تعلیم پر کان نہیں دھرنا، ان کے ارشادات کو قطعاً نہیں سننا، زبان سے ان کی تعریف میں آسمان اور زمین کے قلابے ملاتے ہیں، لیکن ان کی تعلیم کے مطابق جو شخص رسول اللہ ﷺ کی مذکورہ سنتوں پر عمل کرے وہ کشتی اور گردن زدنی ہے۔ ایسا شخص مسجد میں شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم کے مطابق نماز نہیں پڑھ سکتا۔ اگر پڑھے اور سنتیں بجالائے تو وہ جگہ پلید ہو جاتی ہے۔ پانی سے اس جگہ کو دھلایا جاتا ہے۔ خوب مانا ان مولویوں نے شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو اور خوب ہی مانا قطب الاقطاب کو۔

مسلمان بھائیو! یاد رکھو! جو بات رسول اللہ ﷺ کی سنت سے ثابت ہو جائے اس کو سینے سے لگا لو۔ اس پر عمل شروع کر دو، یہ خیال مت کرو کہ اگر ان سنتوں پر عمل کرنے لگ گئے تو لوگ ہمیں کیا کہیں گے؟۔۔۔ برادری کیا نام رکھے گی؟ سنئے! مسلمان وہ ہے جو اپنی خواہش، ارادے، آرزو اور خیال کو حضور ﷺ کے قول و فعل پر قربان کر دے۔

لوگوں کے طعنے اہلنے کی پروا نہ کرتے ہوئے سنن حدیث کو اپنالے۔ چنانچہ حضور ﷺ پر نور ارشاد فرماتے ہیں:

﴿لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يَكُونَ هَوَاءَ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهِ﴾ (۱)

(مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنة)

”ختم میں کوئی (پورا) مومن نہیں ہوتا یہاں تک کہ ہو خواہش اس کی تابع اس چیز کے کہ میں لایا ہوں اس کو (یعنی شریعت)“

مطلب یہ ہوا کہ جب تک خواہشات کو حضور ﷺ کی شریعت کے تابع نہ کیا جائے۔ ہر مانع کو ٹھکرا کر آپ ﷺ کی سنت پر عمل نہ کیا جائے۔ یاروں دوستوں برادریوں کی عار کے ”بت“ کو توڑ کر حضور سید ولد آدم ﷺ کی حدیث پاک کی شیخ کو نہ جگایا جائے اس وقت تک مسلمان نہیں بنایا جاسکتا۔

اسلام کی حد بندی

﴿وَعَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ مُّرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَكَتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابُ اللَّهِ وَسُنَّةُ رَسُولِهِ﴾ (۲)

”مالک بن انس رضی اللہ عنہ بطریق ارسال روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک تم ان دونوں کو مضبوط پکڑے رکھو گے، ہرگز ہرگز گمراہ نہ ہو گے (وہ دو چیزیں ہیں) اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت۔“

اس فرمان رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہوا کہ اسلام محدود ہے قرآن اور حدیث میں، یعنی اسلام نام ہے قرآن اور حدیث کا۔ ان دونوں چیزوں کے سوا تیسری کوئی چیز ایسی نہیں ہے جسے اسلام کہا جائے۔ پھر جو علماء قرآن اور حدیث کے سوا۔۔ بغیر سند اور دلیل کے آپ گھر کر مسئلے بتاتے ہیں وہ ہرگز اسلام نہیں ہے۔ شریعت کی چیز نہیں ہے اور وعظ سننے والوں کو خوب ہوشیار رہ کر وعظ سننا چاہئے۔ انہیں غور کرنا چاہئے کہ واعظ اور خطیب جو کچھ سنا رہا ہے وہ

(۱) شرح السنة ۲۱۲/۱-۲۱۳۔ کتاب الایمان باب رد البدع والاهواء، الحلیث (۱۰۳) و تاریخ بغداد ۳۶۹/۲ زیر ترجمہ احمد بن محمد الاسفراہینی (۲۳۹) عن عبد الله بن عمرو رضی اللہ عنہما حافظ ابن حجر نے فتح الباری ۲۳۶/۱۳ میں اس کے راویوں کو ثبوت کہا ہے جبکہ علامہ البانی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ المشکوٰۃ ۶۷۔ حق حافظ ابن حجر کے ساتھ ہے واللہ اعلم بالصواب۔

(۲) موطا امام مالک کتاب الجامع باب النهی عن القول فی القدر، مگر یہ روایت معضل ہے، لیکن متعدد صحیح شواہد ہونے کی وجہ سے صحیح ہے مستدرک حاکم ۹۳/۱ کتاب العلم باب خطبة ﷺ فی حجة الوداع، میں حضرت ابن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے اسی معنی و مفہوم کی حدیث مروی ہے، حاکم و دہمی نے صحیح اور علامہ البانی نے حسن کہا ہے (المشکوٰۃ ۶۶/۱) اور عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اس سلسلہ میں مروی ہے۔ (التہجد ۳۳۱/۲۳)

قرآن اور حدیث پڑھ کر سنار ہا ہے یا کا ذیب و امانی بیان کر رہا ہے؟ اگر قرآن اور حدیث سے وعظ کر رہا ہے تو بڑے ادب سے ہمتن گوش ہو کر سنیں اور عمل کریں اور اگر خرافات سنار ہا ہے تو اس سموم فضا سے اٹھ کر چلے جائیں:

﴿فَلَا تَقْعُدُوا بَعْدَ الذِّكْرِ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ (پ: ۷: ع: ۱۴)

”پس مت بیٹھ پیچھے (حق) یاد آنے کے ظالم لوگوں کے پاس۔“

ایسا مولوی واعظ خطیب ظالم ہے جو قرآن اور حدیث سے باہر جاتا ہے بے سند قسے کہانیاں سنا کر لوگوں کو گمراہ کرتا ہے حضور فرمائیں۔

﴿عَصُوا عَلَيْهَا بِالْأَوَاجِدِ﴾ (مشکوٰۃ) ^(۱)

”میری حدیثوں اور سنتوں کو مضبوط دانتوں کے ساتھ پکڑے رکھو۔“

یعنی میری حدیثوں پر جم جاؤ۔ صرف ان ہی پر عمل کرو اور یہی لوگوں کو سناؤ لیکن بجائے دانتوں کے ساتھ مضبوط پکڑنے کے جو عالم واعظ اپنے بیان میں حدیثوں اور سنتوں کو ترک کر کے ادھر ادھر کی کہانیاں سنائے کتاب و سنت کے خلاف قسے بیان کر کے لوگوں کو ﴿مَا آتَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي﴾ کی شاہراہ سے ہٹائے اس سے بڑا ظالم اور کون ہو سکتا ہے؟

اسلام میں فرقہ بندی

شاہراہ بہشت کی نشاندہی کے تحت آپ پیچھے پڑھ آئے ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک سیدھی لکیر کھینچی اور اس کے داہنے اور بائیں کئی ترچھی لکیریں کھینچیں۔ پھر درمیانی لکیر پر دست مبارک رکھ کر فرمایا: یہ راہ اللہ کی ہے اور ترچھی راہوں کو شیطانوں کی راہیں فرما کر یہ آیت پڑھی:

﴿وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَضَعْنَا لَكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (پ: ۸: ع: ۶)

”اور (اللہ نے فرمایا:) کہ یہی (پیغمبر کی تابعداری) ہے راہ سیدھی میری پس چلو اسی پر اور مت چلو اور راہوں پر کہ (یہ راہیں) تم کو اللہ کی راہ سے (بھٹکا کر) بتر پتر کر دیں گی یہ بات (نصیحت) کی ہے کہ حکم دیتا ہے اللہ تم کو ساتھ اس کے تاکہ تم (جہنم سے) بچ جاؤ۔“

سیدھی راہ کا مطلب

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا﴾ ”یہ ہے راہ میری سیدھی۔“ یعنی میرے

(۱) صحیح حدیث ہے اس کی تخریج ص ۶۴ حاشیہ نمبر میں گزر چکی ہے۔

پیغمبر ﷺ کی تابعداری میری سیدھی راہ ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ راہ عمل سے بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں آ کر کوئی عمل کر کے نہیں دکھایا..... نہ نماز پڑھی،^(۱) نہ روزہ رکھا، نہ حج کیا، نہ زکوٰۃ دی۔ تمدنی، معیشتی، معاشرتی زندگی نہیں گزاری کہ اس کے عمل سے راہ بنتی اور اس راہ پر ہم چلتے..... یاد رکھیں کہ اللہ واحد القہار ہمارا حقیقی مالک اور احکم الحاکمین ہے۔ وہ صرف حکم دینے والا ہے اور بندوں..... اس کے عاجز غلاموں پر اس حکم کا بجالانا فرض ہے۔ اس نے اپنے احکام کی بجا آوری کے طریقے بتانے کے لئے اپنے بندوں، بشروں میں سے ہی رسول منتخب کئے۔ ان رسولوں پر بذریعہ وحی اپنے احکام نازل فرمائے اور رسولوں ہی کو اپنے حکموں پر چلنے کا طریقہ بتایا پھر امتوں کو حکم دیا کہ وہ اس کے حکموں کی تعمیل رسولوں کے طریقے پر کریں۔ پس وہ رسولوں کا طریقہ ہی اللہ کی سیدھی راہ ہوئی۔

تو مطلب یہ ہوا کہ آیت مذکور میں اللہ کی سیدھی راہ سے مراد..... حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی تابعداری حضور ﷺ کا عمل، حدیث اور سنت ہوئی۔ خوب سمجھ لیں!

﴿فَاتَّبِعُوهُ﴾..... پس چلو اسی میری سیدھی راہ پر یعنی میرے پیغمبر ﷺ کی تابعداری کرو اس کی راہ عمل پکڑو..... اس کے قدم پر قدم رکھو، ہو اس کے طریقے کے مطابق میرے حکموں کو بجالاؤ..... میرے رسول ﷺ کے قول اور فعل کو میری سیدھی سڑک بہشت میں پہنچانے والی راہ جانو!

اگر ہم ایمان داری سے غور کریں تو معلوم ہوگا کہ صراط مستقیم ایک ہی راہ ہے اور وہ حضور ﷺ کی سنت اور حدیث ہے۔ جس راہ پر آپ چل گئے ہیں وہی بہشت کی راہ ہے اور سوائے اس راہ کے کوئی راہ نجات نہیں ہے۔ کسی انستی کا ذاتی قول فعل اللہ کی راہ نہیں ہو سکتی دین میں حجت نہیں!

ٹیزھی راہیں

﴿وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ﴾ ”اور مت چلو ٹیزھی راہوں پر“ یعنی راہ رسول ﷺ کے سوا اور راہوں پر نہ چلو۔ یہ ارشاد خداوندی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے قول اور فعل کے سوا کسی اور کے قول و فعل پر عمل نہ کرو..... سبیل رسول ﷺ کے سوا جتنی اور راہیں ہیں یہ سیدھی راہیں نہیں ہیں۔ اللہ کے پاس پہنچانے والی نہیں ہیں۔

مسلمانوں کو آنکھیں کھول کر دین کی بات پر عمل کرنا چاہئے۔ اگر وہ بات فرمودہ رسول ﷺ ہے۔۔۔ فعل رسالت ماب ﷺ ہے۔ تو وہ صراط مستقیم ہے سیدھی راہ ہے۔ اور اگر کسی امام یا پیر وغیرہ کی گھڑنت ہے ایجاد بندہ ہے تو وہ ٹیزھی راہ ہے..... اس سے بچنا چاہئے..... جب اللہ نے حکم دے دیا کہ ﴿وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ﴾ (خبردار! سبیل رسول ﷺ کے سوا اور سبیلوں، راہوں پر نہ چلنا تو مسلمان وہ ہے جو اللہ کا حکم مان کر دین میں صرف حضور

(۱) معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ ان باتوں سے پاک اور مغرہ ہے۔ یہ غلاموں کے فرائض ہیں جو ان کے مالک حقیقی نے ان پر عائد کر رکھے ہیں۔

(محمد صادق)

انور ﷺ کی راہ پر ہی چلتا ہے اور بڑی چھان بین سے ہر امر میں طریقہ رسول ﷺ ہی اختیار کرتا ہے۔ جب حضور ﷺ کے طریقے کے سوا اور طریقوں پر چلنے میں برائی اور قباحت تھی تو اسی لئے اللہ نے دوسرے تمام طریقوں اور راستوں سے روک دیا۔ پھر آگے دوسرے طریقوں اور راہوں پر چلنے کے برے انجام سے آگاہ فرمایا:

﴿فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ﴾ (دوسری راہیں) تم کو اللہ کی راہ (یعنی پیغمبر ﷺ کے طریقے) سے (بھٹکا کر) بتر کر دیں گی۔ "یعنی طریقہ رسول ﷺ کے سوا اور طریقے تم کو صراطِ مستقیم سے بھٹکا دیں گے۔ سیدھی راہ سے جدا کر دیں گے۔ دوسری راہیں فرقے بندیاں پیدا کر دیں گی، تمہیں گروہ گروہ بنادیں گی۔ تم پر افتراق و انشقاق کی بربادیاں لائیں گی۔ ان راہوں پر چل کر تم بتر، منتشر اور پراگندہ ہو جاؤ گے۔ خبردار! خبردار!..... اور راہوں راستوں طریقوں اور سبیلوں سے بچو چنانچہ اللہ نے فرمایا:

﴿ذَلِكُمْ وَضَعْنَا لَكُمْ لَعْنَةً﴾ (پ: ۸: ۶)

”یہ بات (کہ اور راہوں سے بچو) طریقہ رسول ﷺ کے سوا تمام طریقوں سے کنارہ کش رہو) نصیحت کی ہے۔ اللہ نے تم کو اس (نصیحت) کے ساتھ حکم دیتا ہے کہ (اس پر عمل کر کے جہنم کی آگ سے) بچ جاؤ۔“

اس آیت سے ثابت ہوا کہ طریقہ رسول ﷺ کے سوا دین میں دوسروں کے مغائرہ حدیث طریقوں پر عمل کرنا گمراہ ہونا ہے۔ حدیث اور سنت کے مقابلہ میں دانستہ امتیوں کی ماننا انجام کار عاقبت برباد کرنا ہے!

اب اگر ہم یہ معلوم کرنا چاہیں کہ کون اللہ کی راہ..... اللہ کے پاس پہنچانے والی راہ۔۔۔ یعنی راہ رسول ﷺ پر ہے اور کون دوسری ممنوعہ راہوں پر ہے؟ تو اس کی پہچان یہ ہے کہ جو شخص حضور سرور کائنات ﷺ کی حدیث اور سنت پر عمل کرتا ہے۔۔۔ آپ ﷺ کے طریقے پر چلتا ہے وہ راہ رسول ﷺ پر گامزن ہے اور جو دینیات اور مسائل میں حدیث اور سنت کو ترک کر کے امتیوں کے بنائے ہوئے طریقوں پر چلتا ہے وہ یقیناً دوسری راہوں پر چلنے والا ہے۔ حضور سرور عالم ﷺ فرماتے ہیں:

﴿مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ زَآءٌ﴾ (ترمذی) (۱)

”جس نے ایسا عمل کیا جس پر ہمارا (قوی یا فعلی) حکم نہ ہو تو وہ (عمل اللہ کے نزدیک) مردود ہے۔“

حضور ﷺ کے اس ارشاد سے معلوم ہو گیا کہ اگر ہم اپنے عملوں کو اللہ کے ہاں مقبول بنانا چاہتے ہیں اور ان کے ذریعہ نجات کے خواہاں ہیں تو ہمیں صرف وہی عمل کرنے چاہئیں جو حضور ﷺ نے کئے ہوں یا کرنے کا ارشاد فرمایا ہو اور اگر ہم نے ایسے عمل کئے جو نہ حضور ﷺ نے کئے اور نہ کرنے کا حکم دیا تو یہ عمل مردود ہوں گے۔ حشر میں

(۱) بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة (۹۶) باب اذا احتجبت العامل او الحاكم ﴿۳۰﴾ تعلیقاً و مسلم کتاب

الاقضية (۳۰) باب نقض الاحکام الباطلة ورد محدثات الامور الحدیث (۳۴۹۳) عن عائشة رضی اللہ عنہا مؤلف مرحوم نے

اس روایت کو ترمذی کی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ یہ ترمذی میں نہیں۔ دیکھئے ارواء الغلیل ۱/ ۱۲۸ (۸۸)

ان کی کوئی قیمت نہ ہوگی۔

پس جو شخص صحیح سند کے ساتھ حضور ﷺ کے طریقے پر عمل پیرا ہے وہ اللہ کی راہ پر ہے اور جو حضور ﷺ کے طریقوں کے خلاف اور طریقوں کو اپنائے ہوئے ہے وہ سیدھی راہ سے بھگ کر فرقہ بندی کی راہ پر چلتا ہے۔ خوب یاد رکھیں کہ سنت اور حدیث کے مقابلہ میں تمام طریقے راستے اور مسلک اسلام کے اندر فرقے بندیاں ہیں، گروہ سازیاں ہیں۔

ہو بہو طریقہ رسول ﷺ پر چلنے کا حکم!

﴿وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ جَاءَ ثَلَاثَةُ رَهْطٍ إِلَى أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا أُخْبِرُوا بِهَا كَانَهُمْ يَقَالُوهَا فَقَالُوا أَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ غَفَرَ اللَّهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ فَقَالَ أَحَدُهُمْ أَمَا أَنَا فَأُصَلِّيَ اللَّيْلَ أَبَدًا وَقَالَ الْآخَرُ أَنَا أَصُومُ النَّهَارَ أَبَدًا وَلَا أَفْطِرُ وَقَالَ الْآخَرُ أَنَا أَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا أَتَزَوَّجُ فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِمْ فَقَالَ أَنْتُمْ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذًا وَكَذَا أَمَا وَاللَّهِ إِنِّي لَا أُخْشِكُمْ لِلَّهِ وَأَتَّقُكُمْ لَهُ لَكِنِّي أَصُومُ وَأَفْطِرُ وَأُصَلِّيُ وَاتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي﴾ (بخاری، مسلم) (۱)

”حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تین شخص رسول اللہ ﷺ کی بیبیوں کی خدمت میں (حضور ﷺ کی عبادت کا حال پوچھنے کے لئے) حاضر ہوئے۔ جب انہیں عبادت کی خبر دی گئی، گویا کم جانا اس کو پھر (صحابہ رضی اللہ عنہم آپس میں کہنے لگے کہاں ہیں ہم بہ نسبت نبی ﷺ کے! بے شک اللہ نے حضور ﷺ کے پہلے اور پچھلے گناہ بخش دیئے۔) (یعنی کہاں ہم گنہگار اور کہاں حضور ﷺ مغفور و معصوم! پھر آپ ﷺ بہت زیادہ عبادت کریں اور ہم بہت کم) پس ان میں سے ایک نے کہا میں تو تمام رات نماز ہی پڑھا کروں گا ہمیشہ۔ دوسرا بولا میں تو دن کو روزہ ہی رکھا کروں گا ہمیشہ اور افطار نہ کروں گا۔ تیسرے نے کہا: میں الگ رہوں گا عورتوں سے اور نکاح نہ کروں گا ہرگز..... حضور ﷺ (کو جب خبر ہوئی تو) ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ایسا اور ایسا تم نے کہا تھا؟ خبردار! قسم ہے اللہ کی! میں البتہ بہت ڈرتا ہوں اللہ سے بہ نسبت تمہارے اور بہت تقویٰ کرتا ہوں واسطے اللہ کے بہ نسبت تمہارے۔ لیکن (باوجود اتنے ڈرنے اور اتنے تقویٰ کے) میں روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں۔ نماز بھی پڑھتا ہوں رات کو

(۱) بخاری کتاب النکاح (۶۷) باب الترغیب فی النکاح (۱) الحدیث (۵۰۶۳) و مسلم کتاب النکاح (۱۶) باب

استحباب النکاح لمن ناقت نفسه (۱) الحدیث ۳۴۰۳۔ عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔

اور سوتا بھی ہوں اور نکاح بھی کرتا ہوں عورتوں سے۔ (خبردار) جس نے اعراض کیا میرے طریقے سے پس نہیں ہے وہ مجھ سے۔“

سنت پر زیادتی!

غور فرمایا آپ نے! کہ تین شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ، عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ حضور انور ﷺ کی ازدواجی مطہرات ﷻ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور حضور ﷺ کی عبادت کا حال دریافت فرماتے ہیں۔ امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن ان کو جناب سید المرسلین ﷺ کی بادت، اذکار اور یاد الہی کی کیفیت بتاتی ہیں۔ یہ حضرات اپنی عبادت کے ساتھ حضور انور ﷺ کی عبادت شاقہ کا موازنہ کر کے ڈرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کہاں حضور ﷺ معصوم کی اتنی بڑی عبادت..... اور کہاں ہم گنہگاروں کی اتنی کم! پھر باہم مشورہ کرتے ہوئے تمام رات ہمیشہ نماز پڑھتے رہنے دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے عورتوں سے الگ تھلگ رہنے کا عہد کرتے ہیں۔ حضرت انور ﷺ اطلاع پا کر موقع پر پہنچ جاتے ہیں اور انہیں راہِ تہیہ فرماتے ہیں کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور تقویٰ کرنے والا روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں! پھر تم کون ہو افطار نیند اور نکاح سے باز رہنے والے میرے طریقے کے سوا انوکھے طریقے پر چلنے والے! سنو! اچھی طرح سنو! یاد رکھو! بھولنا نہیں کہ جس نے میرے طریقے سے اعراض کیا، قدم ادھر ادھر رکھا تو وہ مجھ سے نہیں۔ یعنی میری جماعت سے نہیں ﴿مَا آتَا عَلَيْهِ﴾ کی شاہراہ پر نہیں۔ میرا طریقہ الگ، اس کا طریقہ الگ، الگ طریقہ والا میرے طریقے سے بھٹکا ہوا ہے۔

مسلمان بھائیو! غور کرو کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جن باتوں پر عمل کرنے کے لئے عہد کیا تھا۔ وہ باتیں بھی تو عبادت ہی سے تھیں لیکن سنت پر زیادتی تھی۔ یہ زیادتی رسول رب العالمین ﷺ کو گوارا نہ ہوئی۔ حضور ﷺ سنت پر بیشی کی وجہ سے ناخوش ہوئے اور چاہا کہ سولہ آنے پورے میرے طریقے پر چلیں۔ پھر غور کریں کہ جب سنت سے بال برابر ادھر ادھر ہونے کی اجازت نہیں ہے تو سنت اور حدیث کو بالائے طاق رکھ کر..... جو لوگ غیر مسنون طریقوں پر عمل کر رہے ہیں یا بعض حدیث کو ترک کر کے اقوال رجال پر چل رہے ہیں۔ سوچئے کہ ان کی عبادتیں اور عمل کس طرح قبول ہوں گے اور یہ لوگ قیامت کو کیوں کر اللہ کے سامنے پیش ہوں گے!

ہمیشہ کاروزہ روزہ نہیں!

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بن عاص ہر روز روزہ رکھتے اور ہر شب قیام کرتے تھے۔ (۱) رسول اللہ ﷺ کو

(۱) بخاری کتاب الصوم (۳۰) باب حق الاہل فی الصوم (۵۷) الحدیث ۱۹۷۷ و مسلم کتاب الصیام (۱۳) باب

النہی عن صوم الزہد (۳۵) الحدیث ۲۷۳۳۔ عن عبداللہ بن عمرو العاص رضی اللہ عنہ

جب یہ خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿فَلَا تَفْعَلْ صُمْ وَ الْفِطْرَ﴾ ”ایسا نہ کرو روزہ رکھو اور افطاری بھی کرو۔“ ﴿فُمْ وَ فُمْ﴾ ”قیام کرو اور سو

بھی رہو۔“ یعنی روزمرہ متواتر ہمیشہ نہ روزے رکھو اور نہ تمام شب ہمیشہ قیام کرو!

﴿وَلَنْ لِّحَسَدِ عَلِيكَ حَقًّا﴾ ”کیونکہ تمہارے بدن کا ٹم پر حق ہے۔“ یعنی بدن کو اتنی مشقت میں نہ

ڈالو مبادا بیمار ہو جاؤ، ہلاک ہو جاؤ۔

﴿وَأَنَّ لِّعَيْنِكَ عَلَيَّكَ حَقًّا﴾ ”اور تمہاری بی بی کا ٹم پر حق ہے۔“ یعنی سویا بھی کرو تا کہ آنکھوں کو

راحت اور آرام پہنچے۔

﴿وَأَنَّ لِّوُجِحِكَ عَلَيَّكَ حَقًّا﴾ ”اور تمہاری بی بی کا ٹم پر حق ہے۔“ یعنی اس کے ساتھ لیٹو باتیں کرو

اس کا دل بہلاؤ، جنسی تعلقات نبھاؤ۔

﴿وَأَنَّ لِّوُزْرِكَ عَلَيَّكَ حَقًّا﴾ ”اور تمہارے مہمان کا ٹم پر حق ہے۔“ یعنی اس کی خاطر داری کرو اس

سے باتیں کرو اس کے ساتھ کھانا کھاؤ۔ ایسا نہیں چاہئے کہ تمہارے گھر مہمان آیا ہو اور تم سارا دن علیحدہ کمرے میں بیٹھ کر وظیفہ پڑھتے رہو۔

پھر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اے عبداللہ بن عمروؓ، بخان عاص (سنو)!

﴿لَا صَّامَ مِنْ صَامِ الذَّهْرِ﴾ ”نہ روزہ رکھا، جس نے روزہ رکھا ہمیشہ۔“ (بخاری شریف)

یعنی متواتر ہر روز ہمیشہ ہمیشہ روزہ رکھنے والے کا کوئی روزہ نہیں! ایسے روزوں کا کوئی ثواب نہیں۔ اللہ ان سے خوش نہیں یہ محض فاقے ہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ نیکی وہ ہے جو بالکل سنت کے مطابق ہو حضور ﷺ کے طریقے پر ہو۔ مسلمان بھائیوں اور بہنوں کو اپنی پہلی فرصت میں تمام دینی کاموں کا جائزہ لینا چاہئے کہ سب کام سنت کے مطابق ہو رہے ہیں۔ اگر سنت کے مطابق عین حدیث پاک کے برابر ہو رہے ہیں تو یقین کریں کہ اللہ راضی ہے اور بہشت کا سامان ہو رہا ہے۔ اور اگر دینی امور بطریق مسنون انجام نہیں پارے تو ان کا کوئی اجر نہیں، ثواب نہیں، محض تہیج اوقات ہے اور اللہ کی گرفت اور پرش اس پر سوا ہے!

کالی بھنگ نماز

سرور کائنات ﷺ نے فرمایا ہے:

﴿صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي﴾ (۱)

(۱) بخاری کتاب الاذان (۱۰) باب الاذان للمسافرین اذا كانوا جماعة والاقامة وكذلك بعرفة و جمع (۱۸) الحدیث

۲۳۱۔ عن مالک بن حویرث رحمہ اللہ

”نماز ٹھیک اسی طرح پڑھو جس طرح تم نے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔“

اس فرمان پاک سے معلوم ہوا کہ نماز ہو بہو طریقہ نبوی ﷺ کے مطابق ہونی چاہئے۔ حضور ﷺ کے قاعدے ضابطے اور شکل و صورت کے موافق ہونی چاہئے پھر نماز قبول ہوگی اور فریضت کا بوجھ سر سے اترے گا اور اگر بے قاعدہ نماز پڑھی جائے گی تو اللہ قبول نہیں کرے گا بلکہ وہ نماز نیکی برباد اور گناہ لازم کا مصداق ہو جائے گی۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ بے قاعدہ نماز کی بابت ارشاد فرماتے ہیں:

﴿مَنْ صَلَّاهَا لِغَيْرِ وَقْتِهَا وَلَمْ يُسَيِّغْ وَضُوءَهَا وَلَمْ يُتِمِّ لَمَّا خَشَعَهَا وَلَا رُكُوعَهَا وَلَا سُجُودَهَا خَرَجَتْ وَهِيَ سَوْدَاءٌ مُظْلِمَةٌ تَقُولُ ضَيِّعَكَ اللَّهُ كَمَا ضَيَّعَنِي حَتَّى إِذَا كَانَتْ حَيْثُ شَاءَ اللَّهُ لَفَّتْ كَمَا يُلْفُ الثُّوبُ الْحَلِيقُ ثُمَّ ضَرَبَ بِهَا وَجْهَهُ﴾ (ترغیب
ترہیب) ^(۱)

”جس شخص نے نماز کو اس کا (اول وقت) نال کر (عما آخیر وقت) پڑھا اور اس کا وضو بھی سنوار کر نہ کیا اور دل کو بھی حاضر نہ رکھا اور رکوع اور سجدہ کو (مع قومہ جلسہ) خوب تسلی اور اطمینان سے پورا نہ کیا تو جب وہ نماز رخصت ہوتی ہے تو کالی بھجک ہوتی ہے (یعنی نور اور برکت سے خالی ہوتی ہے) پھر وہ نماز اس نمازی کو کہتی ہے جس طرح تو نے مجھے برباد کیا ہے اللہ تعالیٰ اسی طرح تجھے برباد کرے۔ یہاں تک کہ جب تھوڑی سی اونچی ہوتی ہے۔ جس قدر کہ اللہ کو منظور ہو پھر (فرشتے) اس نماز کو چیتھڑوں میں لپیٹ کر اس نمازی کے منہ پر مار دیتے ہیں۔“

حضور انور ﷺ نماز بڑے آرام سے ادا فرماتے تھے دو سجدوں کے درمیان آرام سے بیٹھتے تھے۔ رکوع کے بعد کمر سیدھی کر کے کھڑے ہوتے تھے۔ تقریباً رکوع جتنی دیر قومہ میں لگاتے تھے۔

یاد رہے کہ جو شخص نماز اس طریقہ رسول ﷺ کے مطابق نہیں پڑھتا۔ جلدی جلدی کرتا، ٹھوٹکیں مارتا، قوئے جلیے رکوع، سجدہ کو نہایت غلٹ سے برباد کرتا ہے۔ ایسی نماز چیتھڑوں میں لپیٹ کر اس نمازی کے منہ پر ماری جاتی ہے۔ وہ نیکی ناقص اور ناقص تمام نماز اس نمازی کی بربادی کی دعا کرتی ہے جیسا کہ حدیث کے الفاظ آپ اوپر پڑھ آئے ہیں۔ معلوم ہوا کہ وہی عبادت اللہ قبول کرتا ہے اسی نیکی کو شرف فرماتا ہے جو طریقہ رسول ﷺ پر ہے۔

(۱) طبرانی الاوسط: ۸۶/۲ رقم الحدیث ۳۱۱۹۔ عن انس بن مالک رضی اللہ عنہما علامہ مینی فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں عباد بن کثیر البصری راوی ہے جس کے ضعیف ہونے پر محدثین متفق ہیں مجمع الزوائد ۱/۳۰۷ باب فی المحافظة علی الصلاة لوقتها۔ منذری نے الترغیب ۱/۲۵۸ میں اس کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔

کلمہ سوچ کر پڑھیں!

آپ کلمہ پڑھتے ہیں۔ ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ﴾ اس کلمہ کے دو حصے ہیں پہلے حصے میں توحید کا اقرار اور دوسرے حصے میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا ماننا دل کی تصدیق کے ساتھ ہمیں چاہیے کہ کلمہ سوچ کر پڑھیں۔ اس کلمہ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ صرف اللہ پر ایمان لے آؤ کہ اس کی ہستی ہے اور بس۔ یعنی صرف ہستی کا اقرار مقصود ہے۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور انور ﷺ کے زمانے تک تمام مشرک مانتے تھے۔

قرآن کہتا ہے:

﴿وَلَيْنِ سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْيَاهُ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللَّهُ﴾ (پ ۲۱: ۲۴)

”اور اگر پوچھے تو ان (مشرکوں) سے، کون اتارتا ہے آسمان سے پانی؟ پھر زندہ کرتا ہے اس سے زمین کو پیچھے اس کی موت کے؟ البتہ کہیں گے اللہ۔“

﴿وَلَيْنِ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ﴾ (پ ۲۱: ۲۴)

”اور اگر پوچھے تو ان سے کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں کو اور زمین کو؟ البتہ کہیں گے (مشرک) اللہ نے۔“

﴿وَلَيْنِ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ﴾ (پ ۲۵: ۴۴)

”اور اگر پوچھے تو ان (مشرکوں) سے، کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں کو اور زمین کو؟ تو البتہ کہیں گے پیدا کیا ہے ان کو عزت والے، علم والے (اللہ) نے۔“

﴿وَلَيْنِ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَنَّى يُؤْفَكُونَ﴾ (پ ۲۵: ۱۳۴)

”اور اگر پوچھے تو ان (مشرکوں) سے، کس نے پیدا کیا ہے ان کو؟ البتہ کہیں گے اللہ نے۔ پھر (غیر اللہ کو) پکارتے ہوئے) کدھر بیکے جا رہے ہیں۔“

ان آیات سے معلوم ہوا کہ مکہ کے مشرک، کافر سب اللہ کو مانتے تھے۔ اسی کی ہستی کا اقرار کرتے تھے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کی مخالفت اور معاندت کی کیا وجہ تھی؟ سنئے! حضور اکرم ﷺ نے ان کو کہا:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قُولُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاتَّزُكُوْا اِلٰلٰتَ وَالْعَزٰىۙ﴾ (۱)

(۱) مسند احمد ۳/۳۹۲، ۳/۳۳۱ و طبرانی کبیر ۵/۶۱۱ رقم الحدیث ۳۵۸۲، ۳۵۸۹۔ عن ربیعۃ بن عباس الدہلی ؓ

لیکن اس میں (واترکوا الہات والعزیٰ) کے الفاظ نہیں ہیں۔ نبی ﷺ کی اس دعوت پر ابولہب نے کہا کہ محمد (ﷺ) تم سے آباد=

”لوگو! اقرار کرو! انہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے اور چھوڑ دو لات اور عزی کو۔“

پہلے نفی پھر اثبات

حضور اکرم ﷺ نے بحیثیت رسول اللہ ان کو تو حید کا پیغام دیا۔ یعنی فرمایا کہ جن جن کو تم نے رکوع، سجدے، قیام طواف نذر نیاز کے لائق سمجھ رکھا ہے جنہیں تم دور و نزدیک سے پکارتے ہو۔ حاجت روا، مشکل کشا، حاضر ناظر جانتے ہو خدائی کاموں میں ذیل و شریک مانتے ہو یہ سب چھوڑ دو! جب تم یہ مشرکانہ عقیدے چھوڑ کر اللہ کو مانو گے تو پھر اللہ کا ماننا صحیح ہوگا۔ عقیدہ تو حید کے ساتھ ماننا ہوگا۔

غور کیا آپ نے! کہ حضور ﷺ نے پہلے ان سے انکار کر دانا چاہا۔ ہر غیر اللہ کی نفی چاہی۔ اس نفی کے بعد اثبات چاہا۔ گویا نفی پہلے ہے اثبات پیچھے ہے۔ جب تک پہلے جمادات نباتات اور حیوانات میں مانے ہوئے معبودوں کا سر لا کی تلوار سے قلم نہ کیا جائے اس وقت تک اللہ کا اثبات و اقرار کچھ معنی نہیں رکھتا۔ مشرکین مکہ پہلے نفی نہیں کرتے تھے۔ لا الہ نہیں کہتے تھے صرف اللہ اللہ پکارتے تھے اور اللہ کے ساتھ اس کی ذات اور صفات میں اوروں کو شریک کرتے تھے۔

وہ اپنی کھیتی باڑی میں اللہ کا حصہ نکالتے تھے۔ چاروں سے بھی اللہ کے نام کی نذر نیاز دیتے تھے، لیکن ساتھ ہی غیر اللہ کے حصے۔۔۔ نذر نیاز بھی نکالتے تھے۔ جیسا کہ قرآن میں آتا ہے:

﴿وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا هَذَا لِلَّهِ بِزَعْمِهِمْ وَهَذَا لِشُرَكَائِنَا﴾ (پ: ۸: ع: ۳)

”اور ٹھہرایا انہوں (مشرکوں) نے واسطے اللہ کے اس چیز سے کہ پیدا کیا ہے کھیتوں سے اور جانوروں سے ایک حصہ پھر کہا انہوں نے یہ واسطے اللہ کے ہے ساتھ گمان اپنے کے اور یہ واسطے ہمارے (مقرر کردہ) شریکوں کے ہے۔“

یعنی اللہ کے پیدا کئے ہوئے اناج، پھل، سبزیوں سے اور اونٹ گائے، بھیڑ، بکری وغیرہ سے ایک حصہ اللہ کا بھی ٹھہراتے ہیں اور اپنے خیال کے مطابق کہتے ہیں کہ اتنا تو اللہ کا ہے۔ اور اتنا ہمارے ان مقربان بارگاہ ایزدی کا ہے۔ جن کو ہم نے شریک خدائی مان رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”(کیا یہی) برا حکم (تقسیم کا) ہے جو (مشرک) لگاتے ہیں۔“..... (پ: ۸: ع: ۳)

اجداد کا دین لات و عزی کی پرستش چھوڑنا چاہتا ہے اور فی الواقعہ حضور ﷺ کی دعوت کا مقصود بھی یہی تھا۔ سند کے اعتبار سے یہ واقعہ صحیح ہے اور متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے حضرت ربیعہ کے علاوہ طارق بن عبد اللہ الحارثی رضی اللہ عنہ ہے ابن حبان (موراد) ص ۴۰۶ رقم الحدیث ۱۶۸۳ و دارقطنی ۴۵/۳ و دلائل النبوة ۳۸۰/۵ وغیرہ میں مروی ہے۔

مشرکین کا حج

وہ لوگ حج بھی کرتے تھے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں عرفات کے میدان میں بلند آواز سے یوں لبیک پکارتے تھے:

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ
لَكَ اِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ تَعَلِّكُهُ وَمَا مَلَكَ (۱)

”حاضر ہیں ہم اے اللہ ہمارے! ہم حاضر ہیں۔ ہم حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں سوائے ان شریکوں کے کہ جن کا دراصل تو ہی مالک ہے۔ خود ان کا بھی اور ان چیزوں کا بھی جن کا اختیار تو نے انہیں دے رکھا ہے۔“..... (تفسیر ابن کثیر)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب مشرکین ﴿لَا شَرِيْكَ لَكَ﴾ تک پہنچتے تو رسول اللہ ﷺ انہیں فرماتے ﴿قَدْ﴾ بس کرو بس کرو۔ یہیں رک جاؤ۔ یعنی ﴿لَا شَرِيْكَ لَكَ﴾ کہہ کر ﴿اِلَّا شَرِيْكًا هُوَ لَكَ تَعَلِّكُهُ وَمَا مَلَكَ﴾ نہ کہو۔

سفارش کا عقیدہ

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تیس برس تک مشرکین مکہ کا جھگڑا تنازعہ اور لڑائی محض اس وجہ سے تھی کہ وہ نفی کے بغیر اثبات کے قائل تھے اور حضور ﷺ پہلے ان سے نفی کرا کر پھر اثبات چاہتے تھے۔ وہ غیر اللہ کے انکار کے بغیر اللہ کا اقرار کرتے تھے۔ لیکن حضرت خاتم النبیین ﷺ اللہ کے اقرار سے قبل غیر اللہ کے انکار کا مطالبہ کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے باپ دادا کے غلط طریقے کو نہ چھوڑا۔ اللہ کو مانا ضرور مانا..... اپنے رسم و رواج کے مطابق اس کی عبادت بھی کی۔ اس کے نام کے صدقات و خیرات بھی دیئے اس کی رضا کے لئے قربانیاں بھی کیں حج بھی کئے۔ اللہ کا نام لے لے جئے پر ﴿لَا اِلٰهَ﴾ نہ کہا۔ یعنی یہ اعتقاد نہ رکھا کہ اس کی ذات اور صفات میں کوئی شریک نہیں ہے۔ کسی کو اس کے اقتدار اختیار اور تصرف میں دسترس حاصل نہیں بلکہ وہ مقربان بارگاہ ایزدی کے متعلق یہ ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ نے ان کو اختیار دے رکھے ہیں۔ وہ حاجت روا اور مشکل کشا ہیں۔ روئے اللہ کو مناسکتے ہیں۔ اس کی نازل کردہ بلائیں ٹال سکتے ہیں وہ اللہ کے پاس ان کے سفارشی (۲) ہیں اور اللہ کے مقرب ہونے کی وجہ سے اپنے

(۱) مسلم کتاب الحج (۱۵) باب التلبية و صفتها و وقتها (۳) الحديث (۲۸۱۵) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما

(۲) ﴿وَيَقُولُونَ هَؤُلَاءِ شُفَعَاءُ نَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ ”اور کہتے ہیں (مشرکین مکہ) یہ (معبود) اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔“ (پ ۱۱)

مریدوں، معتقدوں اور ناذروں کو اللہ کا مقرب^(۱) بنادینے پر قادر ہیں۔ اللہ کے درباری اپنے پیاروں کو بھی اس کا درباری بنا سکتے ہیں اور کوئی بھی اللہ کے پاس بغیر اللہ کے پیاروں کی سفارش، طفیل اور وسیلے کے نہیں پہنچ سکتا، وہ برملا کہتے تھے:

دیتے دلاتے سبھی کو یہی ہیں

اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ وہ کیوں نفی کے بغیر اثبات کے قائل تھے۔ کیوں

﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ نہیں کہتے تھے کیوں غیر اللہ کا انکار نہیں کرتے تھے اور صرف اللہ اللہ جتے تھے۔۔۔ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ”گماشتوں“ اور ”ایجنٹوں“ کے قائل تھے اور لاِیْلہ کے اقرار سے تمام قسم کے گماشتوں اور ایجنٹوں کا صفایا ہو جاتا تھا۔ وہ حرف غلط کی طرح مٹ جاتے تھے۔ تو معلوم ہوا کہ جس طرح حضور ﷺ انہیں نکلے پڑھاتے تھے وہ کلمے کو اس طرح سوچ سمجھ کر نہیں پڑھتے تھے۔ پھر مسلمانوں کو بھی سوچنا چاہئے کہ کیا وہ سمجھ کر اس کلمے کو پڑھتے اور اعتقاد رکھتے ہیں۔ جس طرح حضور ﷺ نے انہیں تعلیم دی ہے اور کلمے کا مفہوم بتایا ہے۔

بعض مسلمانوں کے مشرکانہ عقیدے

بے شک مسلمان زبان سے اقرار کرتے ہیں: ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ یعنی پہلے

﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ کہہ کر غیر اللہ کی زبانی نفی کرتے ہیں۔ پھر اللہ کو ثابت کرتے ہیں۔ قابل غور بات یہ ہے کہ کیا وہ

﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ کے اقرار کے ساتھ اعتقاد اور عملاً بھی اس بات کا ثبوت دیتے ہیں:

کہ کوئی اللہ کی ذات اور صفات میں شریک نہیں ہے؟

کوئی اللہ کا جزو اور حصہ نہیں ہے؟

کوئی اللہ کے خزانوں اور اس کے کاموں پر مختار نہیں؟

کوئی حاجت روا، مشکل کشا اور اس کے پاس سفارشی نہیں؟ بلائیں ٹالنے، وباؤں ہٹانے، بگڑی بنانے، شفا

بخشنے اور غم دور کرنے والا کوئی نہیں۔ اس کی تولی بدنی۔ مالی عبادات میں کوئی ساجھا نہیں۔ کوئی حاضر ناظر۔ غیب

جاننے والا نہیں؟

اگر ان سب باتوں کا جواب اعتقاد اور عملاً نفی میں ہے تو ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ کہنا درست ہے اور اس کے بعد اللہ کا

اثبات مبارک ہے! ایسا معتقد مسلمان موجد ہے اور اگر مسلمانوں کی صورت حال یہ ہے کہ کہتے ہیں:

(۱) ﴿مَنْ أَغْنَاهُمْ إِلَّا بِعَقْرِ مُؤْنَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى﴾ ”ہم تو ان (اللہ کے پیاروں کی پوجا پاٹ (نذر نیاز وغیرہ) صرف اس لئے کرتے

تھے کہ وہ ہمیں اللہ کے نزدیک کر دیں۔) (پ ۲۳: ع ۱۵)

پردہٴ انساں میں آکر خود دکھانا تھا جمال
رکھ لیا نام محمد ﷺ تاکہ رسوائی نہ ہو
یعنی رسول اللہ ﷺ کی شکل میں اللہ آیا (۱)..... اسی مضمون میں یہ شعر بھی پڑھا جاتا ہے جو محافل اعراس کی زینت ہے۔

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر (۲)
اتر پڑا مدینے میں مصطفیٰ ہو کر
یعنی وہ اللہ جس نے عرش پر قرار پکڑا وہی مصطفیٰ ﷺ بن کر مدینے میں آ گیا۔ فرمائیے کیا ایسے لوگ توحید کے ماننے والے رہے؟ اُن کا ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ کہنا غلط نہ ہوا۔ پھر مسلمان ہی جھوم جھوم کر پڑھتے اور سنتے ہیں:
ہیراں دیا ہیرا کر دے دُور مجبوریاں!
لایاں توں بنے جھیریاں رب نے روہڑیاں
”اے ہیروں کے پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ! میری مجبوریوں کو دور کر دے کہ تو نے انہیں بچا کر پار لگایا۔ جنہیں اللہ نے ڈبو دیا تھا۔“

اب یہ اعتقاد بھی مسلمانوں ہی کا ہے کہ جن کو اللہ ڈبوانے کا ارادہ کر کے ڈبو دے۔ ہیر جیلانی انہیں پار لگا دیتے ہیں بچا لیتے ہیں پھر یہ بھی کہتے ہیں۔ ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ کوئی معبود نہیں۔ حالانکہ ان کے قول کے مطابق ہیر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی بڑے معبود ہیں۔ اللہ سے بڑھ کر قدرت رکھتے ہیں کہ اللہ ڈبوتا ہے اور یہ تراتے ہیں۔ (۳) کے کے لوگ

- (۱) عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کو اللہ کہا۔ ہندوؤں نے اپنے بزرگ کرشن جی کو اللہ کا اوتار کہا۔ یعنی خدا کرشن کی شکل میں آیا اور مسلمانوں نے کہا اللہ خود رسول خدا بن کے آیا۔ کہنے تینوں کے کہنے اور عقیدے میں کیا فرق ہوا؟ افسوس مسلمانوں نے توحید کو بدباد کر دیا۔
- (۲) جنگ اُحد میں اللہ کا دانت شہید ہوا تھا یا حضور سید البشر جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کا؟ بعد از خدا بزرگ ذات کا؟
- (۳) ایک بے سر دپا کہانی بھی حضرت ہیر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مشہور کر رکھی ہے کہ انہوں نے بارہ برس کا ڈوبا ہوا بیڑا دریائے نکالا تھا۔ کہانی یہ ہے کہ ایک عورت کا ایک بیٹا تھا اسکی شادی کی برات گئی۔ جب بارات دریا میں گری تھی تو طغیانی آگئی اور وہ بارات ڈوب گئی ساتھ ہی دولہا بھی ڈوب گیا۔ وہ عورت بارہ برس تک روتی رہی۔ آخر حضرت ہیر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئی۔ انہوں نے اس بڑھیا کے حال پر ترس کھا کر کہا: مائی! اندر دلا جا کر ہماری گیارہویں پکا: تیرا بیٹا زندہ ہو جائے گا..... اس عورت نے حضرت ہیر کی گیارہویں پکائی تو بارہ برس کا ڈوبا ہوا بیڑا دریائے نکل آیا۔

اب طاعت کہتی ہے کہ جو لوگ اپنی جان مال اولاد کی خیریت چاہتے ہیں انہیں چاہئے کہ ہر ماہ کی گیارہ تاریخ کو ہیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی گیارہویں کی نیاز دیا کریں۔ (افسوس روٹی کی خاطر ایک جھوٹی کہانی گھڑی اور گیارہویں کو مسلمانوں میں رواج دے دیا۔ حالانکہ خاص بغداد کے اندر کوئی گیارہویں کا نام تک نہیں جانتا اور نہ دنیا میں کہیں دی جاتی ہے۔

ہمارے ہاں یہ حال ہے کہ مسلمان ڈرتے گیارہویں کا فتم دلاتے ہیں کہ کہیں ہیر صاحب ناراض نہ ہو جائیں اور پھر کوئی آفت =

﴿لَا إِلَهَ﴾ نہیں کہتے تھے کیونکہ ان کے اعتقاد میں اللہ کے سوا اور معبود تھے۔ لیکن مسلمان اپنے اعتقاد اور عمل میں اللہ کے سوا اور معبود رکھتے ہوئے ﴿لَا إِلَهَ﴾ کہتے ہیں۔ یہ کلمے سے زیادتی نہیں تو اور کیا ہے؟ ایسا گندہ عقیدہ تو کے کے مشرکوں کا بھی نہیں تھا کہ کوئی غیر اللہ کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ بلکہ وہ کہتے تھے:

”خداوند! تیرے شریک (جو ہم نے بنا رکھے ہیں) وہی ہیں جن کا دراصل تو مالک ہے خود ان کا بھی اور ان چیزوں کا بھی جن کا تو نے اختیار نہیں دے رکھا ہے۔“..... (تفسیر ابن کثیر)

یعنی مشرکین مکہ جن غیر اللہ سے عقیدت اور ارادت رکھتے تھے انہیں بھی اور ان چیزوں کو بھی جن پر ان کا اختیار جانتے تھے۔ اللہ کی ملکیت جانتے تھے۔ لیکن حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی عقیدت اور ارادت رکھنے والے مسلمان کہتے ہیں کہ اللہ جس کو ڈبو تا ہے ہیر صاحب اُسے ترا تے ہیں۔ گویا پیر صاحب کا معاذ اللہ مالک نہ ہوا۔ مالک ہوتا تو اس کا ارادہ کامیاب ہو جاتا، کوئی اسکے ارادے کو نہ ٹالتا۔ اللہ ڈبوئے اور بندہ ترائے! یہ ہیں کلمہ پڑھنے والے مسلمان جو کلمہ کے مطلب کو نہیں جانتے۔ آہ!

نہ تخم لا إله تیری زمین شور سے پھوٹا

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کو یوں بھی پکارا جاتا ہے:

امداد کن امداد کن از بند غم آزاد کن! (۱)

در دین و دنیا شاد کن یا شیخ عبدالقادر!

ہزاروں کوس سے حضرت شیخ جیلانی رحمہ اللہ کو پکارنا اس اعتقاد سے کہ وہ پکارنے والے کی پکار کو سنتے ہیں ایک خام خیال ہے بے بنیاد بات ہے۔ اس پر کوئی دلیل شرعی موجود نہیں۔ قرآن کہتا ہے:

﴿وَمَا يَسْتَعْوِ الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَنْ يَشَاءُ وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي

الْقُبُورِ﴾ (پ ۲۲: ع ۱۵)

= نہ آئے۔

واضح ہو کہ اللہ کے نام پر دینا ایصالِ ثواب کی نیت سے درست ہے۔ اس میں کسی کو کلام نہیں لیکن نذرِ لغیر اللہ کی صورت میں اس خیال سے دینا کہ اگر نہ دیا تو بزرگ ناراض ہو جائے گا اور کوئی جانی آجائے گی۔ اور نیاز دینے سے بزرگ کی خوشی پر یس پلین کر دے گی۔ سراسر ایمان برباد کرتا ہے۔ اللہ کی قدرت اور اختیار غیر اللہ میں مان کر اس کے سوا معبود بنانا ہے۔ ہاں تو یہ یاد رہے کہ اولیاء اللہ کی کرامات درست ہیں لیکن کسی بزرگ کے متعلق ایسا واقعہ خود گھڑنا بنانا سنانا جو وقوع میں ہی نہیں آیا کذب بیانی اور جھوٹ کہلاتا ہے اور اسلام کا ذبیح کی اشاعت کی اجازت نہیں دیتا۔

(۱) حضرت اکرم ﷺ دفعِ غم کے لئے اللہ سے استعاذ کرتے ہیں۔ ﴿اللَّهُمَّ أَذْهِبْ غَيْبَ الْهَمِّ وَالْحُزْنَ﴾ (حسنِ صمیم) ”یا اللہ! تو دور کر مجھ سے فکر اور غم۔“ مسلمان اہل سنت کا فرض ہے کہ حضور ﷺ کی سنت پر چل کر وہ بھی دفعِ غم کے لئے اللہ ہی سے دعا کرے۔ (محمد صادق)

”اور نہیں ہیں برابر زندے اور مردے۔ تحقیق اللہ سنا دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور (اے پیغمبر ﷺ)! جو لوگ قبروں میں (مدفون) ہیں۔ تم ان کو (اپنی باتیں) نہیں سنا سکتے۔“

اس آیت سے ثابت ہوا کہ حضرت سرورِ سلاسل ﷺ اہل قبور کو نہیں سنا سکتے۔ جب حضور ﷺ نہیں سنا سکتے تو اور کون ہے جو سنا سکتا ہے؟ پھر اہل قبور کو سنانے کے لئے پکارنا سراسر بے کار اور بے سود ہے اور قرآنی آیت کے خلاف..... ارشاد خداوندی ہوتا ہے:

﴿أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُ لَكُم خُلَفَاءَ الْأَرْضِ ۚ إِنَّ اللَّهَ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ﴾ (پ: ۲۰: ع ۱)

”بھلا کون ہے جب کوئی مضطرب (بے قرار ہو کر) اس سے فریاد کرے۔ وہ اس بے قرار کی فریاد کو پہنچے (۱) اور (اس کی مصیبت کو نال دے۔ (۲) (اور کون ہے جو) زمین میں تم کو (اپنا نائب بناتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور) معبود بھی ہے؟ (نہیں مگر) تم لوگ غور (اور فکر) کو بہت کم کام میں لاتے ہو۔“

اس آیت میں اللہ نے فرمایا: وہ کون ہے جو بے قرار کی فریاد کو پہنچتا ہے اور اس کی مصیبت نالتا ہے؟ وہ لوگ کتنے جاہل اور اپنی جان پر ظلم کرنے والے ہیں اور قرآنی تعلیم سے کس قدر بے خبر ہیں اور اس بے خبری میں اللہ کی صریح نافرمانی کرتے ہیں۔ اللہ فرمائے! ﴿وَيَكْشِفُ السُّوءَ﴾ اور کون مصیبت کو نال سکتا ہے؟ یعنی سوائے اللہ کے کوئی نہیں ہے جو مصیبت کو نال سکے۔ لیکن نادان کہتے ہیں:

”اے شیخ جیلانی رحمہ اللہ! از بند غم آزاد کن! قید غم سے چھڑاؤ! یعنی مصیبت نالو! مسلمانو! سوچو تو! کہ قرآن سے کتنا دور ہو گئے ہو اور کس قدر کہ حکم کے صریح خلاف چلتے ہو اور جو لوگ آپ کو اہل قبور سے استمداد کی یہ تعلیم دیتے ہیں وہ قرآن سے کتنی مغائر اور مخالف تعلیم دیتے ہیں! کیا آپ کو توحید پیاری نہیں؟ ایمان کی سلامتی دور کار نہیں؟

اسی آیت میں ارشاد ہوتا ہے ﴿إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ﴾ ”کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟“ یعنی کوئی اور ایسا معبود..... فریاد رس ہے جو بے قرار کی فریاد کو پہنچے اور مصیبت نالے؟ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے سوا کوئی بھی ایسا نہیں جس کی فریاد کو پہنچے..... اور مصیبت کو نالے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کے سوا کسی کو بے قراری میں پکارنا اس سے فریاد چاہنا اس کو اللہ کے ساتھ معبود بنانا ہے۔ تو پھر جو لوگ حضرت شیخ جیلانی رحمہ اللہ کو مصیبت میں پکارتے ہیں اور ان سے فریاد کرتے ہیں وہ انہیں اللہ کے ساتھ معبود بنانے والے ہیں۔ (۳) جب اللہ کے ساتھ معبود بنایا تو ان کا

(۱) اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ کے سوا کوئی غوث یعنی فریاد رس نہیں۔ دیکھیں نہیں! حاجت روا! مشکل کشا نہیں۔ مافوق الاسباب طور پر۔

(۲) اس آیت سے ثابت ہوا کہ کوئی سوائے اللہ کے بلائیں نالنے دبا ئیں نہانے، بکڑی نہانے اور شفا بخشے والا نہیں ہے!

(۳) اللہ کے ساتھ معبود بنانا شرک ہے اور اس کی بڑی سخت سزا ہے۔ جس سے رو گئے کھڑے ہوتے ہیں۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ﴾ اللہ تعالیٰ شرک کو ہرگز معاف نہیں کرے گا۔“ (پ: ۵: ع ۱۵)

﴿لَا إِلَهَ﴾ کہنا غلط ہوا۔ یعنی عمل، معبود بنالینا اور زبان سے کہنا کوئی معبود نہیں ﴿لَا إِلَهَ﴾ کیا مذاق ہے! کئے کے مشرکوں کی پوزیشن کم از کم معقول تو تھی کہ وہ اللہ کے سوا معبود رکھتے تھے اس لئے ﴿لَا إِلَهَ﴾ نہیں کہتے تھے اور یہاں معبود بھی رکھتے ہیں اور ﴿لَا إِلَهَ﴾ بھی کہتے ہیں۔ کتنی غیر معقول بات ہے افسوس! نہایت درد کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مسلمان بھائیوں نے کلمہ پڑھنے میں بھی راہ رسول ﷺ اختیار نہیں کی!

ایک اور گروہ کہتا ہے۔

وہ نور علی نور نور علی ہے
جین نبوت سے جو منجلی ہے
قسیم جان و جنم ہے یعنی
علی کُل شئیٰ قَدِیْر علی ہے

صاف الفاظ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علی کُل شئیٰ قَدِیْر کہہ دیا ہے۔ حالانکہ علی کُل شئیٰ قَدِیْر صرف اللہ واحد القہار کی صفت ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے اللہ کی ہستی کا ثبوت پوچھا۔ انہوں نے کہا۔ ﴿عَرَفْتُ رَبِّي بِمَسْخِ الْعَزَائِمِ﴾ ترجمہ: ”میں نے اپنے رب کو ارادوں کے ٹوٹ جانے سے پہچانا۔“ یعنی میں بار بار ارادہ کرتا ہوں کہ فلاں کام کروں گا لیکن وہ ارادہ پورا نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا کہ اس ارادے کو توڑنے والی ایک ذات برتر ہے اور وہ اللہ واحد القہار ہے پھر کیا کلمہ پڑھا مسلمانوں نے؟ زبان سے کہا لَا إِلَهَ كُوفِي معبود نہیں اور اس کے ایک ایسے بندے کو ﴿عَلِي كُل شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ کہہ کر معبود بنا ڈالا..... جسے ایک ظالم نے بے خبری میں پا کر خنجر گھونپ کر شہید کر ڈالا۔ ﴿رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ﴾

اللہ کا حصہ مقرر کرنا

﴿وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادِهِ جُزْءًا﴾ (پ ۲۵: ع ۷)

”اور مقرر کیا ان (مشرکوں) نے حق تعالیٰ کے لئے اس کے بندوں سے ایک جزو (حصہ)“

کافر فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ اولاد چونکہ باپ کا جزو حصہ ہوتی ہے اس لئے اللہ ان کے کفر کو بیان کرتا ہے کہ انہوں نے فرشتوں کو اللہ کی اولاد قرار دے کر اللہ کا جزو اور حصہ بنا دیا اور یہ اس کی ذات میں شرک ہے۔ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور یہودیوں نے حضرت عزیز علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہہ کر اللہ کا جزو بنایا۔ یہ بھی کفر ہے۔ ان کفریہ باتوں سے مسلمانوں کو بچنا چاہئے۔ اور کفر و شرک کی باتیں اللہ نے بیان ہی اسی لئے کی ہیں کہ اُمت محمدیہ ان سے بچے۔ نصیحت حاصل کرے۔ لیکن اُمت کے سپوتوں نے بر ملا کہا۔ وعظموں کی مجلسوں اور منبروں پر سنایا:

اللہ نے اپنے نور میں سے نور جدا کر کے حضرت محمد ﷺ کو بنایا۔^(۱) ﴿نُورٌ مِّنْ نُورِ اللَّهِ﴾ حضور ﷺ (معاذ اللہ) اللہ کے نور میں سے^۹

(جدا شدہ) ہیں۔ اس افترا کا مطلب یہ ہوا کہ حضور ﷺ اللہ کا جزو ہیں، معاذ اللہ حصہ ہیں۔ جب جزو اور حصہ ہوئے تو اللہ کے شریک ہوئے۔ جب شریک ہوئے تو نعوذ باللہ اللہ ہوئے۔ بتائیے! ایسا عقیدہ رکھنے والا کس منہ سے کہہ سکتا ہے۔ ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ کہ اللہ کے سوا کوئی اللہ نہیں۔

مسلمان بھائیو! ہوش کرو۔ یہ تعلیم قرآن سے صریح بغاوت پر مبنی ہے۔ خدا قرآن پڑھو، قرآن کو سمجھو اور قرآن کے مطابق اپنے عقیدے اور عمل استوار کرو!

الحاصل! کلمہ سوچ سمجھ کر پڑھنا چاہئے، جس طرح رسول اللہ ﷺ نے پڑھایا۔ سکھایا اور سمجھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ثابت کر دے پہلے غیر اللہ کی نفی کر کے ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ کہنے سے آپ کے قول و فعل..... خیال..... تصور اور اعتقاد میں کوئی بھی اللہ کی ذات اور صفات میں شریک نہ رہنا چاہئے۔ پھر آپ کا ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ کہنا درست ہو سکتا ہے۔ اور اگر آپ کے شرکیہ عقیدے ہوئے۔ آپ نے اللہ کا حق عبادات چھین کر غیر اللہ کو دیا۔ قوی مالی عبادت اللہ کی بھی کی اور غیر اللہ کی بھی کر لی تو اس صورت میں ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ پڑھنا یا تو طوطے کی طرح پڑھنا ہوگا یا رسی ہوگا، جھوٹ بولنا ہوگا..... یا خود فریبی..... اللہ رسول ﷺ اور قرآن کے ساتھ دیانت نہ ہوگی کہ سینکڑوں معبود بنا کر کہنا ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ کوئی معبود نہیں اور پھر نتیجہ کے طور پر ﴿إِلَّا اللَّهُ﴾ کہنا بے کار اور بے سود ہوگا۔ اللہ پر صحیح ایمان نہیں ہوگا۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ہرگز ازاں قوم نہ باشی کہ فریبند

حق را بسجو دے و نبی ﷺ را بہ درودے

”یعنی تم ان لوگوں میں سے ہرگز نہ ہونا جو اللہ تعالیٰ کو سجدہ سے اور رسول اللہ ﷺ کو درود سے فریب

دیتے ہیں۔“

اور رسول کو فریب دینا یہی ہے کہ توحید اور رسالت میں شرک کرنا۔ ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللَّهِ﴾ بھی پڑھنا اور پھر اللہ کی عبادت اور حضرت خاتم النبیین ﷺ کی اطاعت میں دوسروں کو شامل بھی کرنا! ذرا ہوش سے اس آیت کو پڑھئے اللہ فرماتا ہے۔

(۱) یہ صریح کفر ہے کہ اللہ نے اپنے نور غیر مخلوق میں سے کچھ جدا کر کے حضور ﷺ کو بنایا۔ اللہ فرماتا ہے۔ ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ

أَنْفُسِكُمْ﴾ (پ ۱۱: ۵) ”البتہ آیا تمہارے پاس رسول تمہاری جنس سے۔“

ثابت ہوا کہ حضور انسانی جنس سے ہیں۔ نسل آدم سے ہیں اور آدم علیہ السلام کے متعلق قرآن کہتا ہے۔ ﴿خَلَقَهُ مِنْ نُّوْرٍ﴾ (پ ۳: ۱۳)

ع ۱۳) ”پیدا کیا اللہ نے آدم کو مٹی سے۔“ پھر اولاد آدم میں سے ایک بشر سید البشر ﷺ کو کہنا کہ وہ اللہ کے نور سے جدا شدہ ہیں۔ اللہ کے نور کا حصہ ہیں۔ یقیناً الحاد کفر ہے۔ حضور انور سید ولد آدم بشر رسول اور سارے جہان کیلئے ہدایت کے نور تھے۔

﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ﴾ (ب ۱۳ : ۶۴)

”اور نہیں ایمان لاتے اکثر ان کے ساتھ اللہ کے مگر وہ شرک کرنے والے ہیں۔“

یعنی اکثر لوگوں کا یہ حال ہے کہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں..... اور شرک بھی کرتے ہیں، گویا شرک مومن ہیں۔ شرک آمیز ایمان رکھتے ہیں۔ ہمارے بھائیو! یاد رکھو! اللہ تعالیٰ نے موحّد مومن بننے کا حکم دیا ہے۔ مکے کے لوگ شرک مومن تھے ان کے ایمان کو شرک سے پاک کرنے کے لئے اللہ نے قرآن اتارا اور اسکی تبلیغ پر اپنے رسول کریم ﷺ کو مامور کیا۔ مسلمان بھائیو! موحّد مومن بنو تا کہ آپ کا کلمہ پڑھنا درست ہو۔ اللہ مغفرت کرے..... علامہ اقبال نے ان ہی معنوں میں فرمایا ہے

مقام بندہ مومن کا ہے ماورائے سپہر
زمین سے تابہ ثریا تمام لات و منات

یعنی بندہ مومن۔ موحّد مومن کا مقام ماورائے سپہر ہے۔ چرخ نیلی قام سے پرے رب عرش عظیم کی پڑوس ہے۔ مومن کیلئے نہ دنیا میں ٹھہراؤ ہے نہ بڑی سے بڑی بلندی آسمان کی منزل ہے۔ اسے کہیں آرام و چین نہیں۔ کیونکہ تمام دنیا دوئی کی آلائش سے پر ہے۔ سورج، چاند ستارے اور آسمان بھی ایک طلسم ہے ٹرٹی سے ثریا تک اللہ کے مقابلہ میں سب کچھ لات و منات ہے موحّد مومن تنہا لا سے ہر چیز کو فنا کے گھاٹ اتار کر اِلَّا اللہ کہتا ہے۔ صرف اللہ کو ثابت اور باقی مان کر اسکی جوار میں آباد ہوتا ہے اور یہی مومن کا مقام ہے، خود آگاہ فقیر کی منزل ہے!

عملوں کا ضائع ہونا

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾ (ب ۲۶ : ۸۴)

”مسلمانو! (سنو)! اللہ کے حکم پر چلو اور اس کے رسول ﷺ کی تابعداری کرو اور (رسول ﷺ کے طریقے کے خلاف چل کر) اپنے عملوں کو ضائع نہ کرو۔“

اس آیت میں اللہ نے اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ حقیقی مطاع صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ حکم صرف اسی کا ہے نبیوں کے لئے بھی اور امتوں کیلئے بھی..... پھر اس کے حکموں پر عمل کرنے کے لئے کوئی طریقہ بھی چاہئے۔ اس طریقے کے متعلق بھی ارشاد فرمایا۔ ﴿أَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ کہ (اللہ کے حکم پر عمل کرنے کے لئے صرف) رسول اللہ ﷺ کی تابعداری کرو۔ یعنی اللہ کے احکام..... توحید، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، صدقات، خیرات سارے کے سارے قرآن پر عمل کرنے کیلئے طریقہ رسول ﷺ اختیار کرو۔ حضور ﷺ کی راہ پر چلو۔ اللہ کے ہر فرمان کی تعمیل سعادت کے مطابق کرو۔ آگے ارشاد فرمایا: ﴿وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾ اور اپنے عملوں کو (غیر مسنون طریق پر بجالا کر) ضائع اور برباد نہ کرو۔ مطلب یہ کہ اگر تم نے اللہ کے حکموں کو اپنی اپنی مرضی زائے خواہش اپنے اپنے طریقوں، امتیازوں کی

ہدایتوں اور تجویزوں کے مطابق عملی جامہ پہنایا تو تمہارے ایسے اعمال ضائع اور برباد ہو جائیں گے ان کا کچھ بھی اجر نہیں ملے گا۔ معلوم ہوا کہ جو اللہ کا حکم غیر منسنون طریق پر عمل میں لایا جائے۔ وہ عند اللہ مردود ہے!

فجر کی سنتیں ضائع

مثال کے طور پر صبح کی سنتوں کو لیجئے..... حضور انور ﷺ فرماتے ہیں:

﴿إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَوةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةُ﴾ (صحیح مسلم) ^(۱)

”جب نماز (کی جماعت) کھڑی ہو جائے تو سوائے فرض نماز کے کوئی نماز پاس نہیں ہوتی۔“

اب جو لوگ جماعت کے ہوتے ہوئے فجر کی سنتیں پاس پڑھتے ہیں۔ ان کی سنتیں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق ہوتی ہی نہیں۔ حضور انور ﷺ نے لَا صَلَوةَ فرما کر ان سنتوں کی نفی کر دی ہے کہ بالکل نہیں ہوتیں۔ دیکھا آپ نے یہ سنتیں طریقہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف پڑھنے پر ضائع ہو گئیں۔

نماز ضائع

طریقہ رسول ﷺ..... سنت سید العالمین ﷺ کے خلاف بجالاتے ہوئے اعمال برباد ہونے کا اور ثبوت

ملاحظہ ہو:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور رسول اللہ ﷺ مسجد کے کونے میں تشریف فرما تھے۔ اس نے نماز پڑھی (رکوع، سجود توئے، جلسے کو اطمینان سے ادا کئے بغیر بہت جلدی جلدی پڑھی) پھر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ ﷺ پر سلام کیا۔ ^(۲) حضور نے فرمایا:

”سلام ہو تجھ پر ﴿إِذْ جَعَلَ فَصْلًا فَإِنَّكَ لَم تَصَلِّ﴾ لوٹ جاؤ۔ پھر نماز پڑھو یقیناً تم نے نماز نہیں پڑھی۔ وہ شخص پھر گیا اور مکرر نماز پڑھی (جس طرح پہلے بے قاعدہ پڑھی تھی) پھر حاضر ہوا اور سلام کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

”سلام ہو تجھ پر ﴿إِذْ جَعَلَ فَصْلًا فَإِنَّكَ لَم تَصَلِّ﴾ لوٹ جاؤ۔ پھر نماز پڑھو یقیناً تم نے نماز نہیں پڑھی۔“ اس شخص نے تیسری یا چوتھی بار (اسی طرح بے قاعدہ) نماز پڑھنے کے بعد عرض کیا ﴿عَلَّمْنِي يَا رَسُولَ

(۱) مسلم کتاب صلاة المسافرين (۶) باب كراهة الشروع في نافلة بعد شروع المودن في إقامة الصلاة (۹)

الحدیث (۱۶۳۳-۶۳-۷۱) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ

(۲) بخاری کتاب الاستئذان (۷۹) باب من رد فقال عليك السلام (۱۸) الحدیث (۶۲۵۱) و مسلم کتاب الصلاة (۳)

باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة وانه (۱۱) الحدیث ۸۸۵ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ

اللہ! (اے اللہ کے رسول مجھے نماز سکھائیں، حضور ﷺ انور نے فرمایا: جب تم نماز کے ارادے سے اٹھو تو:

- خوب سنوار کر۔ وضو کرو!
- پھر قبلہ رخ کھڑے ہو کر تکبیر کہو۔
- پھر قرآن سے جو تمہیں میسر ہو پڑھو۔
- پھر اطمینان خاطر سے (بڑے آرام سے) رکوع کرو۔
- پھر (رکوع سے) سر اٹھا کر سیدھے کھڑے ہو جاؤ (قومہ میں)۔
- پھر اطمینان خاطر سے (بڑے آرام سے) سجدہ کرو!
- پھر (سجدے سے) سر اٹھا کر اطمینان خاطر سے (بڑے آرام سے) بیٹھو (جلسہ میں)
- پھر اطمینان خاطر سے (بڑے آرام سے) سجدہ کرو۔
- پھر (دوسرے سجدے سے) سر اٹھا کر اطمینان خاطر سے بیٹھو! (جلسہ استراحت میں)
- پھر دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہو جاؤ!

یہ نمازی بڑی جلدی جلدی نماز پڑھتا..... ٹھونکیں مارتا، رکوع، سجود، قوے، جلسے کو آرام سے پورا نہیں کرتا تھا۔ نہ رکوع میں کمر سیدھی کرتا، نہ قومہ میں سیدھا کھڑا ہوتا، نہ دو سجدوں کے درمیان بیٹھتا، یعنی طریقہ رسول ﷺ پر نماز نہیں پڑھتا تھا۔ حضور ﷺ نے اسے بار بار فرمایا: لوٹ جاؤ پھر نماز پڑھو، یقیناً تم نے نماز نہیں پڑھی، یعنی تمہاری نماز نہیں ہوئی۔

ثابت ہوا کہ غیر مسنون طریق پر پڑھی ہوئی نماز ضائع ہو جاتی ہے۔ ہوتی ہی نہیں۔ پیچھے آپ پڑھ آئے ہیں کہ ایسی نماز چیتھڑوں میں لپیٹ کر منہ پر ماری جاتی ہے۔ پھر وہ نماز اس نمازی کو کہتی ہے: اللہ تجھے برباد کرے جس طرح تو نے مجھے برباد کیا ہے۔“ وہی بات ہوئی نا..... نیکی برباد گناہ لازم۔

اکیلی عورت کا حج

کئی عورتیں اکیلی حج کرنے چلی جاتی ہیں۔ اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

وَلَا تَسَافِرِ الْمَرْأَةُ إِلَّا مَعَ ذِي مَحْرَمٍ فَقَالَ يَارَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ امْرَأَتِي خَرَجَتْ حَاجَةً وَإِنِّي اكْتَبْتُ فِي غَزْوَةٍ كَذَا وَ كَذَا قَالَ انْطَلِقِي مَعَ امْرَأَتِكَ..... (بخاری و مسلم) (۱)

(۱) بخاری کتاب حذاء الصيد (۲۸) باب حج النساء (۲۶) الحديث (۱۸۶۲) و مسلم کتاب الحج (۱۵) باب سفر المرأة مع معدم الى حج وغيره (۷۴) الحديث (۳۲۷۲) و اللفظ له (عن ابن عباس رضی اللہ عنہما)

”اور نہ کرے سفر کوئی عورت مگر ساتھ محرم کے (یہ سن کر) ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میری عورت توج کو نکلی ہے اور میں فلاں فلاں لڑائی میں لکھا گیا۔ ہوں آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ اپنی عورت کے ساتھ حج کرو۔“

حضور اکرم ﷺ کے حکم سے ثابت ہوا کہ اکیلی عورت کو حج کرنے جانا منع ہے اور غیر محرم کے ساتھ جانا بھی منع ہے۔ محرم کے ساتھ جاسکتی ہے اور محرم اس قرابت دار کو کہتے ہیں جس کے ساتھ نکاح ہمیشہ حرام ہو۔ قرابت کے سبب یاد دہ کے علاقہ سے۔ افضل ہے کہ اپنے خاوند کے ساتھ جائے۔ خاوند موجود نہیں یا خاوند نہیں جاسکتا تو پھر باپ، چچا، ماموں، بھائی، بھتیجے، بھانجے وغیرہ کے ہمراہ جائے۔ اگر اکیلی گئی یا غیر محرم کے ساتھ گئی۔ تو وہ عورت رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کے سبب گنہگار ہوگی۔ آپ اوپر کی حدیث میں غور کریں کہ ایک شخص کا غزوہ میں نام لکھا جاتا ہے۔ وہ جہاد میں جانے کو تیار ہے۔ اس اثنا میں اس کی عورت حج کو نکلتی ہے تو رسول اللہ ﷺ اس شخص کو حکم دیتے ہیں کہ وہ بجائے جہاد میں جانے کے اپنی عورت کے ساتھ حج کو جائے۔ غزوہ میں جانے والی فوج سے نکال کر اس کو بیوی کے ساتھ جانے کا حکم اس لئے دیا کہ وہ اکیلی یا غیر محرم کے ساتھ سفر نہ کرے۔ پھر جو عورتیں آج کل دیکھا دیکھی اکیلی یا غیر محرموں کے ساتھ حج کو جا رہی ہیں۔ یہ کوئی نیکی نہیں ہے۔ مال کا ضیاع اور سفر کا ذہاب و ایاب رسول اللہ ﷺ کی معصیت میں داخل ہے۔ ہاں تو یاد رکھیں! کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث سنت اور قول و فعل کے مطابق ہی عمل میں لایا ہوا..... اللہ کا حکم بار آور ہو سکتا ہے۔ غیر مسنون طریق پر اللہ کی حکم برداری بے برگ و بار رہتی ہے۔ خبردار! دانستہ سنت کا کبھی خلاف نہ کرنا۔ سنت اور حدیث کے مقابلہ میں کوئی چیز قبول نہ کرنا۔

محمد ﷺ عربی کا بروئے ہر دد سر است
کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سر اوست

اُمت محمدیہ ﷺ میں مذہبی انتشار

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے رسول ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے کے بعد مومن اسلام کی عالمگیر برادری میں شامل ہو جاتا ہے۔ اس کیلئے صرف اللہ کا حکم ماننا اور اس کے حکم پر عمل کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی تابعداری لازمی ہے۔ اللہ اور رسول کے سوا تیسرے کا مذہب کے اندر نہ شخصی حکم ہے اور نہ ذاتی تابعداری..... سب مسلمانوں کو قرآن و حدیث کے چشمہ شیریں سے پینے کا حکم ہے۔ اگر نیک نیتی اور خلوص سے تمام مسلمان صرف ایک ہی چشمہ ہدیٰ سے ایمان کی پیاس بجھائیں تو مذہب کے اندر نہ کوئی اختلاف ہو سکتا ہے اور نہ جھگڑا..... اور ان کے گزرا حیات میں اتفاق و اتحاد محبت اور اخوت کی بادی بہاری ہمیشہ چلتی رہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہی حال تھا کہ وہ صرف کتاب و سنت کے آب حیات سے ایمان میں جان ڈالتے تھے۔

انہوں نے کوئی ”جوہر“ ”تالاب“ ”تال“ ”ڈبرا“ اور ”آب گیز“ نہیں بنا رکھا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بڑے متحد، متفق اور محبت و اخوت کے پیکر تھے۔ سب کے سب آپس میں یک جان و دو قالب تھے۔ مذہبی جھگڑوں، تنازعوں اور فرقہ بندیوں سے نا آشنا تھے۔ وہ قرآن پر مسنون طریق سے عمل کرنا جانتے تھے اور بس۔

تاجدارِ عالم بطحا کا جو فرمان تھا!
کچھ نہ تھا اس کے سوا سنت تھی یا قرآن تھا
جب تلک یہ دیں مسلمانوں کا حرز جان تھا
ان دنوں اقبال ان کے در پہ اک دربان تھا

تین بہتر زمانے

رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿خَيْرُ الْقُرُونِ قُرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ﴾^(۱)

”سب سے بہتر میرا زمانہ ہے۔ پھر اس کے بعد والوں کا پھر اس کے بعد والوں کا۔“

یہاں حضور ﷺ نے تین زمانوں کی خیریت اور بہتری کی خبر دی ہے۔ یعنی صحابہ کرام کا زمانہ، تابعین کا زمانہ،^(۲) تبع تابعین کا زمانہ۔^(۳) ان تینوں زمانوں کے لوگ مذہب کے لحاظ سے بے شک صراطِ مستقیم پر تھے۔ ان کا مذہب صرف قرآن و حدیث تھا۔ اس کے سوا کوئی اور طریقہ مروج نہ تھا۔ نہ ہمتیوں کی بنی ہوئی..... قیاس و رائے سے بھری ہوئی کتابیں موجود تھیں اور نہ آنکھ بند کر کے کوئی کسی امام بزرگ عالم کے پیچھے لگتا تھا۔ ہر شخص علی وجہ البصیرت دلائل قرآن و حدیث دیکھ کر مذہب پر چلتا تھا۔ قال اللہ اور قال الرسول ﷺ پر جان دیتا تھا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم اہل سنت! اہل حدیث تھے!

ہم پیچھے حدیث شریف کے حوالے سے فرقہ بندی کی خرابیوں پر روشنی ڈال چکے ہیں۔ یاد رکھیں کہ اسلام کی رو سے سب مسلمان ایک عالمگیر جماعت ہیں۔ جس میں فرقہ کی گنجائش نہیں۔ جس طرح جمع تفریق، دو ضدیں ہیں۔

(۱) بخاری کتاب الشهادات (۵۲) باب لا يشهد على شهادة جور اذا شهد (۹) الحديث (۲۶۵۲) و مسلم کتاب

فضائل الصحابة (۴۳) باب فضل الصحابة ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم (۵۲) الحديث (۲۶۴۲) عن عبد الله

بن مسعود رضی اللہ عنہ

(۲) صحابہ کو ملنے والے۔

(۳) تابعین کو ملنے والے۔

اسی طرح جماعت اور فرقہ کا آپس میں تضاد ہے۔ ایک ہزار روپے میں سے دوسو ڈیڑھ سو نوے اسی ساٹھ پچاس تیس دس پانچ چار ایک جدا کریں تو باقی دوسو روپے رہ جاتے ہیں۔ تفریق سے نقصان ہوتا! اور اگر ان تیرہ رقموں کو اکٹھا کریں تو آٹھ سو کی جماعت بن جاتی ہے۔ معلوم ہوا کہ تفریق فرقہ بندی جماعت کو درہم برہم کر دیتی ہے۔ کمزور اور ناتواں بنا دیتی ہے اور پھر یہ کمزوری اور ناتوانی جماعت کو فنا کر دیتی ہے۔ جب جماعت فنا ہوگئی تو دین کہاں رہا؟ اس لئے اللہ نے تفریق..... فرقے بندی سے منع کیا ہے۔ اور جماعت بندی کی تاکید کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا﴾ (پ ۴ : ۲۴)

”اور سب (اکٹھے ہو کر مل کر) اللہ (کے دین) کی رسی کو مضبوط پکڑو اور ایک دوسرے سے الگ نہ ہونا (فرقے فرقے نہ بننا) اور یاد کرو اللہ کے احسان کو جب تم (ایک دوسرے کے) دشمن تھے پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اسکی نعمت (فضل) سے بھائی (بھائی) بن گئے۔“

اللہ کی رسی

اللہ نے فرمایا: کہ اللہ کی رسی یعنی دین اسلام کو مضبوطی سے پکڑو! ﴿جَمِيعًا﴾ مل کر اکٹھے ہو کر جمع ہو کر جماعت بن کر! پس اس اللہ کے حکم سے تمام مسلمانوں کو جو قرآن پر ایمان رکھتے ہیں..... کتاب اور سنت پر جمع ہو جانا چاہئے کہ اللہ کی رسی یہی کتاب و سنت قرآن و حدیث ہے۔ سب کا فرض ہے کہ قرآن اور حدیث کو مضبوطی سے پکڑ لیں اور ہر چیز کو ہاتھ سے چھوڑ دیں۔ ایسے مسلمان بھائی اہل سنت والجماعت ہیں۔ حدیث اور سنت پر عمل کرنے سے اہل سنت ہوئے اور اکٹھے اور جمع ہونے کے باعث جماعت کہلائے۔

آگے ارشاد فرمایا: ﴿وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ اور ایک دوسرے سے جدا نہ ہونا فرقے فرقے نہ بن جانا جماعت میں تفریق نہ ڈالنا۔ اللہ کے دین کی رسی (قرآن و حدیث) کو چھوڑ کر اور ”رسیوں“ کو نہ پکڑنا۔ کیونکہ ان ”رسیوں“ کو پکڑنے سے فرقے بندی پیدا ہوگی!

جماعت پر اللہ کا ہاتھ

حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

﴿يُؤَيِّدُ اللَّهُ عَلَى الْجَمَاعَةِ﴾ (مشکوٰۃ) ^(۱)

(۱) ترمذی کتاب الفتن (۳۱) باب ما جاء في لزوم الجماعة (۷) الحديث (۲۱۶۷) و مستدرک ۱/ ۱۱۵ و ۱۱۶ عن ابن عمر رضی اللہ عنہما جاکم و دمس اور البانی نے صحیح کہا ہے۔ صحیح سنن ترمذی ۱۷۵۹۔ و المشکوٰۃ ۱۷۳۔

”جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے۔“

صحابہ رضی اللہ عنہم جماعت تھے ان پر اللہ کا ہاتھ تھا۔ وہ آپس میں شیر و شکر تھے۔ ایک دوسرے کے پسینہ پر خون گراتے تھے۔ باہم بڑے خیر خواہ تھے۔ وہ صرف کتاب و سنت کو مضبوط پکڑے ہوئے تھے۔ یہی ان کا جماعتی نشان تھا۔ جب جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوا تو جماعت کی ضدوں، فرقوں پر اللہ کا ہاتھ نہ ہوا۔ وہ اللہ کی حمایت، تائید، توفیق، حول اور پناہ سے محروم ہوئے۔ پھر جو اللہ کی توفیق و تائید سے محروم رہا جسے اللہ پناہ نہ دے اس پر شیطان کا ہاتھ ٹھہرا۔ یہ شیطان کے ہاتھ ہی کی شیطنت ہے کہ فرقے آپس میں لڑتے ہیں۔ ان میں فساد اور جھگڑا پڑا رہتا ہے۔ اختلاف، پھوٹ، تکلیف اور تفسیق کا بازار گرم رہتا ہے۔ اس فرقے بندی سے دین اور دنیا دونوں برباد ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے اللہ نے فرمایا ﴿وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ (خبردار!) فرقے فرقے نہ بنو!

پھر ارشاد ہوا کہ یاد کرو اللہ کے احسان کو جب تم (ایک دوسرے) کے دشمن تھے۔ پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی۔ یعنی قبل اسلام تم فرقوں گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ فرقہ فرقہ تھے اور آپس میں تمہاری خانہ جنگی رہتی تھی۔ اللہ نے اپنے فضل اور احسان سے تمہیں اسلام کی دولت بخشی، تم مسلمان ہو گئے اور بحیثیت مسلمان تم نے بے شمار ”رسیوں“ کو چھوڑ کر صرف اللہ کی رسی قرآن وحدیث کو مضبوط تھام لیا اور جماعت بن گئے۔ اور دلوں میں الفت ڈالنے کے معنی ہیں: دلوں کا جمع ہونا..... اکٹھا ہونا..... مل جانا، بخلاف کافروں کے دلوں کے۔

﴿وَقُلُوبُهُمْ شَتَّى﴾ (پ ۲۸: ع ۵)

”اور دل ان کے متفرق اور پراگندہ ہیں۔“

قرآن میں اسی مضمون کو دہرایا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہوتا ہے:

﴿وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ﴾ (پ ۱۰: ع ۲)

”اور حکم مانو اللہ کا اور فرماں برداری کرو اس کے رسول ﷺ کی اور مت جھگڑو آپس میں پس ست ہو جاؤ گے اور اکٹھا جائے گی ہوا تمہاری۔“

ہوا کا اکٹھا جانا

اس آیت میں بھی اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے..... وہی قرآن وحدیث..... اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑنے کا حکم ہوا۔ پھر فرمایا: ﴿وَلَا تَنَازَعُوا﴾ اور تنازعہ جھگڑا، اختلاف نہ کرو پھوٹ نہ ڈالو وہی پہلا مضمون جو اوپر گزرا۔

یعنی ﴿وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ ”اور متفرق نہ ہو جاؤ۔“

یہ بات ظاہر ہے کہ جب تنازعہ جھگڑا اور اختلاف آجائے۔ تو تفریق اور جدائی پیدا ہوتی ہے اور تنازعہ اور جھگڑا اس وقت پڑتا ہے جب اللہ کی رسی ہاتھ سے چھوٹ جائے۔ آگے اختلاف، جھگڑے اور فرقہ فرقہ ہونے کا نتیجہ بتلایا۔ ﴿فَتَفَشَلُوا﴾ پس ست ہو جاؤ گے۔“ جب جماعت بندی گئی اور فرقہ بندی آگئی تو کمزوری لازم ہوئی۔ جھاڑو کے تنکے جب اکٹھے ہوتے ہیں جماعت میں ہوتے ہیں تو مضبوط ہوتے ہیں۔ جب ان کی جماعت کا شیرازہ بکھر جاتا ہے سب تنکے متفرق ہو جاتے ہیں کہ معمولی اشارہ سے ٹوٹ جاتے ہیں۔ اسی طرح اللہ نے مسلمانوں کو اکٹھا کیا ہے کہ اللہ کی رسی کو نہ چھوڑنا۔ قرآن و حدیث کو سب مل کر چنگل مارو۔ اگر چنگل چھوٹ گیا۔ ثم اکٹھے نہ رہے۔ علیحدہ علیحدہ ہو گئے تو ست اور کمزور ہو جاؤ گے۔ ﴿فَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ﴾ پھر تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ تمہارا کوئی سایہ دبدبہ اثر اور رعب نہ رہے گا۔ بے وقعت ہو جاؤ گے۔ تمہاری کوئی قدر و قیمت نہ رہے گی۔

الحاصل..... فرقے بندی تمہاری تباہی کا موجب ہے اور کتاب و سنت پر تمہاری شیرازہ بندی زندگی کا باعث

ہے!

اہل سنت اور اہل حدیث

رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کرنے والے کو اہل سنت اور حدیث پاک پر عمل کرنے والے کو اہل حدیث کہتے ہیں۔ اہل سنت اور اہل حدیث کا ایک ہی مطلب ہے۔ جب صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین رضی اللہ عنہم اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کی سنت اور حدیث پر عمل کرتے تھے تو وہ اہل سنت اور اہل حدیث ہوئے۔ یاد رکھیں کہ اہل سنت اور اہل حدیث کسی فرقہ محدثہ کا نام نہیں ہے بلکہ یہ ایک معزز لقب ہے جو عمل بالحدیث کے سبب صحابہ و خیار تابعین میں پہلی صدی میں رائج ہو گیا تھا۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔

عن ابن سيرين قال لم يكونوا يسئلون عن الا سناد فلما وقعت الفتنة قالوا سموا النار جالكهم فينظر الى اهل السنة فيؤخذ حديثهم وينظر الى اهل البدع فلا يؤخذ حديثهم ﴿ديباچہ صحیح مسلم﴾

”امام محمد^(۱) بن سيرين فرماتے ہیں کہ (شروع شروع میں) اسناد کے بارے میں سوال نہیں کرتے تھے۔

(۱) امام محمد بن سيرين رحمہ اللہ بڑے مرتبہ کے تابعی ہیں۔ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت حسن اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زیارت کا شرف پایا اور ان سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ یہ آفتاب حدیث ۳۳ھ کو حضرت عثمان کے دور خلافت میں طلوع ہوا اور ستر برس تک ضوفاں رہ کر ۱۱۷ھ کو بصرہ میں غروب ہو گیا ساری زندگی سنت اور حدیث کی اشاعت میں گزاری اللہ آپ کو کروٹ کروٹ جنت دے۔ (محمد صادق)

امام ابن سيرين نے یہ بھی فرمایا ﴿ان هذا العلم دين فانظر واعن من تاخذون دينكم﴾ (دیباچہ صحیح مسلم) ”تحقیق =

لیکن جب (سنت کے مقابلہ میں بدعت کا) فتنہ ظاہر ہوا۔ تو سوال اٹھا کر ہمارے سامنے اپنے راویوں کی شخصیت بیان کرو تا کہ اہل سنت کو دیکھا جائے اور ان کی روایت کی ہوئی حدیث کو لے لیا جائے اور اہل بدعت کو بھی دیکھا جائے کہ ان کی روایت کی ہوئی حدیث کو نہ لیا جائے۔“

اس روایت سے ثابت ہوا کہ پہلی صدی میں ہی اہل سنت کا نام اہل بدعت کے مقابلہ میں رواج پا گیا تھا۔ سنت اور بدعت میں تمیز کی جانے لگی تھی۔ چونکہ سنت بدعت کی ضد ہے اس لئے خوب یاد رکھنا چاہئے کہ کوئی بھی بدعت پر عمل کرنے والا اہل سنت نہیں کہلا سکتا۔ اگر کوئی عامل بدعت خود کو اہل سنت کہے تو وہ ایسا ہی ہے جیسے سیاہ کو سفید یا رات کو دن کہا جائے۔ خانہ ساز مسکوں پر چلنے والوں کا اپنے آپ کو اہل سنت کہنا۔ ”برعکس نہند نام نہنگی کافور“ کا مصداق ہے۔

ایک سنگین غلط فہمی

امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے اُپر ثابت ہو چکا ہے کہ سنت نبویہ ﷺ پر عمل کرنے والے پہلی صدی میں اہل سنت کہلاتے تھے۔ پھر یہ جو مشہور ہے کہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی ہی اہل سنت ہیں جو ان چاروں اماموں کی تقلید نہ کرے وہ اہل سنت نہیں..... کس طرح درست ہوا۔ جبکہ ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرنے والوں حنفیوں، شافعیوں، مالکیوں، حنبلیوں کا پہلی صدی میں نام و نشان نہ تھا اور نام و نشان ہو بھی کس طرح سکتا تھا کہ یہ چاروں امام (اللہ کی اُن پر رحمت ہو) بعد میں پیدا ہوئے ہیں اور اہل سنت کا لقب اُن کی پیدائش سے پہلے شہرت پذیر ہو چکا تھا۔

غور کریں کہ:

- (۱) امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ میں وفات پا گئے۔
- (۲) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ۹۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۷۹ھ میں وفات پا گئے۔
- (۳) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰۴ھ میں وفات پا گئے۔
- (۴) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۴۱ھ میں وفات پا گئے۔

= یہ (حدیث کا) علم دین ہے پھر (اچھی طرح) دیکھو کہ تم اپنا دین کس شخص سے لے رہے ہو۔ یعنی دین حاصل کرتے وقت اچھی طرح دھیان رکھو کہ کوئی بدعتی، مشرک حدیث کے خلاف کوئی چیز نہ تمہیں دے دے۔“ (محمد صادق)

- (۱) کوفہ میں پیدا ہوئے اور بغداد میں قید خانہ میں وفات پائی۔
- (۲) مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور وہیں آسودۂ خاک ہوئے۔
- (۳) آپ مقام غزہ میں پیدا ہوئے اور مصر میں اللہ کو پیارے ہوئے۔
- (۴) آپ بغداد میں پیدا ہوئے اور بغداد میں ہی فوت ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ

چار مذہب

چاروں اماموں کے مقلدوں نے چار مذہب مشہور کر رکھے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو شخص ان چاروں مذہبوں میں سے کسی ایک مذہب کو اختیار نہیں کرتا..... کسی ایک امام..... نہیں ہوتا وہ اہل سنت والجماعت نہیں ہے۔ اُوپر ہم نے ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کی پیدائش اور وفات کی تاریخیں تحریر کی ہیں۔ ان سے یہ بات دوپہر کے سورج کی طرح واضح ہو گئی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین رضی اللہ عنہم اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم کے نیک زمانوں میں ان چاروں مذہبوں کا کوئی نام تک نہ جانتا تھا۔ ان کا قطعاً وجود نہیں تھا تو تقلید شخصی کا وجود کس طرح ہو سکتا ہے؟ اگر تقلید نہ کرنے والے اہل سنت نہیں ہیں تو صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین رضی اللہ عنہم تبع تابعین رضی اللہ عنہم کی تقلید نہ کرنے کے معاذ اللہ اہل سنت نہ ہوئے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ قرون ثلاثہ کے نیک لوگ ہرگز ہرگز مقلد نہ تھے۔ وہ ضرور غیر مقلد تھے۔ اچھا بتائیے کہ خلفائے راشدین کس کی تقلید شخصی کرتے تھے؟ سوال اکھ صحابہ رضی اللہ عنہم کس کے مقلد تھے؟ لاکھوں تابعین رضی اللہ عنہم اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم نے کس امام کی تقلید شخصی کا پنا گلے میں ڈالا ہوا تھا؟ ایمان داری کا جواب یہی ہے کہ وہ کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ جب ان نیک زمانوں کے لوگوں نے..... قرون مشہود لہا بالخیر کے پاک بازوں نے کسی کی تقلید نہیں کر رکھی تھی..... اور پھر اہل سنت کہلاتے تھے۔ جیسا کہ اُوپر گزرا..... تو پھر آج ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کی تقلید نہ کرنے والوں کو کیوں خارج از اہل سنت والجماعت سمجھا جاتا ہے؟

قُرُونِ تِلَاشَةِ كَاتَعِينِ

اہل سنت کی پہچان

کتاب طبقات العلماء شروح حدیث اور تاریخ کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ۱۱ھ میں ہوئی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضور انور ﷺ کا زمانہ ۱۱ھ تک ہے۔ پھر حضور کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے آخری صحابی حضرت ابوطیفل رضی اللہ عنہ ۱۱۰ھ میں اللہ کو پیارے ہوئے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کا زمانہ ۱۱۰ھ تک ہوا اور فتح الباری وغیرہ سے تابعین رضی اللہ عنہم کا زمانہ ۱۸۰ھ تک اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم کا دور ۲۲۰ھ تک ثابت ہوتا ہے تو قرآن ثلاثہ (جن کی خیریت کی خبر رسول اللہ ﷺ نے دی ہے) کی زیادہ سے زیادہ مدت ۲۲۰ھ تک ہوئی اور آپ یہ کہیں لکھا ہوا نہ پائیں گے۔ کسی کتاب میں اس کا ثبوت نہ مل سکے گا کہ اس مدت تک کوئی شخص تقلید کو جانتا تھا۔

خوب یاد رکھیں کہ تیسری صدی ہجری تک تقلید کی کسی شخص کو ہوا تک نہ لگی تھی۔ جب تقلید کا عدم تھی تو پھر اس

مفروضہ میں کیا صداقت ہے کہ تقلید نہ کرنے والے اہل سنت نہیں ہیں! تین صدیوں تک کے لوگ جو بہترین اُمت تھے۔ غیر مقلد ہونے کے سبب اہل سنت والجماعت سے خارج تھے؟ ہرگز خارج نہیں تھے بلکہ وہ یکے اہل سنت تھے! یہ بات خوب یاد رکھیں کہ اہل سنت حضور انور ﷺ کی سنت پر عمل کرنے والوں کو کہتے ہیں۔ سنت رسول اللہ ﷺ کے وجود پاک سے چلی۔ صحابہ کرام نے اس سنت پر عمل کیا تو صحابہ کرام اہل سنت ہوئے۔ پھر تابعین رضی اللہ عنہم اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم بھی سنت پر عامل ہونے کی وجہ سے اہل سنت ہوئے۔ یہاں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب سے سنت چلی اسی وقت سے اہل سنت چلے..... پھر یہ کہنا کہ جو ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک کی تقلید کرے وہ اہل سنت ہے، لوگوں کو بے وقوف بنانا اور مغالطہ دینا ہے۔ یاد رہے کہ اہل سنت والجماعت وہ ہے جو براہ راست حضور انور سید المرسلین، رحمت للعالمین ﷺ کی سنت پر عمل کرتا ہے۔ صحابی ہو، تابعی ہو، مجتہد ہو، محدث ہو، فقیہ ہو، امام ہو، مقتدی ہو، شاہ ہو، گدا ہو۔ کسی زمانے کا ہو، کوئی ہو عامل سنت ہو۔ وہی اہل سنت والجماعت ہے!

اہل سنت کو شناخت کر لو!

﴿قِيلَ وَمَنْ أَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَنَا عَلَيْهِ الْيَوْمَ وَأَصْحَابِي﴾ (ملل و نحل مصری) ^(۱)

”صحابہ کرام نے پوچھا: حضور ﷺ اہل سنت والجماعت کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ ہیں جو اس چیز پر عمل کرنے والے ہوں۔ جس پر آج میں اور میرے صحابہ کرام (عامل) ہیں۔“

ظاہر ہے کہ حضور ﷺ اور صحابہ کرام صرف قرآن اور حدیث پر ہی عمل کرتے تھے تو اہل سنت قرآن اور حدیث پر عمل کرنے والے ہوئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا: اہل سنت کون ہیں؟ آپ نے فرمایا:

﴿الْمُتَمَسِّكُونَ بِمَا سَنَّ اللَّهُ لَهُمْ وَرَسُولُهُ وَإِنْ قُلُوا﴾ (کنز العمال بر حاشیہ مسند احمد) ^(۲)

(۱) المِلل والنحل (للامام الشہرستانی) ص ۲۱ یہ روایت بلا حوالہ مذکور ہے ایسا ہی غزالی نے اُحیاء العلوم ۳/۲۱۸ (باب بیان عقیقۃ الدنیا.....) میں بھی بیان کیا ہے اور علامہ عراقی نے تخریج اُحیاء العلوم میں اس پر ترمذی وغیرہ کا حوالہ دیا ہے مگر ترمذی میں ہمارے مطلوبہ الفاظ نہیں (۳۳) میں تخریج گزر چکی ہے) ان الفاظ سے ملتی جلتی ایک روایت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ یوم تَبْيِضُ وَجْوهٌ وَتَسْوَدُ وَجْوهٌ اهل السنة و تبيض وجوه اهل البدع‘ مسند فردوس الاخبار اللدیمی ۵/۳۳۹ رقم الحدیث ۸۳۳۶۔ اس کی سند میں احمد بن عبد اللہ الانصاری راوی کذاب ہے امام دارقطنی اور ابن حجر وغیرہ نے موضوع قرار دیا ہے لسان المیزان ۱/۲۰۲۔

(۲) کنز العمال ۱۶/۷۷ رقم الحدیث ۳۳۲۰۹۔ سند کا حال معلوم نہیں ہو سکا صاحب کنز العمال کے اصول کے موافق یہ روایت ضعیف ہے واللہ اعلم۔

”اہل سنت وہ ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی سنت کو مضبوط پکڑنے والے ہیں اور اگرچہ وہ تھوڑے ہوں۔“

مطلب یہ ہے کہ کتاب و سنت کے عامل اہل سنت ہیں۔

﴿إِنَّ النَّاسَ كَانُوا فِي حَيَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهْلَ السُّنَّةِ﴾ (کنز العمال بر حاشیہ مسند احمد) (۱)

”بیشک لوگ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اہل سنت تھے۔“

فرمائیے! جو لوگ کہتے ہیں کہ مقلد خفی ہی اہل سنت ہیں، اُن کے کہنے میں کیا صداقت باقی رہ گئی ہے۔ حالانکہ حضور ﷺ کی حیات پاک میں جب کہ تقلید اور خفییت کا نام و نشان تک نہ تھا سب لوگ اہل سنت تھے! امام معنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّمَا هَلَكْتُمْ حِينَ تَرَكْتُمُ الْآثَارَ وَ أَخَذْتُمُ بِالْمَقَائِيسِ﴾ (کتاب الاعتصام جلد اول)

”بیشک تم ہلاک ہو جاؤ گے جب سنت کو چھوڑ کر قیاس پر عمل کرنے لگو گے۔“

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وصیت اول اس فقیر چنگ زدین است بہ کتاب و سنت

(وصیت نامہ)

”میری پہلی وصیت یہ ہے کہ کتاب و سنت کو مضبوط پکڑے رکھنا۔“

﴿الْفِرْقَةُ النَّاجِيَةُ هُمُ الْآخِذُونَ فِي الْعَقِيدَةِ وَالْعَمَلِ جَمِيعًا بِمَا ظَهَرَ مِنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَ جَرَى عَلَيْهِ جَمُوهُورُ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ﴾ (حجۃ اللہ البالغہ)

”نجات پانے والی جماعت وہ ہے جو عقیدے اور عمل میں کتاب اور سنت پر عمل کرے۔ جس پر جمہور صحابہ رحمہم اللہ اور تابعین تھے۔“

ان تصریحات سے آپ پوری طرح سمجھ گئے ہوں گے کہ اہل سنت والجماعت وہ ہو سکتے ہیں جو بالراست کتاب و سنت کے پابند اور عامل ہوں، اور یہ بات قطعاً غلط ہے کہ مقلد خفی ہی اہل سنت والجماعت ہیں حالانکہ تقلید اور خفییت دور صحابہ رحمہم اللہ میں ناپید تھی۔

ملاحظہ:

جو لوگ کتاب و سنت کی روشنی میں اپنے امام کے مسلک پر چلتے ہیں اور شرعی تقلید کرتے ہیں کہ اگر قول

(۱) منتخب کنز العمال بر حاشیہ مسند احمد ۵/۴۲۰ امام زہری کا قول ہے سند کا حال معلوم نہیں ہو سکا۔

حدیث کے خلاف ثابت ہو گیا تو وہ اس قول کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کریں گے۔ یہ لوگ اہل سنت ہیں اور ایسی مطلق تقلید باعث نزاع نہیں ہے۔

تقلیدِ جامد کا ایجادِ دور

اس بات پر تو آپ کو یقین آ گیا ہو گا کہ خیر القرون کے صالحین اہل سنت تھے اور وہ کسی کی تقلید شخصی کے نہ قائل تھے نہ عامل۔ جیسا کہ اوپر پڑھا آئے ہیں۔ اب ہم آپ کو دیانتداری سے یہ بتاتے ہیں کہ تقلید کب ایجاد ہوئی؟ جناب قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَإِنَّ أَهْلَ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ قَدْ افْتَرَقَ بَعْدَ الْقُرُونِ السَّلَامَةِ أَوْ الْأَرْبَعَةِ عَلَى أَرْبَعَةِ مَذَاهِبٍ﴾ (تفسیر مظہری)

”اہل سنت والجماعت چوتھی یا پانچویں صدی میں چار مذہبوں پر متفرق ہوئے۔“

قاضی ثناء اللہ صاحب کی علمی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ان کی تحقیق کہتی ہے کہ چوتھی ^(۱) یا پانچویں صدی میں مذاہب اربعہ کا ظہور ہوا۔ اور اہل سنت چار مذہبوں میں بٹ گئے۔ گویا چوتھی یا پانچویں صدی میں تقلید ایجاد ہوئی۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ تقلیدی مذاہب کے اختراع سے قبل کوئی تقلید شخصی نہ کرتا تھا کوئی مقلد نہ تھا جب کوئی مقلد نہ تھا تو پھر وہ لوگ کیا تھے؟ کہئے..... اہل سنت تھے۔ پس اہل سنت کو تقلید مستلزم نہ ہوئی۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور مذاہب اربعہ

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب تو سب کے بزرگ ہیں ان کے علم و فضل کا ہر کوئی قائل ہے اور ان کی تحقیق سر آنکھوں پر رکھی جاتی ہے۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں۔

﴿إِنَّ أَهْلَ الْعِوَةِ الرَّابِعَةَ لَمْ يَكُونُوا مُجْتَمِعِينَ عَلَى التَّقْلِيدِ الْخَالِصِ عَلَى مَذْهَبٍ وَاحِدٍ﴾ (حجة الله البالغة)

”چوتھی صدی کے لوگ (بھی) کسی خاص شخصی تقلید پر جمع نہیں تھے۔“

شاہ صاحب کی بصیرت افروز تحقیق نے یہ بھی بتایا کہ تقلید کا وجود چوتھی صدی میں بھی نہیں تھا تو معلوم ہوا کہ

(۱) حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری تحریر فرماتے ہیں۔ آؤ ہم مسئلہ تقلید شخصی میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب مرحوم کو منصف مان لیں اور انہوں نے زمانہ سلف کے مسلمانوں کے بارے میں جو تحقیق فرمائی ہے اسی کو کافی سمجھیں۔ شاہ صاحب موصوف ”حجۃ اللہ“ میں فرماتے ہیں۔ تعین مذہبی (تقلید شخصی) پہلی تین صدیوں میں نہ تھی بلکہ چوتھی صدی (ہجری) میں اس کی بنیاد رکھی گئی۔ ملاحظہ ہو۔ ﴿حجة الله بالباب حکایت حال الناس قبل المائة الرابعة﴾ (مسئلہ تقلید شخصی صفحہ ۲۵)

تقلید پانچویں صدی کی ایجاد ہے۔

ملاحظہ:

تقلید کرنے والے بھائی خدارا ناراض نہ ہوں بلکہ ازراہ انصاف اور دیانت غور کریں کہ چار سو سال تک شروع اسلام میں تقلید کا نام و نشان تک نہ تھا ﴿الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ کے مصداق مکمل دین کے اندر کوئی اسے جانتا تک نہ تھا۔ پھر چوتھی صدی کے بعد اسے ایجاد کیا گیا۔ اس کو مسئلہ بنا کر امت کے آگے رکھا گیا، اسے فرض واجب وغیرہ کا درجہ دیا گیا تو کیا خود ایجاد کی ہوئی چیز دین کے اندر مسئلہ ہو سکتی ہے؟ قابل قبول ہے؟ دیکھئے رسول رحمت ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ﴾ (بخاری شریف) (۱)

”جس شخص نے ہمارے (مکمل) دین میں ایسی بات (مسئلہ وغیرہ کی صورت میں) نکالی جو دین میں نہیں ہے پس اس کی بات مردود ہے۔“

رسول اللہ ﷺ تو دین میں نیا طریقہ یا مسئلہ نکالنے سے منع فرمائیں اور یہاں تقلید کو ایجاد کر کے اُسے مسلمانوں کیلئے واجب کہا جاتا ہے بلکہ اہل سنت والجماعت ہونے کے لئے تقلید کی شرط عائد کی جاتی ہے۔ پھر کتنی کمزور اور بعید از عقل بات ہے یہ کہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے مقلد ہی اہل سنت والجماعت ہیں۔ سیدھے حدیث اور سنت پر عمل کرنے والے اہل سنت نہیں۔

مقام فقر ہے کتنا بلند شاہی سے
روشن کسی کی گدایانہ ہو تو کیا کہئے

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ امام عز الدین عبد السلام کا قول تحریر فرما کر تقلید جامد کی تردید کرتے ہیں۔
﴿النَّاسُ لَمْ يَزَالُوا عَلَىٰ ذَٰلِكَ يَسْتَلُونُ مَنِ اتَّفَقَ مِنَ الْعُلَمَاءِ مِنْ غَيْرِ تَقْلِيدٍ بِمَذْهَبٍ وَلَا
إِنْكَارٍ أَحَدٍ مِنَ السَّائِلِينَ إِلَىٰ أَنْ ظَهَرَتْ هَذِهِ الْمَذَاهِبُ وَ مُتَعَصِّبُوهَا مِنَ الْمُقْلِدِينَ فَإِنَّ
أَحَدَهُمْ يَتَّبِعُ إِمَامَهُ مَعَ بَعْدِ مَذْهَبِهِ عَنِ الْإِدْلَةِ مُقْلِدًا لَهُ فِيمَا قَالَ فَكَانَ نَبِيُّ أُرْسِلَ إِلَيْهِ وَ
هَذَا نَائِي عَنِ الْحَقِّ وَبَعْدَ عَنِ الصَّوَابِ لَا يَرْضَىٰ بِهِ أَحَدٌ مِنْ أُولَى الْأَلْبَابِ﴾ (عقد
الجيد)

”ان مذہبوں اور متعصب مقلدوں کے ظہور سے قبل سارے جہان کے مسلمانوں کا یہی دستور تھا کہ جس

(۱) بخاری کتاب الصلح (۵۳) باب اذا اصطلمحو على صلح جور فالصلح مردود (۵) الحديث ۲۶۹۷ و مسلم کتاب

الافتضية (۳۰) باب نقض الاحكام الباطلة ورد محدثات الامور (۸) الحديث ۴۳۹۲ عن عائشة رضی اللہ عنہا۔

عالم سے اتفاق ہوا دین کا مسئلہ پوچھ لیا اور اس کے قرآن وحدیث کے ساتھ بتلائے ہوئے مسئلہ پر عمل کر لیا۔ وہ لوگ کسی خاص مذہب یا کسی عالم کے مقید نہ تھے۔ پرافسوس اس زمانے کے متعصب مقلدوں نے اپنے اپنے اماموں کو ایسا مانا ہے کہ گویا وہ نبی (۱) ہیں جو ان کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ اگر ان اماموں کا قول قرآن وحدیث سے کتنا ہی دور کیوں نہ ہو لیکن ان کی گروں سے تقلید (جامد) کا پٹا نہیں اُترتا یہ تقلید (جامد) حدیث کے مقابلہ کی گراہی اور حق سے دوری ہے جسے کوئی تقلید پسند نہیں کرتا۔

یعنی سلف صالحین کا دستور یہ تھا کہ جو عالم مل گیا اس سے مسئلہ پوچھ لیا۔ کسی خاص مذہب کی قید نہ تھی لیکن بعد کے لوگوں نے سلف کے طریق کے برعکس مذہب معین اختیار کر لئے اور تقلید پر جم گئے۔ یہ جماد یعنی بلا دلیل اقوال کو دین ماننا صواب سے دوری ہے۔ یہ متعصب مقلدوں کی جامد تقلید کا ذکر ہے کہ ان کو سوا بار حدیث مصطفیٰ سناؤ وہ حدیث کی طرف دھیان نہیں کریں گے۔ اس قول پر اڑے رہیں گے۔ یہ ہے ﴿نَأَىٰ عَنِ الْحَقِّ﴾ اور ﴿بَعْدَ عَنِ الصَّوَابِ﴾

تقلید کی تعریف

تقلید کا لفظ آپ نے کئی بار اوپر پڑھا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ سرراہ تقلید کی تعریف مطلب اور مفہوم بھی ناظرین کو بتا دیں تاکہ انہیں پتہ چل جائے کہ تقلید کیا ہے؟ اس کی تعریف ہم کتب فقہ سے بیان کرتے ہیں ذرا توجہ سے سنیں

﴿أَمَّا الْمُقَلِّدُ فَمُسْتَنَدُهُ قَوْلُ مُجْتَهِدِهِ لَا ظَنُّهُ وَلَا ظَنُّهُ﴾ (مسلم الثبوت مجتہدانی)
 ”مقلد کی دلیل اس کے مجتہد (امام) کا قول ہے۔ نہ وہ خود تحقیق کر سکتا ہے اور نہ اپنے امام کی تحقیق پر غور کر سکتا ہے۔“

اس کا مطلب یہ ہے کہ مقلد جس امام کی تقلید شخصی کر رہا ہے وہ صرف اس امام کے قول پر ہی چلے۔ اسے یہ حق نہیں کہ امام کے قول کی تحقیق کرے۔ دلیل چاہے۔ تحقیق کرنا یا دلیل چاہنا تقلید کو توڑ دیتا ہے غیر مقلد بنا دیتا ہے۔

(۱) نبی کا قول و فعل بذات دلیل ہوتا ہے جسے بلاچوں و چرمان ہی لینے کا حکم ہے۔ نبی کے سوا ہر شخص کے قول کو ماننے کے لئے دلیل (قرآن وحدیث) کی ضرورت ہے۔ مقلد اپنے امام کے قول کو بلا دلیل مانتا ہے۔ جب اس کے قول کو حدیث کے خلاف دانستہ مانا تو اس کو نبی کی حیثیت دے دی۔ اصول فقہ کی کتابوں میں تقلید کی تعریف یوں لکھی ہے۔ ﴿أَخَذَ قَوْلَ الْغَيْرِ مِنْ غَيْرِ مَعْرِفَةٍ ذَلِيلُهُ﴾ (جمع الجوامع) غیر نبی (امام) کے قول کو بغیر دلیل مان لینا۔ پھر نبی اور غیر نبی میں کیا فرق رہا۔ یہ اس متعصب اور ضدی مقلد کا ذکر ہے جو حدیث کے مقابلہ میں جان بوجھ کر تقلید کرتا ہے۔ حدیث چھوڑ کر قول لیتا ہے۔ ہاں جو بے علم تقلید مطلق شرطی کرتا ہے کہ اگر قول حدیث کے خلاف ثابت ہوا تو قول چھوڑ کر حدیث سر آنکھوں پر رکھ لے گا یہ تقلید باعث نزاع نہیں۔

آنکھیں بند کر کے ﴿صُمْ بُكْم﴾ ہو کر امام کے قولوں پر ایمان لائے اور عمل کرتا جائے۔

﴿اِخْذُ قَوْلَ الْغَيْرِ مِنْ غَيْرِ مَعْرِفَةٍ دَلِيلِهِ﴾ (جمع الجوامع جلد نمبر ۲)۔

”تقلید کہتے ہیں غیر نبی (امام مجتہد) کے قول کو بغیر اس کی دلیل جانے مان لینا۔“

﴿يَحِلُّ الْاِقتَاءُ بِقَوْلِ الْاِمَامِ بَلَّ يَجِبُ وَاِنْ لَمْ يَعْلَمْ مِنْ اَيْنَ قَالَ﴾ (شامی جلد اول)

”حلال ہے بلکہ واجب ہے فتویٰ دینا امام کے قول پر اگرچہ اس کا علم نہ ہو کہ امام نے کہاں سے کہا ہے؟“

یعنی صرف امام کے قول سے فتویٰ دینا واجب ہے اس بات کی ضرورت نہیں کہ معلوم کریں کہ امام اپنے قول پر کیا دلیل رکھتا ہے۔ مقلد کو دلیل تلاش نہیں کرنی چاہئے۔ صرف امام کا قول ہی اس کے لئے کافی ہے۔

فَلَعَنَةُ رَبِّنَا اَعْدَادَ رَمَلٍ عَلٰی مَنْ رَدَّ قَوْلَ اَبِي حَنِيفَةَ..... (شامی)

”اس شخص پر ہمارے رب کی لعنتیں ریت کے ذروں جتنی اُتریں جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول رد کر دیتا ہے یا نہیں مانتا۔“

سمجھ آئی آپ کو تقلید کی..... آنکھیں بند کر کے بغیر تحقیق کے جو شخص امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی بات نہ مانے اس پر ریت کے ذروں برابر رب کی لعنتیں اُتریں اور اگر کوئی کہے کہ امام صاحب کا فلاں قول حدیث کے خلاف ہے کیا کروں؟ تو تقلید کا تقاضا یہ ہے کہ امام کے قول کی تحقیق ہی نہیں کرنی چاہئے..... خاموش ہو کر مان لو۔ اگر نہ مانا تو لعنتوں کی بارش ہوگی یہ ہے تقلید!

حضرت ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں۔

وَالْتَقْلِيْدُ قَبُوْلُ قَوْلِ الْغَيْرِ بِلَا دَلِيْلٍ (شرح قصیدہ امالی)

”غیر نبی (امام) کے قول کو بغیر دلیل مانتا تقلید ہے۔“

فَاَمَّا الْمُقْلَدُ فَالَّذِي لَيْلُ عِنْدَهُ قَوْلُ الْمُجْتَهِدِ فَالْمُقْلَدُ يَقُوْلُ هَذَا الْحُكْمُ وَاَقَعَ عِنْدِي لِأَنَّهُ اَذَى إِلَيْهِ رَأَيْتُ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ وَكُلُّ مَا اَذَى إِلَيْهِ رَأَيْتُهُ فَهُوَ وَاَقَعَ عِنْدِي

(توضیح تلویح)

”مقلد کی دلیل صرف اس کے امام کا قول ہی ہے۔ مقلد صرف یہی کہے کہ مسئلہ کا حکم یہی ہے کیوں کہ

میرے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی رائے یہی ہے اور جو رائے میرے امام کی ہو میرے نزدیک صحیح ہے۔“

یہ ہے تقلید کہ جس امام کی تقلید کر رکھی ہے مقلد ساری زندگی صرف اس کی رائے پر چلے اور اس کی رائے کو ہی مسئلہ جانے۔ دین کا حکم سمجھ کر عمل کرے اور یہ خیال نہ آئے کہ اس کی رائے کا مرجع ماخذ یا سند ثبوت کیا ہے؟ یہ خیال تقلید توڑ دے گا۔ افسوس! یہ جامد تقلید ہی کا اثر ہے کہ حنفی بھائیوں کو حدیث سناؤ تو ادھر توجہ نہیں کرتے اقوال پر اڑے رہتے ہیں۔ خداوند! انہیں سمجھ دے کردہ اقوال کے مقابلہ میں احادیث سید الکونین پر جان چھڑکیں۔ حدیث کے

موافق فقہ کو مانیں اور خلاف حدیث اقوال کو چھوڑ دیں۔

نئی دامن حدیث نامہ چوں است
ہی پنم کہ عنوانش بہ خوں است

﴿قَوْلُ الْمُجْتَهِدِ ذَلِيلٌ لَهُ﴾ (توضیح)

”امام کا قول مقلد کی دلیل ہے!“

یعنی جو امام نے کہہ دیا۔ مقلد کے لئے وہ کہنا ہی بذاتہ دلیل ہے۔ نہ قرآن کی ضرورت ہے نہ حدیث کی حالانکہ دلیل شرعی قرآن و حدیث ہے لیکن جس مقلد کو امام کا قول مل گیا اس کے لئے وہی دلیل ہے۔ یہ ہے تقلید! بھائیو سوچو! دلیل تو صرف اللہ اور رسول کا قول ہی ہو سکتا ہے۔ کسی امتی کا ذاتی قول دین میں دلیل اور حجت نہیں بن سکتا اور اگر کوئی کہے کہ مجتہد کا اجتہاد بھی ماننے کے لائق ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ اجتہاد وہاں ہوتا ہے جہاں آیت یا حدیث سے مسئلہ نہ ملے اور آیت حدیث کی موجودگی میں اجتہاد کی ضرورت ہی نہیں ہے!

﴿التَّقْلِيدُ الْعَمَلُ بِقَوْلِ الْغَيْرِ مِنْ غَيْرِ حُجَّةٍ﴾ (مسلم)

”امام کے قول پر بلا دلیل عمل کرنے کا نام تقلید ہے۔“

﴿فَلِحُكْمِ الْمُقْلِدِ لَمْ يَخْضَلْ مِنَ النَّظَرِ فِي الدَّلِيلِ﴾ (تلویح)

”مقلد کا علم کسی دلیل سے حاصل نہیں ہوتا۔“

یعنی اس کے امام کا قول ہی اس کے لئے دلیل ہے جب دلیل مل گئی تو مقلد قرآن اور حدیث سے بے نیاز ہو گیا۔

﴿لَا يُفْتَى وَلَا يُعْمَلُ إِلَّا بِقَوْلِ الْإِمَامِ الْأَعْظَمِ﴾ (در مختار جلد اول)

”نہ کوئی فتویٰ دیا جائے اور نہ ہی (دین پر) عمل کیا جائے۔ مگر فقط امام اعظم رحمہ اللہ کے قول پر۔“

کیونکہ مقلد پر لازم ہے کہ وہ بحیثیت مقلد ہونے کے صرف امام کی رائے پر عمل کرے اور علماء^(۱) مقلدین بھی صرف امام اعظم کے قول پر فتویٰ دیں۔ کیونکہ ان مقلدین کے نزدیک امام کا قول ہی دلیل ہے۔ قرآن اور حدیث سے چھٹی ہوئی۔

یہ ہے تقلید کی شب یلدا جس میں قرآن حدیث عقل فکر کی روشنی کی شعاع تک نظر نہیں آتی۔ اب آپ بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ تقلید عبارت ہے غیر نبی کی باتوں کو بغیر دلیل شرعی (قرآن و حدیث) شرعی حیثیت سے مان لینے کا۔ اسکی محض بات کو حجت شرعی تسلیم کر لینے کا۔

چند روپوں کے آلو اور پیاز لیتے وقت آپ اتنی چھان بین کرتے ہیں کہ سبزی فروش کا ٹوکرا الٹ پلٹ کر

(۱) عالم اور پھر مقلد ہو یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ کیونکہ تقلید کی مابیت میں عدم علم داخل ہے علم اور تقلید دو ضد ہیں اور اجتماع ضدین محال ہے۔

دیتے ہیں۔ کپڑا خریدتے وقت اچھی طرح دیکھتے ہیں کہ کپڑا خراب نہ ہو، گرم کپڑا خریدنا ہو تو خوب غور کرتے ہیں کہ اس میں کوئی تار سوت کا نہ ہو۔ دودھ دینی گھی وغیرہ کی خوب پڑتال کرتے ہیں کہ خالص ملیں۔ لیکن یہ کتنا اندھیر ہے کہ دین حاصل کرنے کے لئے ساری عمر ایک ہی امام کی تقلید جامد (Blind Faith) کر کے آنکھیں بند کر کے دلیل سے بے نیاز ہو کر اس کے پیچھے لگ جاتے ہیں اور اس کے قول کو دین مان کر عمل کرتے رہتے ہیں۔ کیا دین کے مسائل اور مذہب کی ضروریات میں چھان بین کی ضرورت نہیں ہے؟ جن امور پر نجات آخرت کا دارومدار ہے ان میں جانچ پڑتال کی حاجت نہیں؟ دنیا کے مال کی ریزگاری کو خوب پرکھنا کہ کہیں اس میں کھوٹا سکہ نہ ہو اور دین کی ریزگاری کو آنکھیں بند کر کے جیب میں ڈال لینا کون سی عقلمندی ہے؟ اور پھر اس اندھا دھند تقلید آنکھیں بند کر کے اقوال پر چلنے کا نام اہل سنت والجماعت رکھا ہوا ہے! کتاب و سنت کے دلائل و براہین کے نور سے بے اعتنائی برتو تو تو اہل سنت اور ذرا آنکھ چھپکی تو اہل سنت سے خارج۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

اہل سنت کے معنی تو واضح ہیں کہ جو رسول اللہ ﷺ کی سنت پر چلنے والا ہو لیکن تقلید کی تعریف جو کتب فقہ کے حوالوں سے آپ اوپر پڑھ آئے ہیں..... ان معنوں میں تقلید جامد کرنے والے کو اہل سنت کہنا کس طرح روا ہو سکتا ہے جبکہ وہ حدیث کے مقابلہ میں قول پر عمل کرتا ہے۔ خلاف حدیث قول پر عمل کرے اور سنت پر چلنے کا دعوے کرے، کتنی غلط بات ہے یہ..... آہ! امام کی رائے کے مقابلہ میں حدیث رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ دے اور امام کی رائے پر عمل کرے اور کہے خود کو اہل سنت۔

بنتے ہو وفادار وفا کر کے دکھاؤ

کہنے کی وفا اور ہے کرنے کی وفا اور

تقلید کے متعلق علماء ربانی اور بزرگوں کے ارشادات

ذیل میں ہم علمائے ربانی اور بزرگان دین کے ارشادات تقلید جامد کے بارے میں تحریر کرتے ہیں۔ انہیں غور سے پڑھیں اور تقلید جامد سے بچیں اور تقلید جامد کہتے ہیں آیت اور حدیث کے مقابلہ میں تعصب سے اقوال و رجال کو ماننا۔

ایک طرف فرمان رسول ﷺ ہو اور دوسری طرف اس کے خلاف قول امتی ہو۔ کیا آپ فرمان رسول ﷺ چھوڑ کر مقابلہ میں قول امتی لیں گے؟ ہرگز نہیں اور جو ایسا کرے کیا آپ اُسے اہل سنت سمجھیں گے؟ نہیں۔ بس یہ

تقلید جامد مذموم ہے اس کے متعلق ارشادات ملاحظہ فرمائیں اور ان ارشادات کو پڑھ کر ہم پر ناراض نہ ہوں بلکہ خوش ہوں کہ ہم آپ کی خیر خواہی کے لئے آپ کو کورانہ تقلید کی ظلمت سے نکال کر علم و دانش کے نور میں لانا چاہتے ہیں۔ حضور سید الکونین والتقلین ﷺ کے انوار انفاس کے جوار میں آباد کرنا چاہتے ہیں۔ اس کتاب میں صرف تقلید جامد کا ہی رد ہے نہ کہ تقلید مطلق شرطی کا!

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

حضرت شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

عبادت بہ تقلید گمراہی است
خنگ رہ روئے را کہ آگاہی است

”تقلید (جامد) کے ساتھ عبادت کرنا گمراہی ہے۔ اس راہی کو مبارک ہو جو اپنے مقصود سے آگاہ ہو۔“

یعنی راہرو کو اپنے راستہ سے آگاہی ہونی چاہئے۔ جان بوجھ کر سوچ سمجھ کر عقل کی روشنی میں اسے چلنا چاہئے۔ ایسے ہی عبادت کرنا بھی آخرت کی راہ چلنا ہے۔ آخرت کے راہی کو بھی عقل، شعور اور علم سے راستہ طے کرنا ضروری ہے۔ یعنی آخرت کا راستہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے قدموں کے نور میں عبور کرنا چاہئے۔ دین کا ہر کام سنت اور حدیث کی دلیل سے کرنا چاہئے اگر اندھا دھند دین کی راہ پکڑی تو گمراہ ہو جانے کا خوف ہے۔ ارشاد خداوندی ہوتا ہے:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ (پ ۶: ع ۱۱)
”اور جو قرآن (اور حدیث کی دلیل) سے فیصلہ نہ کرے وہ کافر ہے۔“

یعنی قرآن اور حدیث کی دلیل کے ساتھ دین بیان کرو اور سننے والے بھی دین اور مسائل دلائل سے سنیں نہ مراء اپنی رائے کے ”سکوں“ کو دین میں جاری کریں اور نہ عوام بن دیکھے پر کھے جامد مقلد (Blind Follower) بن کر انہیں اپنی جیب ایمان میں ڈال لیں۔

﴿وَلَيْنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ﴾ (پ ۱: ع ۱۳)

”علم (وحی الہی) آپکنے کے بعد اگر تو نے ان کی خواہشوں کی پیروی کی تو اللہ (کی گرفت) سے بچانے والا نہ تیرا کوئی دوست ہوگا نہ مددگار“

اس آیت میں بھی اللہ نے واضح کر دیا ہے کہ علم (قرآن و حدیث) آپکنے کے بعد یعنی قرآن و حدیث کی جو دگی میں کسی کی رائے پر مت چلو۔ مسئلہ مسائل دلیل سے مانو۔ لیکن تقلید کی تعریف میں ہے کہ اپنے امام کی رائے

کو بلا دلیل مانو چنانچہ توضیح میں ہے:

﴿فَالَا دِلَّةَ الْآرْبَعَةُ إِنَّمَا يَتَوَصَّلُ بِهَا الْمُجْتَهِدُ لَا الْمُقَلِّدُ﴾ (توضیح جلد اول)

ادلہ اربعہ (قرآن، حدیث، اجماع، قیاس) سے کام لینا مجتہد کا کام ہے۔ مقلد کو دلائل سے کوئی سروکار نہیں۔
یعنی مقلد کے لئے دلیل..... قرآن و حدیث سے کچھ کام نہیں۔ اس کا تحقیق سے کوئی واسطہ نہیں۔ آنکھیں بند کر کے مجتہد کی رائے کو دین اور شریعت مان کر عمل کرے۔

حضرت مولانا روم رحمہ اللہ کا ارشاد

مولانا روم رحمہ اللہ فرماتے ہیں ۔

گرچہ عقلت سوئے بالائی پرد
مرگ تقلیدت بہ پستی می چرد

(مثنوی دفتر دوم)

”اگرچہ تیری عقل بلند پروازی کرنا چاہتی ہے لیکن تیری (جامد) تقلید نے تجھ کو پست ہمت کر رکھا ہے۔“

اسکا مطلب یہ ہے کہ عقل سے انسان تحقیق کرتا ہے اور تحقیق علم کے دروازے کھولتی ہے اور علم دین و دنیا کی ترقی کا موجب ہے۔ اس کے برعکس تقلید جامد بے علمی ہے اور بے علمی تنزل اور پستی کا باعث ہے! دنیا میں بھی اور دین میں بھی۔

منکر آں باشد کہ تقلیدے بود
دین احمد ﷺ راز تحقیقے بود

(مثنوی)

”تحقیق کو بالائے طاق رکھ کر (حدیث کے مقابلہ میں) تقلید (جامد) کرنے والا (ایک طرح) شرع کا انکار کرنے والا ہے۔“

حضرت مولانا روم رحمہ اللہ جامد تقلید کرنے والے کو منکر شرع اس لئے فرماتے ہیں کہ وہ بغیر دلیل کے حدیث کے مقابلہ میں شخصی رائے ماننا چلا جاتا ہے۔ جب حدیث (جو شرع ہے) چھوڑ دی اور مقابلہ میں رائے کو مان لیا تو شرع کا انکار ہو گیا۔ تقلید کرنے والے بھائیوں کو اچھی طرح غور کرنا چاہئے کہ ان سے کوئی حدیث قول کی نذر تو نہیں رہی ہے۔ حدیث ترک کر کے قول پر تو نہیں چل رہے ہیں۔

پھر افسوس کا مقام ہے کہ تقلید جامد کرنے والا بھی خود کو اہل سنت والجماعت کہتا ہے۔ یہ عقل سے کتنی بعید بات ہے! ہاں تو جان بوجھ کر حدیث چھوڑ کر اس کے خلاف قول امتی پر چلنا تقلید جامد ہے۔

آنکہ او از پردہ تقلید جست

او بنور حق بہ بیند ہر کہ ہست

”پردہ تقلید سے باہر نکل آنے والا ہر چیز کو اللہ کے نور (ہدایت) سے دیکھتا ہے۔“

تقلید کے معنی میں عدم علم بالدلیل داخل ہے تو دلیل روشنی ہے اور عدم دلیل غلٹ، پھر جو شخص تقلید کے پردہ سے نکل گیا، وہ ظلمت سے باہر آ گیا یعنی روشنی میں آ گیا اور روشنی قرآن وحدیث کی دلیل ہے۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے یہی بات بتائی ہے کہ مقلد بوجہ بے علمی کے اندھیرے میں ہوتا ہے۔ ہاں تقلید ترک کرنے سے دلائل کی دنیا میں آ جاتا ہے۔ کتاب وسنت سے روشنی پاتا ہے۔ اس کو اللہ کی طرف سے ہدایت کا نور حاصل ہوتا ہے۔ پس بے علم اندھیرے میں ہوا اور تقلید نا آشنا..... علم والا روشنی میں!۔

از مقلد تا محقق فرق ہا ست!

کیس چو داؤد ست واں دیگر صداست

(مثنوی دفتر دوم)

”مقلد اور محقق میں بہت بڑا فرق ہے کیونکہ محقق کی بات داؤد علیہ السلام کی آواز کی طرح دل پسند ہے اور مقلد کی آواز معمولی ہے۔“

منبع گفتار ایں سوزے بود!

واں مقلد کہنہ آوازے بود

(مثنوی دفتر دوم)

”محقق کی گفتار کا منبع ایمان (قرآن وحدیث) ہے اور مقلد دقیانوسی (بے سند ثبوت) باتیں سیکھے ہوئے ہے۔“

زانکہ تقلید آفت ہر نیکویت

کہ بود تقلید اگر کوہ قویت

(مثنوی دفتر دوم)

”کیونکہ تقلید ہر نیک کام کے لئے آفت ہے دراصل تقلید گھاس پھوس ہے۔ اگرچہ دیکھنے میں پہاڑ معلوم ہوتی ہے۔“

گر تو بے تقلید ازو واقف شوی

بے نشان بے جائے چوں ہاتف شوی

(مثنوی دفتر دوم)

”اگر تو بے تقلید (غیر مقلد) ہو کر اس سے واقف ہو جائے تو فرشتہ صفت ہو جائے۔“
 کیونکہ تقلید بے علمی ہوتی ہے (۱) اور اس کے برعکس تحقیق علم ہوتا ہے تو تقلید چھوڑ کر جب قرآن وحدیث کا علم پڑھا جائے گا تو یہ نور اس کو فرشتہ خصلت بنادے گا۔ حضرت سلطان باہو رحمہ اللہ نے کیا سچ فرمایا ہے۔

علموں باجھ جو کرے فقیری کافر مرے دیوانہ ہو

(حضرت سلطان باہو رحمہ اللہ)

یعنی جو کوئی بغیر علم کے فقیری کرتا ہے اللہ کو ملنے کے لئے راہ سلوک میں قدم رکھتا ہے۔ وہ کافر ہو کر مرتا ہے اور حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ کا یہ مصرعہ تو زبان زد عام ہے کہ

بے علم نتواں خدا را شناخت!

(شیخ سعدی رحمہ اللہ)

بے علم خدا کو نہیں پہچان سکتا۔ ٹھیک ہے کہ بے علم نے دین ہی نہیں سیکھا تو خدا کی شناخت کیا کر سکے گا اس کی ذات اور صفات کے مسائل اس کے احکام قرآن کے مطالب و مقاصد کیا جانے گا؟ کچھ بھی نہیں! بس یہی آفت تقلید میں ہے کہ اسکی ماہیت میں عدم علم بالدلیل داخل ہے۔ پھر کوشش کرنی چاہئے کہ تمام مردوں اور عورتوں کو علم پڑھایا جائے تاکہ لوگ تقلید (بے علمی) کی ظلمت سے نکل کر روشنی میں آجائیں علی وجہ البصیرت دین پر عمل کریں۔ پھر تعجب آتا ہے ان علماء پر جو لوگوں کو تقلید کرنے پر زور دیتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ عوام کو بے علم اور جاہل رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔ دیکھئے علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا خِلَافَ بَيْنَ النَّاسِ أَنَّ التَّقْلِيدَ لَيْسَ بِعِلْمٍ وَأَنَّ الْمُقَلَّدَ لَا يُطْلَقُ عَلَيْهِ اسْمُ الْعَالِمِ﴾ (اعلام الموقعین)

”اور اس میں کوئی خلاف نہیں کہ تقلید علم نہیں ہے اور مقلد پر عالم کا نام اطلاق نہیں پاتا۔“
 ثابت ہوا کہ عوام کو تقلید کی طرف بلانا انہیں بے علم اور جاہل رکھنے کے مترادف ہے۔

علم تقلیدی وبال جان ما است

عاریت و مانشتہ کان ما است

(مثنوی دفتر دوم)

”تقلیدی علم ہماری جان کا وبال ہے۔ حالانکہ بطور ادھار کے ہے اور ہم (سمجھے) بیٹھے ہیں کہ وہ ہمارا مال ہے۔“

مشتري علم تحقیقی حق است
داعما بازار او با رونق است!

(مثنوی دفتر دوم)

”جو علم تحقیق سے حاصل ہو۔ اس کا خریدار حق تعالیٰ ہے اس لئے اس بازار میں ہمیشہ رونق رہتی ہے۔“

اے مقلد تو مجھ پیشے برآں
کہ بود منبع ز نور آسماں

(مثنوی دفتر سوم)

”اے مقلد تو محقق پر بزرگی نہ چاہ کیونکہ وہ آسمان کے نور کا سرچشمہ ہے۔“

پس مقلد نیز مانند کر است
اندر اں شادی کہ او را رہبر است

(مثنوی دفتر چہارم)

”مقلد اپنے رہبر کی خوشی میں بہرے کی مانند ہے جو اشاروں پر چلتا ہے۔“

بس خطر باشد مقلد را عظیم
از رہ و رہزن ز شیطان رجیم

(مثنوی دفتر چہارم)

”مقلد کو تقلید کے خطرناک راستے میں شیطان مردود ڈاکو سے بڑا بھاری اندیشہ ہے۔“

برادران اسلام!

قرآن اور حدیث روشنی ہے، توحید ایت ہے۔ جس کے پاس یہ نور اور روشنی ہو اس کو راستے کا کوئی خطرہ ہی نہیں۔ وہ روشنی میں راہ طے کر لے گا اور جس کے پاس آیت اور حدیث کی شمع نہیں ہے۔ اس کا راستہ سراسر تاریک ہے اور تاریک راستے میں شیطان کے حملے کا اندیشہ ہے یہ بات حضرت مولانا روم سمجھا رہے ہیں کہ محقق بنو تحقیق سے کام لو، مقلد نہ بنو، بے علمی سے قدم نہ اٹھاؤ!

آن مقلد صد دلیل و صد بیان
بر زباں آرد ندارد بیچ جان

(دفتر چہارم)

”وہ مقلد اگرچہ سو دلیلیں اور تقریریں بیان کرے۔ مگر کسی میں جان نہیں۔“

جان اس لئے نہیں کہ بے دلیل اور بے ثبوت ہیں اور جو بات آیت اور حدیث کی دلیل سے بیان کرے گا۔ اس میں جان ہوگی۔ جان کیا ہوگی؟ وہ علم و ایمان کا ایک سر بفلک پہاڑ ہوگا جس کو کوئی عبور نہیں کر سکے گا جو کبھی اپنی جگہ سے ہل نہ سکے گا۔

اللہ رحمت کرے۔ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کو کیسا اچھا سبق دیا ہے کہ وہ بے علم اور جاہل بن کر اندھا دھند آخرت کی راہ پر نہ چلیں بلکہ ہر کام تحقیق، علم یعنی قرآن اور حدیث کے ساتھ کریں۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے تقلید جامد کا خوب رد کیا ہے۔ اندھی تقلید کا خاتمہ کر دیا ہے۔

حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ امر تسری کا ارشاد!

ہم اہلحدیث اس (تقلید) کو جان سکتے ہیں تو لغوی معنی سے جان سکتے ہیں کہ ”تقلید قلاوہ در گردن انداختن“ اس کے سوا علماء اصول کے اصطلاحی معنی جو ہیں وہ یہ ہیں:

﴿التقليد اخذ قول الغير من غير حجة﴾ (مسلم الثبوت: ص ۲۸۹)

”کسی غیر نبی کی بات کو بغیر دلیل جاننے کے قبول کرنا تقلید ہے۔“

یعنی تقلید کی تعریف میں داخل ہے کہ مقلد کو دلیل معلوم نہ ہو۔ یہ تو ہے عام تقلید۔ تقلید شخصی یہ ہے کہ ایک معین امام کی بات بے دلیل مانے اور ہمیشہ ماننا ہے نتیجہ صاف ہے کہ تقلید کے معنی میں بے علمی داخل ہے۔ یعنی مقلد پر تقلید چونکہ فرض واجب ہے لہذا وہ دلیل کا علم کسی وقت اور کسی زمانہ میں بھی حاصل نہ کرے ورنہ اس تقلید سے نکل جائے گا جو اس کے ذمہ فرض واجب ہے اور فرض کی ضد حرام ہے۔

ناظرین! نتیجہ صاف ہے کہ تقلید کا لازمی اثر یہ ہے کہ مقلد بے علم رہے جس کا عکس القصصیت یہ ہے کہ وجوب تقلید کی صورت میں علوم عقلیہ بالخصوص شرعیہ کا پڑھنا حرام ہے۔ کیونکہ تقلید میں تعلیم خلل انداز ہے اور تقلید واجب ہے اور یہ کون نہیں جانتا کہ جو چیز وجوب میں خلل انداز ہو وہ حرام ہے۔ (رسالہ تنقید تقلید صفحہ ۸)

ناظرین کرام! حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب نے جو تقلید کا مطلب سمجھایا ہے کہ تقلید ہے بے علم رہنا اور بغیر دلیل کے دین پر چلنا۔ فرمائیے دین کدستے پر آپ کیسے چلنا چاہتے ہیں؟ قرآن اور حدیث کی دلائل سے یا بغیر سند اور ثبوت کے؟ اگر دلائل سے دین پر چلیں گے تو آپ غیر مقلد ہیں اور اگر بے دلیل باتوں کو دین مانیں گے تو

آپ مقلد ہیں۔ اگر آپ علم پڑھیں گے تو غیر مقلد ہو جائیں گے اور اگر بے علم رہیں گے تو مقلد ہوں گے۔ اب آپ خود ہی سمجھ گئے ہوں گے کہ تقلید کیا ہے؟ اور آپ کو مقلد بننا چاہئے یا غیر مقلد! ناظرین کرام! یہ تقلید ہی کا ”کرشمہ“ ہے کہ مسلمان دین سے بہت دور ہیں ان کی اکثریت دین سے ناواقف ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی رونا دیا ہے:۔

مسلم از سر نبی بے گانہ شد
باز ایں بیت الحرم بے گانہ شد

رسول اللہ ﷺ نے اسی لئے فرمایا تھا کہ

﴿طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ﴾ (ابن ماجہ) ^(۱)

”ہر مسلمان (مرد اور عورت) پر علم کا طلب کرنا فرض ہے۔“

حضور اکرم ﷺ تو مسلمانوں پر علم کا طلب کرنا (ضروری) فرمائیں تاکہ سب علم، تحقیق اور دلیل سے دین پر چلیں لیکن ایک طبقہ علماء کا اس بات پر زور دیتا ہے کہ مسلمانوں کیلئے تقلید فرض واجب ہے۔ یعنی ان کا بے علم اور جاہل رہنا ضروری ہے۔ ان کے لئے بغیر دلیل، علم اور سند کے دین پر چلنا لازمی ہے۔ پیارے بھائیو! اب آپ ہی انصاف سے فیصلہ کر لیں کہ علم اچھی چیز ہے یا بے علمی؟ روشنی اچھی ہے یا ظلمت؟

حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب ارشاد فرماتے ہیں:

”اگر ایمان تقلید ہی کا نام ہے (یا فرض واجب ہے) تو امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء کرام کیوں لکھتے۔“

﴿ان التقليد غير كاف في الدين﴾ (تفسیر کبیر مصری جلد ۵: ص ۵۱۳)

”یعنی تقلید دین میں کافی نہیں۔“

ہاں! شیخ سعدی مرحوم بھی ایسی جلی کٹی کیوں کہتے:

عبادت . بہ تقلید گمراہی است

خنک رہوے راکہ آگاہی است

(شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ)

خواجہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ تو تقلید اور مقلدوں سے بہت خفا ہیں جو کہتے ہیں:۔

(۱) ابن ماجہ (المقدمة) باب فضل العلماء والحث على طلب العلم (۱۷) الحديث ۲۲۳۔ و بیہقی فی شعب الایمان

۲۵۳/۲ رقم الحديث ۱۶۶۳ و ۱۶۶۴ و ۱۶۶۵ و ۱۶۶۶ و ۱۶۶۷۔ و طبرانی صغیر ۳۶/۱ رقم الحديث ۲۲ عن انس رضی اللہ عنہ امام ترمذی اور

علامہ البانی نے کثرت طرق کی وجہ سے حسن قرار دیا ہے تفصیل الضعيفه زيد رقم الحديث ۳۱۶ میں ملاحظہ ہو۔

بادہ خور غم مخور و پند مقلد مشور!
اعتبار سخن عام چہ خواہد بودن

(حافظ شیرازی رحمہ اللہ)

حضرت مولانا فرماتے ہیں:

ہم ایک معتبر گواہ کا بیان پیش کرتے ہیں جس سے مقلد کی حیثیت واضح ہوگی۔ گواہ سے مراد ہمارے مشہور اہل دل، صوفی صافی مولانا روم مرحوم رحمہ اللہ ہیں جو تقلید اور مقلدین کے حق میں ایسی سخت رائے لکھتے ہیں کہ ہم اس ساری کو نقل نہیں کر سکتے، الا ایک دو شعر جو سب سے نرم تر ہیں۔ مقلد کے حق میں نقل کرتے ہیں۔ مولانا روم فرماتے ہیں:

نوحہ گر باشد مقلد در حدیث
جز طمع نبود مراد آں خبیث
آں مقلد ہست چوں طفل علیل
گرچہ دارد بحث باریک و دلیل

ہاں ایک اور شعر بھی سن لیجئے۔

آں مقلد صد دلیل و صد بیاں
ہر زبان آرد ندارد بیچ جاں

(رسالہ تنقید تقلید ص ۳۷۳۸)

حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب رحمہ اللہ سیالکوٹی کا ارشاد

سو معلوم ہوا کہ اس میں تو کسی کو کلام نہیں کہ آنحضرت ﷺ کی موجودگی میں آپ کے مقابلہ میں کوئی دیگر شخص واجب الاطاعت اور لازم المعابعت نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا کیونکہ آپ سر اجا منیرا ہیں اور آفتاب کی موجودگی میں کسی دیگر چراغ کی ضرورت نہیں ہوتی اسی طرح آپ کے بعد بھی قرآن و حدیث کے مقابلہ میں کسی دیگر کا قیاس و اجتہاد اور اس کی عقل و رائے کی کوئی حقیقت نہیں۔ مولانا روم رحمہ اللہ مثنوی شریف میں اسکے حسب حال ایک خاص عنوان ان الفاظ میں باندھتے ہیں:

در بیان آنکہ اول کسے کہ در مقابل نص صریح قیاس آرد و ابلیس علیہ الملعنۃ بود (دفتر اول ص ۸۵)
اس کے ذیل میں نص اور قیاس کا مقابلہ ایک شرعی مسئلہ کی مثال سے کیا خوب سمجھاتے ہیں:

ایں قیاسات و تحری روز ابر
یا بشب مرقبہ را کرد است جر
لیک با خورشید و کعبہ پیش رو
ایں قیاس و ایں تحری راجو

مولانا کا مقصد یہ ہے کہ جب سمت قبلہ معلوم نہ ہو اور اوپر سے ابر ہو یا اندھیری رات ہو تو شریعت نے اجازت دی ہے کہ نشانات و علامات دیکھ کر غلبہ ظن سے جس طرف تمہارا دل گواہی دے اس طرف منہ کر کے نماز ادا کر لو نماز ہو جائے گی۔ لیکن جب سورج سامنے ہو اور سمت معلوم ہو سکتی ہو یا مکہ شریف میں ہوتے ہوئے کعبہ شریف نظر کے سامنے ہو تو تحری اور قیاس جائز نہیں۔

اس طرح بیشک شریعت نے اجتہاد کی اجازت دی ہے اور اس پر عمل کرنا جائز رکھا ہے۔ لیکن یہ حکم صرف اسی وقت کے لئے ہے۔ جب نص معلوم نہ ہو (جیسا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کے سامنے عرض کیا تھا) لیکن جب شمس رسالت کی نص موجود ہے تو قیاس کرنا اور قیاسی مسئلہ پر عمل کرنا جائز نہیں..... (قول سدید)

پھر مولانا نے صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین رضی اللہ عنہم اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم کے نیک زمانوں کا ذکر کیا ہے کہ وہ لوگ نصوص کی موجودگی میں قیاس کی پیروی نہیں کرتے تھے۔ پھر آپ لکھتے ہیں:

تذکرۃ الحفاظ میں اس طبقہ میں تیسری صدی تک کے علمائے حدیث کا ذکر ہے۔ بس اسی صدی میں تقلید کی ختم ریزی ہوئی اور ہوتے ہوتے چوتھی صدی میں جدا جدا مستقل مذاہب کی حدیث کھنچ گئیں اور لوگوں کا ایک معین مذہب پر جم جانا اور اس کی پابندی و پیروی کرنا آئین زمانہ یا فیشن قرار پایا۔ اسی لئے حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ”جان لو کہ امت محمدیہ رضی اللہ عنہم کے لوگ چوتھی صدی سے پیشتر بعینہ کسی خاص مذہب کی تقلید پر جے نہیں تھے۔ (قول سدید)

غرض مولانا نے یہ ثابت کیا ہے کہ آیت یا حدیث کے ہوتے ہوئے کسی کے اجتہاد قیاس رائے اور قول کی ضرورت نہیں ہے اور تقلید کی ختم ریزی تیسری صدی میں ہوئی اور چوتھی صدی میں جدا جدا تقلیدی مذاہب پیدا ہوئے۔ پس جب تقلید تیسری صدی میں نکلی اور چوتھی صدی میں تقلیدی مذاہب کی حدیث کھنچ گئیں تو یہ امر واضح ہو گیا کہ تیسری صدی سے پہلے کے پاکباز لوگ نہ تقلید کو جانتے تھے اور نہ تقلیدی مذاہب رکھتے تھے۔ بلکہ وہ صرف قرآن اور حدیث کو مانتے تھے۔

علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

وَأَهْرُبُ عَنِ التَّقْلِيدِ فَهُوَ ضَلَالَةٌ
إِنَّ الْمُقْلَدَ فِي سَبِيلِ الْهَالِكِ

”تقلید (جامد) سے بھاگ کہ وہ گمراہی ہے۔ بے شک مقلد ہلاکت کی راہ پر ہے۔“

جو شخص حدیث کے مقابلہ میں امام کے بلا دلیل قول کو شرعی حیثیت سے لے لیتا ہے اور حدیث کو چھوڑ دیتا ہے وہ ضرور ہلاکت کی راہ پر ہے۔



حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے نزدیک

تقلید کی دو قسمیں

ضروری مشروط اور حرام

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے تقلید کو ضروری بھی کہا ہے اور حرام بھی۔ ضروری عامی یعنی بے علم کے لئے اور حرام سنت اور حدیث کے مقابلہ میں چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

﴿اعلم ان التقليد على وجهين واجب و حرام فاحدهما ان يكون من اتباع الرواية دلالة تفصيله ان الجاهل بالكتاب والسنة لا يستطيع بنفسه التبع ولا الاستنباط فكان وظيفته ان يستل فقيها ماحكم رسول الله ﷺ في مسألة كذا فاذا اخبر سواء كان ماخوذا من صريح نص او مستنبطامنه او مقيسا على المنصوص فكل ذلك راجع الى الرواية عنه ﷺ ولو دلالة وهذا قد اتفقت الامة على صحته قرنا بعد قرن بل الامم كلها اتفقت على مثله في شرايعهم وامارة هذا التقليد ان يكون عمله بقول المجتهد كا المشروط بكونه موافقا للسنة فلا يزال متفحصا عن السنة بقدر الامكان فمتى ظهر حديث يخالف قوله هذا اخذ بالحديث واليه اشار الائمة قال الشافعي اذاصح الحديث فهو مذهبي واذا رأيتم كلامي يخالف الحديث فاعملوا بالحديث واضربوا بكلامي الحائط و قال مالک مامن احد الا وما خوذ من كلامه و مردود عليه الارسل الله ﷺ وقال ابو حنيفة لا ينبغي لمن لم يعرف دليلي ان يفتي بكلامي وقال احمد رحمہ اللہ لا تقلدني ولا تقلدن مالكا ولا غيره وخذ الاحكام من حيث اخذ وامن الكتاب والسنة الوجه الثاني ان نظن بفتيحه انه بلغ الغاية القصوى فلا يكن ان يحظى فمهما بلغه حديث صحيح صريح يخالف مقالته لم يتركه او ظن انه لما قلده كلفه الله بمقالة وكان كالفقيه المحجور عليه فان بلغه حديث واستيقن بصحته لم يقبله لكون ذمته مشغولة بالتقليد فهذا اعتقاد فاسدو قول كاسد ليس له شاهد من العقل والنقل وما كان احد من القرون السابقة يفعل ذلك﴾

(عقد الجید ص ۸۳ مطبع فاروقی دہلی)

”خوب سمجھ لو کہ مجتہد کی تقلید کی دو قسمیں ہیں۔ ضروری (مشرط) اور حرام۔ پس ایک (ضروری مشروط) تو یہ ہے کہ روایت کا اتباع باعتبار دلالت کے ہو اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو شخص کتاب و سنت سے جاہل ہو تو وہ بذات خود تتبع اور استنباط کی استطاعت نہیں رکھتا۔ پس اس (جاہل) کا وظیفہ یہ ہے کہ فقیہ (عالم) سے پوچھ لے کہ رسول اللہ ﷺ نے فلاں فلاں مسئلہ میں کیا حکم فرمایا ہے؟ جب (فقیہ) عالم بتائے تو اس کا اتباع کر لے۔ برابر ہے کہ صحیح نص سے لیا ہو یا اس سے استنباط کیا ہو یا منصوص پر قیاس کیا ہو۔ یہ سب صورتیں رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرتی ہیں اگرچہ دلالت ہو۔ اس امر کی صحت پر اُمت کا ہر طبقہ متفق ہے بلکہ تمام امتیں اپنی اپنی شریعت میں اس صورت پر متفق ہیں اور اس (ضروری شرعی) تقلید کا نشان یہ ہے کہ اس (بے علم جاہل) کا عمل مجتہد کے قول پر اس شرط سے ہو کہ وہ قول سنت کے موافق ہو پس ہمیشہ جہاں تک ہو سکے وہ (بے علم جاہل) سنت کی تلاش میں رہے پھر جب اس کو قول کے خلاف حدیث مل جائے تو حدیث پر عمل کرے۔ (اور قول چھوڑ دے) اور ائمہ نے یہی اشارہ کیا ہے (چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب صحیح حدیث (ثابت) ہو جائے تو میرا مذہب وہی ہے اور جب ائمہ میرے کلام کو دیکھو کہ حدیث کے خلاف ہے تو حدیث پر عمل کرو اور میرا کلام دیوار پر بیخ دو۔۔۔۔۔ اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہر شخص کا کلام لے بھی سکتے ہیں اور اس پر رد بھی کر سکتے ہیں سوائے رسول اللہ ﷺ کے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کو میرے کلام کی دلیل معلوم نہ ہو اس کو میرے کلام کے ساتھ فتویٰ دینا حرام ہے اور امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

میری تقلید نہ کرنا اور نہ مالک کی تقلید نہ کرنا اور نہ کسی اور کی تقلید کرنا اور (دین کے) احکام وہاں سے لینا جہاں سے انہوں نے لئے ہیں یعنی کتاب و سنت سے اور دوسری تقلید حرام یہ ہے کہ کسی فقیہ کے متعلق یہ گمان کر لے کہ یہ غایت درجے کو پہنچ گیا ہے اس سے خطا ممکن نہیں۔ پھر جب اس (متعصب) مقلد کو قول مجتہد کے خلاف صحیح صریح حدیث مل جائے تو (پھر بھی) قول کو نہ چھوڑے یا خیال کرے کہ جب میں اس کا مقلد ہو گیا ہوں تو میرے حق میں اس کا قول اللہ کا حکم ہے۔ یہ مقلد ایسا ہے جیسے بے وقوف ممنوع التصرف پھر اگر اس کو حدیث مل جائے اور صحت کا یقین بھی کر لے۔ پھر بھی نہ مانے (اور قول پر ہی عمل کرے) کیونکہ اس کا ذمہ تقلید میں لگا ہوا ہے۔ پس یہ اعتقاد فاسد اور کھوٹی بات ہے اس کا کوئی شاہد نہیں نہ عقل سے نہ نقل سے اور قرون سابقہ میں سے بھی کوئی نہ تھا جو ایسا کرتا ہو۔۔۔۔۔ (عقد الجید صفحہ ۸۳ مطبع فاروقی دہلی)

قارئین کرام! دیکھا آپ نے کہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے تقلید جاہل اور بے علم شخص کے لئے ضروری قرار دی ہے اور وہ بھی اس شرط پر کہ جس امام کے قول پر وہ عامل ہے اگر وہ قول حدیث کے خلاف ثابت ہو جائے تو

اس کو چھوڑ دے گا اور حدیث پر عمل کرے گا اور اگر کوئی مقلد ایسا متعصب ہے کہ صحیح صریح حدیث کے ہوتے ہوئے بھی اس کے خلاف قول کو نہیں چھوڑتا تو ایسی جامد تقلید کو شاہ صاحب نے حرام فرمایا ہے یہ اعتقاد فاسد اور قول کا سد ہے!

حدیث کے مقابلہ میں قول چھوڑ دو!

پھر شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ صاحب نے اس بات پر زور دیا ہے کہ جب حدیث مل جائے تو امام کے قول کو جو ظن اور تخمین ہے چھوڑ دینا چاہئے چنانچہ آپ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فان بلغنا حدیث من الرسول المعصوم الذی فرض اللہ علینا طاعته بسند صالح يدل علی خلاف مذہبه و ترکنا حدیثه و اتبعنا ذلک التخمین فمن اظلم منا وما عذرنا یوم یقوم الناس لرب العلمین﴾ (عقد الجید ص ۳۹ مطبع فاروقی دہلی)
 ”پس اگر ہم کو رسول معصوم ﷺ کی حدیث صحیح سند سے پہنچ جائے جن کی تابعداری اللہ نے ہم پر فرض کی ہے۔ اور وہ حدیث ہمارے مذہب کے خلاف ہو تو اس وقت اگر ہم اس حدیث کو چھوڑ کر اس تخمینے (قول) پر نئے رہیں گے تو ہم سے بڑا کوئی ظالم نہ ہوگا اور حشر کے دن جب سب لوگ رب العالمین کے حضور پیش ہوں گے ہمارا کوئی عذر نہیں چل سکے گا۔“

شاہ صاحب رحمہ اللہ کے ارشاد سے معلوم ہوا کہ حدیث کی موجودگی میں جو شخص امتی کے قول کو نہیں چھوڑتا وہ بڑا ظالم ہے اور قیامت کے روز اللہ کے سامنے اس کا کوئی عذر کارگر نہیں ہو سکے گا۔ پس یاد رکھیں کہ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے جو تقلید کے حق میں لکھا ہے وہ عامی یعنی بے علم اور جاہل کے لئے لکھا ہے کہ وہ لاعلمی کی حالت میں امام سے مسئلہ پوچھ کر اس شرط پر عمل کرے کہ اگر وہ حدیث کے خلاف ثابت ہو گیا تو فوراً اس کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کر لے گا۔ یہ شرطی اور مطلق تقلید ہے جو کل نزاع نہیں۔

حدیث کے خلاف قیاس پر نہ چلو!

جب رسول اللہ ﷺ کی صحیح صریح حدیث سے مسئلہ واضح ہو جائے تو پھر بھی جو شخص اس حدیث کے خلاف کسی قیاس استنباط رائے اور قول پر جمار ہے ایسے شخص کے متعلق شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فحینئذ لا سبب لمخالفة حدیث النبی ﷺ الا نفاق خفی او حقد جلی﴾ (عقد الجید ص ۳۳)

”پس اس صورت میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی مخالفت کا کوئی سبب نہیں سوائے پوشیدہ نفاق اور

ظاہر حماقت کے۔“

اقوال کو احادیث پر پیش کرو

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ اقوال و آراء کو احادیث پر پیش کرو۔ مطابق ہوں تو قبول کرو ورنہ چھوڑ دو۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

دائماً تفریعات فقیہہ را بر کتاب و سنت عرض نمودن آنچه موافق باشد در خیر قبول آردن والا کالائے بدبہ ریش خاندن دادن۔ اُمت را بہ بیچ وجہ از عرض مجتہدات بر کتاب و سنت استغنا حاصل نیست۔..... (وصیت نامہ)

ہمیشہ فقہ کی جزئیات کو قرآن و حدیث پر پیش کرو۔ فقہ کا جو مسئلہ قرآن اور حدیث کے مطابق ہو اسے مان لو اور جو ان کے خلاف ہو اسے چھوڑ دو۔ اُمت میں سے کسی کو بھی اس بات سے بے نیازی ہو نہیں سکتی کہ وہ اماموں سے اجتہادات کو کتاب و سنت سے ملائے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کا طرز عمل

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا طرز عمل بیان فرماتے ہیں:

﴿وقد تواتر عن الصحابة والتابعين انهم كانوا اذا بلغهم الحديث يعملون به من غير ان يلاحظوا شرطاً﴾ (انصاف)

”یہ بات تواتر سے پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم کو جب کوئی حدیث پہنچتی تو وہ فی الفور اس پر عمل شروع کر دیتے کسی اور شرط کی طرف نگاہ بھی نہ ڈالتے۔“

جب صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم حدیث پر عمل کرنے کے لئے یہ شرط نہیں لگاتے تھے کہ اس حدیث کو فلاں لے گا تو ہم لیں گے تو آج یہ شرط کیوں لگائی جاتی ہے کہ یہ حدیث اگر ہمارے امام نے لی ہے تو ہم لیں گے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ ہرگز تقلید جامدہ کے قائل نہیں تھے کہ پڑھے لکھے لوگ اندھا دھند بلا دلیل اقوال کو دین سمجھ کر مان لیں۔ آپ ایسی کو رائے تقلید کی تردید کرتے ہیں فرماتے ہیں:

﴿انهم اعلموا بالتقليد و دب التقليد في صدورهم دب النمل وهم لا يشعرون﴾..... (انصاف)

”مقلدین تقلید پر جم گئے اور تقلید ان کے دلوں میں چیونٹی کی چال کی طرح بے خبری میں رچ گئی۔“

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اقوال رجال پر اندھا دھند جنم نہیں جانا چاہئے بلکہ تحقیق سے کام لے کر جو اقوال کتاب و سنت کے مطابق ہوں ان مان لینے چاہئیں اور جو کرائیں ان کو چھوڑ دینا چاہئے۔

تقلید جامد کا رد

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ تقلید جامد کے رد میں لکھتے ہیں:

”پس اس صورت میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی مخالفت کا کوئی سبب نہیں سوائے پوشیدہ نفاق کے یا ظاہر حماقت کے۔“

(عقد الجید)

اس سے آگے آپ فرماتے ہیں:

﴿وهذا هو الذي اشار اليه الشيخ عز الدين بن عبد السلام حيث قال و من عجب العجائب ان الفقهاء المقلدين يقف احدهم على ضعف ماخذ امامه بحيث لا يجد لضعفه مدفعا وهو مع ذلك بشده فيه ويترك من شهد الكتاب والسنة والاقسية الصحيحة لمذهبهم جمودا على تقليد امامه بل يتحیل للدفع ظاهر الكتاب والسنة ويتار لها بالنات ويلات البعيدة الباطلة﴾

(عقد الجید)

”اور یہ (حدیث کے خلاف قول لینے کا) وہی مضمون ہے کہ شیخ عز الدین بن عبد السلام نے جدھر اشارہ کیا ہے کیونکہ کہا ہے کہ بڑا ہی تعجب ہے کہ بعض مقلد فقہاء اپنے امام کی ایسی ضعیف بات پر واقف ہوتے ہیں کہ اس کے ضعف کے دفع کی کوئی صورت نہیں ملتی اور وہ پھر بھی اس میں اس کی تقلید کئے جاتے ہیں اور جن کے مذہب کی کتاب اور سنت اور صحیح قیاس شہادت دیتے ہیں اس کو اپنے امام کی تقلید پر جم کر چھوڑ دیتے ہیں بلکہ ظاہر کتاب اور سنت کے رفع کرنے کے لئے حیلہ سوچتے ہیں اور ان کی دُور از کار جھوٹی تاویلیں گھڑتے ہیں۔“

معلوم ہوا کہ ایسے متعصب اور جامد مقلد بھی ہیں جو احادیث سرور انبیاء ﷺ کے مقابلہ میں اماموں کے قولوں کو لیتے ہیں تقلید پر جم کر حدیثیں چھوڑ دیتے ہیں۔ پس ایسی تقلید حرام ہے۔ اللہ اس سے مسلمانوں کو بچائے۔ پڑھ لکھے مسلمان بھائیو! یاد رکھو دین کا ہر مسئلہ قرآن اور حدیث کی دلیل سے مانو اور پھر عمل کرو!

عامی کی غیر مشروط تقلید بھی حرام ہے!

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

اور جو شخص عامی بے علم ہو اور فقہاء میں سے کسی ایک کی تقلید کرے۔ یہ سمجھ کر کہ ایسے شخص سے خطا مشکل ہے اور

جو کہتا ہے ٹھیک ہے اور دل میں یہ بات ٹھہرا رکھے کہ اس کی تقلید نہ چھوڑوں گا۔ اگرچہ اس کے خلاف پر دلیل قائم ہو (ایسا مقلد) مصداق اس کی وہ حدیث ہے جو ترمذی نے عدی بن حاتم سے روایت کی ہے کہ عدی بن حاتم نے کہا کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا کہ یہ آیت پڑھتے تھے:

﴿اتَّخِذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾

”ٹھہرایا یہود و نصاریٰ نے اپنے عالموں اور رویشوں کو پروردگار اللہ کو چھوڑ کر۔“

فرمایا (حضور ﷺ نے) وہ لوگ ان کی بندگی نہیں کرتے تھے۔ پر ان کا یہ حال تھا: جس چیز کو وہ انہیں حلال بتاتے اس کو حلال جانتے اور جب ان کو کوئی چیز حرام بتاتے تو اس کو حرام جانتے۔“..... (عقد العجید)

معلوم ہوا کہ عامی آدمی بھی کسی عالم سے مسئلہ پوچھ کر اس شرط پر عمل کرے کہ اگر حدیث کے خلاف ہوا تو چھوڑ دے گا اور حدیث پر عمل کرے گا اور اگر وہ امام کے قول پر ایسا جم جائے کہ اس کے قول کے خلاف حدیث بتائی جائے تو حدیث کی طرف کوئی دھیان نہ کرے بلکہ اس قول پر جمار ہے تو وہ اس عالم یا امام کو جس کے قول پر جم گیا ہے اللہ کو چھوڑ کر رب بنانے والا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحت آیت ﴿فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (۱)

دریں جا باید دانست چنانچہ عبادت غیر خدا مطلقاً شرک و کفر است۔ اطاعت غیر او تعالیٰ نیز بالاستقلال کفر است و معنی اطاعت غیر بالاستقلال آنست کہ اور مبلغ احکام ندانستہ ربقہ تقلید اور در گردن اندازد و تقلید اور لازم شمارد و باوجود ظہور مخالفت حکم او با حکم او تعالیٰ دست از اتباع او بردارد و اس ہم نوعیت از اتحاد انداد کہ در آیه کریمہ

﴿اتَّخِذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ﴾ نکوہش آن

فرمودہ اند۔“..... (تفسیر عزیزی)

مطلب یہ ہے کہ جو کوئی کسی کی تقلید اپنے او پر لازم سمجھ لے اور اللہ کا حکم اس (تقلیدی حکم) کے مخالف معلوم ہونے کے باوجود پھر بھی اس کا اتباع نہ چھوڑے تو اس نے حکم آیت

﴿اتَّخِذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾

کے (اس امام کو) اللہ کا شریک ٹھہرا لیا۔

ثابت ہوا کہ حدیث کے مقابلہ میں تقلیدی اعمال شرک ہیں! پس ہر بھائی کو خوب چھان بین کرنی چاہئے کہ وہ کہیں ایسی تقلید تو نہیں کر رہا ہے کہ باوجود علم ہو جانے کے حدیث کے خلاف قول پر جما ہوا ہو۔

(۱) پس است ٹھہراؤ ساتھ اللہ کے شریک اور شرم جانتے ہو۔“ (۱/۲۲)

حضرت مولانا اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

﴿ولیت شعری کیف یجوز التزام تقلید شخص معین مع تمکن الرجوع الی الروایات المنقولہ عن النبی ﷺ الصریحۃ الدالۃ علی خلاف قول الامام المقلد فان لم یتَرَ قول امام ففیہ شائبۃ من الشُرک کما یدل علیہ حدیث الترمذی عن عدی بن حاتم انه سال رسول اللہ ﷺ عن قوله "اتخذوا احبارهم و رهبانهم ارباباً من دون الله." فقال انکم احللتهم ما احلوا و حرمتهم ما حرموا. (تنویر العینین)

مجھے نہیں معلوم کہ کیونکر روا ہو گیا۔ التزام ایک معین^(۱) شخص کی تقلید کا باوجود قدرت رجوع کے ان روایات کی طرف جو رسول اللہ ﷺ سے منقول ہیں۔ اور صریح دلالت کرتی ہیں قول امام کے خلاف پھر اگر مقلد امام کے قول کو نہیں چھوڑتا تو اس میں آمیزش شرک کی ہے چنانچہ دلالت کرتی ہے اس پر وہ حدیث جس کو ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے عدی بن حاتم سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت اَتَّخَذُوا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ^(۲) کے معنی میں پوچھا تو فرمایا (حضور ﷺ نے) کہ حلال ٹھہرایا تم نے ان کے حلال ٹھہرائے ہوئے کو اور حرام ٹھہرایا تم نے ان کے حرام ٹھہرائے ہوئے کو۔

مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

﴿فَطَائِفَةٌ قَدْ تَعَصَّبُوا فِي الْحَنِيفِيَّةِ تَعَصُّبًا شَدِيدًا وَ اتَّزَمُوا بِمَا فِي الْفَتَاوَى اِتِّزَامًا شَدِيدًا وَ اِنْ وَجَدُوا حَدِيثًا صَحِيحًا وَ اَثَرًا صَرِيحًا عَلٰی خِلَافِهِ زَعَمُوْا اَنَّهُ لَوْ كَانَ هَذَا الْحَدِيثُ صَحِيحًا لَّا خَذَ بِهِ صَاحِبُ الْمَذْهَبِ وَلَمْ يَحْكَمْ بِخِلَافِهِ وَ هَذَا جَهْلٌ مِنْهُمْ﴾ (طریق محمدی)

”بعض متعصب خفی تقلید امام اور کتب فقہ کے فتوؤں کے پیچھے ایسی بری طرح چپے ہوئے ہیں کہ اگر ان کے خلاف صحیح حدیث بھی مل جائے پھر بھی فقہ کے فتاویٰ کو نہیں چھوڑتے (حدیث چھوڑ دیتے ہیں) یہ لوگ جاہل ہیں۔“

قارئین کرام! یہ جامد تقلید حرام ہے کہ ایک طرف حدیث رسول ﷺ ہو اور اس کے خلاف قول امتی ہو تو حدیث چھوڑ کر قول لے لینا، کتنی بڑی جسارت اور جہالت ہے۔ بس ایسی تقلید سے حضرت مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ

(۱) اس سے تقلید شخص کی تردید ہوتی ہے۔

(۲) یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء اور رؤسایوں کو اللہ کے سوا رب بنالیا۔

علیہ منع کر رہے ہیں۔

حنفی، شافعی، وغیرہ بننے کا اللہ نے حکم نہیں دیا

شیخ اکل حضرت میاں سید نذیر حسین صاحب نور اللہ مرقدہ اپنی مایہ ناز کتاب ”معیار الحق“ میں لکھتے ہیں کہ جناب شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

﴿اعْلَمُ أَنَّهُ لَمْ يُكَلِّفِ اللَّهُ تَعَالَى أَحَدًا مِّنْ عِبَادِهِ بِأَنْ يَكُونَ حَنَفِيًّا أَوْ مَا لِكِنًّا أَوْ شَافِعِيًّا أَوْ حَنَبِلِيًّا بَلْ أَوْجَبَ عَلَيْهِمُ الْإِيمَانَ بِمَا بَعَثَ بِهِ سَيِّدَنَا مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ﴾
(معیار الحق بحوالہ قول سدید)

”جان لے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے کسی کو حنفی، مالکی یا شافعی یا حنبلی بننے کا حکم نہیں دیا بلکہ سب بندوں پر فرض کیا ہے کہ وہ سیدنا حضرت محمد ﷺ کی تابعداری کریں اور جو کچھ حضور سید العرب والعجم لائے ہیں (یعنی کتاب و سنت) اس پر ایمان لائیں۔“

اللہ شاہ صاحب کو نیک جزائے انہوں نے کتنی سچی بات کی ہے کہ اللہ نے صرف رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت پر ایمان لانے اور آپ کی تابعداری کا حکم دیا ہے۔ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی بننے کا مکلف نہیں کیا۔ پھر علماء کیوں زور دیتے ہیں کہ ائمہ اربعہ کی تقلید کر کے ضرور حنفی یا مالکی یا شافعی یا حنبلی بنو۔ علماء کو تو صرف کتاب و سنت کے اتباع پر زور دینا چاہئے کہ سب اہل سنت بنو۔ اہل حدیث ہو کر اللہ رسول ﷺ کے فرامین پر عمل کرو۔ اور پڑھے لکھے مسلمانوں کو بھی نہیں چاہئے کہ وہ بجائے عمل بالحدیث کے امتیوں کے اقوال کو اندھا دھند مانتے جائیں۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

﴿وَمِنَ الْمَعْلُومِ أَنَّ اللَّهَ سَبَّحَانَهُ وَتَعَالَى مَا كَلَّفَ أَحَدًا أَنْ يَكُونَ حَنَفِيًّا أَوْ مَا لِكِنًّا أَوْ شَافِعِيًّا أَوْ حَنَبِلِيًّا بَلْ كَلَّفَهُمْ أَنْ يَعْمَلُوا بِالسُّنَّةِ أَنْ كَانُوا عُلَمَاءَ أَوْ يَقْلُدُوا عُلَمَاءَ أَنْ كَانُوا جُهَلَاءَ﴾ (معیار الحق شرح عین العلم)

”یہ بات معلوم ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے کسی کو حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی بننے کی تکلیف نہیں دی بلکہ یہ تکلیف دی ہے کہ حدیث پر عمل کریں۔ اگر عالم ہیں تو جاہل لوگ علماء کی پیروی کریں۔“^(۱)

(۱) یعنی جاہل اور بے علم لوگ علماء سے مسائل پوچھ کر عمل کریں اور پوچھیں اس طرح، حضرت مولانا اس مسئلہ میں کیا حکم ہے اللہ کا یا اس کے رسول ﷺ کا، ازراہ کرم آیت یا حدیث سے جواب مرحمت فرمائیں اللہ آپ پر اپنی رحمت نازل کرے۔ پھر جو جواب عالم دے وہ بے علم اس پر عمل کرے۔ (منہ)

مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ

سرتاج علماء احناف حضرت مولانا عبدالحی حنفی ارشاد فرماتے ہیں۔
 ”مسلمان ہونے میں حنفی وغیرہ ہونا شرط نہیں کیا گیا۔“

(مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ جلد ۳ صفحہ ۲۰۸)

ثابت ہوا ان فتاویٰ سے کہ حنفی وغیرہ ہونا مسلمانی میں شرط نہیں کیا گیا اور حضور انور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے وقتوں میں حنفی و شافعی وغیرہ ناموں سے مسلمان موسوم نہ تھے تو پھر آج ان ناموں سے موسوم ہونا کیوں کر ضروری ہو گیا۔

محمدی کیوں نہیں کہلواتے

اگر آپ نے اپنے آپ کو ضرور ہی کسی انسان کے نام کے ساتھ منسوب کرنا ہے تو پھر اللہ کے سچے رسول حضرت محمد ﷺ کے نام کے ساتھ منسوب کر کے محمدی کیوں نہیں کہلواتے؟ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی نسبتوں کے بجائے محمدی نسبت تو بڑی پیاری نسبت ہے۔ پھر اس پیاری اور محبوب ترین نسبت کو تمام جہان کی نسبتوں پر ترجیح دینی چاہئے۔

مسلمان بھائیو! آپ کے نبی حضرت محمد ﷺ ہیں جن کی تابعداری آپ پر اللہ نے قرآن میں فرض کی ہے جن کی سنت اور حدیث پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے اور جنہوں نے اللہ کے اذن کے بعد قیامت کو آپ کی شفاعت کرنی ہے۔ پھر امتیوں کی تقلیدی نسبتوں کو چھوڑ کر حضور ﷺ کے طریقے پر چلو۔ سیدھے اہل سنت اور اہل حدیث بنو۔ بھائیو! سوچنے کا مقام ہے کہ حضرت محمد ﷺ کے نام کی طرف نسبت کر کے محمدی کہلاتے ہوئے تو آپ کو شرم اور عار آئے اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نام کی طرف خود کو منسوب کر کے حنفی کہلا کر آپ فخر کریں۔ آخر کیوں؟ مالانکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ہرگز نہیں کہا تھا کہ میرے مقلد بن کر حنفی کہلانا۔ ان کا مذہب حدیث تھا۔ پھر آپ بھی وہ راست حدیث پر چلیں۔

تقلید یہود کا نمونہ

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب تقلید یہود کا حال بیان کرتے ہیں۔ آپ بغور ملاحظہ فرمائیں اور ایسی جامد تقلید سے بچیں:

﴿فَإِنْ شِئْتَ أَنْ تَرَى ائِمُّوَدَاجَ الْيَهُودَ فَانْظُرْ إِلَى عُلَمَاءِ الشَّوْءِ مِنَ الَّذِينَ يَطْلُبُونَ الدُّنْيَا وَقَدْ اِعْتَادُوا تَقْلِيدَ السَّلَفِ وَأَعْرَضُوا عَنْ نَصُوصِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَتَمَسَّكُوا بِتَعْتَنٍ

عَالِمٍ وَتَشَدُّدِهِ وَاسْتِحْسَانِهِ وَأَعْرَضُوا عَنْ كَلَامِ الشَّارِعِ الْمَعْصُومِ وَتَمَسَّكُوا بِأَحَادِيثِ
مَوْضُوعَةٍ وَتَاوِيلَاتٍ فَاسِدَةٍ كَانَتْهُمْ هُمْ ﴿(فوز الکبیر)

”اگر تم چاہتے ہو کہ یہودیوں کا نمونہ دیکھو تو ان برے علماء کو دیکھو جو دنیا طلب کرنے میں مشغول ہیں۔
جن میں تقلید (جامد) گھر کر چکی ہے، جم گئی ہے جو کتاب و سنت سے منہ موڑ کر ایک ہی امام کے نرم گرم کے
پیچھے لگ گئے ہیں اور شارع معصوم حضرت محمد ﷺ کے کلام (حدیث) کو چھوڑ رکھا ہے اور اپنے امام کے
قول کو لغو تاویلوں اور جھوٹی حدیثوں سے مضبوط کر کے اسی پر تمسک کر بیٹھے ہیں گویا کہ یہودی ہی ہیں۔“

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کے ارشاد کا مطلب

حضرت شاہ صاحب نے جو یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اگر تم چاہتے ہو کہ یہودیوں کا نمونہ دیکھو تو ان برے علماء کو
دیکھو جو دنیا طلب کرنے میں مشغول ہیں۔“ معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ اس اُمت کے برے علماء کا ذکر کر
رہے ہیں۔ جن میں تقلید جامد گھر کر گئی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہود کے نمونے کی تقلید اس اُمت میں بھی موجود
ہے۔ پھر شاہ صاحب اس اُمت کے برے لوگوں کی تقلید کی کیفیت بیان کر کے فرماتے ہیں ﴿كَانَتْهُمْ هُمْ﴾ گویا کہ
یہ (جامد تقلید کے باعث) یہودی ہی ہیں۔“

یہودی سی تقلید سے بچیں

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ کے ارشاد مذکور سے معلوم ہوا کہ جو علماء طلب دنیائے دُلوں کی خاطر حدیث رسول
پاک ﷺ کو چھوڑ کر اس کے خلاف دانستہ کسی کے قول کو پکڑ لیتے ہیں رسول معصوم ﷺ کی سنت کو ترک کر کے غیر
معصوم امتی کی رائے پر عمل کرتے ہیں گویا دنیا طلبی کی خاطر کتاب و سنت کے مقابلہ میں تقلید کرتے ہیں وہ یہودیوں
کے نقش قدم پر ہیں۔ اگر یہود کا نمونہ دیکھنا ہو تو نصوص کتاب و سنت سے اعراض کرنے والوں مقلدوں کو دیکھ لو۔
بے شک بقول شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ یہ علماء سوء ہیں۔ ذنیال جائے دین جاتا ہے تو جائے۔ پھر ان کا یہ حال ہے
کہ اسی تقلید کی آڑ میں عوام کا لالعام کو اندھا دھند اپنے پیچھے لگاتے ہیں۔ بلا دلیل قصے کہانیاں ^(۱) سنانا کر ان کے
ایمان خراب کرتے ہیں جو ان کے منہ سے نکل گیا وہ عوام کے لئے مسئلہ بن گیا۔ دنیا طلب کرنے والے پیر اور مولوی
اپنے مریدوں اور معتقدوں کو اسی تقلید کی بدولت ہی ”بے زبان“ بنا کر اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

(۱) ﴿وَمِنْهُمْ أُمِّيُونَ لَا يَخْتَصِمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَهْوَاءَ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ﴾ (پ: ۹ ع: ۱) ”اور بعض ان (یہودیوں) میں سے ان
پڑھ نہیں، انہیں جانتے کتاب (تورات) کو گمراہ آرزوئیں اور نہیں وہ مکرمان کرتے۔“ یعنی ان بے علم لوگوں نے اپنے علماء و مشائخ کی بتائی
ہوئی جھوٹی باتیں سن رکھی ہیں۔ وہ ان کا ذیاب پر گمان رکھتے اور عمل کرتے ہیں کچھ دس۔ ا۔ س یا اس تیس ہے۔

﴿اتَّخِذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ (پ: ۱۰: ع: ۱۱)

اس آیت کا مطلب حضور انور ﷺ یوں بیان فرماتے ہیں:

﴿إِنَّهُمْ لَمْ يَكُونُوا يَعْبُدُونَهُمْ وَلَكِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا أَحْلَوْا لَهُمْ شَيْئًا اسْتَحْلَوْهُ وَإِذَا حَرَّمُوا

عَلَيْهِمْ شَيْئًا حَرَمُوهُ ﴿١﴾ (ترمذی شریف)

”وہ لوگ اپنے عالموں اور درویشوں کی عبادت نہیں کرتے تھے لیکن حلال جانتے تھے جو وہ (بلا دلیل)

حلال کہہ دیتے تھے۔ اور حرام جانتے تھے جو وہ (بلا دلیل) حرام کہہ دیتے تھے۔“

مذکورہ آیت میں اللہ نے فرمایا کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے عالموں اور درویشوں کو اللہ کے سوارب بنالیا۔

اس رب بنانے کا مطلب رسول اللہ ﷺ نے یہ بتایا کہ عوام اپنے علماء و مشائخ کے بلا دلیل اقوال، حرام، حلال کو چپ کر کے مان لیتے تھے۔ ان سے کوئی دلیل تو رات آنجیل سے نہ پوچھتے تھے گویا ان کے جامد مقلد تھے اندھے بن کر ان کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔

مسلمان بھائیو! آیت مذکورہ اور اس کی تشریح رسول ﷺ سے سبق حاصل کرو کہ جامد مقلد بن کر اپنے علماء مشائخ کے پیچھے نہ چلو علماء کے بلادلیل اقوال کو آنکھیں بند کر کے عمل میں نہ لاؤ۔ بلکہ اچھی طرح جھان بین کر لو اگر وہ اقوال حدیث کے مطابق ہوں تو سر آنکھوں پر رکھو اور اگر خلاف ہوں تو چھوڑ دو جو علماء آپ کو کورانہ تقلید کا اسیر بنا کر گھڑے ہوئے قصے کہانیاں سناتے اور اہل سنت نام رکھتے ہیں وہ آپ کے خیر خواہ نہیں ہیں۔ سنت دلیل ہے نور ہے اس پر عمل کرو پھر آپ اہل سنت ہیں اور تقلید کے معنی ہی ہیں: بے دلیل قول لینا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بے دلیل قول حدیث کے خلاف ہو اور آپ اس پر عمل کر کے غلطی کے مرتکب ہو جائیں۔ اللہ نے جو علماء و مشائخ کی بے سند محض زبانی باتوں حرام حلال جائز ناجائز کو مان لینا ان کو رب بنانا فرمایا ہے صرف اس لئے کہ عوام ہوشیار ہوں دینی باتیں آنکھیں کھول کر مانیں۔

حنفی شافعی شاگردی نسبتیں ہیں

یہ جو اسلاف میں بعض اماموں اور عالموں کو حنفی یا شافعی کہا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ علم و فضل کے

(i) ترمذی کتاب تفسیر القرآن (۴۴) باب و من سورة التوبة (۹) الحديث ۳۰۹۵ - و طبرانی کبیر ۹۲/۱۷ رقم الحديث

۲۱۸ و ۲۱۹ عن عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ علامہ البانی نے حسن کہا ہے صحیح ترمذی (۲۲۷۱)

آفتاب بہ اصطلاح فقہی مقلد تھے۔ تقلید کی ماہیت میں تو عدم علم داخل ہے اور وہ قرآن اور حدیث کے بڑے عالم تھے پھر مقلد کس طرح ہوئے؟ ہاں یہ ان کی شاگردی نسبتیں تھیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے درس کے تلامذہ خفی کہلانے لگے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے شاگرد شافعی مشہور ہو گئے جیسے علی گڑھ یونیورسٹی کے سند یافتہ ”علیگ“ کہلاتے ہیں۔ دیوبند کے دیوبندی وغیرہ۔

تقلید کوئی دین کا مسئلہ تو ہے نہیں قرآن و حدیث میں اس کا ذکر تک نہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین اور تبع تابعین کے نیک زمانوں میں اس نام سے کوئی واقف نہ تھا۔ یہ ایجاد فی الدین چوتھی صدی میں معرض وجود میں آئی جس نے لوگوں کو بے زبان بنا کر رکھ دیا کہ اپنے بڑوں کی بے دلیل باتوں کو دین مانتے جاؤ۔ علامہ اقبال رحمہ اللہ نے سچ فرمایا:

تقلید کی روش سے تو بہتر ہے خود کشی
رستہ بھی ڈھونڈ خضر کا سودا بھی چھوڑ دے

مقلد فقہی تعریف کے لحاظ سے بے علم ہے اس لئے نہ اس کی ذاتی رائے ہے نہ خیال کی آزادی ہے نہ تحقیق کر سکتا ہے نہ دلیل پوچھ سکتا ہے۔ ساری زندگی اس بے بسی کی حالت میں رہتا ہے لیکن چھکارا نہیں پاتا۔ دین میں جامد مقلد کی اس بے بسی عاجزی اور مجبوری کے پیش نظر علامہ اقبال رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس تقلید سے جو دین میں سوچنے سمجھنے غور و فکر کرنے اور علم حاصل کرنے سے (روکتی ہے اور انسان کو تازیت جاہل بن کر رہنے کا سبق دیتی ہے) خود کشی بہتر ہے۔ چونکہ خود کشی شریعت میں حرام ہے منع ہے لہذا تقلید مذکور اس سے بڑھ کر منع ہوئی۔

اس سے مسلمانوں کو یہ سبق دینا مقصود ہے کہ وہ بے علم اور جاہل نہ رہیں۔ خوب علم پڑھیں قرآن و حدیث سیکھیں اور علی وجہ البصیرت عمل کریں۔ علماء سوء کی محض سنی سنائی باتوں کو پلے نہ باندھ لیں۔

”رستہ بھی ڈھونڈ“ یعنی کتاب و سنت کی روشنی میں راہ حق کی تلاش کر کتاب و سنت کو اپنا امام بنا۔ ”خضر کا سودا بھی چھوڑ دے۔“ یعنی تقلید جامد نہ کر!

عقل دلیل چاہتی ہے

چونکہ عقل دلیل چاہتی ہے اور تقلید بے دلیل منواتی ہے لہذا مقلد کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ عقل و فکر سے کام لے اور دلیل پوچھے۔ اسے لازم ہے کہ ”ناپیدا“ بن کر امام کے پیچھے چلے تازیت بے علم رہے۔

تقلید شرطی درست ہے!

عامی بے علم اور جاہل شخص کو کہتے ہیں۔ ایسے شخص کو جب کسی مسئلہ کی ضرورت پڑے گی تو محالہ اسے پوچھنا

پڑے گا۔ پھر وہ کسی عالم ربانی سے پوچھ لے۔ چونکہ پوچھنے والا بے علم ہے دلیل نہیں جانتا اس لئے وہ عالم اللہ سے ڈر کر اللہ رسول ﷺ کا حکم بتائے۔ آیت حدیث سے مسئلہ سمجھائے پھر وہ بے علم اس پر عمل کرے اور اس شرط سے کرے کہ اگر یہ مسئلہ حدیث کے خلاف ثابت ہو گیا تو اسے چھوڑ کر حدیث پر عمل کرے گا یہ ہے بوقت لاعلمی تقلید شرعی مامی کی..... جس سے کسی کو انکار نہیں اللہ نے فرمایا ہے:

﴿فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾

”اگر تم بے علم ہو تو اہل علم سے پوچھ لو پس تقلید کو بے علمی لازم ہوئی تو بے علم مقلد ہو سکتا ہے علم والا نہیں۔“

تقلید شخصی

امام الاحناف جناب شیخ ابن ہمام رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں۔

﴿قُلْ لَا ذَلِيلَ عَلَى وَجُوبِ اتِّبَاعِ الْمُجْتَهِدِ الْمُعَيَّنِ بِالْإِزَامِ نَفْسِهِ ذَلِكَ قَوْلًا أَوْ شَرْعًا﴾
(فتح القدیر)

”تقلید شخصی کے واجب ہونے پر کوئی دلیل نہیں!“

حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں:

﴿مَنْ رَدَّ حَدِيثًا قَالَ بَعْضُ مَشَائِخِنَا يُكْفَرُ﴾ (حقیقت الفقہ بحوالہ منہج الازھر)
”حدیث کو رد کرنے والا کافر ہے۔“ یعنی حدیث کے خلاف قول پر عمل کرے اور حدیث کو ازراہ تعصب چھوڑ دے۔“

حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے سوال ہوا کہ آپ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کی کہاں تک دین میں مانتے ہیں؟
آپ نے فرمایا:

﴿إِنَّمَا كَانَ مُدْرَسًا فَمَا كَانَ مِنْ قَوْلٍ حَسَنٍ قَبِلْنَاهُ وَمَا كَانَ قَبِيحًا تَرَكْنَاهُ عَلَيْهِ﴾ (طریق
محمّدی بحوالہ جز تاریخ بغداد للخطیب)

”حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ (دین کے) ایک مدرس تھے جو ان کی اچھی باتیں ہوتیں ہم لے لیتے اور جو
غیر اچھی ہوتیں چھوڑ دیتے تھے۔“

معلوم ہوا کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ ان کے مقلد نہ تھے۔ جب اچھی باتیں لیتے اور غیر اچھی چھوڑتے تھے تو
وہ تحقیق کرتے تھے اور جو تحقیق کرے وہ محقق ہوتا ہے مقلد نہیں ہوتا۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے تقلید کی ممانعت

تقلید کے بارے میں ائمہ اربعہ نے ہرگز نہیں فرمایا کہ ان کی تقلید کی جائے۔ اندھا دھند..... بلا دلیل ان کے اقوال پر شرعی حیثیت سے عمل کیا جائے۔ چنانچہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿حَرَامٌ عَلٰی مَنْ لَّمْ يَعْرِفْ دَلِیْلُیْ اَنْ یُّفْتٰی بِکَلَامِیْ﴾ (میزان شعرانی)
 ”میرے قول پر فتویٰ دینا حرام ہے جب تک میری بات کی دلیل معلوم نہ ہو۔“

معلوم ہوا کہ اگر امام کا قول مدلل ہو یعنی قرآن اور حدیث کی سند کے ساتھ ہو تو وہ قول مسئلہ فتویٰ ہو سکتا ہے۔ قابل عمل ہے اور اگر بے دلیل ہے تو قابل عمل نہیں۔ پھر جو علم والے بلا دلیل قول امام کو دین کی چیز سمجھ کر مانتے ہیں وہ امام صاحب کے تابعدار نہیں۔ کیونکہ امام صاحب رحمہ اللہ نے قول بے دلیل پر فتویٰ دینا حرام فرمایا ہے۔ اللہ رحمتیں نازل کرے امام صاحب پر کہ انہوں نے قیمتی حق بات کہی ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِذَا قُلْتُ قَوْلًا وَ كِتَابَ اللّٰهِ یُخَالِفُهٗ فَاتْرُکُوْا قَوْلِیْ بِكِتَابِ اللّٰهِ فَقِیْلَ اِذَا كَانَ خَبَرُ الرَّسُوْلِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُخَالِفُهٗ قَالَ اَتْرُکُوْا قَوْلِیْ بِخَبَرِ الرَّسُوْلِ فَقِیْلَ اِذَا كَانَ قَوْلُ الصَّحَابَةِ یُخَالِفُهٗ قَالَ اَتْرُکُوْا قَوْلِیْ بِقَوْلِ الصَّحَابَةِ﴾ (روضۃ العلماء عقد الجید)
 ”جب میرا قول قرآن کے خلاف ہو تو اسے چھوڑ دو لوگوں نے پوچھا جب آپ کا قول حدیث کے خلاف ہو؟ فرمایا: اس وقت بھی چھوڑ دو پھر پوچھا: جب صحابہ رضی اللہ عنہم کے فرمان کے خلاف ہو؟ کہا: تب بھی چھوڑ دو۔“
 ﴿اِذَا رَاَیْتُمْ کَلَامًا مِّنَا یُخَالِفُ ظَاهِرَ الْکِتَابِ وَالسُّنَّةِ فَاعْمَلُوْا بِالْکِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَاضْرِبُوْا بِکَلَامِنَا الْحَائِطَ﴾ (میزان شعرانی)

”حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب دیکھو کہ ہمارے اقوال قرآن اور حدیث کے خلاف ہیں تو قرآن اور حدیث پر عمل کرو اور ہمارے اقوال کو دیوار پر دے مارو۔“

حضرت امام صاحب رحمہ اللہ کا آب زر سے لکھنے کے لائق یہ فرمان یاد رکھنا چاہئے۔ ﴿اِذَا صَحَّ الْحَدِیْثُ فَهُوَ مَذْهَبُنِیْ﴾ (عقد الجید) ”صحیح حدیث ہی میرا مذہب ہے۔“ معلوم ہوا کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اہل حدیث تھے کیونکہ فرماتے ہیں کہ میرا مذہب حدیث ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ امام عالی مقام حدیث کو مذہب مانتے ہیں پھر آج امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مقلد کیوں بجائے مذہب حدیث رکھنے کے حنفی مذہب رکھتے ہیں۔

امام صاحب نہ اپنی تقلید کے لئے کہیں نہ اپنے اقوال پر تمسک کرنے کو فرمائیں نہ کوئی حنفی مذہب جاری کریں وہ بار بار کتاب و سنت اور حدیث پر عمل کرنے کا ارشاد فرمائیں..... اپنا مذہب حدیث بتائیں۔ لیکن حنفی ہیں کہ آپ

کی ایک نہ سنیں..... بھائیو! اللہ کا حکم سنو! (۱) رسول پاک ﷺ کے ارشاد پر عمل کرو (۲) اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے کہنے کا پاس کرو۔ (۳)

آپ کیوں تقلید شخصی کرتے ہیں؟ جس کا نہ اللہ نے حکم دیا..... نہ رسول اللہ نے اور نہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے؟ اور پھر آپ فخر سے کہتے ہیں کہ ہم اہل سنت ہیں اور اہل سنت ہونے کے دعویٰ کا ثبوت یہ دیتے ہیں کہ سنت کے مقابلہ میں قول پر عمل کرتے ہیں اور سنت چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ متعصب اور ضدی مقلدوں کا حال ہے ہاں جو حدیث کے مقابلہ میں قول چھوڑ کر حدیث پر عمل کرتے ہیں وہ اہل سنت والجماعت ہیں۔

﴿مَّا جَاءَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرَّأْسِ وَالْعَيْنِ﴾ (ظفر الامانی)
 ”حضرت امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”جو حدیث سے ثابت ہو وہ سر آنکھوں پر ہے۔“

خفی بھائیو! امام صاحب رحمہ اللہ کے اس فرمان کے مطابق جو مسئلہ صحیح حدیث سے ثابت ہو جائے اس کو سر آنکھوں پر رکھ لو یہ نہ کہنا کہ خفی مذہب کے خلاف ہے اس لئے ہم نہیں مانتے۔ حضرت امام صاحب رحمہ اللہ نے مذہب حدیث پر عمل کرنے کا حکم دیا۔
 میزان شعرانی میں ہے:

﴿وَرَوَى الشَّيْخُ مُنْجِي الدِّينِ فِي الْفَتْوَحَاتِ الْمَكِّيَّةِ بِسَنَدِهِ إِلَى الْإِمَامِ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ أَيَّاكُمْ وَالْقَوْلَ فِي دِينِ اللَّهِ تَعَالَى بِالرَّأْيِ وَعَلَيْكُمْ بِاتِّبَاعِ السُّنَّةِ فَمَنْ خَرَجَ عَنْهَا ضَلَّ﴾ (حقيقته الفقه)

”روایت کیا ہے شیخ محی الدین رحمہ اللہ نے فتوحات مکہ میں ساتھ اپنی سند کے جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تک پہنچی ہے کہ امام صاحب نے فرمایا۔۔۔ بچو لو گواں بات سے کہ دین میں کوئی بات رائے سے کہو اور لازم پکڑو سنت کی پیروی کیونکہ جو کوئی سنت سے نکل گیا وہ گمراہ ہو گیا۔“

(۱) اللہ فرماتے ہیں: ﴿هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ﴾ دلیل لاؤ۔ جب دلیل کا مطالبہ ہو تو تقلید کہاں رہی۔ کیونکہ تقلید بے دلیل قول کے ماننے کو کہتے ہیں۔

(۲) حضور ﷺ فرماتے ہیں: ”میں تم میں دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں۔ جب تک انہیں مضبوط قہارے رہو گے۔ ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ (دو دو چیزیں) اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت ہے“ (مشکوٰۃ) (صحیح ہے تخریج نمبر ۳۱ میں گزر چکی ہے۔) جب کتاب اور سنت کو مانا تو دلیل موجود ہوگئی۔ اب بھی تقلید نہ رہی تو مقلد نے امام کے بلا دلیل قول کو دین مان کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی کیا مانی؟

(۳) امام صاحب فرماتے ہیں: ﴿إِذَا ضُحِيَ الْحَدِيثُ فَهُوَ مُنْهَبٌ﴾ ”میرا مذہب صحیح حدیث ہے۔“ (عقد الجید) تو پھر حنفیوں کو بھی اپنا مذہب بے فرمان امام صاحب حدیث ہی قرار دینا چاہئے۔ جب مذہب حدیث رکھنے کی بجائے تقلیدی مذہب اختیار کیا تو امام صاحب کا ارشاد بھی نہ مانا۔ (محمد صادق)

غور کریں کہ حضرت امام صاحب رحمہ اللہ نے اتباع سنت پر زور دیا ہے۔ یہی بات الحمد للہ کہتے ہیں کہ حدیث اور سنت پر عمل کرو۔ تو الحمد للہ نے حضرت امام صاحب کی بات مان لی۔ خفی بھائیو! آپ بھی مان لو اور سنت اور حدیث پر جان چھڑکو۔

میزان شعرانی میں ہے:

﴿وَدَخَلَ شَخْصٌ مِنَ الْكُوفَةِ بِكِتَابٍ دَانِيَالُ فَكَادَ أَبُو حَنِيفَةَ أَنْ يَقْتُلَهُ وَقَالُوا لَهُ كِتَابٌ سِوَى الْقُرْآنِ وَالْحَدِيثِ﴾ (حقیقتہ الفقہ)

”ایک شخص کوفہ میں دانیال کی کتاب لے کر آیا تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور دوسرے لوگ اس کے قتل کے در پے ہو گئے اور کہنے لگے کیا قرآن اور حدیث کے سوا کوئی اور کتاب بھی (دین میں) ہے۔“

خفی بھائیو! صرف قرآن اور حدیث کو ہی دین مانو اور اسی پر ہی عمل کرو غور کرو کہ حضرت امام صاحب ایک شخص کے ہاتھ میں قرآن اور حدیث کے علاوہ اور کتاب برداشت نہ کر سکے۔

تحفۃ الاخیار فی بیان الارباب میں ہے:

﴿وَقَالَ الْإِمَامُ أَبُو حَنِيفَةَ لَا تَقْلُدْنِي وَلَا تَقْلُدَنَّ مَالِكًا وَلَا غَيْرَهُ وَخُذِ الْأَحْكَامَ مِنْ حَيْثُ أَخَذُوا مِنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ كَذَافِي الْمِيزَانِ وَغَيْرِهِ﴾ (حقیقت الفقہ)

”حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا: میری تقلید نہ کرنا اور نہ مالک رحمہ اللہ کی اور نہ کسی اور کی تقلید کرنا اور احکام دین وہاں سے لینا جہاں سے انہوں نے لئے ہیں کتاب و سنت سے۔“

یاد رکھیں، حضرت امام صاحب رحمہ اللہ نے صاف فرمادیا ہے کہ میری تقلید نہ کرنا یعنی بغیر دلیل کے اندھا دھند میری باتوں کو نہ ماننا اور کتاب و سنت پر عمل کرنا۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی تقلید سے ممانعت

﴿لَا تَقْلُدْنِي وَلَا تَقْلُدَنَّ مَالِكًا وَلَا الشَّافِعِيَّ وَلَا الْأَوْزَاعِيَّ وَلَا الثَّوْرِيَّ وَخُذْ مِنْ حَيْثُ أَخَذُوا﴾ (عقد الجید)

”حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہرگز نہ میری تقلید کرنا اور نہ امام مالک رحمہ اللہ کی اور نہ امام شافعی رحمہ اللہ کی اور نہ امام اوزاعی رحمہ اللہ کی اور نہ امام ثوری رحمہ اللہ کی تقلید کرنا (سنو)! جہاں سے یہ تمام امام دین کے مسائل لیتے تھے۔ تم بھی وہیں (قرآن اور حدیث) سے ہی لینا۔“

جب امام صاحب رحمہ اللہ نے صاف فرمادیا کہ ہرگز میری اور دوسرے ائمہ کی تقلید نہ کرنا، تو پھر مقلد بھائیوں کو چاہیے کہ وہ تقلید جامد ترک کر کے بواہ راست کتاب و سنت پر عمل کریں۔

﴿وَكَانَ إِمَامُ أَحْمَدُ يَقُولُ لَيْسَ لِأَحَدٍ مَعَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ كَلَامٌ﴾ (عقد الجيد)

”حضرت امام احمد رحمہ اللہ فرمایا کرتے کہ کسی کو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کلام کی گنجائش نہیں ہے۔“

پھر جب حدیث محمد مصطفیٰ ﷺ پیش کی جائے تو کسی کا حق نہیں کہ وہ اس کے سامنے اپنے امام کا قول پیش کرے ایسا کرنے کے خیال سے اس کو لرز جانا چاہئے۔

﴿قَالَ لَا تَقُلْ دِينَكَ أَحَدًا مِنْ هَؤُلَاءِ مَا جَاءَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابِهِ

فَتُخَذِلُهُ ثُمَّ التَّابِعِينَ بَعْدَ الرَّجُلِ فِيهِ مُخْتَارٌ﴾ (اعلام الموقعين)

”امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اپنا دین ان میں سے کسی ایک کی تقلید (شخصی) کے مت پر نہ کرو۔ (سنو) جو

رسول اللہ ﷺ سے اور آپ کے صحابہؓ سے پہنچے اس پر عمل کرو۔ پھر تابعین رحمہم اللہ سے انسان مختار ہے۔“

مطلب یہ کہ حضور کی حدیث کے مطابق ﴿مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي﴾ کا راستہ اختیار کرو اور کسی کی تقلید مت کرو۔ بھائیو! اس رہے ہو ائمہ کرام کے ارشادات!

امام شافعی رحمہ اللہ کی تقلید سے ممانعت

﴿قَالَ الشَّافِعِيُّ إِذَا قُلْتُ قَوْلًا وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خِلَافَ قَوْلِي فَمَا

يُصَحُّ مِنْ حَدِيثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْلَى فَلَا تُقْبَلُونِي﴾ (عقد الجيد)

”امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: جب میں کوئی مسئلہ کہوں اور رسول اللہ ﷺ نے میرے قول کے خلاف کہا ہو

تو جو مسئلہ حدیث سے ثابت ہو وہی اولیٰ ہے پس میری تقلید مت کرو۔“

﴿إِنَّهُ كَانَ يَقُولُ إِذَا صَحَّ الْحَدِيثُ فَهُوَ مَذْهَبِي إِذَا رَأَيْتُمْ كَلَامِي يُخَالِفُ الْحَدِيثَ

فَاعْمَلُوا بِالْحَدِيثِ وَاصْرَبُوا بِكَلَامِي الْغَائِطُ﴾ (عقد الجيد)

”حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرمایا کرتے: جب صحیح حدیث مل جائے پس (جانو) کہ میرا مذہب وہی ہے

(اور) جب میرے کلام کو حدیث کے مخالف دیکھو تو (خبردار) حدیث پر عمل کرو اور میرے کلام کو دیوار پر

دے مارو۔“

﴿فَقَدْ صَحَّ عَنِ الشَّافِعِيِّ أَنَّهُ نَهَى عَنْ تَقْلِيدِهِ وَتَقْلِيدِ غَيْرِهِ﴾ (عقد الجيد)

”بیشک حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ انہوں نے اپنی تقلید اور غیر کی تقلید سے منع کیا

ہے۔“

﴿فَقَالَ الشَّافِعِيُّ مَثَلُ الَّذِي يَطْلُبُ الْعِلْمَ بِلا حُجَّةٍ كَمَثَلِ خَاطِبٍ لَيْلٍ يَحْمِلُ حُزْمَةً وَفِيهِ

أَفْعَى تَلَدُّعُهُ وَهُوَ لَا يَذَرِي﴾ (اعلام الموقعين)

”حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: اس شخص کی مثال جو علم (دین کے مسائل و احکام) کو بلا دلیل طلب کرتا ہے رات کے لکڑہارے کی طرح ہے جو ایندھن کا بوجھ اٹھائے جاتا ہے جس میں سانپ ہے کہ ڈسے گا اسے اور وہ نہیں جانتا۔“
پس!

امام شافعی رحمہ اللہ کے ارشادات سے بھی ثابت ہوا کہ براہ راست قرآن اور حدیث پر عمل کرو اور کسی کی تقلید شخصی نہ کرو۔ بلا دلیل اندھا دھند کسی کو نہ مانو۔

امام مالک رحمہ اللہ کی تقلید سے ممانعت

﴿مِمَّا مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَمَا خُوذَ مِنْ كَلَامِهِ وَ مَرْدُودٌ عَلَيْهِ إِلَّا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ﴾ (عقد الجدید)

”حضرت امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جہاں میں کوئی شخص ایسا نہیں کہ جس کی باتیں درست اور بعض غلط نہ ہوں۔ پھر اس کی درست باتیں لے لی جاتی ہیں اور غلط رد کر دی جاتی ہیں سوائے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے کہ حضور ﷺ کی تمام باتیں صحیح، سچی درست اور مان لینے ہی کے لائق ہیں۔ ایک بات بھی ساری زندگی کی چھوڑنے کے قابل نہیں۔“

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر غیر نبی کی بات دین میں دلیل اور حجت کے ساتھ ماننی چاہئے کیونکہ سوائے نبی ﷺ کے کوئی بھی معصوم عن الخطا نہیں ہے اس لئے حضور ﷺ کے سوا ہر کسی کے قول کو کتاب اور سنت کی دلیل کے ساتھ مانو! اندھا دھند تقلید نہیں کرنی چاہئے۔

﴿إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ أِخْطِئُ وَأُصِيبُ فَأَنْظِرُوا فِي رَأْيٍ فَكُلُّ مَا وَافَقَ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ فَخُذُوهُ وَكُلُّ مَا لَمْ يُوَافِقْ فَاتْرُكُوهُ﴾ (حقیقت الفقہ بحوالہ جلب المنفعت)

”امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں سوائے اس کے نہیں کہ میں ایک انسان ہوں، کبھی میری بات ٹھیک ہوتی ہے اور کبھی غلط تو تم میری اس بات کو جو قرآن اور حدیث کے مطابق ہو پس اسے لے لیا کرو اور جو اس کے خلاف ہو پس اسے چھوڑ دیا کرو۔“

یعنی میری جامد تقلید مت کرو کہ اندھا دھند بلا دلیل میری سب باتیں مانتے جاؤ بلکہ تحقیق کرو جو بات قرآن و حدیث کے مطابق ہو مانو، جو مطابق نہ ہو چھوڑ دو!

اللہ تعالیٰ ائمہ اربعہ پر اپنی لاکھوں رحمتیں نازل کرے کہ انہوں نے صاف طور پر اپنی تقلید شخصی سے منع کیا ہے۔ بار بار کہا ہے کہ ہماری جو بات حدیث سے ٹکرائے اسے چھوڑ دو دیوار پر مار دو۔ پھر تمام مقلد بھائیوں کی خدمت میں

گزارش ہے کہ وہ ائمہ اربعہ رحمہ اللہ کے ارشادات کے مطابق تقلید شخصی چھوڑ دیں یعنی مقلد نہ بنیں کیونکہ ہر امام نے اپنی تقلید سے منع کیا ہے اور فرمایا ہے کہ براہ راست قرآن اور حدیث پر عمل کرو۔

آئمہ امت اور علماء کی تقلید سے ممانعت

کتاب الرد علی من اخلد الی الارض میں علامہ جلال الدین السیوطی فرماتے ہیں:

﴿هَلْ أَبَاحَ مَالِكٌ وَابُو حَنِيفَةَ وَالشَّافِعِيُّ قَطُّ لِأَحَدٍ تَقْلِيدَهُمْ حَاشَا لِلَّهِ مِنْهُمْ بَلْ إِنَّهُمْ قَدْ نَهَوْا عَنْ ذَلِكَ وَلَمْ يُقَسِّحُوا لِأَحَدٍ فِيهِ﴾ (معیار الحق)

”ہرگز روا نہیں رکھا امام مالک رحمہ اللہ، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ نے کسی کے لئے اپنی تقلید کو بلکہ بلاشبہ انہوں نے اس سے منع کیا ہے اور کسی کو اس بات میں ڈھیل نہیں دی۔“

غور کریں کہ ائمہ مجتہدین نے (اللہ کی اُن پر رحمت ہو) اپنی اور ہر کسی کی تقلید سے منع کیا ہے۔ برادران احناف کو ائمہ کرام کے ارشاد پر عمل کرنا چاہئے۔

﴿وَقَدْ كَانَ الْأَئِمَّةُ الْمُجْتَهِدُونَ يَحْتَوْنَ أَصْحَابَهُمْ عَلَى الْعَمَلِ بِظَاهِرِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَيَقُولُونَ إِذَا رَأَيْنَا كَلَامَنَا يَخَالِفُ ظَاهِرَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ فَاعْمَلُوا بِالْكِتَابِ وَاضْرِبُوا بِكَلَامِنَا الْحَاظِطِ﴾ (حقیقت الفقہ بحوالہ میزان شعرانی)

”بے شک تمام ائمہ مجتہدین رحمہ اللہ اپنے شاگردوں کو بظاہر کتاب و سنت پر عمل کرنے کی ترغیب دیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جب تم ہمارے کلام کو بظاہر کتاب و سنت کے خلاف پاؤ تو کتاب و سنت پر عمل کرو اور ہمارے کلام کو دیوار پر پٹک دو۔“

حجۃ اللہ میں ہے: ﴿فَإِنَّ هَؤُلَاءِ الْفُقَهَاءَ كُلَّهُمْ قَدْ نَهَوْا عَنْ تَقْلِيدِهِمْ وَتَقْلِيدِ غَيْرِهِمْ﴾ (حقیقت

الفقہ)

”تحقیق تمام فقہاء نے اپنی تقلید اور غیر کی تقلید سے منع کیا ہے۔“

ابن عربی رحمہ اللہ فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں:

”وہ وصیت جو میں تجھے کرتا ہوں یہ ہے کہ اگر تو عالم ہے تو تجھ پر حرام ہے کہ تو برخلاف اس دلیل کے جو اللہ نے تجھے دی ہے عمل کرے (یعنی قرآن اور حدیث کے خلاف) اور حرام ہے تجھ پر تقلید غیر کی درحالیہ تجھے حصول دلیل پر قوت ہے اور اگر یہ درجہ نہ ہو (یعنی اگر تو بے علم اور جاہل ہے) تو مقلد ہو اور بیخ اس سے کہ ایک مذہب خاص کا التزام کرے (یعنی تقلید شخصی نہ کر) بلکہ (اب بھی) عمل کر جس طرح اللہ نے تجھے حکم دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر تو نہیں جانتا تو اہل ذکر سے پوچھ لے اور اہل ذکر قرآن اور حدیث کے

جاننے والے علماء ہیں پس تو اپنی ضرورت میں رفع حرج کی خواہش کر جب تک قوت ہے اور رخصت کو پوچھ جہاں تک تو پائے کیونکہ اللہ فرماتا ہے: دین میں تجھ پر تنگی نہیں کی گئی اور اگر تجھے مفتی کہے کہ یہ اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ کا حکم ہے تیرے فلاں مسئلہ میں تو تو اس پر عمل کر۔ اور اگر کہے کہ یہ میری رائے ہے تو اس کو مت لے اور دوسرے عالم سے (اللہ اور رسول ﷺ کا حکم) پوچھ لے۔“ (معیار الحق) قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ يَتَعَصَّبْ بِوَاحِدٍ مُّعَيَّنٍ غَيْرِ الرَّسُولِ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَرَى أَنَّ قَوْلَهُ هُوَ الصَّوَابُ الَّذِي يَجِبُ اتِّبَاعُهُ ذُوْنُ الْإِيْمَةِ الْآخَرِيْنَ فَهُوَ ضَالٌّ جَاهِلٌ﴾ (معیار الحق بحوالہ عمل بالحديث)

”جو کوئی ایک ہی مذہب پر اڑا رہے ہو سوائے رسول اللہ ﷺ کے اور یہ جانے کہ یہی مذہب صحیح اور واجب الاتباع ہے دوسرے ائمہ کا نہیں تو وہ گمراہ اور جاہل ہے۔“
تنویر العینین میں مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَلَيْتَ شِعْرِي كَيْفَ يَجُوزُ التَّزَامُ تَقْلِيدِ شَخْصٍ مُّعَيَّنٍ مَعَ تَمَكُّنِ الرَّجُوعِ إِلَى الرُّوَايَاتِ الْمَنْقُولَةِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّرِيحَةِ الدَّالَّةِ خِلَافَ قَوْلِ الْإِمَامِ الْمُقْلِدِ فَإِنَّ لَمْ يَتْرُكْ قَوْلَ إِمَامِهِ فِيهِ شَائِبَةٌ مِنَ الشَّرْكِ﴾ (معیار الحق)

”مجھے معلوم نہیں کیونکر روا ہو گیا التزام ایک معین شخص کی تقلید کا باوجود قدرت رجوع کے ان روایات کی طرف جو رسول اللہ ﷺ سے منقول ہیں جو صریح دلالت کرتی ہیں اوپر خلاف قول امام کے پھر اگر مقلد قول امام کو نہیں چھوڑتا تو اس میں آمیزش شرک کی ہے۔“

یہ ہے حرام تقلید جو حدیث کے مقابلہ میں اڑ کر کی جاتی ہے۔ اللہ ہر مسلمان کو اس سے بچائے۔
شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ تنویر العینین میں مزید ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَعَلِمَ مِنْ هَذَا أَنَّ اتِّبَاعَ شَخْصٍ مُّعَيَّنٍ بَحِثٍ يَتَمَسَّكُ بِقَوْلِهِ وَإِنْ ثَبَتَ عَلَى خِلَافِهِ دَلَالٌ مِنَ السُّنَّةِ وَ الْكِتَابِ وَيَأْوُلُ إِلَى قَوْلِهِ شَوْبٌ مِنَ النَّصْرَانِيَّةِ وَ حَظٌّ مِنَ الشَّرْكِ﴾ (معیار الحق)

”پس معلوم ہوا اس (حدیث عدی بن حاتم) سے کہ اتباع شخص معین کا اس طرح کہ تمسک کرے اس کے قول کے ساتھ اگرچہ ثابت ہوں خلاف اس کے دلیلیں کتاب وسنت سے اور تاویل کرے کتاب وسنت کو طرف ایکے قول کے تو شائبہ ہے نصرانیت کا اور حصہ ہے شرک کا۔“

گویا حضرت شاہ صاحب نے ایسی تقلید کو جو حدیث شریف کے مقابلہ میں کی جاتی ہے نصرانیت اور شرک کا

حصہ قرار دیا ہے۔

محی الدین ابن العربی فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں:

جب حدیث صحیح ہو جائے (یعنی مل جائے) اور کسی رفیق یا امام کا قول اس کے معارض پڑے تو حدیث سے بھرتا نہ چاہئے بلکہ وہ رفیق اور امام کے قول کو چھوڑ دے۔ پھر فرمایا: نہیں جائز ہے چھوڑنا آیت یا حدیث کا کسی رفیق یا امام کے قول کے مقابلے میں اور جس کسی نے ایسا کیا ﴿فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا وَخَرَجَ عَنْ دِينِ اللَّهِ﴾ ”پس وہ بڑا گمراہ ہوا۔ اور اللہ کے دین سے نکل گیا۔“..... (معیار الحق)

معلوم ہوا کہ جو متعصب، ضدی اور جامد مقلد حدیث کے مقابلہ میں قول امام کو نہیں چھوڑتا۔ وہ حضرت ابن عربی کے فتویٰ کی رو سے بڑا گمراہ ہے اور دین سے نکل گیا ہے۔

حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ شرح عین العلم میں فرماتے ہیں:

”یہ بات معلوم ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے کسی کو حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی ہونے کی تکلیف نہیں دی بلکہ یہ تکلیف دی ہے کہ حدیث پر عمل کریں اور اگر بے علم ہیں تو علماء کی پیروی کریں۔“..... (معیار الحق)

ملاجیون رحمہ اللہ تفسیر احمدی میں فرماتے ہیں:

﴿يَجُوزُ لَهُ أَنْ يَعْمَلَ بِمَذْهَبٍ ثُمَّ يَنْتَقِلَ إِلَى آخَرَ كَمَا نُقِلَ عَنْ كَثِيرٍ مِنَ الْأَوْلِيَاءِ وَيَجُوزُ لَهُ أَنْ يَعْمَلَ فِي مَسْئَلَةٍ عَلَى مَذْهَبٍ وَ أُخْرَى عَلَى آخَرَ كَمَا هُوَ مَذْهَبُ الصُّوْفِيَّةِ﴾..... (حقیقت الفقہ)

”جائز ہے مقلد کو یہ عمل کرے ایک مذہب پر پھر دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہو جائے جیسا کہ بہت سے اولیاء اللہ سے منقول ہوا ہے۔ اور جائز ہے ایک مسئلہ میں دوسرے مذہب پر عمل کرے جیسا کہ صوفیاء کا مذہب ہے۔“

یعنی اگر حنفی، شافعی مذہب کے مطابق آئین بالجہر، رفع الیدین اور فاتحہ خلف الامام پر عمل کرے تو جائز ہے اس سے حقیقت پر کوئی آغاج نہیں آتی۔ نیز حضرت ملا جیون رحمہ اللہ کے ارشاد سے یہ بھی ثابت ہوا کہ التزام معین مذہب کا ضروری نہیں۔ جیسا کہ میزان کبریٰ میں امام شعرانی فرماتے ہیں:

﴿كَانَ الْإِمَامُ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ يَقُولُ وَلَمْ يَنْلُغْنَا عَنْ أَحَدٍ مِنَ الْأَئِمَّةِ أَنَّهُ أَمَرَ أَصْحَابَهُ بِالْإِتِمَامِ مَذْهَبٍ مُعَيَّنٍ﴾

”امام ابن عبد البر کہتے ہیں کہ ہم کو کسی امام سے یہ روایت نہیں پہنچی کہ انہوں نے اپنے رفیقوں کو مذہب معین کے التزام کا حکم دیا ہو۔“..... (معیار الحق)

اعلام الموقعین میں ہے:

﴿إِذَا لَا وَاجِبَ إِلَّا مَا أَوْجَبَهُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَمْ يُوجِبِ اللَّهُ وَرَسُولُهُ عَلَى أَحَدٍ مِّنَ النَّاسِ أَنْ يَتَمَذَّهَبَ بِمَذْهَبٍ رَّجُلٍ مِّنَ الْأَئِمَّةِ فَيَقْلُدَهُ دِينَهُ ذُوْنَ غَيْرِهِ﴾ (حقیقت الفقہ)
 ”واجب نہیں ہے مگر وہی جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے واجب کیا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے کسی آدمی پر واجب نہیں کیا کہ کسی امام معین کا مذہب اختیار کرے اور اس کو اپنے دین کا کام سپرد کرے
 نہ دوسرے کسی کو۔“

تنویر العینین میں شاہ شہید فرماتے ہیں:

﴿وَقَدْ غَلَا النَّاسُ فِي التَّقْلِيدِ وَتَعَصَّبُوا فِي التَّزَامِ تَقْلِيدِ شَخْصٍ مُّعَيَّنٍ حَتَّى مَنَعُوا
 الْإِجْتِهَادَ فِي مُسْتَلَبَةٍ وَمَنَعُوا تَقْلِيدَ غَيْرِ إِمَامِهِ فِي بَعْضِ الْمَسَائِلِ وَهَذَا هِيَ الدَّاءُ الْقَضَالُ
 الَّتِي أَهْلَكَتِ الشَّيْعَةَ فَهَؤُلَاءِ أَيْضًا أَشْرَفُوا عَلَى هَلَاكِ﴾ (حقیقتہ الفقہ)
 ”اور بہت زیادتی کی ہے لوگوں نے تقلید کے بارے میں اور ایک معین شخص کی تقلید کو اپنے اوپر لازم
 کر لینے میں تعصب کیا ہے یہاں تک کہ ایک مسئلہ میں بھی اجتہاد کرنے کو موقوف کر دیا ہے اور منع کر دیا
 ہے تقلید کو سوائے اپنے امام کے بعض مسائل میں بھی اور یہ وہ سخت مرض ہے جس نے شیعہ کو ہلاک کر
 ڈالا۔ پس یہ لوگ بھی قریب پہنچے ہیں ہلاک ہونے کو۔“

یعنی متعصب مقلد کہتا ہے کہ جو کچھ میرے امام نے کہا ہے میں وہی مانوں گا۔ میں دوسرے امام کے مسئلہ پر
 عمل نہیں کروں گا۔ مثلاً حنفی امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتا اس کو کہئے: بھائی! تین امام کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے
 سورۃ فاتحہ پڑھو لہذا تم تین مجتہدوں کے کہنے پر خلف الامام فاتحہ پڑھ لو وہ ہرگز نہیں پڑھے گا۔ گویا اس نے تین اماموں
 کو نہ مانا لیکن اہل حدیث چاروں اماموں کو مانتے اور ان کا حد درجہ ادب اور احترام کرتے ہیں بلکہ اُمت کے تمام ائمہ
 فقہاء مجتہدین اور اولیاء اللہ کو مانتے ہیں۔ اس طرح کہ جو باتیں ان کی کتاب و سنت کے مطابق ہوتی ہیں وہ سر
 آنکھوں پر رکھتے ہیں اور جو مطابق نہیں ان کو چھوڑ دیتے ہیں۔ پس اس طرح تمام مسلمانوں کو چاہئے: کہ وہ کسی ایک
 معین مذہب کی تقلید نہ کریں بلکہ قرآن و حدیث کی روشنی میں دین پر چلیں اور حکم بھی یہی ہے کہ آیت اور حدیث کے
 ہوتے ہوئے اس امر میں کسی کے قول قیاس رائے اور اجتہاد کی طرف رجوع نہ کرو۔

امام فخر الدین رازی اپنی تفسیر کبیر میں اس آیت کے تحت فرماتے ہیں! آیت یہ ہے:

﴿اتَّخِذُوا أَحْبَابَهُمْ وَرُحَبَاءَهُمْ أَزْوَاجًا مِّنْ ذُوْنَ اللَّهِ﴾ (پ: ۱۰: ع ۱۱)

”مٹھرایا انہوں (یہود و نصاریٰ) نے اپنے عالموں اور درویشوں کو رب اللہ کے سوا۔“

نوٹ:

اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ ارباب سے یہ مراد نہیں کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے مولویوں اور درویشوں کو جہان کے اللہ ہونے کا اعتقاد کر لیا تھا بلکہ مراد یہ ہے کہ انہوں نے اطاعت کی تھی اپنے مولویوں اور درویشوں کی ان کے اوامر و نواہی میں نقل کی گئی ہے کہ عدی بن حاتم نصرانی تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا حضور ﷺ اس وقت سورۃ برأت پڑھ رہے تھے^(۱) جب آپ آیت

﴿اتَّخَذُوا أَعْبَادَهُمْ وَرُحْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ﴾ پر پہنچے تو عدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: کہ میں نے آپ ﷺ سے کہا: ہم ان کی پرستش نہیں کرتے تھے۔ پس فرمایا حضور ﷺ نے! کیا نہیں حرام کرتے تھے وہ (عالم اور درویش) اس چیز کو کہ حلال کیا ہے اس کو اللہ نے۔ پس حرام جانتے تھے تم اس کو؟ اور حلال کرتے تھے وہ اس چیز کو کہ حرام کیا ہے اس کو اللہ نے۔ پس حلال جانتے تھے تم اس کو؟ میں نے کہا: ہاں! پھر فرمایا رسول اللہ ﷺ نے یہی ہے پرستش ان کی۔

یعنی رجال کے قیاسات اور آراء کو دین سمجھنا بلا دلیل انہیں حلال حرام ماننا منع ثابت ہو گیا۔ بھائیو! دنیا میں صرف ایک ہی پھیرا ہے۔ دوسری بار نہیں آتا۔ اس لئے اللہ رسول ﷺ کے فرمودہ پر عمل کرو اللہ اجر دے گا اور یہی عمل حشر میں کام آئے گا۔ غیر نبی کی بات پر عمل کرنے سے کون اجر دے گا؟ اللہ نے اجر کا وعدہ صرف ﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ پر ہی کیا ہے۔

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر فتح العزیز میں اس آیت کے تحت فرماتے ہیں۔

﴿فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾

”نہ ٹھہراؤ واسطے اللہ کے شریک اور تم جانتے ہو۔“

یہ معلوم ہونا چاہئے کہ عبادت اللہ کے سوا کسی اور کی قطعی کفر اور شرک ہے اور اطاعت کسی اور کی بالاستقلال سوا باری تعالیٰ کے کفر ہے اور معنی اطاعت غیر بالاستقلال کے یہ ہے کہ کسی کے احکام کی حقیقت معلوم کئے بغیر اس کی تقلید کا حلقہ اپنی گردن میں ڈالے اور اس کی تقلید لازم جانے اور باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم اس کے حکم کے خلاف ظاہر ہو اسکی اتباع نہ چھوڑے اور یہ بھی ایک قسم کا شرک قبول کرنا ہے۔ جس کی آیت کریمہ ﴿اتَّخَذُوا أَعْبَادَهُمْ وَرُحْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ﴾ میں برائی ظاہر فرمائی گئی ہے۔..... (ہیئت الفقہ)

تفسیر عزیزی میں تحت آیت:

﴿وَلَمَّا أَتَبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّكَ إِذَا لَمِنَ الظَّالِمِينَ﴾

(۱) حسن ہے تخریج نمبر ۵۰ میں گزر چکی ہے۔

”اور اگر تابعداری کی تو نے ان کی خواہشوں کی علم پہنچنے کے بعد تحقیق تو اس وقت البتہ ظالموں سے ہوگا۔“

لکھا ہے: ”ازیں آیت معلوم شد کہ بعد از وضوح دلائل و سطوح براہین تقلید باطل است زیرا کہ اتباع ہوئی بعد مجی العلم است۔“

یعنی اس آیت سے معلوم ہو گیا کہ دلائل کے ظاہر ہونے اور ثبوت کے کھل جانے کے بعد تقلید باطل ہے۔ اس واسطے کہ یہ خواہش کا اتباع علم حاصل ہو جانے کے بعد ہے۔

تفسیر عزیزی میں تحت آیت ﴿وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَتُنُونُ﴾ (اور وہ فقط خیالی تھے چلاتے ہیں) لکھا ہے۔ ”بر ہر حال فرض است کہ موافق علم خود عمل نمایند و از دروغ گفتن و تحریف کتاب کردن احتراز کنند و بر عامی فرض است کہ بہ تقلید و ظن اکتفا کنند بلکہ تحصیل یقین را قصد نمایند۔“

یعنی ہر عالم پر فرض ہے کہ اپنے علم کے موافق عمل کرے اور غلط بیانی اور تحریف کتاب اللہ سے باز رہے اور عامی (یعنی علم) پر فرض ہے کہ صرف تقلید اور خیال ہی پر اکتفا نہ کرے بلکہ یقین حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی اپنی تفسیر مظہری میں آیت ﴿وَلَا يَتَّخِذْ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ (اور نہ پکڑے بعض ہمارا بعض کو رب اللہ کے سوا) تحریر فرماتے ہیں یہیں سے کھل گیا کہ جس وقت کسی کے نزدیک حدیث مرفوع رسول اللہ ﷺ کی صحیح ہو جائے اور معارضہ سے سالم ہو جائے اور نہ ظاہر ہو واسطے اس کے نسخ، اور مثلاً امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا فتویٰ اس کے خلاف ہو تو موافق حدیث کے ائمہ اربعہ میں سے کوئی امام گیا ہو تو واجب ہے کہ اس حدیث کی پیروی کرے اور اس سے اس کے مذہب پر جہنا مانع نہ پڑے، نہیں تو بعض کو بعض کا پروردگار پکڑنا لازم آ جائے گا۔“

اللہ قاضی ثناء اللہ پر رحمت کرے کہ انہوں نے جامد تقلید کا استیصال کر دیا ہے۔ اب ان کے فرمان کے مطابق عمل اس طرح ہوگا کہ امام کے پیچھے الحمد پڑھنے کی حدیثیں ثابت ہو چکی ہیں اور وہ معارضہ سے سالم ہیں اور منسوخ بھی نہیں ہیں اور امام ابو حنیفہ کا فتویٰ ان کے خلاف ہے اور ایک نہیں بلکہ تین امام ان حدیثوں کی طرف گئے ہیں کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے الحمد پڑھو! پس اب احناف کو اپنے مذہب پر جماؤ نہیں چاہئے وہ ضرور فاتحہ خلف الامام پڑھ لیں! ایسے ہی اور بہت سے مسائل ہیں جن پر عمل کر لینا چاہئے۔ اگر علماء کرام اسی طرح تعصب اور جمود اور جماؤ کو مٹا دیں تو مسلمان آج ایک ہو سکتے ہیں۔

القول المفید میں امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ہر عالم جانتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین رضی اللہ عنہم اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم کسی کے مقلد نہ تھے اور نہ کسی عالم کے نام کے مذہب کی طرف منسوب تھے بلکہ ناواقف لوگ عالم سے حکم شرعی جو کتاب اللہ اور سنت رسول

اللہ ﷻ سے ثابت ہو دریافت کیا کرتے تھے اور علماء علم شرعی کو لفظاً یا معنی روایت کر کے فتوے دیتے تھے۔ لہذا ان کا عمل روایت پر ہوتا تھا نہ کسی کی رائے پر۔..... (ہقیقۃ الفقہ)
میزان شعرانی میں ہے:

﴿وَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَقُولُ وَالَّذِي نَفْسُ عُمَرَ بِيَدِهِ مَا قَبِضَ اللَّهُ تَعَالَى رُوحَ نَبِيٍّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا رَفَعَ الْوُحْيَ عَنْهُ حَتَّى آغْنَى أُمَّتَهُ كُلَّهُمْ عَنِ الرَّأْيِ﴾
”حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے ہاتھ میں عمر رضی اللہ عنہ کی جان ہے، نہیں قبض کی اللہ نے اپنے نبی کی روح، اور نہ اٹھایا ان سے وحی کو یہاں تک کہ بے پروا کر دیا، ان کی تمام امت کو رائے سے۔“

رسول رحمت ﷺ کی وفات اور اس پر وحی کا منقطع ہونا ثبوت ہے اس بات کا کہ دین مکمل ہو گیا اور امت قال فلاں سے بے نیاز ہو گئی۔ مسلمان بھائیو! مضبوط پکڑ کتاب و سنت کو اور عمل کرو اسی پر کہ دین صرف یہی ہے! داری میں ہے:

﴿ثَنَا مَالِكٌ هُوَ ابْنُ مِغْوَلٍ قَالَ قَالَ لِي الشَّعْبِيُّ مَا حَدَّثَ ثُوَّكَ هَؤُلَاءِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَذُّ بِهِ وَمَا قَالُوا بِرَأْيِهِمْ فَالْقَهْ فِي الْحَشِّ﴾..... (حقیقت الفقہ)
حجۃ اللہ

”ہمیں حدیث بیان کی مالک نے جو ابن مغول ہیں کہتے ہیں کہ مجھ سے امام شعبی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ لوگ (مفتی) جو بات تم کو نبی ﷺ سے نقل کر کے سنائیں اس کو اختیار کرو اور جو بات اپنی رائے سے کہیں اس کو کوڑے میں ڈال دو۔“

اللہ اکبر! امام شعبی رضی اللہ عنہ کو کتنی محبت ہے حدیث سے کہ اس کے خلاف قول کو کوڑے میں پھینکنے کا مشورہ دیتے ہیں گویا کورانہ اور جامد تقلید کو مٹاتے ہیں، بے شک حضور سید الکونین والشفیقین رضی اللہ عنہ کی اطاعت اور محبت کا یہی تقاضا ہے کہ مسلمان حدیث سے نکرانے والے اقوال کو ٹھکرا دے۔

حجۃ اللہ البالغہ میں ہے کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: وہ فرمایا کرتے کیا تم کو خوف نہیں کہ اللہ تم کو عذاب کرے یا زمین میں دھنسا دے۔ تم کہتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا فرمایا تھا، اور فلاں شخص نے ایسا کہا ہے۔ (ہقیقۃ الفقہ)

یعنی وہ پاک لوگ حدیث کے مقابلہ میں کوئی بات سننا گوارا نہ کرتے تھے اور حدیث کے مقابلہ میں اقوال کو اللہ کے عذاب کا باعث جانتے تھے۔ آج بھی مسلمان بھائیوں کو رحمت عالم ﷺ کی حدیث ہوتے ہوئے قال فلاں کو برداشت نہیں کرنا چاہئے۔

پس یاد رکھیں کہ تقلید کا حکم نہ اللہ نے دیا نہ رسول اللہ ﷺ نے دیا نہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں کوئی تقلید کو جانتا تھا نہ تابعین اور تبع تابعین کے زمانوں میں تقلید کا نام و نشان تھا اور نہ ہی ائمہ اربعہ نے اپنی تقلید کا ارشاد فرمایا بلکہ بار بار تقلید کرنے سے منع کیا جیسا کہ آپ پیچھے پڑھ آئے ہیں۔ مسلمان بھائیوں کو چاہئے کہ وہ بھی تقلید جاد سے اجتناب کر کے براہ راست سنت اور حدیث کے عامل بنیں۔ سنت پاک پر اپنے عقائد و اعمال کی بنیاد رکھیں کہ یہی حکم ہے اللہ کا اور رسول اللہ ﷺ کا اور ایسا ہی کہا ہے ائمہ اربعہ نے کہ حدیث پر عمل کرو۔ اللہ ان سب پر رحمتیں نازل کرے۔

بیت اللہ میں چار مصلے

چوتھی صدی میں تقلید نگلی پھر تقلیدی مذاہب پیدا ہوئے۔ پھر ان کی آپس میں سر پھٹول شروع ہوئی۔ احناف اور شوافع کا اختلاف اس قدر بڑھ گیا کہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہ پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ ۶۶۵ھ میں مصر اور قاہرہ میں چاروں مذاہبوں کے چار قاضی مقرر کئے گئے۔ شافعی، مالکی، حنبلی، حنفی۔ اس کے بعد سلطان فرج بن برقوق نے جو اشرطوک چرا کہہ کہا جاتا ہے نویں صدی کے شروع میں بیت اللہ کے اندر چار مصلے بنا ڈالے۔ حالت یہ ہو گئی کہ ایک امام جماعت کر رہا ہے تو تین مصلوں پر نمازی بیٹھے ہوئے ہیں ایک دوسرے کے پیچھے نہیں پڑھتے۔ آہ! ﴿وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ﴾ کے حکم کو پس پشت ڈال دیا اور ﴿وَاتَّخَذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ کے اتحاد کو تقلیدی مذاہب نے پارہ پارہ کر دیا۔ سلطان ابن سعود کی قبر کو اللہ نور سے بھرے۔ کہ جب اللہ نے اسے والئی حجاز بنایا تو اس نے ۱۳۴۳ھ میں بیت اللہ سے اس بدعت کو مٹا دیا اور اب ایک ہی مصلے پر نماز ہوتی ہے۔

رواجی اہل سنت والجماعت

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں:

﴿فَالسُّنَّةُ مَاسَنَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْجَمَاعَةُ مَا اتَّفَقَ عَلَيْهِ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ﴾

”رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کو سنت کہتے ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے متفق ہونے کو جماعت کہتے ہیں۔“

پس اہل سنت والجماعت وہ ہوئے جو حضور ﷺ کے طریقہ یعنی سنت پر عمل کرتے ہیں جس طرح صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا تھا۔ یہ بڑا مبارک لقب ہے۔ کاش مسلمان سچ مچ اہل سنت والجماعت ہو جائیں تو سارے جھگڑے مٹ جائیں اور سب شیر و شکر ہو جائیں۔ لیکن افسوس! کہ آج کل جو عام لوگ اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت کہتے ہیں ان کا یہ حال ہے کہ سنت سے نفرت کرتے اور حدیث سے چڑتے ہیں بلکہ سنت اور حدیث پر عمل کرنے والوں کو دیکھ کر غصہ میں بھر جاتے ہیں۔ شرکیہ عقیدوں، عملوں، رسموں، رواجوں کو اپناتے ہیں اور پھر اہل سنت والجماعت

کہلاتے ہیں۔ ان کا حال یہ ہے:

جو بیاہ شادی میں باجا گا جا ڈھولک وغیرہ بجائیں وہ اہل سنت! جو گھڑولی بھریں اکھارے چڑھائیں گانا سہرا باندھیں اور ہندوؤں اندر رکھیں بجالائیں وہ اہل سنت!

جو اغیار کی رسموں کی مانند تیسرا دسواں چالیسواں برسی وغیرہ کریں وہ اہل سنت! (۱)

جو قوالی بجا کر انہیں۔۔۔ وہ اہل سنت!

جو غیر اللہ کے نام کی قسمیں کھائیں۔۔۔ وہ اہل سنت! (۲)

جو پختہ قبریں بنائیں۔۔۔ وہ اہل سنت! (۳)

جو قبروں پر چراغ جلا لیں۔۔۔ وہ اہل سنت! (۴)

جو مصائب و حوائج میں غیر اللہ کو پکاریں وہ اہل سنت! (۵)

(۱) ہندو میت کا چوتھا کرتے ہیں۔ کرایہ یعنی تیرہواں کرتے ہیں بری کرتے ہیں۔ ان رسوں پر وہ اچھے اچھے کھانے کپڑے برتن وغیرہ

رکھتے ہیں اور پنڈت ان پر اشوک پڑھ کر گھر لے جاتا ہے۔ مسلمان بھی چونکہ ہندوؤں سے مسلمان ہوئے ہیں اس لئے ان کی دیکھا

دیکھی انہوں نے بھی اپنے ہاں تیرا دسواں چالیسواں برسی وغیرہ جاری کر رکھی ہیں۔ حالانکہ یہ کام نہ سنت سے ثابت ہیں نہ صحابہ رضی اللہ عنہم

نہ تابعین رضی اللہ عنہم نہ تبع تابعین رضی اللہ عنہم کے تعامل میں پائے جاتے ہیں۔ یہ کام نہ حضور انور ﷺ نے ان کی ازواج پاک نہ بیٹیوں نہ بیٹوں نہ

سوالا صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کی بیٹیوں کی میت پر کئے گئے ہیں اور نہ ہی ان کے کرنے کو حضور ﷺ نے فرمایا ہے۔ قرآن اور حدیث کے

علاوہ فقہ کی کتابوں میں بھی ان رسوں کا نام و نشان نہیں ملتا۔ بلکہ فقہائے کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں بدعت لکھا ہے۔ دیکھو تھمیس السنن قادی

بزاز فی شرح المنہاج وغیرہ۔ ہاں ایصال ثواب کی نیت سے بلا قید زمان و مکان اللہ کے نام پر صدقات و خیرات کر سکتے ہیں ثواب پہنچتا

ہے۔ لیکن صدقات و خیرات کو بدعت کا جامہ پہنانے سے ثواب کا لہم ہو جاتا ہے۔ ﴿كُلُّ بَذْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ﴾

(۲) حضور ﷺ فرماتے ہیں: ﴿مَنْ خَلَفَ بِغَيْرِ اللَّهِ فَقَدْ أَشْرَكَ﴾ (ترمذی شریف) (ترمذی کتاب النذور والایمان (۱۸)

باب ماجاء فی ان من خلف بغیر اللہ فقد اشرك (۹) الحدیث ۱۵۳۵ او مسند احمد ۸۷/۲ و ۳۳ و ۶۷ و ۶۹ و ۸۶ و ۱۲۵ او

مسندک ۱۸/۱ و ۵۲ و ۳/۲۹۷ او بیہقی ۲۹/۱۰ او مسند طیب السی رقم الحدیث ۱۸۹۶ او ابن حبان (موارد) رقم الحدیث

۱۷۷۷ او ابو داؤد کتاب الایمان والنذور (۲۱) باب کراهیة الحلف بالآباء (۳) الحدیث (۳۲۵۱) عن ابن عمر رضی اللہ عنہما

ترمذی نے حسن حاکم و ذہبی ابن حبان اور البانی نے صحیح کہا ہے۔ صحیح سنن ترمذی (۱۴۳۱) ”جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی پس تحقیق

اس نے شرک کیا۔“

(۳) ﴿فَنَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُحْضَضَ الْقَبْرُ وَأَنْ يُسْنَى عَلَيْهِ﴾ (صحیح مسلم) ”حضور ﷺ نے قبروں کو پختہ

بنانے اور ان پر عمارات (قبر گنبد وغیرہ) بنانے سے منع کیا۔“ (مسلم کتاب الحنائن (۱۱) باب النهی عن تحصيص القبر والبناء

عليه (۳۲) الحدیث (۲۲۳۵) عن جابر رضی اللہ عنہ۔

(۴) ﴿لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالشُّرْجَ﴾ (مشکوٰۃ) ”حضور انور ﷺ نے قبروں پر چراغ جلانے والوں پر لعنت

فرمائی۔“ (ضعیف ہے تفصیل حاشیہ نمبر ۲۵ میں گزر چکی ہے۔)

(۵) ﴿فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا﴾ (پ ۲۹: ۱۱)۔۔۔ ”پس مت پکارو مصائب و حوائج میں مافوق الاسباب طور پر) ساتھ اللہ کے کسی کو۔“

جو غیر اللہ کی گیارہویں نذر نیازدیں..... وہ اہل سنت! (۱)

جو قبروں پر سجدے (۲) کریں..... وہ اہل سنت! جو قبروں پر میلے لگائیں۔

عرس (۳) رچائیں..... وہ اہل سنت! جو پیری مریدی کو پیشہ بنا کر مریدوں کے مال پر گذران کریں.....

وہ اہل سنت! جو قبروں کی مجاوری (۴) کریں اور چڑھاوے کھائیں..... وہ اہل سنت! جو جمعہ کے بعد

(۱) گیارہویں نذر غیر اللہ کی صورت میں اور ایسے ہی ہر نذر نیاز غیر اللہ کی حرام ہے کیونکہ نذر نیاز وغیرہ یہ کام مالی عبادت کے ہیں اور عبادت غیر اللہ کی حرام ہے۔ یہ توئی خفی مذہب کا ہے۔ خفی بھائیوں کو توجہ کرنی چاہئے ﴿لَا جَمَاعَ عَلٰی خَوْمَةِ النَّذْرِ لِلْمَخْلُوقِ﴾ تمام امت کا اجماع ہے کہ اللہ کے سوا مخلوق میں سے کسی کی نذر ماننی حرام ہے۔ ﴿وَالنَّذْرُ لِغَيْرِ اللَّهِ حَرَامٌ وَيَحْرُمُ الْمُنْذَرُ لِغَيْرِ اللَّهِ﴾ (فتاویٰ عبدالحی کسٹوی) ”اللہ کے سوا دوسروں کی نذر نیاز ماننی حرام ہے اور جو چیز غیر اللہ کے نام نذر کی جائے وہ بھی حرام ہو جاتی ہے۔“ رد المحتار میں ہے:

﴿وَأَعْلَمُ أَنَّ النَّذْرَ الَّذِي يَقَعُ لِلْغُلُوبَاتِ مِنْ أَكْثَرِ الْعَوَامِ وَمَا يُؤْخَذُ مِنَ الذَّرْهِمِ وَالشَّمْعِ وَالزَّيْتِ وَنَحْوِهَا إِلَى ضَرَائِعِ الْأَوْلِيَاءِ الْكِرَامِ تَقَرُّبًا إِلَيْهِمْ فَهُوَ بِالْإِجْمَاعِ بَاطِلٌ وَحَرَامٌ﴾..... (رد المحتار) ”خبردار! بہت سے لوگ جو مردوں کی نذر نیاز دیتے ہیں اور اولیاء کرام کا قرب (اور خوشی چاہنے کے لئے ان کے حزاروں پر روپیہ پیسہ اور تیل چڑھاتے ہیں خفی مذہب کے تمام علماء کے نزدیک (اجماعاً) ایسی نذر نیاز باطل اور حرام ہے۔“ خفی بھائیو! یہ ہے خفی مذہب! خدا را اس پر عمل کرو۔ اللہ رحمتیں کرے ایسے فقہاء پر جنہوں نے کلمہ حق لوگوں کو سنایا۔

(۲) قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نے حضور سے سجدہ (تعطیسی) کی اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا ﴿لَا تَفْعَلُوا لَوْ كُنْتُ أَمْرُ أَخَذْتُ أَنْ يَسْجُدَ لِأَخِيذٍ لَأَمَرْتُ النِّسَاءَ أَنْ يَسْجُدْنَ لِأَزْوَاجِهِنَّ﴾ (مشکوٰۃ) (ابوداؤد کتاب النکاح - (۱۲) باب فی حق الزوج علی المرأة (۳۹/۳۰) الحدیث (۲۱۴۰) و مستدرک ۲/۸۷ او بیہقی ۷/۲۹۱ عن قیس بن سعد رضی اللہ عنہ حاکم و دہمی نے صحیح کہا ہے یہ حدیث ایک جماعت صحابہ سے ثابت ہے جامع ارواء الغلیل (۱۹۹۸) خبردار! نہ کرو (مجھے سجدہ) اگر میں کسی کو کسی کے لئے سجدہ کا حکم دیتا تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو (تعطیسی) سجدہ کریں۔“ ثابت ہوا کہ اللہ کے سوا کسی کے لئے بھی سجدہ جائز نہیں۔ حرام اور شرک ہے۔ غیر اللہ کے لئے سجدہ کرنا۔

(۳) حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ ﴿لَا تَفْعَلُوا قَبْرِیْ عِیْذًا﴾ (نسائی شریف) ”نہ بناؤ میری قبر کو عید گاہ (میلہ گاہ) یعنی میری قبر پر سالانہ میلہ نہ لگانا۔ عرس نہ کرنا۔۔۔ اہل سنت کہلانے والے بھائیوں! حضور ﷺ کے حکم کے خلاف عرس کر کے آپ کیونکر اہل سنت ہوئے؟ رحمت عالم ﷺ کے حزار پاک پر آج تک ایک عرس بھی نہیں ہوا سوچو! اور اپنی اصلاح کرو۔ (مسند احمد ۲/۳۶۷ و ابوداؤد کتاب المناسک (۵) باب زیارة القبور (۱۰۰) الحدیث ۲۰۴۲۔ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ البانی نے حسن کہا ہے تحقیق مشکوٰۃ ۲۹۲/۱ واضح رہے کہ مؤلف مرحوم نے غالباً مشکوٰۃ ۹۲۶۔ پر اعتماد کرتے ہوئے اسے نسائی کی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ سنن نسائی (مجتبیٰ) میں یہ روایت قطعاً نہیں۔

(۴) حدیث اور فقہ سے کہیں ثابت نہیں کہ قبروں پر مجاوری بن کر بیٹھو اور قبروں کے چڑھاوے کھاؤ۔ بلکہ مشکوٰۃ میں حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ ﴿أَنْ يَفْعَدَ عَلَيْهِ﴾ کہ قبر پر بیٹھا جائے۔ یعنی کسی صورت بھی قبر پر نہ بیٹھو۔ اس پر مجاوری بن کر بیٹھنا بھی منع ہو گیا۔ (مسلم کتاب الحناظر (۱۱) باب النهی عن تحصیص القبر والبناء علیہ (۳۲) الحدیث ۲۲۳۵) عن جابر رضی اللہ عنہ۔

احتیاطی^(۱) پڑھیں۔ وہ اہلسنت!

جو آمین بالجبر^(۲) رفع الیدین^(۳) انگشت شہادت اٹھانے کی سنتوں سے منع کریں^(۴) وہ اہل سنت! جو ایک امام کی تقلید شخصی کر کے بلا دلیل اس کے اقوال

(۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ جمعہ کے بعد گھر جا کر دو سنتیں پڑھتے تھے۔ (بخاری، مسلم) جو لوگ جمعہ کے بعد احتیاطی پڑھنے ہیں وہ کس طرح اہل سنت ہوئے۔ (صادق) (بخاری کتاب الجمعة (۱۱) باب الصلوة بعد الجمعة و قبلها (۳۹) الحدیث ۹۳۷ و مسلم کتاب الجمعة (۷) باب الصلوة بعد الجمعة (۱۸) الحدیث ۲۰۳۹ و ۲۰۴۰ عن ابن عمر رضی اللہ عنہما۔

(۲) وائل بن حجر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے سنا رسول اللہ ﷺ نے پڑھا۔ ﴿وَالْحُجُورُ الْمَغْضُوبُ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ پھر کہا: ﴿آمِينَ مَبْدُئُهَا صَوْتُهُ﴾ راز کی اس کے ساتھ آواز اپنی (ترمذی، دارمی، ابن ماجہ) اس حدیث سے امام کے پیچھے جبری نمازوں میں آمین آواز سے کہنا ثابت ہوا۔ حضور ﷺ کی سنت ثابت ہوئی۔ کیا اس سنت سے منع کرنے والے اہل سنت ہیں؟ اللہ اکبر! یہ وہ پاک سنت ہے کہ اس کے تائید میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمایا ہے۔ ﴿وَالْحُجُورُ بِأَمِينٍ﴾ (غنیۃ الطالبین) اونچی قرأت والی نمازوں میں اونچی آواز سے آمین کہو۔ (مسند احمد ۳/۳۱۶ و ابوداؤد کتاب الصلوة (۲) باب التامین و راء الامام (۱۶۸/۱۶۷) الحدیث ۹۳۲) و ترمذی کتاب الصلوة (۲) باب ماجاء فی التامین (۷۰) الحدیث ۲۴۸ و دارمی ۳۱۵ کتاب الصلوة باب النحر بالتامین (۳۹) الحدیث ۲۴۷ و دارقطنی ۳۳۳/۳۳۴ کتاب الصلوة باب التامین فی الصلوة بعد فاتحہ الکتاب والنحر بها الحدیث (۱) و بیہقی ۲/۵۷ (ترمذی نے حسن و دارقطنی اور ابن حجر نے صحیح کہا ہے۔)

(۳) ابو حیدر ساعدی رضی اللہ عنہ نے دس صحابہ رضی اللہ عنہم کے روبرو حضور ﷺ کی نماز بیان کی۔ اس میں کہا:..... کہ حضور ﷺ نے رکوع کے وقت رفع یدین کیا۔ رکوع سے سر اٹھا کر رفع الیدین کیا۔ وورکت پڑھ کر اٹھ کر رفع الیدین کیا۔ دس صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: ﴿صَدَقْتَ هَكَذَا كَانَ يُصَلِّي﴾ تو نے سچ کہا حضور ﷺ اسی طرح ہی نماز پڑھا کرتے تھے۔ “(مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد و دارمی و ترمذی ابن ماجہ) ثابت ہوا رفع الیدین حضور ﷺ کی سنت ہے۔ افسوس اس سنت پاک سے روکنے کو کئے والے اہل سنت کہلاتے ہیں۔ آہ مسلم از سر نبی ﷺ بیگانہ شد۔ (مسند احمد ۵/۳۴۳ و ابوداؤد کتاب الصلوة (۲) باب افتتاح الصلوة (۱۱۶ و ۱۱۵) الحدیث ۷۳۰) و ترمذی کتاب الصلوة (۲) باب ماجاء فی وصف الصلوة الحدیث ۳۰۳) و دارمی ۳۶۱/۳۶۲ کتاب الصلوة (۲) باب صفۃ صلاۃ رسول اللہ ﷺ (۹۲) الحدیث ۱۳۵۶ و ابن حبان (۱۸۶۸ و ۱۸۶۷) و ابن خزیمہ (۵۸۸ و ۶۲۵) و بیہقی ۲/۳۳۳ و ترمذی ابن حبان ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔

اس سنت کی تائید میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ﴿رَفَعَ الْيَدَيْنِ عِنْدَ الْإِفْتِاحِ وَالرُّكُوعِ وَالرُّفْعِ مِنْهُ﴾ (غنیۃ الطالبین) نماز میں تکبیر اولیٰ کے وقت اور رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرو۔ “
(۴) ﴿رَفَعَ اصْبَعَهُ الْيُمْنَى إِلَيْنِ تَلَى الْإِنشَاءَ يَذْعُو بِهَا﴾ (صحیح مسلم) رسول اللہ ﷺ اپنے انگوٹھے کے پاس والی دہائی انگلی اٹھاتے تھے تشہد میں۔ “(مسلم کتاب المساجد (۵) باب صفۃ الجلووس فی الصلوة (۲۱) الحدیث ۳۰۹ عن ابن عمر رضی اللہ عنہما۔

حضور کی اس سنت سے روکنے والے اہل سنت کہلاتے ہیں۔ افسوس یہ سب خرابی تقلید جاد کی ہے۔ مسلمان بھائیو! رسول رحمت ﷺ کی سنتوں اور حدیثوں کو بکسر و چشم قبول کرو اور عمل میں لاؤ کہ یہی معنی ہیں اہل سنت والجماعت کے
ہزار نقد بازار کائنات آ رہند
کے بکے صاحب عیار مازند

مانتے جائیں سنت کے مقابلہ میں رائے کو اپنائیں^(۱) اور سنت چھوڑ دیں..... وہ اہل سنت! جو رسول اللہ ﷺ کو حاضر ناظر^(۲) غیب جاننے والے مانیں۔^(۳)

..... وہ اہل سنت! جو محرم میں امام حسین رضی اللہ عنہ کے نام کی نذریں نیاز دیں وہ اہل سنت!^(۴) جو میت کے^(۵) ساتھ گندم نمک، حلوہ روٹی وغیرہ قبر پر لے کر جائیں۔..... وہ اہل سنت! جو دفن کے بعد قبر پر اذان کہیں..... وہ اہل سنت!^(۶) جو یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیء اللہ کا وظیفہ پڑھیں..... وہ اہل سنت!^(۷)

الحاصل: توحید اور سنت کے خلاف کام کرنے والے اہل سنت والجماعت کہلاتے ہیں، کتنا اندھیر ہے۔ افسوس! وہ خود نہیں سوچتے کہ سنت کے خلاف کام کرنے پر اہل سنت کس طرح ہوئے؟ دراصل یہ بھائی رواجی اہل

(۱) جو سنت اور حدیث کے مقابلہ میں رائے اور قول کو چھوڑ دیں اور حدیث پر عمل کریں وہ بیشک اہل سنت ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ (پ ۱۷ ع ۲۷) ”اور وہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے جہاں ہو تم۔“ ثابت ہوا کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی حاضر ناظر اور ہر جگہ موجود ہے۔ اس کے علم و خبر سے کوئی جگہ خالی نہیں پس کسی غیر اللہ کو حاضر ناظر سمجھنا اللہ کے ساتھ شریک کرنا ہے۔“

(۳) ﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ﴾ (پ ۲۰ ع ۱) ترجمہ: ”کہہ دے (اے میرے پیغمبر ﷺ) آسمانوں اور زمین میں کوئی غیب نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے ﴿وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ﴾ (پ ۷ ع ۱۱ آیت ۵۰) کہہ دے میرے پیغمبر ﷺ میں غیب نہیں جانتا۔“ جب غیب جانتا اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہوا تو پھر حضور سید المرسلین رحمۃ اللعالمین ﷺ کو غیب جاننے والے ماننا اللہ تعالیٰ کے ساتھ برابر کرنا ہے۔ یہ عقیدہ اہل سنت والجماعت کا نہیں ہو سکا اور نہ حنفی مذہب میں ایسا عقیدہ روا ہے۔

﴿ذَكَرَ الْحَقِيقَةَ نَصْرَيْنَا بِالْكَافِرِ بِإِعْقَادِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْلَمُ الْغَيْبَ لِمُعَارَضَةِ قَوْلِهِ تَعَالَى قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ﴾ (شرح فقہ اکبر از ملا علی قاری رحمہ اللہ)

علمائے حنفیہ نے کھلے لفظوں میں اس شخص کو کافر کہا ہے جس کا عقیدہ یہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ غیب جانتے ہیں۔ کیونکہ ایسا عقیدہ قرآن کی اس آیت کے بالکل برعکس ہے۔ ”اے پیغمبر ﷺ آسمانوں اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔“ معلوم ہوا حضور ﷺ کو غیب جاننے والے ماننا حنفی مذہب میں کفر ہے۔ حنفی بھائیو! انصاف سے فقہ کے فتویٰ پر غور کرو۔

(۴) نذر نیاز مالی عبادت ہے اور عبادت صرف اللہ ہی کی ہو سکتی ہے۔ غیر اللہ کی نہیں۔

(۵) یہ کام نہ حضور ﷺ نے کئے نہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے نہ تابعین رضی اللہ عنہم اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم نے ہاں ایصالِ ثواب جائز ہے لیکن بدعات سے بچ کر۔

(۶) قبر پر اذان کہنا احداث فی الدین ہے کہ حضور انور ﷺ نے بہتیروں کو دفن کیا لیکن قبر پر اذان نہ کہی۔ نہ اذان کہنے کا حکم دیا۔ اور سوا لاکھ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی کسی نے یہ کام نہیں کیا۔

(۷) مصائب و حوائج میں مافوق الاسباب طور پر صرف اللہ ہی کو پکارنے کا حکم ہے۔ ﴿فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا﴾ (پ ۲۹ ع ۱۱) پس مت پکارو ساتھ اللہ کے کسی کو ﴿قُلْ إِنَّمَا أَدْعُوا رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا﴾ (پ ۲۹ ع ۱۲) کہہ دے اے پیغمبر! سوائے اس کے نہیں کہ پکارتا ہوں میں اپنے رب کو (غیر اللہ کو پکار کر) نہیں شریک لاتا میں ساتھ اس کے کسی کو۔“

سُنّت والجماعت ہیں یعنی نام کے اہل سُنّت ہیں۔ اگر علماء اہل سُنّت ہوں تو لاکھوں رحمتوں کے سزاوار ہوں۔ خداوند! ان بھائیوں کو فی الحقیقت اہل سُنّت بنادے۔ اپنے پیارے نبی ﷺ کے قول و فعل پر چلا دے۔

ہاں تو یاد رکھیں کہ رسول اللہ ﷺ کے طریقے کو سُنّت کہتے ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے متفق ہونے کو جماعت کہتے ہیں۔ پھر جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے طریقے پر چلتے ہیں وہ اہل سُنّت ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے متفقہ مسائل کو اپنانے والے جماعت ہیں یعنی سُنّت پاک ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے تعامل کے عامل اہل سُنّت والجماعت ہیں۔ اچھی طرح یاد رکھیں۔ بھولیں نہیں!

مجھے میرے مقلدوں سے بچاؤ!

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے (اللہ کی ان پر ہزاروں رحمتیں ہوں) ہرگز نہیں فرمایا کہ میری تقلید کرو۔ بلا دلیل میرے اقوال کو مانو! بلکہ اپنی تقلید اور اپنے اقوال کو بلا دلیل ماننے سے منع کیا ہے۔ جیسا کہ آپ پیچھے پڑھ آئے ہیں۔ لیکن یار لوگوں نے خواہ مخواہ ان کی تقلید کر رکھی ہے اور اس سلسلہ میں بہت سے مسائل گھڑ کر حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ذمے لگا دیئے ہیں۔ اور ان کا ماننا اور عمل میں لانا مقلدوں پر ضروری قرار دیا ہے۔ حضرت امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿حَرَامٌ عَلَى مَنْ لَمْ يَعْرِفْ دَلِيلِي أَنْ يُفْتِيَ بِكَلَامِي﴾ (میزان شعرانی)

”یعنی میرے قول پر فتویٰ دینا حرام ہے جب تک میری بات کی دلیل معلوم نہ ہو۔“

مطلب یہ ہے کہ بغیر دلیل کے میرے قول کو نہ مانو۔ نہ اس پر فتوے دو۔ نتیجہ یہ نکلا کہ میری تقلید نہ کرو لیکن خفی بھائی کہہ جاتے ہیں کہ ہم آپ کے مقلد ہیں۔ بغیر دلیل کے آپ کا قول مانیں گے۔ آپ ہزار بار تقلید سے روکیں ہم نہیں رکیں گے۔ آخر امام صاحب رحمہ اللہ کی یہ نافرمانی کیوں ہے؟

فقہ حنفیہ کی کتابیں بھی حضرت امام صاحب نے نہیں لکھیں بلکہ صد ہا سال بعد میں لکھی گئی ہیں اور ان کے مندرجات کو امام صاحب کے ذمے لگا دیا گیا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ستر سال کی عمر پا کر ۱۵۰ھ ہجری میں وفات پا گئے۔ (اللہ ان کی قبر کو نور سے بھرے) اب فقہ کی کتابوں کی تصنیف کا زمانہ ملاحظہ ہو۔

نام کتاب	کس صدی میں لکھی گئی	امام ابوحنیفہ سے کتنا عرصہ بعد لکھی گئی
قدوری	پانچویں صدی	تین سو سال
ہدایہ	چھٹی صدی	چار سو سال
قاضی خاں	چھٹی صدی	چار سو سال
منیہ	ساتویں صدی	پانچ سو سال

طحاوی	آٹھویں صدی	چھ سو سال
شرح وقایہ	آٹھویں صدی	چھ سو سال
نہایہ	آٹھویں صدی	چھ سو سال
کنز	آٹھویں صدی	چھ سو سال
جامع الرموز	آٹھویں صدی	چھ سو سال
فتاویٰ بزازیہ	نویں صدی	سات سو سال
فتح القدیر	نویں صدی	سات سو سال
خلاصہ کیدانی	نویں صدی	سات سو سال
چلبی	دسویں صدی	آٹھ سو سال
بجز الرائق	دسویں صدی	آٹھ سو سال
تنویر الابصار	دسویں صدی	آٹھ سو سال
ذخیرہ	دسویں صدی	آٹھ سو سال
در مختار	گیارہویں صدی	نو سو سال
فتاویٰ عالمگیری	بارہویں صدی	ہزار سال

ان فقہ کی کتابوں میں سب مسائل حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب کئے گئے ہیں اور کتب حدیث کی طرح کوئی سلسلہ روایت نہیں ہے جس سے سند ثابت ہو کہ یہ سب فرامین حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں اور پھر ان مسائل کو تقلیدی طور پر ماننے کے لئے یوں مجبور کیا ہے:

﴿فَلَعْنَةُ رَبِّنَا أَعْدَادَ وَمَلِیْ عَلٰی مَنْ رَدَّ قَوْلَ اَبِیْ حَنِیْفَةَ﴾ (شامی)
 ”ریت کے ذروں جتنی لعنتیں ہوں اس پر جو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول نہ مانے۔“

عصمت صرف رسول اللہ ﷺ کے لئے ہے

یاد رکھیں کہ معصوم عن الخطا صرف محمد رسول اللہ ﷺ ہی ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی عصمت کی ضمانت دی ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحٰی یُّوحٰی﴾ (پ ۲۷ : ۵۷)
 ”اور نہیں بولتا (محمد ﷺ) اپنی خواہش سے نہیں وہ (بولتا) مگر وحی جو بھیجی جاتی ہے۔“

ثابت ہوا کہ حضور انور ﷺ کا قول و فعل وحی ہے جو دین ہے۔ حجت ہے۔ واجب العمل ہے اور یہ کہ خطا سے پاک ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ!

﴿اكتب كل اسمع منك﴾^(۱) کیا میں لکھ لیا کروں جو کچھ بھی آپ ﷺ سے سنوں؟ ﴿قال نعم﴾ حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں (یہ سب کچھ لکھ لیا کرو)۔ میں نے عرض کیا۔ فی الرضاء والغضب: اغمے اور خوشی کی حالت میں جو کچھ آپ ﷺ فرمائیں وہ لکھ لیا کروں؟ ﴿قال نعم لا اقول في ذالك كلمة الاحقا﴾ ارشاد فرمایا: ہاں! بیشک لکھ لیا کرو کیونکہ ہر حال میں میرے منہ سے حق ہی نکلے گا۔.....

(جامع العلم)

ثابت ہوا کہ عصمت صرف حضور ہی کے لئے ہے۔ ہر حال میں اور ہر وقت آپ کی زبان سے سچ حق اور دین ہی نکلتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے نطق کو وحی کہا ہے۔

دارمی شریف میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کو حضور ﷺ نے فرمایا:

﴿اكتب فوالذي نفسي بيده ما خرج منه الا حق﴾

”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میرے منہ سے حق ہی نکلتا ہے۔ پھر لکھ لیا کرو جو کچھ بھی میرے منہ سے نکلے۔“

اللہ تعالیٰ نے حضور انور ﷺ ہی کے متعلق فرمایا:

﴿قُلْ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (پ: ۵: ۶۷)

”پس (اے پیغمبر ﷺ) قسم ہے (مجھ کو) تیرے رب کی (یعنی مجھے میری ذات کی قسم ہے یہ کہہ گو) لوگ ہرگز ہرگز ایمان دار نہیں ہوں گے۔ جب تک کہ اپنے باہمی جھگڑے تجھ سے ہی فیصلہ نہ کرائیں اور (صرف فیصلہ ہی نہیں بلکہ) تمہارے فیصلے (حدیث) سے کسی طرح دل گیر بھی نہ ہوں (دل میں ذرہ بھر تنگی محسوس نہ کریں) اور (تیرے فیصلے، فرمان کے سامنے) سر تسلیم خم کر دیں۔“

دیکھئے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے قول کو بلا شرط ماننے پر کس قدر زور دیا ہے اور اس سے سرمو انحراف کرنے والے بلکہ دل میں تنگی محسوس کرنے والے ماتھے پر شکن ڈالنے والے کو بے ایمان کہا ہے۔ یعنی جو کوئی قول

(۱) مسند احمد ۱۶۲/۲ و ابوداؤد کتاب العلم (۲۳) باب کتاب العلم (۳) الحدیث ۳۶۳۶ و دارمی ۱۳۶/۱

(المقدمة) باب من رخص فی کتاب العلم (۴۳) الحدیث ۲۸۴ و مستدرک للحاکم ۱۰۶/۱ عن عبداللہ بن عمرو العاص رضی اللہ عنہما حاکم و ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

رسول ﷺ کو خوشی خوشی قبول نہ کرے۔ ﴿لَا يُؤْمِنُونَ﴾ وہ ایمان دار نہیں ہے۔ یہ مقام یاد رہے کہ صرف حضور خیر البشر ﷺ ہی کو حاصل ہے کسی امتی کے لئے ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔

محمد حامی دین ماحی کفر و ضلالت ہے
محمد شمع ایمان مشعل راہ ہدایت ہے

قول پیغمبر ﷺ کو مسترد کرنے والا تو بقول قرآن بے ایمان ہے۔ لیکن یہ کہنا سراسر زیادتی ہے کہ جس نے کسی امتی کے قول کو رد کیا اس پر ریت کے ذروں جتنی لعنتیں اتریں!

عرب میں شراب نوشی کی عادت کثرت سے تھی۔ قرآن نے اس پلیدی سے روکا اور حضور انور ﷺ نے شراب نوشی کو لعنتی فعل فرمایا ﴿لَعَنَ اللَّهُ الْخَمْرَ﴾^(۱) (ابوداؤد) لیکن جو لوگ شراب کے رسیا تھے۔ انہوں نے امارت کے بل بوتے پر اس کے جواز کے فتوے حاصل کر لئے کہ گیہوں جو شہد جواری کی شراب حلال ہے^(۲) البتہ انکو کی حرام ہے۔ آپ غور فرمائیں: کہ کیا ایسے فتوے قابل قبول ہو سکتے ہیں؟ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ اللَّهُ الْخَمْرَ وَشَارِبَهَا وَسَائِبَهَا وَبَائِعَهَا وَمُبْتَاعَهَا وَعَاصِرَهَا وَمُعْتَصِرَهَا وَحَامِلَهَا وَالْمَحْمُولَةَ إِلَيْهِ﴾ (ابوداؤد ابن ماجہ)^(۳)

”حضرت ابن عمرؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے لعنت کی شراب کو اس کے پینے والے کو اس کے پلانے والے کو اس کے بیچنے والے کو اس کے خریدنے والے کو اس کے نچوڑنے والے کو اور نچروانے والے کو۔ اس کے اٹھانے والے کو اور جس کی طرف اٹھائی گئی ہو۔“ کتنی سختی کے ساتھ شراب کا قلع قمع کیا گیا ہے۔ حضور ﷺ نے ہر قسم کی شراب کی ممانعت فرمادی۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِنَّ مِنَ الْحِنْطَةِ خَمْرًا وَمِنَ الشَّعِيرِ خَمْرًا وَمِنَ التَّمْرِ خَمْرًا وَمِنَ الزَّيْبِ خَمْرًا وَمِنَ

(۱) مسند احمد ۹۷/۲ و ابوداؤد کتاب الاشربة (۲۵) باب ماجاء فی العصیر للخمیر (۲) الحدیث ۳۶۷۴ و ابن ماجہ

کتاب الاشربة (۳۰) باب لعنت الخمر علی عشرة اوجه (۶) الحدیث ۳۳۸۰ و طبرانی صغیر (۷۵۳) و بیہقی

۵/۳۲۷ و ۱۲/۱۲ عن ابن عمرؓ ابن سکن اور البانی نے صحیح کہا ہے تلخیص الحبیر ۷۲/۳ و تحقیق مشکوٰۃ ۸۲۶/۲۔

(۲) ہدایہ کتاب الاشربة

(۳) گزشتہ صفحہ کا حاشیہ نمبر ملاحظہ کریں۔

الْعَسَلُ خَمْرًا (ترمذی، ابو داؤد) (۱)

”حضور انور ﷺ فرماتے ہیں۔ بیشک گہہوں، جو کھجور، کشمش، اور شہد کی (بنی ہوئی) خمر (شراب) بھی ہے یعنی ان چیزوں کی شراب بھی (حرام) ہے۔“

ثابت ہوا: ہر قسم کی شراب (خمر) حرام ہے۔ حضور ﷺ نے ہر قسم کی خمر پر حد ماری ہے:

﴿عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَرَبَ فِي الْخَمْرِ﴾ (بخاری، مسلم) (۲)

”رسول اللہ ﷺ نے شراب پینے پر حد ماری۔“

پس قول پیغمبر ﷺ سے ہر قسم کی خمر (شراب) حرام ہوئی، اور کسی امتی کا جواز شراب کا فتویٰ ہرگز قبول نہیں ہو سکتا۔

بعض من چلے رنگیلے امراء نے ایسے فتوے بھی حاصل کر لئے کہ شراب کا وہی پیالہ مفسد ہے جو نشہ آور ہو اور وہی حرام ہے۔ مطلب یہ کہ اتنی مقدار میں شراب جائز ہے جس سے نشہ نہ آئے..... یہ فتویٰ بھی سراسر خلاف شرع ہے۔

﴿عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا أَسْكَرَ كَثِيرُهُ فَقَلِيلُهُ حَرَامٌ﴾

(ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ) (۳)

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کہ چیز زیادہ مقدار میں نشہ لائے اس کی کم مقدار بھی حرام ہے۔“

یعنی جس چیز کا کُل حرام ہے۔۔۔ اس کا جو بھی حرام ہے۔ شراب کی بوتل پی جانا بھی حرام ہے اور ایک قطرہ بھی حرام ہے..... معلوم ہوا کہ قول پیغمبر ﷺ کے خلاف کسی کا قول نہیں مانا جاسکتا۔ بلکہ رد کر دینا چاہئے۔

(۱) مسند احمد ۴/۲۶۷ و ابو داؤد کتاب الاشربة (۳۰) باب الخمر مماہی (۴) الحدیث ۳۶۷۶ و ترمذی کتاب

الاشربة (۲۷) باب ماجاء فی الحبوب التي يتخذ منها الخمر (۸) الحدیث ۱۸۷۲ و ابن ماجہ کتاب الاشربة (۳۰) باب ما يكون منه الخمر (۵) الحدیث ۳۳۷۹ و ابن حبان (موارد) رقم الحدیث ۱۳۷۶ و مستدرک ۴/۱۳۸ و دارقطنی ۴/۲۵۳ عن نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ ابن حبان اور علامہ البانی نے صحیح ترمذی (۱۵۲۶)

(۲) بخاری کتاب الحدود (۸۶) باب ماجاء فی ضرب شارب الخمر (۲) الحدیث ۶۷۷۳ و مسلم کتاب الحدود (۲۹) باب حد الخمر (۸) الحدیث ۴۴۵۶ عن انس رضی اللہ عنہ

(۳) مسند احمد ۳/۳۳۳ و ابو داؤد کتاب الاشربة (۲۵) باب ماجاء فی السكر (۵) الحدیث ۳۶۸۱ و ترمذی کتاب الاشربة (۲۳) باب ماجاء ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام (۳) الحدیث ۱۸۶۵ و ابن ماجہ کتاب الاشربة (۳۰) باب ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام (۱۰) الحدیث ۳۳۹۳ و بیہقی فی شعب الایمان رقم الحدیث ۵۵۷۶ علامہ البانی نے حسن صحیح کہا ہے صحیح ترمذی ۱۵۲۰۔

حضور اکرم ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ نے امت کی دینی رہبری اور پیشوائی کے لئے آپ ﷺ پر قرآن اتارا۔ حضور ﷺ نے قرآن پر عمل کر کے امت کے لئے راہ جنت بنائی اور اللہ نے حکم دیا: ﴿وَاطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو۔ ﴿وَمَا اتَّكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ﴾ اور جو (عمل) بالقرآن کا طریقہ اور مذہب و مسلک (دے) تم کو رسول ﷺ۔ پس لے لو وہ۔“ گویا اللہ تعالیٰ نے بلاچون و چرا حضور ﷺ کی فرمانبرداری کا حکم دے دیا ہے ایک اور جگہ فرمایا:

﴿اطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾ (پ: ۲۶: ۸۷)

”فرمانبرداری کرو رسول ﷺ کی (اور) راہ رسول ﷺ سے ہٹ کر) اپنے عملوں کو باطل نہ کرو۔“

پس ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ بلا شرط نبی رحمت ﷺ کے قول کو مانے اور اس پر عمل کرے اور امتیوں کی خلاف حدیث باتوں کی طرف رجوع نہ کرے۔

پھر جو لوگ اپنی غلط باتوں کو اندھا دھند بزرگان دین اور ائمہ کرام کے ذمہ لگاتے ہیں، انہیں اس روش سے تائب ہو جانا چاہئے۔ بالفرض اگر آج امام صاحب آجائیں اور ان مغائر حدیث باتوں کو اپنی طرف منسوب دیکھیں تو وہ بے ساختہ پکار اٹھیں:

”مجھے میرے مقلدوں سے بچاؤ۔“

رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے اختلاف

اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل کیا اور بندوں کو حکم دیا: ﴿وَمَا اتَّكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ﴾ اور جو (طریقہ عمل) دے تم کو رسول ﷺ پس لے لو اس کو۔“

یعنی حضور انور ﷺ کے طریقے اور سنت کے مطابق قرآن پر عمل کرو! ارشاد فرمایا:

﴿قُلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (پ: ۵: ۶۷)

”پس قسم ہے پروردگار تیرے کی (یعنی مجھے میری ذات کی قسم ہے) نہیں ایمان لائیں گے یہاں تک کہ

حاکم بنائیں تجھ کو اپنے باہمی جھگڑوں میں پھر تیرے فیصلے سے اپنے دلوں میں (کچھ بھی) تنگی نہ پائیں

اور (دل و جان سے) اس کو قبول کر لیں۔“

اس آیت میں اللہ نے صاف صاف سنا دیا کہ جب تک مسلمان رسول اللہ ﷺ کے ارشادات احکام احادیث کو بلاچون و چرا نہ مانیں گے۔ ان کے آگے تسلیم خم نہ کریں گے۔ ہزار جان سے حدیث پر قربان نہ ہوں گے وہ مسلمان نہیں ہوں گے۔

پھر جو مسلمان بجائے رسول اللہ ﷺ کے کسی ایک امام کے مقلد بن جائیں۔ ساری زندگی کے لئے تہلید شخص کر کے اپنے ہی اماموں کے بلا دلیل فیصلوں، آراء، قیاسات کو شرعی حیثیت سے مانتے جائیں۔ ان کے آگے سر تسلیم خم کر دیں۔ خواہ وہ آراء، اقوال اور قیاس، احادیث سرور رسولان ﷺ کے خلاف ہی ہوں، پھر بھی جان بوجھ کر ان کو اپنائیں اور عمل میں لائیں تو ایسے مسلمانوں کو اپنا ایمان آیہ مذکور ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ کے ترازو کے پلڑے میں رکھ کر تولنا چاہئے۔ اللہ نے ﴿حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكُمْ﴾ فرما کر رسول اللہ ﷺ کو امت کا حاکم (جج) بنایا۔ لیکن جامد اور متعصب مقلد نے اپنے امام کا حکم مانا۔ اللہ نے حدیث کے آگے سر تسلیم خم کرنے کا حکم دیا، اس نے امام کے قول پر مر مٹنے کی ٹھانی۔ اللہ نے سنت کی شاہراہ پر چلنے کو فرمایا، اس نے قیاس کی پگ ڈنڈی پکڑ لی۔ جو بھائی بھی ایسا مقلد ہے۔ اس کو توبہ کر کے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو پیشوا بنا لینا چاہئے اور ہر قول، قیاس، رائے کو حدیث کے تابع کر دینا چاہئے۔

وہ دانائے سب، ختم الرسل، مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادی سینا!

ہم یہاں فقہ کی معتبر اور مایہ ناز کتاب ہدایہ کے کچھ مسائل تحریر کر کے حدیث سے ان کا اختلاف دکھاتے ہیں تاکہ مسلمان بھائی حدیث سے ہم ساری کرنے والے اقوال سے بے نیاز ہو کر فرامین سید العالمین ﷺ کو سر آنکھوں پر رکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ﴿أَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ فرما کر امت پر حضور ﷺ کی اطاعت ہی فرض کی ہے۔

مفروشِ عطر عقل بہندوئے زلف یار
کانجا ہزار نازِ مشکیں بہ نیمِ جوا

کتے کا ناپاک برتن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم

﴿عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِي إِنَاءٍ أَحَدِكُمْ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ﴾ (بخاری، مسلم) ^(۱)
”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کتا تمہارے برتن میں سے پی جائے تو اسے سات مرتبہ دھوؤ۔“

(۱) بخاری کتاب الوضوء (۳) باب اذا شرب الكلب في اناء احدكم فليغسله سبعاً الحديث ۱۷۲ و مسلم کتاب الطهارة (۲) باب حكم ولو غ الكلب (۲۷) الحديث ۶۵۰۔

فقہ کا اختلاف

يُغَسِّلُ الْإِنَاءَ مِنْ وَلَوْغِهِ ثَلَاثًا (ہدایہ کتاب الطہارت)

”جب برتن سے کتابی جائے اسے تین بار دھوؤ۔“

بخاری شریف اور مسلم شریف کی متفق علیہ حدیث کے خلاف بے دلیل قول!..... بھائیو! غور کرو!

بیت اللہ کی چھت پر نماز

پیغمبر رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُصَلِّيَ فَوْقَ ظَهْرِ بَيْتِ

اللَّهِ (ترمذی شریف) ^(۱)

”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھنے سے منع کیا۔“

فقہ کا اختلاف

مَنْ صَلَّى عَلَى ظَهْرِ الْكَعْبَةِ جَازَتْ صَلَوَتُهُ (ہدایہ باب الصلوۃ فی الکعبہ)

”کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنی جائز ہے۔“

حضور ﷺ کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنے سے منع فرمائیں۔ لیکن فقہ کہے کہ جس نے کعبہ کی چھت پر نماز پڑھی اس کی نماز جائز ہے۔ کیوں جائز ہے؟ جو کام حضور انور ﷺ منع کریں وہ کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟ یہ حدیث پر زیادتی ہے۔

عورتوں کی امامت کا مسئلہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت

عَنْ أُمِّ وَرَقَةَ أَمَرَهَا أَنْ تَوُفَّ أَهْلَ دَارِهَا (ابوداؤد، باب امامت النساء) ^(۲)

(۱) ترمذی کتاب الصلاۃ (۲) باب کراہیۃ ما یصلی الیہ و فیہ (۲۵۸) الحدیث ۳۳۶ و ابن ماجہ کتاب المساجد (۳)

باب المواضع التي تکره فیہما الصلاۃ (۳) الحدیث ۷۳۶۔ اس کی سند میں زید بن حمیرہ راوی متروک ہے تقریب ص ۱۱۲

امام ابن عبد البر حافظ ابن حجر ترمذی محدث مبارک پوری اور علامہ البانی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے تحفۃ الاحوذی ۲۸۱/۱

و ارواء الغلیل ۳۱۹/۱

(۲) مسند احمد ۳۰۵/۶ و ابوداؤد کتاب الصلاۃ (۲) باب امامۃ النساء (۶۱) الحدیث ۵۹۲ و سنن دارقطنی =

”رسول اللہ ﷺ نے ام ورقہ کو اپنے گھر والوں کی امامت کرانے کا حکم دیا۔“

﴿عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا تَوَمَّ النِّسَاءَ وَ تَقَوْمُ وَ سَطَطُهُنَّ﴾ (مستدرک حاکم باب امامت المرأة) ^(۱)

”حضرت عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا صف کے بیچ میں کھڑی ہو کر عورتوں کی امامت کراتی تھیں۔“

فقہ کا اختلاف

﴿يُكْرَهُ لِلنِّسَاءِ أَنْ يُصَلِّيْنَ وَ خَذَهُنَّ الْجَمَاعَةُ﴾ (ہدایہ باب الامت)

”صرف عورتوں کو جماعت سے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔“

حنفی بھائیو! رسول اللہ ﷺ تو صرف عورتوں کو بھی جماعت سے نماز پڑھنے کی اجازت دیں۔ عورت کی امامت عورت کے لئے ردوار کھی! لیکن فقہ میں یہ کام منع قرار پائے کہ حدیث کی برابری کتنی بری چیز ہے اور امر سید الکونین کے مقابلہ میں یکرہ کہنا کتنی زیادتی ہے اور پھر اس فقہی یکرہ سے اس فعل کو حرام سمجھ رکھا ہے کہ احتاف کے ہاں عورت کی امامت عورتوں کے لئے قطعاً مفقود ہے!

نابالغ کی امامت

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی

﴿عَنْ عُمَرَ وَ بِنِ سَلَمَةَ قَالَ فَقَدْ مُؤِنِي بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَأَنَا ابْنُ سِتٍّ أَوْ سَبْعٍ﴾ (بخاری شریف) ^(۲)

”عمر و بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے چھ یا سات سال کی عمر میں لوگوں کی امامت کرائی۔“

لوگوں نے عمر و بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو اپنا امام بنایا۔ اس کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ حضور انور ﷺ کو اس امامت کا ضرور علم تھا۔ اگر بچے کی امامت ناجائز ہوتی تو حضور ﷺ منع کر دیتے یا ضرور ضرور آسمان سے وحی آ جاتی کہ بچے کی

۱۳۹/۱ کتاب الصلاة باب فی ذکر الجماعة و اهلها و صفة الامام الحدیث ۲ و مستدرک ۲۰۳/۱ و بیہقی ۱۳۰/۳ حافظ ابن حجر (بلوغ المرام) علامہ یعنی امام ابن خزیمہ نے صحیح اور علامہ البانی نے حسن کہا ہے ارواء الغلیل ۳۹۳۔

(۱) مستدرک ۲۰۳/۱ و مصنف عبد الرزاق ۱۲۶/۳ و ۵۰۱۶ و بیہقی ۱۳۱/۳ لیکن اس کی سند میں لیث بن ابی سلیم راوی ہیں جو مشنط ہیں اور ان کی روایات میں تیر نہیں ہو سکی تقریباً ۲۸۷ مگر امام بیہقی نے ایک دوسری سند کج ثنائیان کی سند سے اور امام عبد الرزاق (۵۰۱۵) نے ابن جریر قال عطاء کی سند سے بھی یہ روایت نقل کی ہے بیہقی کی سند تو صحیح ہے جبکہ مصنف میں ابن جریج کی تدلیس کا شبہ ہے الغرض یہ اثر صحیح ہے۔

(۲) بخاری کتاب المغازی (۲۳) باب (۵۴) الحدیث ۳۳۰۲۔

امامت جائز نہیں۔ لہذا بچے کی امامت سے اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کا سکوت بچے کی امامت کے جواز پر دال ہے۔

فقہ کا اختلاف

﴿وَلَا يَجُوزُ لِلرَّجَالِ أَنْ يَقْتَدُوا بِامْرَأَةٍ أَوْ صَبِيٍّ﴾ (ہدایہ جلد اول باب الامامت)

”نہیں جائز واسطے مردوں کے کہ نماز پڑھیں پیچھے عورت کے یا بچے کے۔“

عمر بن سلمہ رضی اللہ عنہ سات سال کے بچے کے پیچھے^(۱) حضور انور ﷺ کی حیات پاک میں نزول قرآن کے دور میں مردوں نے نماز پڑھی۔ نہ اللہ نے روکا نہ حضور ﷺ نے منع کیا۔ لیکن فقہ کہتی ہے ﴿لَا يَجُوزُ﴾ نہیں جائز۔ یہ کون صاحب ہیں کہنے والے ﴿لَا يَجُوزُ﴾ یہ تو صرف حضور خاتم النبیین ﷺ کا ہی حق ہے کہ فرمائیں: جاز، لا یَجُوز امتی بلا دلیل ایسا نہیں کر سکتے۔

ہبہ کی ہوئی چیز کا مسئلہ!

ارشاد خیر الوری ﷺ

﴿وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَائِدُ فِي هَبْتِهِ كَالْكَلْبِ

يَعُودُ فِي قَيْئِهِ﴾ (بخاری شریف)^(۲)

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہبہ کی ہوئی چیز کو واپس لینے والا مانند کتے کے ہے جو قے کر کے چاٹ لیتا ہے۔“

فقہ کا اختلاف

﴿إِذَا وَهَبَ هَبَةً لَا جَنْبِيَّ فَلَهُ الرُّجُوعُ فِيهَا﴾ (ہدایہ کتاب الہبہ)

”جب کسی غیر شخص کو کوئی چیز ہبہ کر دی جائے تو ہبہ کرنے والے کو اسے واپس لینے کا اختیار ہے۔“

(۱) بچے کی امامت فرض واجب نہیں کہ ضرور اسے امام بنایا جائے بلکہ یہ اسلام میں ایک رخصت ہے کہ اگر کوئی بچہ قرآن کا حافظ اور عمدہ قاری ہو تو اسے امام بنا کر اس کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں۔ رمضان میں اسے مصلیٰ پر کھڑا کر کے اس سے قرآن سن سکتے ہیں۔ اس رخصت کو حنفی مذہب چھینتا ہے کہ بچے کی امامت جائز نہیں۔ حالانکہ حضور ﷺ کی زندگی پاک کے اندر لوگوں نے سات سال کے قاری قرآن بچے کی امامت میں نمازیں پڑھیں۔

(۲) بخاری کتاب الحیل (۹۰) باب فی الہبۃ والشفعة (۱۳) الحدیث (۱۹۷۵) و مسلم کتاب الہبات ۲۳۔ باب تحریم الرجوع فی الصدقة بعد القبض الاما و ہبہ لولدہ و ان سفل (۲) الحدیث ۳۱۷۶۔

خفی بھائیو! غور کرو کہ رسول اللہ ﷺ تو ہبہ کی ہوئی چیز کو واپس لینے سے منع فرمائیں اور اس کی مثال کتے کی تے چاٹنے سے دیں لیکن فقہ میں ہبہ کو واپس لینے کا اختیار دیا گیا ہے۔ اور پھر رجوع کے حق پر دلیل نہیں دی۔ افسوس! بخاری شریف کی حدیث کا مقابلہ! (۱)

استسقاء کی نماز باجماعت

حضور اکرم کی سنت

﴿عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ خَوَّاجُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاسِ إِلَى الْمُصَلِّي يَسْتَسْقِي فَصَلَّى بِهِمْ رَكْعَتَيْنِ جَهَرَ فِيهِمَا بِالْقِرَاءَةِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ يَدْعُو وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَحَوْلَ رِذَاءِهِ حِينَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ﴾ (بخاری، مسلم) (۲)

”عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز استسقاء کے لئے صحابہ رضی اللہ عنہم کو لے کر عید گاہ کی طرف نکلے اور دو رکعت نماز بلند قرأت کے ساتھ پڑھائی قبلہ رخ ہی اپنی چادر پٹائی۔“

فقہ کا اختلاف

قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ لَيْسَ فِي الْإِسْتِسْقَاءِ صَلَوةٌ مَسْنُونَةٌ فِي جَمَاعَةٍ.....
(ہدایہ باب الاستسقاء)

”امام ابوحنیفہ نے کہا کہ استسقاء کے وقت نماز باجماعت مسنون نہیں۔“

غور کریں! رسول اللہ ﷺ نے استسقاء کی نماز باجماعت سے پڑھائی، لیکن خفی مذہب میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ فتویٰ بیان کیا گیا ہے کہ استسقاء میں نماز باجماعت مسنون نہیں۔ بخاری، مسلم کی متفق علیہ حدیث کے خلاف قول کس طرح مانا جاسکتا ہے۔

(۱) فقہ کے جو مسائل حدیث کے مطابق ہیں، موافق اور تائید میں ہیں وہ سرچشم قبول کرنے کے لائق ہیں اور جو خلاف حدیث ہیں انہیں چھوڑ دینا چاہیے کہ ایمان کا کبھی تقاضا ہے اور کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ فقہ الہامی ہے؟ اور اس کے سامنے قرآن وحی جلی ہے اور حدیث وحی خفی ہے۔ دونوں وحی ہیں۔ ﴿اطيعُوا اللَّهَ واطيعُوا الرَّسُولَ﴾ حکم اللہ کا اور اطاعت مصطفیٰ ﷺ کی!

(۲) بخاری کتاب الاستسقاء (۱۵) باب الجمعة بالقراءة في الاستسقاء (۱۶) الحديث ۵۰۲۳ او مسلم کتاب صلاة الاستسقاء (۹) الحديث ۲۰۷۱ واللفظ للمصباح ۵۰۳/۱۔

نماز جنازہ غائبانہ

رحمت عالم کا فعل

﴿عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَى لِلنَّاسِ النَّجَاشِيَّ الْيَوْمَ مَاتَ فِيهِ وَ خَرَجَ بِهِمْ إِلَى الْمَصْلَى فَصَفَّ بِهِمْ وَكَبَّرَ أَرْبَعَ تَكْبِيرَاتٍ﴾ (بخاری، مسلم)^(۱)

”جس دن بادشاہ نجاشی فوت ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی وفات کی خبر (بذریعہ وحی) صحابہ کرام کو دی: (کہ آج نجاشی اپنے وطن حبشہ میں فوت ہو گیا ہے) پھر حضور ﷺ انہیں لے کر عید گاہ تشریف لے گئے۔ ان کی صفیں باندھ کر (نجاشی) کی غائبانہ نماز جنازہ چار تکبیروں سے پڑھائی۔“

فقہ کا اختلاف

﴿فَلَا تَصِحُّ عَلَى الْغَائِبِ﴾ (در مختار جلد اول، باب صلوٰۃ الجنائز)

”نماز غائبانہ جائز نہیں۔“

حدیث مذکور میں رحمت عالم نے بادشاہ نجاشی کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی تو جائز ہوئی۔ لیکن حنفی مذہب کہتا ہے۔ ﴿فَلَا تَصِحُّ﴾ جائز نہیں! امت پڑھو چنانچہ احناف تقلید کرتے ہوئے نماز جنازہ غائبانہ نہیں پڑھتے۔ انہیں چاہئے کہ حضرت محمد ﷺ کی حدیث کے مقابلہ میں ہر چیز کو چھوڑ دیں اور صرف آپ ﷺ کے طریقے پر عمل کریں!

جماعت میں اکہری تکبیر

ختم نبیوں کا حکم

﴿أَمْرٌ بِلَالٍ أَنْ يَشْفَعَ الْأَذَانَ وَأَنْ يُؤْتِيَ الْأَقَامَةَ إِلَّا الْأَقَامَةَ﴾ (بخاری، مسلم)^(۲)

”رسول اللہ ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اذان کے کلمات دوہرے کہے اور تکبیر کے کلمات اکہرے کہے۔ سوائے قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ کے۔“

- (۱) بخاری کتاب الجنائز (۲۳) باب الرجل ينعي الى اهل الميت بنفسه (۳) الحديث ۱۲۳۵ و مسلم كتاب الجنائز (۱۱) باب في التكبير على الحنزة (۲۲) الحديث ۲۲۰۳۔
- (۲) بخاری کتاب الاذان (۱۰) باب الاقامة واحدة الا قوله قد قامت الصلاة (۳) ۶۰۷۔ و مسلم كتاب الصلاة (۳) باب الامر بشفع الاذان و ايشار الاقامة (۲) الحديث ۸۴۱۸۳۸ عن ابی قلابہ رضی اللہ عنہ

فقہ کا اختلاف

﴿وَالْإِقَامَةُ مِثْلُ الْإِذَانِ﴾ (ہدایہ باب الاذان)

”اور اقامت اذان کی مانند دوہری ہے۔“

حدیث شریف میں حضور انور ﷺ بلال رضی اللہ عنہ کو (اور باقی امت) کو حکم دے رہے ہیں کہ تکبیر کے کلمات اکہرے کہے جائیں، لیکن حنفی مذہب میں حکم دیا جاتا ہے کہ تکبیر کے کلمات دوہرے کہے جائیں اور پھر اس حکم کی تعمیل میں سارے ملک کے اندر صدیوں سے دوہری تکبیر کہی جا رہی ہے۔ کیا مجال جو کوئی حنفی بھائی اکہری تکبیر کہہ جائے۔ ساری زندگی نہیں کہے گا بلکہ اکہری کہنے والوں سے مساجد میں لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں^(۱) یہ لڑائی جھگڑے محض تقلید جامد کی بناء پر ہیں۔ حنفی بھائیوں کو چاہئے کہ وہ بخاری، مسلم کی متفق علیہ حدیث پر عمل کر کے اکہری تکبیر بھی کہہ لیا کریں اور یاد رکھیں کہ جو تقلید بخاری، مسلم کی متفق علیہ حدیث سے پیچھے ہٹائے آپ ایسی تقلید سے پیچھے ہٹ جائیں کہ

جب تک اس زلف کا سودا نہیں اعزاز نہیں
زیب سر جس کے یہ طرہ نہیں ممتاز نہیں

نماز کی امامت کا مسئلہ

ارشاد رسول

لوگوں کی امامت کون کرائے؟ اس کے متعلق حضرت ختم نبیان ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يَوْمَ الْقَوْمِ أَقْرَأَهُمُ لِكِتَابِ اللَّهِ تَعَالَى فَإِنْ كَانُوا فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءً فَأَعْلَمَهُمُ بِالسُّنَّةِ فَإِنْ كَانُوا فِي السُّنَّةِ سَوَاءً فَأَقْدَمَهُمْ هِجْرَةَ فَإِنْ كَانُوا فِي الْهِجْرَةِ سَوَاءً فَأَقْدَمَهُمْ سِنًا﴾
(صحیح مسلم)^(۲)

(۱) اگر کوئی کہے کہ دوسری تکبیر بھی ایک روایت میں آئی ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ وہ ترجیح والی اذان میں ہے جو کسی حنفی کو ساری عمر نصیب نہیں۔ ترجیح والی اذان کہو تو دوہری اقامت بھی کہہ لو۔ جس اذان کے کلمات قطع ہیں اس کی اقامت اکہری ہے حضرت بلال رضی اللہ عنہ ساری عمر اکہری اقامت کہتے رہے۔ اللہ کے سامنے جواب دینے کے دن کو یاد کر کے بتائیں کہ وہ بخاری، مسلم کی متفق علیہ حدیث کے ”آفتاب نصف النہار“ کو کیوں نہیں مانتے؟ جس میں بلال رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ نے اکہری تکبیر کہنے کا حکم دیا ہے۔ حنفی بھائی اس ”چودھویں کے چاند“ کی چاندنی میں بیٹھنا کیوں گوارا نہیں کرتے؟ جھگ جھگ کرنے والے ”بیرے“ کو کیوں نہیں دیکھ سکتے؟ اُمیرِ بلان کے حکم رسول ﷺ کے آگے کیوں سر تسلیم خم نہیں کرتے۔ (محمد صادق)

(۲) مسلم کتاب المساجد (۵) باب من احق بالامامة (۵۳) الحدیث ۱۵۳۳ عن ابو مسعود رضی اللہ عنہ

”امامت کرائے لوگوں کی وہ جو سب سے زیادہ قرآن مجید کا قاری ہو اور اگر قرأت (کے جاننے میں) سب برابر ہوں تو پھر سب سے زیادہ سنت کا جاننے والا امامت کرائے۔ اگر سنت کے علم میں بھی سب برابر ہوں تو سب سے پہلے ہجرت کرنے والا امامت کرائے۔ اگر ہجرت میں بھی سب برابر ہوں تو عمر میں سب سے بڑا امامت کرائے۔“

غور کریں کہ اس حدیث میں حضور ﷺ نے امامت کرانے کی چار صورتیں بیان فرمائی ہیں۔ یہ ایسی جامع اور مانع صورتیں ہیں کہ امامت کا حقدار ضرور ضروران چار صورتوں میں مل سکتا ہے اور قیامت تک امامت کے استحقاق کا مسئلہ حل ہو گیا ہے۔ اب اس پر مزید گفتگو کرنا اس میں کمی بیشی کرنا اس پر حاشیہ چڑھانا بے سود ہے بلکہ دین میں دخل اندازی ہے۔

رسول اللہ کے کلام پر مسئلہ ختم کر دینے کا حکم!

ایک خطبہ کے دوران حضور انور ﷺ نے فرمایا:

﴿إِنَّ اللَّهَ كَتَبَ عَلَيْكُمْ الْحَجَّ فَقَامَ الْأَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ فَقَالَ أَفَى كُلِّ عَامٍ يَأْتِي سُرُورَ اللَّهِ قَالَ لَوْ قُلْتُمْهَا لَوَجِبَتْ فَالْحَجُّ مَرَّةً﴾ (بلوغ المرام) (۱)

”اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے اس پر اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہر سال (فرض) ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: اگر میں (ہاں) کہہ دیتا تو ضرور (ہر سال) واجب ہو جاتا۔ (سنو!) حج (عمر میں) ایک ہی بار (فرض) ہے۔“

فقہ کا اختلاف

حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے تم پر حج فرض کیا ہے اس پر ایک شخص نے بلا ضرورت سوال کر دیا: حضور ﷺ! کیا ہر سال فرض ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر میں ہاں کہہ دیتا تو (اللہ کی طرف سے) ہر سال فرض ہو جاتا۔ (۲)

(۱) مسند احمد ۱/ ۲۵۵ و ۲۹۰ و ۳۰۳ و ۳۵۲ و ۳۷۱ و ابو داؤد کتاب المناسک (۱۱) باب فرض الحج (۱) الحدیث ۱۷۲۱ و نسائی کتاب مناسک الحج (۲۳) باب وجوب الحج (۱۰) الحدیث ۲۶۲۱ و سنن دارمی ۲/ ۳۶ کتاب المناسک باب کیف وجوب الحج (۳) الحدیث ۱۷۸۸ و ۱۷۸۹ و ابن ماجہ کتاب المناسک (۲۵) باب فرض الحج (۲) الحدیث ۲۸۸۶ و دارقطنی ۲/ ۲۷۹ و مستدرک ۱/ ۳۷۰ و ۲۹۳ و بیہقی ۵/ ۱۷۸ و مسند طیبانی (۲۶۲۸) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ روایت بخاری و مسلم میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے راجع ارواء الغلیل ۳/ ۱۳۹۔

(۲) کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے: ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ اور نہیں بولتا (میرا رسول ﷺ) اپنی خواہش سے نہیں وہ (بولتا) مگر وحی جو بھیجی جاتی ہے۔ ”معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی زبان سے اللہ کا حکم نکلتا ہے۔ اگر اللہ کو ہر سال حج منظور ہوتا تو آپ ﷺ کی زبان سے ہاں نکلو دیتا۔ اللہ نے نہ چاہا تو آپ ﷺ کی زبان سے نہ نکلوایا۔ حج ہے حدیث پاک ﷺ بھی اللہ کی وحی ہے۔“

اس سے حضور ﷺ نے یہ تعلیم دی کہ جب میں ایک حکم دے کر خاموش ہو جایا کروں تو ختم بھی خاموش ہو جایا کرو۔ جب میں ختم کو چھوڑ دوں تو ختم مجھے چھوڑ دیا کرو (اور میرے حکم کی تعمیل میں لگ جایا کرو) میرے حکم 'فرمان' مسئلے کو سن کر بلاوجہ سلسلہ کلام کو آگے نہ بڑھایا کرو۔

اب اصل موضوع کی طرف توجہ دیں کہ حدیث مذکور میں حضور ﷺ نے امامت کے لئے چار صورتیں بیان فرمائیں۔ امت کو ان پر عمل کرنا چاہئے ان پر زیادتی نہیں کرنی چاہئے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے بات ختم کر دی تو امت کو آگے نہیں بڑھنا چاہئے۔ اس میں تقدیم تاخیر اور تغیر و تبدل سے کام نہیں لینا چاہئے۔ اب دیکھیں کہ امامت کے متعلق حدیث رسول ﷺ پر فقہ نے کس طرح کتر بیونت کی ہے:

﴿وَأُولَى النَّاسِ بِالْإِمَامَةِ أَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ فَإِنْ تَسَاوَوْا فَافْقَرُوا هُمْ..... فَإِنْ تَسَاوَوْا فَافْقَرُوا هُمْ... فَإِنْ تَسَاوَوْا فَاسْتَهُمُ﴾ (ہدایہ جلد اول 'باب الامات)

"امامت کا سب سے بڑھ کر وہ مستحق ہے جو سنت کا سب سے زیادہ عالم ہو۔ اگر اس میں سب برابر ہوں تو پھر وہ جو سب سے زیادہ قرآن کا قاری ہو۔ اگر اس میں سب برابر ہوں تو پھر جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔ اگر اس میں سب برابر ہوں تو پھر سب سے بڑی عمر والا امامت کا مستحق ہے۔"

اب حدیث پاک میں فرمودہ رسول ﷺ کی چار صورتوں اور فقہ کی مذکورہ چار صورتوں کا مقابلہ کریں۔ حضوانور ﷺ نے پہلے نمبر پر امامت کا سب سے بڑا مستحق قرآن مجید کا سب سے زیادہ قاری مقرر فرمایا ہے اور فقہ میں پہلے نمبر پر سب سے زیادہ سنت کا عالم متعین کیا گیا ہے۔ گو یا رسول اللہ ﷺ کے حکم کو تبدیل کر دیا ہے۔ دوسرے نمبر پر حضور ﷺ نے امامت کا مستحق سب سے زیادہ سنت کا عالم رکھا ہے۔ فقہ میں دوسرے نمبر پر قرآن کا قاری مقرر کیا گیا ہے یہاں بھی حضور ﷺ کے فرمان کو بدل دیا ہے۔ تیسرے نمبر پر حضور نے سب سے پہلے ہجرت کرنے والا فرمایا ہے۔ فقہ میں تیسرے نمبر پر پرہیز گاری رکھی گئی ہے۔ یہاں بھی ارشاد نبوی ﷺ سے تغیر ہے! چوتھی صورت میں حدیث کو بحال رہنے دیا ہے۔

اب آپ سوچئے کہ رسول اللہ ﷺ کے حکموں کو تبدیل کرنے کا کسی کو حق ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! پھر برادران حناف حدیث کی صورتوں پر ان فقہ کی صورتوں کو ترجیح دینا کیوں کر گوارا کرتے ہیں۔

رنگِ غنچوں کو میسر ہے نہ پھولوں کو شمیم

اب یہ افلاس بہاراں نہیں دیکھا جاتا!

چلئے آگے..... حضور ﷺ کی بیان کردہ چار صورتوں میں رد و بدل کر کے بھی سکوت اختیار نہیں کیا۔ چنانچہ در قارئین یوں اور اضافہ کیا گیا۔

﴿وَالْأَحَقُّ بِالْإِمَامَةِ الْأَعْلَمُ بِأَحْكَامِ الصَّلَاةِ ثُمَّ الْأَحْسَنُ تِلَاوَةَ ثُمَّ الْأَوْرَعُ ثُمَّ الْأَسَنُ ثُمَّ

الْأَحْسَنُ خُلُقًا تُمْ الْأَحْسَنُ وَجْهًا تُمْ الْأَشْرَفُ نَسَبًا تُمْ الْأَنْظَفُ ثَوْبًا. فَإِنْ اسْتَوَوْا يُقْرَعُ أَوْ
الْجِيَارُ إِلَى الْقَوْمِ ﴿(تنویر الابصار، متن در مختار)

- ۱۔ سب سے زیادہ امامت کا مستحق سب سے زیادہ نماز کے احکام جاننے والا۔
 - ۲۔ پھر سب سے اچھی تلاوت کرنے والا۔
 - ۳۔ پھر سب سے زیادہ پرہیزگار۔
 - ۴۔ پھر سب سے زیادہ عمر والا۔
 - ۵۔ پھر سب سے زیادہ خوش اخلاق۔
 - ۶۔ پھر سب سے زیادہ خوب صورت چہرے والا۔
 - ۷۔ پھر سب سے زیادہ شریف النسب۔
 - ۸۔ پھر سب سے اچھے لباس والا۔
 - ۹۔ اور اگر ان تمام صفات میں سب برابر ہوں تو پھر قرعہ اندازی کر لیں۔
 - ۱۰۔ یا لوگوں کو اختیار ہے (جسے چاہیں پسند کر لیں)
- غور کریں کہ حدیث میں چار صورتیں تھیں۔ ان میں تغیر کیا۔ اس کے بعد دس صورتیں بنا ڈالیں۔ آپ حیران ہوں گے کہ صاحب در مختار نے ان کے علاوہ اور بھی بڑھائی ہیں۔ لکھتے ہیں:
- ﴿ثُمَّ أَصْبَحَهُمْ أَيْ أَسْمَحَهُمْ وَجْهًا. ثُمَّ أَكْثَرَهُمْ حَسَبًا. ثُمَّ الْأَحْسَنُ صَوْتًا ثُمَّ الْأَحْسَنُ زَوْجَةً ثُمَّ الْأَكْثَرُ مَالًا. ثُمَّ الْأَكْثَرُ جَاهًا. ثُمَّ الْأَكْبَرُ رَأْسًا وَالْأَصْفَرُ عُضْوًا ثُمَّ الْمُقِيمُ عَلَى الْمَسَافِرِ ثُمَّ الْحُرُّ الْأَصْلِيُّ عَلَى الْعَبْدِ ثُمَّ الْمُتَمِيمُ عَنْ حَدِيثٍ عَلَى الْمُتَمِيمِ عَنْ جَنَابَةِ فَإِنْ اخْتَلَفُوا أُعْتَبِرَ أَكْثَرُهُمْ﴾ (در مختار)
- ۱۱۔ پھر زیادہ روشن چہرے والا۔
 - ۱۲۔ پھر سب سے بڑھ کر حسب والا۔
 - ۱۳۔ پھر سب سے بڑھ کر اچھی آواز والا۔
 - ۱۴۔ پھر سب سے زیادہ خوبصورت بیوی والا۔
 - ۱۵۔ پھر سب سے زیادہ مال والا۔
 - ۱۶۔ پھر بہت بڑے سر اور بہت چھوٹے عضو والا۔
 - ۱۷۔ پھر بہت زیادہ مرتبے والا۔
 - ۱۸۔ پھر مقيم مسافر پر۔

- ۱۹۔ پھر صلی آزاد آزاد کردہ غلام پر۔
- ۲۰۔ پھر وضوء کے قائم مقام جس نے تیمم کیا ہے وہ غسل کے قائم مقام تیمم کرنے والے پر!
- ۲۱۔ پھر (اب بھی) اگر اختلاف رہے تو اکثریت جس کو چاہے امام بنا لے۔ (منقول از طریق محمدی ص ۸۶)
- قارئین کرام! حدیث آپ پڑھ چکے ہیں جس میں رحمت عالم ﷺ نے صرف چار صورتیں مقرر فرمائی ہیں۔ فقہ والوں نے چار سے دس بنا کیں اور دس سے اکیس تک بڑھا دیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:
- ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدُمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾
- (پ ۲۶: ع ۱۳)

”اے ایمان والو! مت آگے بڑھو اللہ کے اور اس کے رسول ﷺ کے اور اس بارے میں اللہ سے ڈرو۔ بیشک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔“

اللہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ سے آگے نہ بڑھو غور کریں کہ رسول رحمت ﷺ نے امامت کے متعلق چار درجے بتائے۔ فقہ والوں نے چار کے دس اور دس کے اکیس بنا ڈالے۔ کیا ایسا کرنا رسول اللہ ﷺ سے آگے بڑھنا نہیں ہے؟ قرآن نے کہا ہے۔ ﴿وَ اتَّقُوا اللَّهَ﴾ اور (رسول اللہ ﷺ) سے آگے بڑھنے میں (اللہ سے ڈرو۔ پس برادران احناف کو چاہئے کہ اللہ سے ڈر کہ فقہ کی ان باتوں کو چھوڑ دیں جو حدیث کے خلاف پڑتی ہیں۔ حضور پر نور ﷺ کے فرمان کو کافی جانیں۔ کمی بیشی سے ڈریں اور اس پر نئی عمارت کھڑی کرنے سے لرزیں۔

برہنہ سر ہے تو عزم بلند پیدا کر!
یہاں فقط سر شاہیں کے واسطے ہے کلاہ

نماز کا اول وقت

پیغمبر رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

﴿عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آمَنِي جِبْرَائِيلُ عِنْدَ الْبَيْتِ مَرَّتَيْنِ فَصَلَّى بِي الظُّهْرَ حِينَ زَالَتِ الشَّمْسُ وَكَانَتْ قَدْرُ الشَّرَاكِ وَصَلَّى بِي الْعَصْرَ حِينَ صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلَهُ﴾ (ابوداؤد، ترمذی) (۱)

- (۱) مسند احمد ۳۳۳/۱ و ابوداؤد کتاب الصلاة (۲) باب فی المواقیت (۲) الحدیث ۳۹۳۔ و ترمذی کتاب الصلاة (۲) باب ماجاء فی مواقیت (۱) الحدیث ۱۳۹ و دارقطنی ۲۵۸/۱ و ابن عذیمہ ۱۶۸/۱ و بیہقی ۳۶۲/۱ و شرح معانی الآثار للطحاوی ۸۷/۱ و مستدرک ۱۳۹/۱۔ ترمذی ابن عذیمہ ابن حبان حاکم و ذہبی نووی ابن العربی ابن عبد البر اور علامہ البانی نے صحیح کہا ہے ارواء الغلیل ۲۶۸/۱۔

”حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ امامت (۱) کی جبرائیل نے میری بیت اللہ میں اور ظہر کی نماز پڑھائی۔ جب سورج ڈھل گیا اور اس کا سایہ بقدر ایک تمہ کے ظاہر ہو گیا اور نماز عصر اس وقت پڑھائی۔ جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو گیا۔“

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی زبانی معلوم ہوا کہ جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جائے تو یہ نماز عصر کا اول وقت اور نماز ظہر کا آخر وقت ہے۔ یعنی ظہر ختم اور عصر شروع ہے لیکن خفی مذہب اس کے برعکس حکم دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے:

فقہ کا اختلاف

﴿وَآخِرُ وَفَّتْهَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ إِذَا صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلِيهِ وَأَوَّلُ وَقْتِ الْعَصْرِ إِذَا خَرَجَ وَقْتُ الظُّهْرِ﴾ (ہدایہ جلد اول، باب المواقیت)

”امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک آخری وقت ظہر کا اور اول وقت عصر کا وہ ہے جب ہر چیز کا سایہ اس سے دوگنا ہو جائے۔“

بھائیو! دیکھا آپ نے کہ رسول اللہ ﷺ تو فرمائیں کہ سایہ ایک گونہ ہونے پر ظہر کا وقت جاتا رہا اور عصر کا وقت شروع ہو گیا۔ لیکن بقول صاحب ہدایہ امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں۔ ابھی ظہر کا وقت نہیں گیا، اور عصر کا وقت شروع نہیں ہوا۔ یعنی حضور انور ایک گونہ سایہ ہو جانے پر ظہر ختم اور عصر شروع بتائیں..... بقول صاحب ہدایہ امام ابوحنیفہؒ کہیں۔ نہیں! سایہ دوگنا ہونے پر ظہر ختم اور عصر شروع ہوتی ہے۔ افسوس! برادران احناف کا عمل حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول پر ہے، حدیث پر نہیں کہ تمام خفی مسجدوں میں کبھی نماز عصر اول وقت نہیں پڑھتے۔ گویا حضرت محمد ﷺ کے حکم ﴿صَارَ ظِلُّ كُلِّ شَيْءٍ مِثْلِهِ﴾ ہر چیز کا سایہ دوگنا ہونے پر پڑھتے ہیں۔ دھوپ زرد ہو جانے پر اخیر وقت پڑھتے ہیں۔ (۲) حالانکہ حضور ﷺ نے یہ بھی صاف صاف فرمایا ہے۔

(۱) جبرائیل کا حضور ﷺ کی امامت کرانا ایسا ہی ہے جیسے وہ آسمان سے وحی لاتا تھا۔ ﴿اقْبِسُوا الصَّلَاةَ﴾ نماز قائم کرو۔ (بخاری کتاب الاذان (۱۰) باب الاذان للمسافرین اذا كانوا جماعة والاقامة و كذلك بعرفة و جمع (۱۸) الحدیث ۲۳۱۔ عن مالک بن حوریتؒ یہ وحی جلی بھی وہ قرآن میں لایا۔ اور نماز قائم کرنے کی صورت بیت اور اس کے وقت کی پہچان (کی وحی خفی) بھی وہ لایا۔ حضور ﷺ نے اسی صورت کے متعلق فرمایا: ﴿صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي﴾ (بخاری شریف) نماز پڑھو جس طرح میں پڑھتا ہوں۔“

(۲) حضرت انسؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﴿بَلِّغْ صَلَاةَ الْمَنَافِقِ يَجْلِسُ يَرْفُئُ الشَّمْسُ حَتَّى إِذَا أَصْفَرَتْ وَكَانَتْ بَلْكَ بَيْنَ قَرْيَتَيْنِ الشَّيْطَانُ قَامَ فَتَقَرَّرَ أَرْبَعًا لَا يَذْكُرُ اللَّهَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا﴾ (صحیح مسلم) ”یہ نماز (عصر جو اخیر وقت پڑھی جائے) منافق کی نماز ہے کہ بیشمار بتا ہے انتظار کرتا ہے آفتاب کا یہاں تک کہ جب ہو جاتا ہے زرد اور ہو =“

﴿أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ الصَّلَاةُ فِي أَوَّلِ وَقْتِهَا﴾ (بخاری) ^(۱)

”افضل عمل نماز کو اس کے اول وقت میں پڑھنا ہے۔“

لیکن برادران احتیاف کبھی اول وقت نہیں پڑھتے۔ حضور ﷺ کے ارشاد کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتے۔ فقہ کے قول پر ہی عمل کرتے ہیں۔ ہم ان کی خیر خواہی کی نیت سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کو جب اللہ پوچھے گا کہ تم نے میرے سچے رسول ﷺ کی حدیث کو ایک امتی کے قول پر کیوں قربان کیا؟ رحمت للعالمین ﷺ کے حکم ”ایک مثل سایہ۔“ کو اپنے امام کے حکم ”دو مثل سایہ“ میں کیوں مدغم کیا؟ کیوں ساری عمر تقلید جامد کی ظلمت میں نمازیں اخیر وقت پڑھتے رہے تو وہ اللہ کے حضور کیا جواب دیں گے؟

تقاضا ہے گریباں کا کہ مجھ کو چاک کر ڈالو!
تنا ہے یہ داماں کی اڑا دو دھجیاں میری

جمع صلوٰتین

فرمان رحمت عالم ﷺ

﴿عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ بَيْنَ صَلَاةِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ إِذَا كَانَ عَلَى ظَهْرِ سَبَرٍ وَيَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ﴾ (بخاری) ^(۲)

= جاتا ہے درمیان دو سنگوں شیطان کے (یعنی غروب کے قریب) تو کھڑا ہوتا ہے (نماز کے لئے) پھر (جلدی جلدی) چار ٹھونکیں مارتا ہے اور نہیں یاد کرتا اس میں اللہ کو گرتھوڑا۔“ غور کیا آپ نے کہ دھوپ زرد ہو جانے پر اخیر وقت عصر پڑھنے کو حضور ﷺ نے منافق کی نماز فرمایا ہے۔ یعنی منافق ایسے اخیر وقت میں نماز عصر پڑھتے تھے۔ افسوس آج بھی ہمارے بعض مسلمان بھائی اول وقت چھوڑ کر عہد اخیر وقت دھوپ زرد ہونے پر پڑھتے ہیں۔ ان کو ڈرنا چاہئے۔ (مسلم کتاب المساجد (۵) باب استحباب التكبير بالعصر (۳۴) الحديث ۱۴۱۲ عن انس بن مالك رضى الله عنه)

(۱) یہ حدیث بخاری میں نہیں ہاں البتہ مسند احمد ۶/۳۷۷ و ابوداؤد کتاب الصلاة (۲) باب فی الحقیقة علی وقت الصلوة (۹) الحدیث ۴۲۶ و ترمذی کتاب الصلاة (۲) باب ماجاء فی الوقت الاول من الفضل (۱۲۷) الحدیث (۱۷۰) و دارقطنی ۱/۴۲۷ کتاب الصلاة باب النهي عن الصلوة بعد صلاۃ الفجر و بعد صلاۃ العصر الا حادیث ۸-۱۳ عن ام فروہ رضی اللہ عنہا گواس کی سند میں اضطراب ہے مگر شواہد کی وجہ سے صحیح ہے دیکھئے بخاری مواقیع الصلاة (۹) باب فضل الصلوة لوقتھا (۵) الحدیث ۵۷۲ و مسلم کتاب الایمان (۱) باب بیان کون الایمان باللہ تعالیٰ افضل الاعمال (۳۶) الحدیث ۲۵۳ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ مگر اس میں اول وقتھا کی بجائے علی وقتھا کے الفاظ ہیں، لیکن علی وقتھا کا معنی فی اول وقتھا کے ہی ہیں۔ کیونکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں اول وقتھا کے الفاظ بھی مروی ہیں۔ مستدرک ۱/۱۸۸ و ابن خذیمہ ۱/۶۹ و ابن حبان (۱۲۷۷) و بیہقی ۱/۴۳۴ ابن خذیمہ ابن حبان حاکم و ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

(۲) بخاری کتاب النقصیر (۱۸) باب الجمع فی السفر بین المغرب والعشاء (۱۳) الحديث ۱۱۰۷۔

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر میں ہوتے تو راستے میں ظہر، عصر کو اور مغرب، عشاء کو جمع کر کے پڑھتے تھے۔“

حضور رحمت اللعالمین ﷺ تھے۔ لوگوں کے طوق و زنجیر اتارنے اور بوجھ دور کرنے والے تھے۔ دُنیا والوں کے لئے آسانیاں لے کر آئے تھے۔ ان ہی آسانیوں میں مسئلہ جمع صلوٰتین ہے۔ کہ حضور ﷺ نے سفر کی دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھا۔ ظہر کو عصر کے ساتھ اور مغرب کو عشاء کے ساتھ۔ حج میں بھی اور دوسرے سفر میں بھی۔ اس فعل پاک سے اُمت کیلئے آسانی ہو گئی کہ سفر کے دوران وہ بھی جمع صلوٰتین کر سکتے ہیں۔ لیکن خفی مذہب یہ آسانی روکتا ہے۔ (۱)

فقہ کا اختلاف

﴿وَلَا يُجْمَعُ قُرْصَانٌ فِي وَقْتٍ بَلَا حَاجٍ﴾ (شرح و قایہ جلد اول، کتاب الصلوٰۃ)
”حج کے موقعہ کے سوا کسی اور وقت و فرض نمازوں کو جمع کر کے نہیں پڑھنا چاہئے۔“

حضور پر نور ﷺ نے جو دین میں آسانی رکھی تھی اس کو فقہ نے اٹھا دیا۔ حضور انور ﷺ سفر میں دو نمازیں جمع کریں اور اپنے اس فعل سے اُمت کے لئے سہولت پیدا کریں اور امتی اس سہولت کو اٹھا دیں۔ افسوس!

عورت مرد کی نماز میں امتیاز

حدیث کا ارشاد

نماز کے متعلق حضور انور ﷺ کا عام حکم ہے:

﴿صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ﴾ (بخاری شریف) (۲)

”نماز پڑھو (اے عورتو! مردو!) جس طرح میں پڑھتا ہوں۔“

اس میں کوئی تفریق نہیں کہ مرد اس طرح پڑھے اور عورت اس طرح۔ بلکہ یہی حکم ہے کہ سب طریق رسول ﷺ پر پڑھیں۔

حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

(۱) ﴿وَنَضَعُ عَنْهُمْ اَصْرَهُمْ وَاَلَا غَلَالَ اَلَتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ﴾ (پ: ۹، ع: ۹)

”اور اتارتا ہے (رسول اللہ ﷺ) ان سے بوجھ ان کے اور طوق جو تھے اوپر ان کے۔“

(۲) بخاری کتاب الاذان (۱۰) باب الاذان للمسافرین اذا كانوا جماعة والاقامة و كذلك بعرفة و جمع (۱۸) الحدیث

۶۳۱ عن مالک بن الحویرث۔

﴿كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَادِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ﴾ (مشکوٰۃ باب صفت الصلوٰۃ) (۱)

”جب رسول اللہ ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے موٹھوں کے برابر۔“

فقہ کا اختلاف

حضور انور ﷺ کا مذکورہ فعل سب کے لئے یعنی مردوں اور عورتوں کے لئے مساوی ہے۔ اب فقہ کی تقسیم دیکھئے:

﴿يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتَّى يُحَادِيَ بِإِبْهَامَيْهِ شَحْمَةَ أُذُنَيْهِ﴾ (ہدایہ باب صفت الصلوٰۃ)

”مرد ہاتھ اٹھائیں اس طرح کہ انگوٹھے کان کی لو کے برابر ہو جائیں۔“

یعنی مرد کان کی لو کے برابر تک ہاتھ اٹھائیں۔ موٹھوں تک نہ اٹھائیں۔ اب کیا مجال جو حنفی نماز میں موٹھوں تک ہاتھ اٹھائیں۔ ساری عمر کانوں کی لو تک اٹھاتے گزر گئی۔ زندگی بھر ایک مرتبہ بھی حدیث رسول اللہ ﷺ کے مطابق موٹھوں تک ہاتھ نہیں اٹھائیں گے اب عورت کے متعلق سنئے:

﴿وَالْمَرْأَةُ تَرْفَعُ يَدَيْهَا حِذَاءَ مَنْكِبَيْهَا﴾ (ہدایہ)

”اور عورت موٹھوں تک ہاتھ اٹھائے۔“

مرد کے لئے موٹھوں تک ہاتھ اٹھانے منع اور عورت کیلئے موٹھوں تک ہاتھ اٹھانے جائز ہیں۔ یہ تفریق مرد اور عورت کے درمیان کیوں؟ مرد موٹھوں تک ہاتھ اٹھائے تو اس کو گھوریں اور یہی فعل عورت کے لئے عین درست بتایا جاتا ہے۔ شریعت میں امتیوں کو اس تقسیم کا کیا حق ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے مرد اور عورت کی نماز میں فرق نہیں بتایا تو امتی کیوں بتائے؟

حضور ﷺ کا فعل ہاتھ باندھنے کے متعلق ملاحظہ ہو:

﴿عَنْ وَائِلِ ابْنِ حُجْرٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى يَدِهِ الْيُسْرَى عَلَى صَدْرِهِ﴾ (بلوغ المرام بحوالہ ابن خزيمة) (۲)

”وائل بن حجر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی۔“

حضور ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا اور ہاتھ سینے پر باندھے۔“

(۱) صحیح ہے اس کی تخریج صفحہ ۱۴۷ احادیث نمبر ۳ میں گزر چکی ہے۔

(۲) صحیح ابن خزيمة ۲۲۳/۱ کتاب الصلاة باب وضع اليمين على الشمال في الصلاة قبل افتتاح القراءة (۸۷) الحديث

۴۷۹۔ امام ابن خزيمة نے صحیح کہا ہے۔

”مردوں کو نماز میں ہاتھ ناف کے نیچے باندھنے چاہیں۔“

قارئین کرام!

اوپر کی غیر مجروح حدیث کے خلاف حکم دیا کہ مرد ہاتھ زیر ناف باندھیں، لیکن عورتوں کو حکم دیا: کہ وہ ہاتھوں کو سینے پر باندھیں، زیر ناف نہ باندھیں۔ یہ اختیار امتیوں کو کس نے دیا؟ کہ نماز کا طریقہ مردوں کے لئے جدا بنا دیا اور عورتوں کے لئے علیحدہ وضع کر لیا۔ حضور انور ﷺ کی حدیث، سنت اور فرمان کے مطابق کیوں نہ مرد اور عورتیں سب کے سب مونڈھوں تک ہاتھ اٹھائیں اور ہاتھوں کو سینے پر باندھیں!

فرو قال محمود سے در گذر
خودی کو نگاہ رکھ ابازی نہ کر

ایک وتر کا مسئلہ

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان

﴿وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُوتَرَ بِثَلَاثٍ فَلْيَفْعَلْ وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُوتَرَ بِوَاحِدَةٍ فَلْيَفْعَلْ﴾ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)^(۱)

”حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں: جو وتر تین رکعت پڑھنا چاہے وہ تین رکعت پڑھے اور جو وتر ایک رکعت پڑھنا چاہے وہ ایک رکعت پڑھے۔“

﴿الْوُتْرَ رُكْعَةً مِّنْ آخِرِ اللَّيْلِ﴾ (صحيح مسلم) ^(٢)

(١) مسند احمد ٣١٨/٥ و ابروداؤد كتاب الصلاة (٢) باب كم الوتر (٣٣٨) الحديث ١٣٢٢ و ناسي كتاب قيام الليل

(۲۰) باب ذکر الاختلاف علی الزهري فی حديث ابی ایوب فی الوتر (۴۰) الاحادیث الـ ۱۷ و ۱۸ و ۱۹ و ۲۰ و ۳۱ و ۳۲ و ۳۳ و ۳۴ و ۳۵

مراجعة كتاب اقامة الصلاة (٥) باب ما جاء في الوتر بثلاث (١٢٣) الحديث ١١٩٠ و طحاوى فى شرح معانى

الانار ۲۰۰/۱ باب الوترو دارقطنی ۲۲/۲ و مستبرک ۳۰۳/۱ و بیہقی ۲۷/۳ و طبرانی کبیر ۴/۱۲۷ الاحادیث ۳۹۶۱ تا

۳۹۶۳ و طبرانی الاوسط ۵۲۳/۲ الحديث ۱۹۶۵- و ابن حبان (موارد) الحديث ۶۰ عن ابي ايوب رضي الله عنه ابن حبان

حاکم وزعی اور علامہ البانی نے صحیح کہا ہے تحقیق مشکوٰۃ ۱/۳۹۶ (۱۲۶۵)

(٢) مسلم كتاب الصلاة المسافرين (٦) باب صلاة الليل مثنى مثنى والوتر ركعة من آخر الليل (٢٠) الحديث ١٤٥٤-

”حضور انور ﷺ نے فرمایا: وتر ایک رکعت ہے آخر رات کو۔“

فقہ کا اختلاف

حضور انور ﷺ کے فرمان سے وتر ایک رکعت بھی ثابت ہوا۔ پس ایک رکعت بھی پڑھ سکتے ہیں لیکن فقہ کے مطابق ایک رکعت نہیں پڑھ سکتے۔ حکم ہوتا ہے:

﴿الْوُتْرُ ثَلَاثُ رَكَعَاتٍ﴾ (ہدایہ باب الصلوٰۃ)

”وتر تین رکعت ہیں۔“

تمام حنفی بھائی وتر تین رکعت ہی پڑھیں گے کیا مجال جو کبھی ایک رکعت پڑھ جائیں۔ ایک وتر کی حدیث پر عمل کر جائیں، تقلید جامد کرتے ہوئے ساری عمر تین ہی پڑھیں گے۔ سوال یہ ہے کہ ایک وتر کے فرمان رسول ﷺ پر پابندی لگانے کا امتیوں کو کہاں سے حق حاصل ہو گیا؟ انہیں کہنا چاہئے تھا کہ جس کا دل چاہے وتر تین پڑھے چاہے ایک پڑھے۔

جلسہ استراحت

فعل رسول ﷺ

﴿فَإِذَا كَانَ فِي وَتْرٍ مِنْ صَلَواتِهِ لَمْ يَنْهَضْ حَتَّى يَسْتَوِيَ قَاعِدًا﴾ (بخاری شریف) ^(۱)
”حضور ﷺ جب نماز کی پہلی یا تیسری رکعت سے اٹھتے تو (دوسرا سجدہ کر کے) پوری طرح آرام سے بیٹھ کر اٹھتے۔“

سمجھ گئے آپ کہ حضور ﷺ پہلی یا تیسری رکعت میں دوسرا سجدہ کر کے اچھی طرح بیٹھ کر اٹھتے تھے۔ اب فقہ کا حکم سنئے:

فقہ کا اختلاف

﴿وَأَسْتَوِيَ قَائِمًا عَلَى صُؤُرٍ قَدَمَيْهِ وَلَا يَقْعُدُ﴾ (ہدایہ باب صفت الصلوٰۃ)

”اپنے پنجوں پر سیدھا کھڑا ہو جائے اور بیٹھے نہیں۔“

تمام حنفی بھائی ہدایہ کا حکم بے دلیل مان کر ہرگز نہیں بیٹھتے۔ جلسہ استراحت نہیں کرتے، وہ رسول اللہ ﷺ کا حکم کیوں نہیں مانتے؟ قول کے مقابل کیوں حدیث چھوڑ دیتے ہیں؟

(۱) بخاری کتاب الاذان (۱۰) باب من استوی قاعدا فی وتر من صلاته ثم نهض (۱۳۲) الحدیث ۸۲۳ عن مالک بن

مسلمان بھائیو! حضورؐ نور کی حدیث پر عمل کر کے جلسہ استراحت کیا کرو۔ ائمہ اربعہ رحمہ اللہ نے بھی احادیث پر عمل کرنے کا ارشاد فرمایا ہوا ہے!

مسئلہ تیمم

حدیث میں ایک ضرب

﴿ضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَفِّهِ الْأَرْضَ وَنَفَعَ فِيهِمَا ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ وَكَفَّهُ﴾ (بخاری، مسلم)^(۱)
 ”رسول اللہ ﷺ نے (تیمم میں) اپنے دونوں ہاتھ مٹی پر مارے۔ پھر پھونک کر اپنے چہرے پر ملے اور دونوں پہنچوں پر ملے۔“
 حضور ﷺ کے فعل پاک سے تیمم میں ایک ضرب ثابت ہوئی لیکن فقہ میں ارشاد ہوتا ہے:

فقہ کا اختلاف

وَالْتَيْمُّ ضَرْبَانِ (ہدایہ باب التیمم)
 ”اور تیمم میں دو ضربیں ہیں۔“

حنفی بھائی بھول کر بھی ایک ضرب پر عمل نہیں کرتے۔
 آنکھوں سے حسرت کے افسانے آنسو بن کر ٹپکے ہیں
 غم ہماری منزل منزل اٹک بداماں گزری ہے

پگڑی پر مسح

خاتم العین صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل

﴿عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ فَمَسَحَ بِنَاصِيَتِهِ وَعَلَى الْعِمَامَةِ وَعَلَى الْخُفَّيْنِ﴾ (صحیح مسلم)^(۲)

(۱) بخاری کتاب التیمم (۷) باب التیمم هل ینفع فیہما (۳) الحدیث ۳۳۸ و مسلم کتاب الحیض (۳) باب التیمم (۲۸) الحدیث ۱۱۰ عن عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ

(۲) مسلم کتاب الطہارۃ (۲) باب المسح علی الناصیۃ و العمامۃ (۲۳) الحدیث ۶۳۳ و ۶۲۶ عن مغیرۃ بن شعبۃ رضی اللہ عنہ

”منغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور انور ﷺ نے وضو کرتے وقت پیشانی (کے اوپر کے بالوں) پر اور پگڑی پر۔۔ اور موزوں پر مسح کیا۔“ (۱)

فقہ کا اختلاف

حدیث میں اوپر آ گیا کہ حضور ﷺ نے پگڑی پر مسح کیا۔ لیکن حنفی مذہب پگڑی پر مسح کرنے سے روکتا ہے۔ حکم ہوتا ہے:

﴿وَلَا يَجُوزُ الْمَسْحُ عَلَى الْعِمَامَةِ﴾..... (ہدایہ کتاب الطہارت)

”اور نہیں جائز مسح کرنا پگڑی پر۔“

حضور انور ﷺ تو پگڑی پر مسح کریں لیکن فقہ کا فتویٰ ہے کہ پگڑی پر مسح جائز نہیں! یہ بلا دلیل لا یجوز کہنے والے کون ہیں؟

شراب کا سرکہ بنانا

حدیث میں حرمت:

﴿عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبَّلَ عَنِ الْخَمْرِ يَتَّخَذُ خَلًّا فَقَالَ لَا﴾..... (مسلم) (۲)

”حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کیا شراب کا سرکہ بنالیا جائے۔ آپ نے فرمایا: ہرگز نہیں۔“

فقہ کا اختلاف

﴿وَإِذَا تَخَلَّلَتِ الْخَمْرُ حَلَّتْ سِوَاءَ صَارَتْ خَلًّا بِنَفْسِهَا أَوْ بِشَيْءٍ يُطْرَحُ فِيهَا وَلَا يُكْرَهُ تَخْلِيلُهَا﴾ (ہدایہ کتاب الاشربہ)

”شراب کا جب سرکہ بن گیا تو شراب حلال ہو گئی۔ آپ ہی سرکہ بن جائے یا کسی چیز کے ملانے سے سرکہ

(۱) نگاہ ہو تو سارے سر کا مسح کرنا چاہئے اس طرح کہ دونوں ہاتھ سر کے بالوں سے شروع کر کے آگے سے پیچھے کو لے جائیں۔ صحیح مسلم میں الی لقاء یعنی ہاتھوں کو سر کی گدی تک لے جانا بھی آیا ہے پھر پیچھے سے واپس اسی جگہ لے آئیں جہاں سے شروع کیا تھا۔ (بخاری کتاب الوضوء (۳) باب مسح الرأس كله (۳۸) الحديث ۱۸۵ و مسلم کتاب الطہارۃ (۲) باب آخر فی صفة الوضوء (۷) الحديث ۵۵۷ عن عبد الله بن زيد رضی اللہ عنہ)

(۲) مسلم کتاب الاشربۃ (۳۶) باب تحريم تغليل الخمر (۲) الحديث ۵۱۴۰۔

بنالیا جائے (حلال ہے) اور شراب کا سرکہ بنانا مکروہ نہیں ہے۔“
 رسول اللہ ﷺ فتویٰ دیں کہ شراب کا سرکہ بنانا ہرگز جائز نہیں لیکن حنفی مذہب کا فتویٰ ہے کہ شراب کا سرکہ بنانا جائز ہے اب آپ ہی فیصلہ کر لیں کہ حدیث کی مخالفت کا کیا انجام ہو سکتا ہے؟۔۔۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مشہور فرمان ہے:

﴿إِذَا صَحَّ الْحَدِيثُ فَهُوَ مَذْهَبِي﴾

”صحیح حدیث میرا مذہب ہے۔“

پس صحیح مسلم کی صحیح حدیث میں آگیا کہ شراب کا سرکہ بنانا جائز ہے۔ تو ہر حنفی بھائی کو اس حدیث کی رو سے شراب کی تقلیل کو حرام سمجھنا چاہئے۔

گتے کی خرید و فروخت

حدیث میں حرام

﴿عَنْ أَبِي مُسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَمَهْرِ الْبَغِيِّ وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ﴾ (مشکوٰۃ کتاب البیوع بحوالہ بخاری، مسلم)^(۱)
 ”رسول اللہ ﷺ نے گتے کی قیمت، زانیہ کی اجرت اور کاہن کے حلوان (شیرینی، اجرت) سے منع کیا ہے۔“^(۲)

اس حدیث میں گتے کی خرید و فروخت سے حضور ﷺ نے منع کیا ہے۔ لیکن حنفی مذہب کا فتویٰ ملاحظہ ہو:

فقہ کا اختلاف

يَعْجُزُ بَيْعُ الْكَلْبِ (هدایہ کتاب البیوع)

(۱) بخاری کتاب البیوع (۳۴) باب ثمن الكلب (۱۱۳) الحدیث ۲۲۳۷ و مسلم کتاب المساقاة (۲۲) باب تحریم

ثمن الكلب و حلوان الكاهن و مهر البغی والنهی عن بیع السنور (۹) الحدیث ۴۰۰۹۔

(۲) حلوان الکاهن کاہن کا حلوان۔ طوان کے معنی اجرت کے ہیں اور طوا یعنی شیرینی مٹھائی وغیرہ کے بھی ہیں۔ چنانچہ مولانا شاہ عبدالحق

محدث دہلوی رحمہ اللہ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔ طوان الکاهن۔ طوان بضم حاء مہملہ وسكون لام مشتق از حلاوت بمعنی شیرینی و

أجرت کاہن (احدہ المعانی جلد ثالث ص ۵) یعنی طوان حلاوت سے مشتق ہے جس کے معنی شیرینی (حلوہ مٹھائی وغیرہ) اور اجرت

کاہن کے ہیں۔ مظاہر حق شرح مشکوٰۃ میں ہے۔ کاہن اس کو کہتے ہیں کہ جو فجر دے اس چیز کی جو زمان آئندہ میں ہوگی اور جو کوئی خبر

دینے پر مٹھائی یا کپڑا نقدی دے ان سب کو عربی میں طوان کہتے ہیں اور طوان کے معنی شیرینی (مظاہر حق جلد سوم ص ۷۱۶) مولانا

حافظ محمد رحمہ اللہ طوان الکاهن کے معنی لکھتے ہیں شیرینی کاہن (زینت الاسلام حصہ دوم ص ۸۰)

”کتے کی خرید و فروخت جائز ہے!“
 حنفی بھائیو! تقلید جامد چھوڑ دو اور دلیل (حدیث) کی روشنی میں کتے کی خرید و فروخت کو ناجائز مان لو کہ اتباع رسول ﷺ کی قرآن میں تاکید آئی ہے۔

متنقل کے پیچھے مفترض کی اقتدا

حدیث میں جواز

﴿عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَأْتِي قَوْمَهُ فَيُصَلِّي بِهِمْ﴾ (بخاری، مسلم)^(۱)

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز (عشاء) پڑھتے تھے۔ پھر اپنی قوم کے پاس جا کر ان کی امامت کراتے۔“

اس سے ثابت ہوا کہ متنقل امام کے پیچھے مفترض مقتدی کی نماز ہو جاتی ہے گویا یہ امت کے لئے آسانی ہے۔ لیکن حنفی مذہب کا فتویٰ اس کے خلاف ہے۔ دیکھئے:

فقہ کا اختلاف

﴿وَلَا يُصَلِّي الْمُفْتَرِضُ خَلْفَ الْمُتَنَقِّلِ﴾ (کتب فقہ)

”اور فرض پڑھنے والے کی نماز نفل پڑھنے والے کے پیچھے نہیں ہوتی۔“

غور فرمائیں کہ حدیث میں نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی نماز ہو جاتی ہے۔ معاذ رضی اللہ عنہ متنقل، مفترضوں کی امامت کراتے ہیں اور حضور ﷺ منع نہیں فرماتے لیکن حنفی مذہب بنانے والے ایسا کرنے سے منع کرتے ہیں..... فرض پڑھنے والوں کو نفل پڑھنے والے کی اقتدا سے روکتے ہیں آخر کیوں؟ حنفی بھائیو! غور کرو! کیا یہ حدیث کا مقابلہ نہیں ہے؟

قلندرانِ طریقت بہ نیم جو نخرند!

قبائے اطلس آنکس کہ از ہنر عاریست

(۱) بخاری کتاب الاذان (۱۰) باب اذا صلى ثم ام قوماً (۶۶) الحديث ۴۱۱۔ و مسلم كتاب الصلاة (۳) باب القراءة في

العشاء (۳۶) الاحاديث ۱۰۴۰ و ۱۰۴۱ و ۱۰۴۲ و ۱۰۴۳ عن جابر بن عبد الله رضی اللہ عنہ

ارکان نماز کی اہمیت

حدیث میں ارکان کی فرضیت

مشکوٰۃ میں صحیح بخاری کے حوالہ سے حدیث موجود ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ کے سامنے تین چار بار نماز پڑھی۔ آپ نے ہر بار اسے فرمایا:

﴿إِزْجِعْ فَضْلَ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ﴾^(۱)

”لوٹ جاؤ، پھر نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔“

آخر اس نے عرض کیا حضور ﷺ مجھے نماز سکھائیں، پھر آپ ﷺ نے اس کی وہ غلطیاں بتائیں جن کے سبب نماز نہیں ہوتی تھی۔ سنوار کر وضو کرنے، قبلہ رخ کھڑے ہو کر، تکبیر کہہ کر، قرات پڑھنے کی ہدایت کے بعد فرمایا:

﴿ثُمَّ أَرْكَعَ حَتَّى تَطْمِئِنَّ رَأْسُكَ﴾ ”پھر رکوع کر یہاں تک کہ اطمینان خاطر سے رکوع کرے تو“ ﴿ثُمَّ أَرَفَعَ حَتَّى تَسْتَوِيَ قَائِمًا﴾ ”پھر اٹھا (سر) یہاں تک کہ سیدھا کھڑا ہو تو (قومہ میں)“ ﴿ثُمَّ اسْجُدَ حَتَّى تَطْمِئِنَّ سَاجِدًا﴾ ”پھر سجدہ کر یہاں تک کہ اطمینان خاطر سے سجدہ کرے تو“ ﴿ثُمَّ أَرَفَعَ حَتَّى تَطْمِئِنَّ جَالِسًا﴾ ”پھر اٹھا (سر) یہاں تک کہ اطمینان خاطر سے بیٹھے تو (جلسہ میں)“ ﴿ثُمَّ اسْجُدَ حَتَّى تَطْمِئِنَّ سَاجِدًا﴾ ”پھر سجدہ کر یہاں تک کہ اطمینان خاطر سے سجدہ کرے تو۔“

حضور انور ﷺ نے جو اس شخص کو بار بار نماز لوٹانے کا حکم دیا، تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ جلدی جلدی رکوع، قومہ، سجدہ، جلسہ کرتا تھا بغیر اطمینان کے ارکان سے گزرتا تھا۔ (جس طرح آجکل عام نمازی بڑی پھرتی سے نماز پڑھتے ہیں) جلدی جلدی ٹھوگلیں مارتے ہیں۔ حضور ﷺ نے اس کو تاکید کی کہ وہ بڑے آرام سے رکوع کرے، پھر آرام سے سیدھا کھڑا ہو جائے۔ یعنی بڑے آرام و اطمینان سے قومہ بجالائے۔۔۔ پھر آرام سے سجدہ کرے۔ پھر بڑے اطمینان سے جلسہ کرے یعنی سجدے سے اٹھ کر اطمینان سے بیٹھے۔ پھر دوسرا سجدہ آرام سے کرے۔“

حضور ﷺ کے اس فرمان سے معلوم ہوا کہ رکوع، قومہ، سجدہ، جلسہ نماز کے فرض اور رکن ہیں۔ ان کی طمانیت کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ اب فقہ میں ان ارکان کے متعلق حکم ملاحظہ ہو:

(۱) بخاری کتاب الاذان (۱۰) باب وجوب القراءة والماموم (۹۵) الحديث ۷۵۷ و باب ام النبي ﷺ الذي لا يتم ركوعه بالعادة (۱۲۲) الحديث ۷۹۳ و كتاب الاستئذان باب من رد فقال 'عليك السلام' (۱۸) الحديث ۶۲۵۱ و كتاب الايمان و النفور (۸۳) باب اذا حنت نامياني الايمان (۱۵) الحديث ۶۶۶۷ و مسلم كتاب الصلاة باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة (۱۱) الحديث ۸۸۵۔ عن ابی هريرة رَضِيَ اللهُ عَنْهُ

فقہ میں اختلاف

﴿أَمَّا الْإِسْتِوَاءُ قَائِمًا فَلَيْسَ بِفَرْضٍ﴾ (ہدایہ)

”رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہونا فرض نہیں۔“

﴿كَذَا لَجَلَسَةُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ﴾ (ہدایہ)

”اسی طرح دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا (جلسہ) بھی فرض نہیں۔“

﴿وَالطَّمَائِيَّةُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَ مُحَمَّدٍ﴾ (ہدایہ)

”اور رکوع اور سجدہ بھی اطمینان سے کرنا فرض نہیں، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہی حکم ہے۔“

غور کیا آپ نے کہ رسول اللہ ﷺ تو فرمائیں کہ رکوع کے بعد سیدھے کھڑے ہو جاؤ (کہ قومہ فرض ہے) لیکن بقول صاحب ہدایہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہیں کہ رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہونا فرض نہیں۔ حضور انور ﷺ فرمائیں بڑے اطمینان سے رکوع کرو اور بڑے اطمینان سے سجدہ کرو (کہ رکوع اور سجدہ میں اطمینان فرض ہے) لیکن بقول صاحب ہدایہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہیں رکوع اور سجدہ میں اطمینان فرض نہیں۔ حضور انور ﷺ حکم دیں کہ دونوں سجدوں کے درمیان اطمینان سے بیٹھو (کہ جلسہ فرض ہے) بقول صاحب ہدایہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہیں: دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا یعنی جلسہ فرض نہیں۔^(۱)

حنفی بھائیوں کیلئے لمحہ فکریہ

برادران احناف رسول اللہ ﷺ کی عزت و ناموس اور آپ ﷺ کی اطاعت کی فرضیت کو سامنے رکھ کر جواب دیں کہ آپ نے حضور انور ﷺ کے حکم (اطمینان سے قومہ کرنا) کو ترک کر کے امام کے حکم (قومہ فرض نہیں) کو مان کر قومہ کی طہانیت ترک کر دی ہے۔ یعنی رکوع کے بعد آرام سے کھڑا ہونا چھوڑ رکھا ہے۔ بلکہ قومہ میں حضور ﷺ کی دعا ﴿حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ﴾^(۲) بھی نہیں پڑھتے..... یہاں تک کہ اکثر تو صرف اشارہ کر کے سجدہ میں چلے جاتے ہیں، اور اسی طرح حضور ﷺ کے حکم (رکوع اور سجدہ کی طہانیت) کو ترک کر کے امام کے حکم (رکوع اور سجدہ میں طہانیت فرض نہیں) کو مان کر رکوع اور سجدہ آرام سے نہیں کرتے اور حضور اکرم ﷺ کے حکم

(۱) ہم نہیں کہتے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں کے مخالف تھے۔ یہ مقابلے حدیثوں کے تقلید کے دلدادے ہی ان سے کروارہے ہیں۔ احادیث کے خلاف مسائل گھڑ کر احناف ہی امام صاحب رحمہ اللہ کے ذمہ لگا رہے ہیں۔ ہمارے نزدیک امام صاحب حدیث کے فدائی اور شیدائی تھے۔ جب ہی تو انہوں نے فرمایا ہے کہ اگر میرا قول حدیث کے خلاف ہو تو اسے دیوار پر پٹک دو..... اور فرمایا: میرا مذہب صحیح حدیث ہے۔“ رحمۃ اللہ علیہ۔

(۲) بخاری کتاب الاذان (۱۰) باب (۱۲۶) الحدیث ۷۹۹ عن رفاعۃ بن رافع رضی اللہ عنہ

(اطمینان سے جلسہ کرنا) کو ترک کر کے امام کے حکم (جلسہ فرض نہیں) کو تسلیم کر کے دو سجدوں کے درمیان آرام سے نہیں بیٹھتے بلکہ حضور ﷺ کی فرمودہ دُعا ﴿اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَعَافِنِيْ وَارْزُقْنِيْ﴾^(۱) بھی نہیں پڑھتے۔ حالانکہ حضور انور ﷺ نے ان ارکان میں کوتاہی کرنے والے نمازی کو فرمایا تھا:

﴿فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ﴾ ”تو نے نماز پڑھی ہی نہیں۔“

پھر آپ حضرات نے ارکان اربعہ کی فرضیت کو ترک کر کے مقابلہ میں قولِ امام پر عمل کر رکھا ہے کل قیامت کو جب اللہ نے پوچھا کہ تم نے نماز کس کے طریقے پر پڑھی؟ تو آپ کیا جواب دیں گے؟ پیارے بھائیو! یاد رکھو! اللہ تعالیٰ اسی عمل کو قبول کرے گا جو سنت کے مطابق، فرمودہ رسول ﷺ کے موافق ہوگا، اور جو ارشاد سید المرسلین ﷺ سے بے اعتنائی برت کر کیا ہوگا، وہ ہرگز بار آور نہیں ہوگا۔ اس کا کچھ اجر نہیں ملے گا۔ نماز کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا ہے:

﴿صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ﴾ (بخاری شریف)^(۲)

”پڑھو نماز (ہو بہو) جس طرح میں پڑھتا ہوں۔“

پس آپ حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق نماز کے ارکان اربعہ کو فرض جان کر بڑے آرام و اطمینان سے ادا کریں اور جو اقوال حدیث پاک کے مطابق نہ ہوں، انہیں ترک کر دیں کہ رحمت عالم ﷺ کی محبت اور اطاعت کا یہی تقاضا ہے۔

از پیامِ مصطفیٰ ﷺ آگاہ شو!
فارغ از اربابِ دونِ اللہ شو!

- (۱) مسند احمد ۳۷۱/۵ و ابوداؤد کتاب الصلاة (۲) باب الدعاء بین السجدين (۱۳۵) الحدیث ۸۵۰ و ترمذی کتاب الصلاة (۲) باب ما یقول بین السجدين (۲۱۱) الحدیث ۲۸۴ و ابن ماجہ کتاب اقامة الصلاة (۵) باب ما یقول بین السجدين (۲۳) الحدیث ۸۹۸ و مستدرک للحاکم ۲/۲۶۲ و بیہقی ۱۲۲/۲ حاکم و ذہبی اور علامہ البانی نے صحیح کہا ہے صحیح سنن ترمذی ۲۳۳ مگر اس کی سند میں حبیب بن ابی ثابت راوی مدلس ہے اور تھدیث کی صراحت نہیں ہاں البتہ نبی ﷺ نے ان کلمات کو حضرت ابوما لک رضی اللہ عنہ کے سوال ’کیف اقول اذا لبیت‘ (جب میں نماز ادا کروں تو کیا سوال کروں) سکھانے ثابت ہیں۔ ابن خذیمہ ۷۴۳ و مسلم ۶۸۴۸۔ لہذا یہ شاہد کی وجہ سے صحیح ہے۔

- (۲) بخاری کتاب الاذان (۱۰) باب الاذان للمسافرین اذا كانوا جماعة والاقامة و كذلك بعرفة و جمع (۱۹) الحدیث ۶۳۱ عن مالک بن حوریت رضی اللہ عنہ

جماعت کھڑی ہونے پر سنتیں پڑھنا

ممانعت رسول ﷺ

﴿عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ﴾ (صحیح مسلم) ^(۱)

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب فرض نماز (کی جماعت) کھڑی ہو جائے تو اس فرض نماز کے سوا اور نماز (پاس) نہیں ہوتی۔“

حدیث بالا سے ثابت ہو گیا کہ جب فرض کی جماعت کھڑی ہو جائے تو پاس کوئی نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔ وہ نماز ہوگی ہی نہیں، لیکن فقہ کا حکم ہے پڑھ لو۔ فتوے ملاحظہ ہو:

فقہ کا اختلاف

﴿مَنْ انْتَهَى إِلَى الْأَمَامِ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ وَهُوَ لَمْ يُصَلِّ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ إِنْ خَشِيَ أَنْ تَفُوتَهُ رَكْعَةٌ وَيَذْرُوكَ الْآخِرُ لَمْ يُصَلِّ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ عِنْدَ بَابِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ يَدْخُلُ﴾ (ہدایہ)

”صبح کی نماز باجماعت ہو رہی ہو تو جو شخص امام کے پاس پہنچے اور اس نے دو رکعت سنتیں نہ پڑھی ہوں وہ ڈرے کہ ایک رکعت فوت ہو جائے گی اور دوسری رکعت کو پالے گا تو اسے (امام سے ہٹ کر) مسجد کے

دروازے کے پاس دو سنتیں پڑھ کر جماعت میں شامل ہو جانا چاہئے۔“

غور کریں کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ، جماعت کے ہوتے پاس کوئی نماز پڑھنی منع کرتے ہیں ﴿لَا صَلَاةَ﴾ فرماتے ہیں کہ نماز ہوتی ہی نہیں لیکن فقہ کا حکم یہ ہے کہ اگر ایک رکعت فرض مل جانے کی امید ہو تو پاس سنتیں پڑھ لو۔ سنتیں ضرور پڑھ لو خواہ فرضوں کی ایک رکعت جاتی رہے!

آج سارے ملک کے اندر خفی صبح کی جماعت کے ہوتے ہوئے پاس سنتیں پڑھتے ہیں۔ حضور ﷺ کی حدیث سنائیں کہ فرض نماز کے ہوتے ہوئے پاس نماز پڑھنی منع ہے تو کوئی پروا نہیں کرتے اور فقہ کے حکم سے جماعت کے پاس سنتیں پڑھ جاتے ہیں گویا تقلید جامد کی ظلمت میں رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کئے جاتے ہیں۔

خفی بھائیو! اللہ کا خوف کرو رسول اللہ ﷺ کے حکم کو دبا کر امام کے قول کو غالب کر کے سنتیں پڑھتے ہو۔ قیامت کے روز حدیث کے خلاف احکام فقہ پر آپ کے اعمال جب اللہ کے سامنے پیش ہوئے تو اللہ ان کا کیوں کر

(۱) مسلم کتاب اصلاۃ المسافرین (۶) باب کراۃ الشروع فی نافلۃ بعد مشروع المؤذن فی اقامۃ (۹) الحدیث

اجردے گا؟ رحمت عالم ﷺ ناراض ہوں گے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہیں گے کہ اے اللہ! میں کوئی کتاب اپنے اقوال کی لکھ کر اپنے پیچھے نہیں چھوڑ گیا تھا کہ لوگ ان پر عمل کریں اور خفی مذہب بنالیں۔ اللہ تو گواہ ہے کہ میں نے کہا تھا کہ ﴿إِذَا صَحَّ الْحَدِيثُ فَهُوَ مَذْهَبِي﴾ ”میرا مذہب صحیح حدیث ہے۔“ پھر جن لوگوں نے خواہ مخواہ مجھے امام اعظم بنا کر میری تقلید شروع کی اور خود خلاف احادیث اقوال کا طور مار گھڑ کر میرے ذمہ لگایا۔ آج ان کو پکڑ لے۔ میں بری الذمہ ہوں!

حدیث کو دانستہ چھوڑ کر حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے (فرضی) اقوال پر چلنے والوں کو اللہ کے غضب سے ڈرنا چاہئے۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے دانستہ حدیث کے خلاف حکم دیا ہو؟ یہ خلاف حدیث اقوال اور مغائر دین طومار بعد کے لوگوں کا گھڑا ہوا ہے اس پر اندھا دھند نہ چلیں جو باتیں حدیث کے مطابق ہوں وہ لے لیں اور جو خلاف ہوں وہ چھوڑ دیں۔ حدیث کے خلاف کسی کی بات مت مانیں، کسی کے قول پر مت چلیں۔ تحقیق کی روشنی میں عمل کریں اور یہ نہ کہیں کہ ہمارے باپ دادا ایسا کرتے آئے ہیں ہمارے مولوی صاحب یوں فرماتے ہیں بلکہ حدیث کی دلیل کے ساتھ سب کافر مان سر آنکھوں پر رکھیں کہ سلامتی اسی میں ہے۔



حلالہ کی لعنت

حلالہ کرنے والا ملعون ہے

﴿عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُحْلَلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ﴾ (دارمی، ابن ماجہ) ^(۱)

”عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی حلالہ کرنے والے پر اور جس کے لئے حلالہ کیا جائے۔“

جس عورت کو باقاعدہ تین طلاقیں دے دی جائیں وہ عورت اب طلاق دہندہ کے ساتھ رجوع نہیں کر سکتی۔ نکاح بھی نہیں کر سکتی ہاں عدت کے بعد اپنی مرضی سے کسی اور شخص کے ساتھ نکاح کرے وہ شخص چھ مہینے سال دو سال چار سال کے بعد کسی وجہ سے طلاق دے دے جیسے پہلے نے دی تھی یا مر جائے تو اب یہ عورت عدت گزار کر اگر چاہے تو پہلے شوہر کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے۔ اس عورت پر کوئی زور نہیں دباؤ نہیں۔ پہلے خاوند کے ساتھ نکاح کرنے کی یہ جائز صورت ہے۔

اس کے سوا ایک حیلہ وضع کیا گیا ہے جس کو حلالہ کہتے ہیں۔ اس کی یہ صورت ہے کہ طلاق والی عورت کے ساتھ ایک شخص کا ایک رات کے لئے اس شرط پر نکاح کر دیتے ہیں کہ وہ صحبت کرنے کے بعد اسے طلاق دے دے گا۔ تاکہ تین طلاق یک بارگی دینے والے کے لئے یہ عورت حلال ہو جائے۔ ایسا حلالہ کرنے کا فعل کرنے والے اور کرانے والے کو رسول اللہ ﷺ نے ملعون فرمایا ہے۔

حلالہ کرنے والا اسے کہتے ہیں جو اس نیت سے عورت سے ایک رات کے لئے نکاح کرے کہ وہ اس سے صحبت کر کے دوسرے دن طلاق دے کر پہلے خاوند کے لئے حلال کر دے گا۔

یادر ہے کہ دین اللہ نے اتارا ہے۔ یہ اللہ کا کام ہے یا اللہ کے حکم اور وحی سے اس کے رسول ﷺ کا منصب ہے کہ کسی کام کو حلال کرے یا حرام کرے۔ کسی اُمتی کے لئے ہرگز یہ اجازت نہیں ہو سکتی کہ دین اسلام میں کسی امر کو حرام کرے یا حلال کرے۔ ارشاد خداوندی ہوتا ہے:

(۱) مسند احمد ۱/۳۸۸ و سنن دارمی ۲/۳۱۱ کتاب النکاح باب فی النهی عن التحلیل (۵۳) الحدیث ۲۲۵۸ و ترمذی کتاب النکاح (۹) باب ماجاء فی المحلل (۲۸) الحدیث ۱۱۲۰ و نسائی (معجبین) کتاب الطلاق (۲۷) باب احلال المطلقة ثلاثا و ما فیہ من التغلیظ (۱۳) الحدیث و بیہقی ۷/۴۰۸ امام ترمذی ابن قطان ابن دقیق (التلخیص الحبیہ ۳/۷۰) اور علامہ البانی نے صحیح کہا ہے ارواء الغلیل ۶/۳۰۷ (۱۸۹۷)

﴿اتَّخَذُوا أَخْبَارَهُمْ وَرُءِبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ﴾

”پکڑ انہوں نے (یہود و نصاریٰ) نے اپنے علماء اور مشائخ کو رب اللہ کے سوا۔“

جب حضرت عدیؓ مسلمان ہوئے (۱) تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے مذکورہ آیت کا مطلب پوچھا کہ عیسائیوں نے اپنے علماء و مشائخ کو کیوں کر رب بنایا تھا۔ اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب وہ (علماء مشائخ) لوگوں کے لئے کسی چیز کو (بلا دلیل صرف اپنی رائے سے) حلال کر دیتے تھے تو لوگ حلال جان لیتے تھے اور جب وہ ان کے لئے کسی چیز کو (بلا دلیل صرف اپنی رائے سے) حرام کر دیتے تھے تو لوگ حرام مان لیتے تھے۔..... (ترمذی شریف)

یہود و نصاریٰ کا اپنے علماء اور مشائخ کو اللہ کے سوا رب بنانے کا یہ مطلب ہوا کہ لوگ ان کے حلال کردہ یا حرام کردہ امور کو مان لیتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ کے دین میں اپنی مرضی سے چیزوں کو حلال یا حرام کرنا بڑا جرم ہے! کسی کی جوان لڑکی کو جو مرد بار بار دیکھے یا گلی کوچہ میں اسے دیکھنے کے لئے بار بار جائے تو لوگ اس کو بے حیا اور بد معاش کہیں گے اور اگر وہ باز نہ آئے تو شاید جوتے بھی کھائے گا۔ لیکن جب والدین اللہ کے حکم اور رسول رحمت ﷺ کی سنت کے مطابق اپنی لڑکی کا نکاح کرتے ہیں۔ خوشی خوشی اپنی لڑکی کو ایک مرد (جو پہلے غیر محرم اور اجنبی تھا) کے حوالے کر دیتے ہیں اب اس مرد اور عورت کا آپس میں ملنا جلنا سب کچھ نیکی اور ثواب بن جاتا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ یہ اللہ کے حکم اور اس کے سچے رسول ﷺ کی سنت کے ماتحت ہوا ہے۔ دیکھا وہی کام جو پہلے اللہ کی نافرمانی کے سبب بے حیائی اور بد معاشی تھا۔ اب اللہ کی اطاعت اور رسول رحمت ﷺ کی سنت کے اوپر عمل کرنے سے نیکی پر ہیز گاری اور معاشرے کی نیک نامی کا موجب بن گیا ہے۔ پس کسی امر کو حلال یا حرام بنانا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا کام ہے کسی اور کا نہیں۔

حلالہ بھی ایک حیلہ وضع کیا گیا ہے کہ یک بارگی تین طلاق دینے والا اگر پھر اس مطلقہ کو بیوی بنانا چاہے تو ایک شب کیلئے کسی دوسرے مرد سے نکاح کر دیتا ہے۔ اس غرض سے کہ وہ اس کو خلوت صحیحہ کے بعد طلاق دے کر پہلے خاوند کے لئے حلال کرے۔ یہ فعل سراسر فرمان رسول ﷺ کے خلاف اور حیا کے سخت منافی ہے۔ اسی لئے تو حضور ﷺ نے محمل اور محمل لہ کو معلون فرمایا ہے۔

لیکن بعض اسلام کی روح کو مجروح کرنے والے ایسے مفتی بھی ہیں جو کہتے ہیں:

﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا بَعْدَ وَطِئِهَا حَلَّتْ لِذَٰلِكَ﴾ (ہدایہ)

”پھر اگر حلالہ کرنے والے نے صحبت کے بعد اس عورت کو طلاق دے دی تو وہ پہلے شوہر کے لئے حلال ہو جائے گی۔“

حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

لَعَنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُحْلِلَ وَ الْمُحْلِلَ لَهُ (دارمی، ابن ماجہ) ^(۱)
 ”کہ حلالہ کرنے والا اور جس کے لئے حلالہ کیا جائے دونوں ملعون ہیں۔“

اسلام دنیا میں رحمت کا پیام ہے۔ اسلام جن کے اوپر اللہ کی طرف سے نازل ہوا وہ رحمت للعالمین ﷺ ہیں۔ دیکھئے! اللہ تعالیٰ نے قرآن میں طلاق دینے کا طریقہ (اشد ضرورت کے وقت) یہ بتایا ہے کہ یکے بعد دیگرے تین طلاقیں تین مہینوں میں دو اور پہلی دو طلاقوں میں رجوع کا موقع دیا ہے۔ اگر دو ماہ میں رجوع نہیں ہوا تو پھر تیسرے ماہ تیسری طلاق دینے سے عورت کا تعلق پورے طور پر ختم کر دیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اسی لئے یکبارگی تین طلاق دینے کو قرآن کے ساتھ استہزاء فرمایا ہے اور اس کام پر غضبناک ہوئے ہیں۔ (ملاحظہ ہو مشکوٰۃ شریف) ^(۲)

پھر اگر کوئی نادانی سے بیک وقت تین طلاق دے دے تو حضور اکرم ﷺ نے ان تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق شمار کیا ہے۔

عن ابن عباس قال كان الطلاق على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وسنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة ﴿.....﴾ (صحيح بخاری) ^(۳)

”رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی پوری خلافت میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دو برس میں (یک بارگی) تین طلاقیں ایک شمار کی جاتی تھی۔“

غور فرمائیں! کہ یک بارگی تین طلاقیں جب ایک طلاق کے حکم میں ہیں اور پھر بہ آسانی نبی رحمت ﷺ کے حکم سے رجوع ہو سکتا ہے تو پھر اس حلالہ کے ایجاد کرنے کی کیا ضرورت رہی!

پھر نہیں! کہ کسی شخص کے کہنے پر اس ایجاد حلالہ کے نزدیک نہ پھٹکیں۔ حضور انور ﷺ نے ﴿لَعَنَ اللَّهُ الْمُحْلِلَ وَ الْمُحْلِلَ لَهُ﴾ ^(۴) فرمایا ہے۔ کہ حلالہ کرنے والا اور جس کے لئے حلالہ کیا جائے..... دونوں ملعون

(۱) صحیح حدیث ہے، تخریج حاشیہ ۱۰۲ میں گزر چکی ہے، مگر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث ابن ماجہ میں نہیں ہاں البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ابن ماجہ (۱۹۳۵) میں ضرور ہے مگر یہ ضعیف ہے راجع ارواء الغلیل ۳۰۹/۶

(۲) نسائی کتاب الطلاق (۲۷) باب الثلاث المجموعة و ما فيه من التلغیظ (۶) الحدیث ۳۳۳۰ عن محمود بن لبید رضی اللہ عنہ اس کے راوی تو ثقہ ہیں مگر سند میں انقطاع ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری ۲۹۶/۹ میں اور علامہ البانی نے تحقیق مشکوٰۃ ۹۸۱/۲ میں صراحت کی ہے۔

(۳) یہ روایت بخاری میں نہیں ہاں البتہ مسلم کتاب الطلاق (۱۸) باب طلاق الثلاث (۲) الحدیث (۳۶۷۳) ۱۵-۱۴۷۲ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

(۴) صحیح حدیث ہے، تخریج حاشیہ نمبر ۱۰۲ میں گزر چکی ہے۔

ہیں۔ (ابن ماجہ)

ہمارے پاس آج تک چالیس سے زیادہ ایسے اشخاص آچکے ہیں۔ جنہوں نے کہا کہ وہ ایک بارگی تین طلاق دے چکے ہیں اور اب رجوع کرنا چاہتے ہیں، لیکن بعض علماء کہتے ہیں کہ حلالہ کرو پھر نکاح کرو! لیکن ان کا ضمیر اس قابل شرم حلالہ کی اجازت نہیں دیتا۔

ہم نے ان کو رسول رحمت ﷺ کی حدیث میں پناہ دی۔ تین طلاقیں کو ایک رجعی قرار دیکر ان کے اجڑے گھروں کو بسایا..... اور وہ اسلام کی خوبیوں کا گن گاتے اور نبی رحمت ﷺ کے لئے ﴿اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ﴾ کہتے ہوئے خوش و خرم ہیں۔

بھائیو! ہم اسی لئے بار بار عرض کرتے ہیں کہ جامد تقلید چھوڑ دو اور امتیوں کی صرف وہ باتیں مانو جو حدیث کے مطابق ہوں اور جو نہ ہوں وہ چھوڑ دو۔ اب تھوک دو اس حلالہ کو اور تو بہ کرو اس طومار سے جو احادیث سید الکونین ﷺ کے خلاف ہو تحقیق کے اجالے میں آؤ اور شاہراہ ہادی عالم ﷺ پر چل کر قبول رسالت کی ذمہ داریاں پوری کرو۔

بادہ و خونِ جگر بیک کس نہ دہند
کہ بیک دست محال است دو ساغر گیرند

حدیث کے موافق فقہ سر آنکھوں پر

یہ جو حدیث سے مختلف فقہ کے مسائل آپ نے اوپر ملاحظہ کئے ہیں، شتے نمونہ از خردارے ہیں۔ کتب فقہ کی چھان بین سے سینکڑوں ایسے مسائل و احکام اور دکھائے جاسکتے ہیں جو احادیث نبوی ﷺ کے خلاف ہیں۔ پھر ہمیں چاہئے کہ کتب فقہ کو قرآن اور حدیث کا درجہ نہ دیں۔ بلکہ ان کتابوں کے وہ مسائل قبول نہ کریں جو تاجدار عالم بطحا علیہ السلام کی سنتوں اور حدیثوں کے برعکس ہیں اور جو مندرجات حضرت خیر الوری ﷺ کے فرمودوں کے موافق اور مؤید ہیں انہیں سر آنکھوں پر رکھیں..... اور یہی تحقیق اور تنقیدی اصول رجال اُمت کی تصنیفوں، تالیفوں، تدوینوں، قیاسوں اور اجتہادوں میں کارفرما رہے کیونکہ سوائے رسول اللہ ﷺ کے کوئی بھی اُمت میں تنقید سے بالاتر نہیں ہے۔ کوئی بھی غیر نبی معصوم عن الخطا نہیں!

حاشا وکلا!..... ہمیں کتب فقہ یا ان کے مصنفین و مجتہدین کے ساتھ کوئی بغض و عناد نہیں۔ ہم ائمہ دین کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان کے لئے اللہ سے رحمتیں مانگتے ہیں۔ ہاں ہم ان کو رحمت عالم ﷺ کی عصمت میں شریک کرنے کو تیار نہیں۔ رسول پاک ﷺ کا مقام نہیں دیتے۔ وحی کا محل نہیں سمجھتے، بھول چوک سے معصوم و پاک تصور نہیں کرتے۔ ان کے اقوال و افعال اور اجتہاد و قیاس کو آنکھیں بند کر کے بغیر تحقیق کے ماننے کو تیار نہیں۔

انہیں احادیث و سنن کی روشنی میں لائے بغیر قبول کرنا گوارا نہیں کرتے کہ صرف پیغمبر معصوم ﷺ کی ذات ہی حجت فی الدین ہے۔ ان کے قول و فعل کو ہی بلا چون و چرا ماننے کا حکم ہے۔

فیصلہ رسول ﷺ سے اعراض کا نتیجہ

تفسیر معالم التنزیل^(۱) میں ہے کہ ایک یہودی اور ایک مسلمان (منافق مسلمان) کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ مسلمان نے کہا کہ کعب بن اشرف کے پاس چلو کہ وہ یہودی عالم ہے ہمارے درمیان فیصلہ کرے۔ یہودی نے کہا کہ حضرت محمد (ﷺ) کے پاس چل کر فیصلہ کرا لیتے ہیں۔

بالآخر دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے ﴿فَقَضَىٰ لِلْيَهُودِيِّ﴾ حضور انور ﷺ نے (بیان سکر) یہودی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ ﴿فَلَمْ يَرْضَ الْمُنَافِقُ﴾ لیکن منافق حضور ﷺ کے فیصلے پر راضی نہ ہوا اور کہنے لگا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چلو پھر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ یہودی نے سارا حال کہہ سنایا اور بتا دیا کہ ہم حضرت محمد (ﷺ) سے فیصلہ لے آئے ہیں۔ حضور ﷺ نے میرے حق میں فیصلہ کر دیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مسلمان (منافق) سے دریافت کیا کہ کیا یہودی ٹھیک کہتا ہے اس نے کہا: ہاں ٹھیک کہتا ہے۔ ﴿فَقَتْلَهُ﴾ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مسلمان (منافق) کو قتل کر دیا اور فرمایا:

﴿هَذَا قَضَاءُ مَنْ لَمْ يَرْضَ بِقَضَاءِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ﴾

”یہی فیصلہ ہے اس شخص کا جو رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ (حدیث) پر راضا مند نہیں۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دعویٰ

پھر اس مقتول کے وارثوں نے رسول اللہ ﷺ کے حضور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر خون کا دعویٰ دائر کر دیا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا ہے۔ اب حضور انور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ قاضی ہیں۔ ایک طرف عدالت کے اندر مدعی (مقتول کے وارث) ہیں۔ دوسری طرف مدعی علیہ حضرت فادق اعظم رضی اللہ عنہ ہیں اتنے میں حضرت جبرائیل علیہ السلام یہ آیات لے کر آ گئے:

حدیث چھوڑ کر قول امتی کی طرف آنا منافقت ہے

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَىٰ الرَّسُولِ رَأَيْتُ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ

(۱) اسے امام ابو حاتم نے ابی الاسود کے مرسل طریق سے روایت کیا ہے اور مسند میں عبد اللہ بن لصیحہ راوی ضعیف ہے تقریباً ۱۹۶ حافظ ابن کثیر نے تفسیر ۵۲۱/۱ میں اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

صُدُوْدًا ﴿ (پ: ۵: ع: ۶)

”اور جب کہا جاتا ہے ان (نام کے مسلمانوں منافقوں کو کہ فیصلہ کے لئے) آؤ طرف اس چیز کے جو اتاری ہے اللہ نے (یعنی قرآن) اور طرف رسول ﷺ کے (یعنی حدیث کے) تو دیکھتا ہے تو ان (منافقوں) کو کہ تجھ سے ہٹ ہٹ کر رہتے ہیں۔ یعنی تجھ سے بچتے رکھتے ہیں۔“

مقتول کے وارثوں کا دعویٰ تھا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا۔ اللہ نے فرمایا کہ مقتول مسلمان نہیں منافق ہے اور اس کا نفاق یہ تھا کہ اس نے اپنے لئے ﴿مَا أَنْزَلَ اللَّهُ﴾ قرآن اور حدیث رسول ﷺ کو کافی نہیں جانا..... فیصلہ رسول ﷺ سے اعراض کیا۔ حدیث سے پیچھے ہٹ گیا۔

مسلمان بھائیو! غور کرو کہ اس آیت میں حضور انور ﷺ کے حکم سے منہ موڑنے والے کو اللہ نے منافق کہا ہے۔ اس کے اسلام سے انکار کر دیا ہے۔ حالانکہ وہ مقتول نماز بھی پڑھتا تھا، وہ پیغمبر خدا ﷺ کے فیصلے پر راضی نہ ہوا۔ اس نے حضور ﷺ کی حدیث کو پرے ہٹایا، حدیث چھوڑ کر امتی کے قول کی طرف رخ کیا۔ اس پر اللہ نے اسے منافق کہا گویا اللہ نے یہ فیصلہ دیا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمان کو نہیں مارا بلکہ ایک منافق کو قتل کیا ہے اس کا خون ہدر قرار دیا۔ پھر خون کا دعویٰ کرنے والوں کے متعلق ارشاد خداوندی ہوا۔

﴿فَكَيْفَ إِذَا أَصَابْتَهُمْ مُصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَاءَ وَكَ يَخْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا﴾ (پ: ۵: ع: ۶)

”پھر کیا ہوا جب پہنچی ان کو مصیبت اپنے کرتوت کی وجہ سے“ (کہ فیصلہ رسول ﷺ نہ مانا) پھر آتے ہیں تیرے پاس قسمیں کھاتے ہوئے کہ بخدا ہماری غرض تو سلوک اور میل ملاپ کی تھی۔“

یعنی مقتول کے وارث حضور ﷺ سے کہتے ہیں کہ ہم حضرت عمرؓ کے پاس آپ کے حکم کی اپیل لے کر نہیں گئے تھے۔ بلکہ اس خیال سے گئے تھے کہ حضرت عمرؓ سب کی آپس میں صلح کرادیں گے۔ اللہ نے ارشاد فرمایا۔
أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ﴿ (پ: ۵: ع: ۶)

”یہ لوگ (منافق) ہیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو (نفاق) ان لوگوں کے دلوں میں ہے۔ پھر منہ پھیر لے ان سے (اے پیغمبر ﷺ) اور نصیحت کر ان کو (کہ نفاق چھوڑ دو) اور کہہ ان سے ان کے حق میں بات اثر کرنے والی۔“

حدیث کے مقابلہ میں قول پر عمل کرنے والے

یعنی یہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس صرف صلح سلوک اور میل ملاپ کی خاطر گئے تھے

جھوٹ کہتے تھے۔ یہ منافق ہیں، بے ایمان ہیں، دراصل انہیں (اے میرے پیارے رسول ﷺ) تیرا فیصلہ پسند نہ آیا، تیرا فرمان نہ بھایا۔ انہوں نے تیرے ارشاد سے منہ موڑا، حدیث چھوڑ کر قول پر عمل کرنے لگے تھے۔ اللہ ان کی منافقت کو خوب جانتا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ پر ان کا دعویٰ استغاثہ نہیں چل سکتا، ان سے منہ پھیر لے، ان کو اپنی عدالت سے نکال دے کہ تیری حدیث کو رد کرنے والے ہیں۔ دور کر دے ان کو، کہ تیرے ارشاد پر ناخوش ہیں، دفع کر انہیں اپنے حضور سے کہ مسلمان کہلا کر تیرا حکم ماننے والے ہیں۔ حدیث کی موجودگی میں عمر رضی اللہ عنہ کا قول چاہتے ہیں۔

﴿يُضْذَوْنَ عَنْكَ ضُذُوذًا﴾

”تیرے فیصلے سے رک رک رہتے ہیں۔“ ہاں ہاں! یہ منافق ہیں۔ بے ایمان ہیں۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ

﴿حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (پ: ۵: ۶۷)

”پس قسم ہے تیرے رب کی! (اے پیارے رسول) انہیں ایمان لائیں گے یہاں تک کہ حاکم بنائیں تجھ کو اپنے باہمی جھگڑوں میں، پھر تیرے فیصلے سے اپنے جیوں میں (کچھ بھی) تنگی نہ پائیں اور دل و جان سے مان لیں۔“

یعنی یہ کلمہ پڑھنے والے، مسلمانی کا دعویٰ کرنے والے: نمازی، حاجی، زکوٰۃ، روزہ دار، تہجد گزار، پرہیزگار، اپنے دین و دنیا کے تنازعوں، مسائل کے جھگڑوں میں جب تک تجھے اپنا حکم، منصف اور قاضی نہ بنائیں گے۔ تیرے حکم، فیصلے، سنت اور حدیث سے اپنے اختلافات ختم نہ کریں گے۔۔۔ تیرے فرمان کے آگے سر تسلیم خم نہ کریں گے، ہرگز مومن نہ بنیں گے۔ مسلمان نہ ہوں گے، چاہے ہزار بار کہیں ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ﴾ اگر سنت سے سرکیں گے، اعراض کریں گے۔۔۔ حدیث کے مقابلہ میں امتیوں کے اقوال چاہیں گے۔ ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ مجھے تیرا رب ہونے کی قسم! یہ مسلمان نہیں!

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ کا اعتبار

مسلمانوں کو یہ پڑھ کر لرز جانا چاہئے کہ سرور عالم ﷺ کا حکم سن کر، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کی طرف رجوع کرنے پر اللہ نے ان کو منافق کہا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حدیث کے ہوتے ہوئے قول پر عمل کرنے کے خواہشمند کو موت کے گھاٹ اتار دیا، غور فرمائیں کہ حضور ﷺ کا فیصلہ حدیث ہی تھا، اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فیصلہ چاہنا، حدیث چھوڑ کر امتی کے قول پر عمل کرنا ہی ہوا۔ پھر ان لوگوں کا کیا حشر ہوگا؟ جو جناب سرور کائنات ﷺ کی

حدیثیں چھوڑ کر مقابلہ میں اقوال رجال پر عمل کرتے ہیں۔ فیصلہ رسول ﷺ ترک کر کے دانستہ امام کے قول کو اپناتے ہیں۔ کیا اس صورت حال پر ﴿يَصْذُونَ عَنْكَ صُذُوذًا﴾ کی زد نہیں پڑتی۔ اس خرم عمل کو ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ کی بجلی جلا کر اکھسیا نہیں کر دیتی۔

چمن میں تلخ نوائی میری گوارا کر!
کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کار تریاقی

حضرت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ

امام صاحب کا مختصر حال

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ۸۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ اس وقت خلیفہ عبد الملک بن مروان بن الحکم کا عہد تھا۔ آپ کے دادا زوطی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد خلافت میں اسلام قبول کیا آپ کے والد ثابت اسلام میں پیدا ہوئے۔

آپ نساج تھے (رحمۃ اللہ علیہ) ^(۱) ریشمی پارچہ بانی کا بہت بڑا کارخانہ آپ کے گھر میں تھا اور پشت ہاپشت سے کپڑے کی تجارت کا یہ کام آپ کے خاندان میں ہوتا چلا آتا تھا۔ شروع شروع میں آپ بھی اپنے آبائی پیشے میں مصروف رہے۔ حلال کی روزی کما کر کھانی آپ کی گھٹی میں تھی مشکوک لقمہ تک آپ کے پیٹ میں نہیں گیا۔

تعلیم کا دور

اللہ تعالیٰ جب کسی سے کوئی کام لینا چاہے تو اس کی طبیعت میں اس کا رجحان و میلان پیدا کر دیتا ہے۔ آپ کی طبیعت نے ایک لخت پلٹا کھایا اور آپ تحصیل علم کی طرف مائل ہو گئے۔ حافظہ بلا کا تھا۔ طبیعت علم کو ایسے جذب کرتی گئی جیسے آگ پانی کو۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ کی توفیق اور اس کا فضل آپ کے شامل حال تھا اس کو منظور تھا کہ انہیں دُنیا میں علم کا ایک خاص مرتبہ عطا کرے زمانے کا مجتہد بنائے۔

آپ کی پیدائش کے ایام میں کئی اصحاب زندہ تھے حضرت انس رضی اللہ عنہ مالک بصرہ میں حضرت عبد اللہ بن ابی

(۱) حضور انور ﷺ فرماتے ہیں: ﴿مَنْ أَكَلَ أَكَلًا طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلٍ يَذْنِبُهُ وَإِنْ نَبَى اللَّهُ دَاوُدَ كَانَ يَأْكُلُ

مِنْ عَمَلٍ يَذْنِبُهُ﴾ (بخاری) (بخاری کتاب البیوع (۳۴) باب کسب الرجل و عمله بیدہ (۱۵) الحدیث ۲۰۷۲ عن

المقداد بن اسود رضی اللہ عنہ)

”میں کھایا کسی نے کوئی کھانا بہتر اس سے کھائے اپنے ہاتھ کے کسب سے۔ اور تحقیق اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام کھاتے تھے اپنے ہاتھوں کے عمل سے۔“ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے لوہے کی زرہ بنا کر بیچتے تھے اور یہ کمائی کھاتے تھے۔ معلوم ہوا کہ دستکاری انبیاء کی سنت ہے۔

اولیٰ بنی کوفہ میں سہل بن سعدی رضی اللہ عنہ مدینہ میں اور ابو طفیل رضی اللہ عنہ مکہ میں موجود تھے۔ آپ نے ان صحابہ رضی اللہ عنہم سے کوئی روایت نہیں لی۔^(۱) جب آپ کا توسن ذوق تحصیل علم کے صحرائیں دوڑنے لگا تو اس وقت تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اللہ کو پیارے ہو چکے تھے اس لئے آپ کا علم تابعین رضی اللہ عنہم کا مرہون منت ہے۔ آپ نے فقہ کا علم حماد بن ابی سلیمان رضی اللہ عنہ سے حاصل کیا اور حدیث عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ، ابواسحاق رضی اللہ عنہ، محمد بن منکدر رضی اللہ عنہ، ہشام بن عروہ رضی اللہ عنہ، نافع مولا ابن عمر وغیرہم سے سماعت کی، امام مالک رضی اللہ عنہ سے بھی آپ کی سماعت حدیث ثابت ہے۔

آپ کی طبیعت کی صفائی پاکیزگی اور ذہن کی رسائی مشہور تھی، دماغ بڑا موزوں، حافظہ بلا کا اور قوت استدلال بہت زبردست تھی۔۔۔ تائید ایزدی سے آپ علم کی معراج کو پہنچ گئے۔ آپ کے ہمعصر لا تکل مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ علم کی خوبیوں اور بلندیوں کے سبب آپ امام اعظم کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ بہت سے لوگوں نے آپ سے علم کی دولت پائی۔ آپ کے شاگرد امامت علم کے مرتبوں کو پہنچ گئے، جن میں امام ابو یوسف رضی اللہ عنہ، امام محمد رضی اللہ عنہ اور امام زفر رضی اللہ عنہ بہت مشہور ہیں۔

پسندیدہ اخلاق

آپ بڑے عابد زاہد، خدا ترس، متقی، پرہیزگار تھے، دل ہر وقت خوف الہی سے لبریز رہتا تھا۔ اللہ کے حضور ﷺ تضرع کرتے رہتے اور بہت کم بولتے تھے۔ بڑے سلیم الطبع، بلند اخلاق، پسندیدہ طبیعت، منکسر مزاج، ملنسار، بردبار، عالم باعمل اور فرشتہ خصلت انسان تھے۔ تقویٰ اور خوف خدا آپ کی ذات میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ دیانت آپ کی مسلح تھی۔

(۱) امام اعظم رضی اللہ عنہ نے کسی صحابی سے کوئی روایت نہیں لی۔ غور کریں کہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ کوفہ میں وہ آخری صحابی ہیں جو ۸۶ھ میں فوت ہوئے، رضی اللہ عنہ۔ اور امام صاحب رضی اللہ عنہ ۸۰ھ کو پیدا ہوئے تو اس وقت ان کی عمر چھ برس کی ہوئی۔ ان سے پڑھنے یا روایت لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور حضور ﷺ کے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے آخری صحابی حضرت ابو طفیل رضی اللہ عنہ ہیں جو مکہ شریف میں ۱۰۰ھ میں بہشت کو سدھارے۔ ان سے حدیث سننا تو درکنار حضرت امام صاحب کی ان سے ملاقات تک نہ ہوئی۔ حضرت علامہ شبلی رضی اللہ عنہ سیرت العمان میں صاف لکھتے ہیں: صاف بات یہ ہے کہ امام رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ایک روایت بھی کی ہوئی تو سب سے پہلے علامہ خاص اس کو شہرت دیتے۔ "ایسا ہی تاریخ ابن خلکان میں بھی ہے کہ امام صاحب کی نہ کسی صحابی سے ملاقات ہوئی اور نہ کسی صحابی سے روایت ہی کی ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بزرگی، تقویٰ، علم و فضل اور جلالت شان اپنی جگہ پر درست اور مسلم ہے لیکن خواہ مخواہ عقیدت کی رو میں بہر کد خلاف واقعہ باتیں ان کے حق میں گھڑ کر فرض مرتبے قائم کرنا درست نہیں۔ یہ بات بھی آپ کے متعلق مشہور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو دیکھ کر ان کے حق میں دعا کی تھی حالانکہ یہ محض جھوٹ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ۴۰ھ میں فوت ہوئے اور امام صاحب رضی اللہ عنہ ان کی وفات کے چالیس سال بعد ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ افسوس! خوش فہم لوگ بزرگوں کی فرضی شان قائم کرنے کے لئے کیسے کیسے افسانے تراشتے ہیں۔

زہد و تقویٰ

دُنیا آپ کے پیچھے پڑی لیکن آپ دُنیا سے ہمیشہ بھاگا کرتے۔ خلیفہ ابو جعفر منصور آپ کو کوفہ سے بغداد لے گیا اور وہاں لے جا کر آپ کے سامنے قضاۃ پیش کی۔ آپ نے اس عہدہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، حتیٰ کہ قاضی نہ بننے پر قسم کھالی۔ خلیفہ منصور نے بھی کہا کہ بخدا آپ کو قاضی بنانا کے چھوڑوں گا۔

اس سلسلہ میں خلیفہ کے دربان ربیع بن یونس نے کہا: نعمان بن ثابت سوچئے! امیر المؤمنین نے آپ کو عہدہ دینے کی قسم کھالی ہے۔۔۔ آپ نے جواب دیا: ربیع بن یونس! سنو خلیفہ اپنی قسم توڑ کر کفارہ ادا کرنے کی مجھ سے زیادہ طاقت رکھتے ہیں۔ خلیفہ نے یہ سن کر آپ کو قید کر دیا۔ بار بار آپ کے آگے قضاۃ پیش کی۔ ہر بار آپ نے انکار ہی کیا، اور خلیفہ کو فرمایا: اللہ سے ڈر! اور یہ قضاۃ کی امانت کسی اہل کو سونپ! تیرے دربار میں کئی اس منصب کے لائق ہیں۔ اگر تو مجھے دریا میں ڈبو دے گا پھر بھی قضاۃ قبول نہیں کروں گا، کیونکہ میں اس کے لائق نہیں ہوں۔ خلیفہ نے کہا: آپ جھوٹ کہتے ہیں، آپ قضاۃ کے ضرور لائق ہیں۔ آپ نے جواب دیا ﴿حَكَمْتُ لِيْ عَلٰی نَفْسِيْ﴾ آپ نے میرے حق میں فیصلہ کر دیا۔ اب تو میں کسی صورت قضاۃ کے لائق نہیں کیونکہ جھوٹا قاضی نہیں ہو سکتا۔

پھر ایک دفعہ حاکم عراق نے آپ کے آگے کوفہ کی قضاۃ پیش کی آپ نے بدستور انکار کیا۔ اس پر یزید بن عمرو نے آپ کو ہر روز دس بید کی سزا دینی شروع کر دی اور ایک سو دس بید لگوائے، پر آپ نے قاضی بننا منظور نہ کیا۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کس درجہ باخدا نیک، متقی، خداترس اور خشیت ایزدی سے لرزہ بر اندام رہنے والے انسان تھے۔ کیا ان سے یہ توقع ہو سکتی ہے کہ انہوں نے دانستہ حدیث کے خلاف قیاس اور آراء کے دفتر تیار کئے ہوں۔ ہرگز نہیں!

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی وصیت

آپ وصیت فرماتے ہیں:

﴿لَا يَنْبَغِيْ لِمَنْ لَّمْ يَعْرِفْ دَلِيْلِيْ اَنْ يُفْتِيَ بِكَلَامِيْ﴾ (تفسیر مظہری، یواقیت الجواہر)

”جو شخص میری دلیل نہ جان لے اس کو سزاوار نہیں کہ میرے کلام سے فتویٰ دے۔“

”یعنی بلا دلیل میری کوئی بات نہ مانو اور نہ اس سے فتویٰ دو۔“

امام صاحب کاندھب

آپ فرماتے ہیں:

﴿اِذَا صَحَّ الْحَدِيْثُ فَهُوَ مَذْهَبِيْ﴾

”جب حدیث صحیح (ثابت) ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔“

گویا آپ نے صاف کہہ دیا کہ ”میں اہل حدیث ہوں۔“ نیز حضرت امام صاحب رحمہ اللہ کی زبان سے ثابت ہو گیا کہ حدیث مذہب ہے کیونکہ وہ خود کہتے ہیں کہ صحیح حدیث میرا مذہب ہے۔“

کسی نے سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ تم اہل حدیث کیسے ہوئے؟ انہوں نے جواب دیا: مجھے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اہل حدیث بنایا۔ (حدائق الحنفیہ)

کتاب وسنت کیخلاف میرا قول چھوڑ دو!

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿إِذَا قُلْتُ قَوْلًا وَ كِتَابُ اللَّهِ يُخَالِفُهُ فَأَتْرُكُهَا قَوْلِي بِكِتَابِ اللَّهِ. فَقِيلَ إِذَا كَانَ خَبَرُ الرَّسُولِ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُخَالِفُهُ قَالَ أَتْرُكُهَا قَوْلِي بِخَبَرِ الرَّسُولِ فَقِيلَ إِذَا كَانَ قَوْلُ الصَّحَابَةِ يُخَالِفُهُ قَالَ أَتْرُكُهَا قَوْلِي بِقَوْلِ الصَّحَابَةِ﴾ (روضة العلماء) ^(۱)

”جب میرا قول قرآن مجید کے خلاف ہو تو اسے چھوڑ دو۔ آپ سے پوچھا گیا: جب آپ کا قول حدیث کے خلاف ہو؟ فرمایا چھوڑ دو۔ پھر سوال ہوا: اگر صحابہ رحمہم اللہ کے قول کے خلاف ہو؟ فرمایا: پھر بھی چھوڑ دو۔“

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت امام صاحب رحمہ اللہ کا مذہب حدیث کے مطابق ﴿مَا أَنَا عَلَيْهِ وَ أَصْحَابِي﴾ ہی تھا۔ یعنی جس راہ (قرآن اور حدیث) پر حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم چلتے تھے..... امام صاحب رحمہ اللہ بھی اسی راستے پر گامزن تھے۔ پھر تمام حنفی بھائیوں کو چاہئے کہ وہ بھی امام صاحب کے ارشاد کے مطابق امام صاحب رحمہ اللہ کا راستہ..... قرآن اور حدیث اختیار کریں بلا دلیل اقوال پر نہ چلیں..... یہ راہ امام نہیں ہے!

دلیل سے عمل کرو!

﴿إِنْ تَوَجَّهَ لَكُمْ ذَلِيلٌ فَقُولُوا بِهِ﴾ (در مختار مصری جلد اول)

”اگر تم کو (قرآن اور حدیث) سے دلیل مل جائے تو اسی پر عمل کرو اور اسی سے فتویٰ دو۔“

غور کریں! کہ امام صاحب رحمہ اللہ تاکید فرماتے ہیں کہ جب دلیل یعنی قرآن و حدیث مل جائے تو اسی پر عمل کرو۔ پھر برادران احناف کو چاہئے کہ وہ قرآن اور حدیث پر بالراست عمل کریں کہ یہی امام صاحب کی فرماں برداری ہے۔

(۱) تقلید کی تعریف ہے امام کے قول بلا دلیل کو قبول کرنا۔ حضرت امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے بلا دلیل قول سے فتویٰ دینا حرام ہے پھر مقلد بھائیوں کو امام صاحب رحمہ اللہ کے فرمان کے مطابق مدلل اقوال کو ماننا اور ان پر عمل کرنا چاہئے۔ جو متعصب اور ضدی لوگ بلا دلیل اقوال پر اڑتے ہیں۔ ان کو امام صاحب کے حکم کے مطابق یہ روش چھوڑ دینی چاہئے۔ ورنہ وہ امام صاحب کی نافرمانی کرنے والے

بلا دلیل فتویٰ دینا حرام ہے!

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

﴿حَرَامٌ عَلَى مَنْ لَمْ يَعْرِفْ ذَلِيلِي أَنْ يُفْتِيَ بِكَلَامِي﴾ (میزان شعرانی)

”جس شخص کو میرے قول کی دلیل (قرآن و حدیث) سے معلوم نہ ہو..... اسے میرے کلام کے ساتھ فتویٰ دینا حرام ہے۔“

امام صاحب رحمہ اللہ کے اس فرمان سے معلوم ہوا کہ محض ان کے اقوال..... بلا دلیل پر نہ عمل کرنا چاہئے اور نہ ہی اس سے مسئلہ بتانا چاہئے۔ ہاں جب ان کا قول مدلل ہو۔ سند کے ساتھ ہو۔ قرآن و حدیث کی دلیل سے ہو تو پھر قابل عمل بھی ہے اور قابل تبلیغ بھی۔ خفی بھائیو! امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد سن رہے ہو! پھر کسی کے کہنے پر امام صاحب کا قول بلا دلیل نہ ماننا کہ اس میں امام صاحب کی نافرمانی ہے!

قاضی ابو یوسفؒ کو حکم

حضرت امام صاحب رحمہ اللہ اپنے شاگرد قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ کو حکم دیتے ہیں:

﴿لَا تَرَوْعَنِي شَيْئًا فَإِنِّي وَاللَّهِ مَا أَذِرُنِي مُخْطِئًا أَنَا أَمْ مُصِيبٌ﴾ (تاریخ بغداد امام خطیب رحمہ اللہ)

”(ابو یوسف میرے شاگرد)! میری روایت سے مسائل بیان نہ کرنا بخدا میں نہیں جانتا کہ میں نے درست مسائل بیان کئے ہیں یا غلط۔“

جہاں حدیث نہیں ملی وہاں امام صاحب نے اپنے اجتہاد (رائے) سے مسئلہ بتایا ہے لیکن ساتھ ہی تاکید کر دی کہ میری رائے یا قول سے مسائل بیان نہ کرو ہو سکتا ہے کہ اجتہاد میں غلطی کر جاؤں۔ رحمت ہو اللہ کی امام صاحب پر کتنا ڈر ہے اللہ کا دین کے بارے میں۔

﴿يَا أَيُّهَاكُمْ وَالْقَوْلُ فِي دِينِ اللَّهِ بِالرَّأْيِ وَ عَلَيْكُمْ بِاتِّبَاعِ السُّنَّةِ فَمَنْ خَرَجَ عَنْهَا ضَلَّ﴾ (فتوحات)

”لوگو! اللہ کے دین میں رائے قیاس کرنے سے بچو اور حدیث کی تابعداری کرو۔ اگر سنت کا اتباع چھوڑ دیا۔ تو گمراہ ہو جاؤ گے۔“

ریث اور آراء رجال

حضرت امام صاحب فرماتے ہیں:

﴿ضَعِيفُ الْحَدِيثِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ آرَاءِ الرِّجَالِ﴾ (عقود الجواهر)

”میرے نزدیک ضعیف حدیث اقوال رجال سے زیادہ محبوب ہے۔“

غور کریں کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ حدیث کے کتنے شیدائی ہیں کہ ضعیف حدیث تک کو آراء رجال سے زیادہ پسند کرتے ہیں۔ شیع حدیث کے پروانہ ہیں۔۔۔ لیکن افسوس جو صحیح حدیث کو چھوڑ کر اقوال رجال کو لیتے ہیں وہ کتنے حق سے دور ہیں۔ ہم حنفی علماء کی خدمت میں بصد ادب عرض کرتے ہیں کہ وہ لوگوں کو حدیث پر عمل کرنے کی رغبت دلائیں کتب فقہ کی بجائے صحاح ستہ پر زور دیں!

حدیث سر آنکھوں پر

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

﴿مَا جَاءَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبِالرَّأْسِ وَالْعَيْنِ.....﴾ (ظفر الامانی)

”جو کچھ حدیث شریف سے ثابت ہو وہ سر آنکھوں پر ہے۔“

امام صاحب کے اس ارشاد کو سن کر ہر حنفی بھائی کا فرض ہے کہ وہ کہہ دے کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہی میرا مذہب ہے حدیث میرے سر آنکھوں پر ہے اور پھر وہ عمل کے لئے صرف حدیث ہی تلاش کرے اقوال رجال کے درپے نہ ہو۔ جب حدیث مل گئی تو قول کی کیا ضرورت ہے؟

امام صاحب کا طریق عمل

جزء تاریخ بغداد الخطیب میں ہے۔

﴿إِذَا وَرَدَتْ عَلَيْهِ مَسْئَلَةٌ فِيهَا حَدِيثٌ أَتَّبَعَهُ أَوْ كَانَ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ﴾

”جب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کوئی مسئلہ آتا اور اس کے بارے میں صحیح حدیث ہوتی تو آپ حدیث کی پیروی کرتے۔۔۔ ورنہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم کی۔“

کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب حدیث تھا۔ ان کا عمل ﴿مَا أَنَا عَلَيْهِ وَاصْخَابِي﴾ پر تھا۔ پھر آپ کیسے کہتے ہیں کہ ہمارا مذہب حنفی ہے۔ بھائیو! سوچو کہ حنفی مذہب کہاں سے آ گیا؟ حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو اپنا مذہب حدیث بتائیں اور خود اپنا کوئی مذہب جاری نہ کریں بلکہ حکم دیں کہ حدیث سر آنکھوں پر رکھو۔ پھر امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان کے مطابق آپ کا مذہب حدیث ہی ہونا چاہئے۔ عمل کے لئے صرف کتاب و سنت کو کافی جانیں۔

دیکھئے! حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”مجموعہ فتاویٰ“ میں فرمایا:

”مسلمان ہونے میں حنفی وغیرہ ہونا شرط نہیں کیا گیا۔“

جب مسلمان ہونے میں حنفی ہونا شرط نہیں کیا گیا تو ثابت ہوا کہ حنفی ہونا اسلام کا حکم نہیں بغیر حنفی ہوئے اور

کہلائے بھی مسلمان سولہ آنے مسلمان ہے! کہ صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین رضی اللہ عنہم اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم حنفی، شافعی وغیرہ قطعاً نہ تھے اور سب مقرب بارگاہ ایزدی تھے۔ ان کا عمل صرف کتاب وسنت پر تھا۔

گھڑے ہوئے مسائل

ان تصریحات کی روشنی میں آپ نے دیکھ لیا کہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ قرآن اور حدیث کے عامل تھے۔ پھر کیا یہ ان سے ہو سکتا ہے کہ ان کے اقوال حدیث کے خلاف ہوں؟ یعنی انہوں نے دانستہ حدیث سے اختلاف کیا ہو؟ ہرگز نہیں! اور یہ جو فقہ کے اندر بے شمار مسائل واحکام حدیث سے مختلف ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت امام صاحب رضی اللہ عنہ کے نہیں ہیں بلکہ بعد کے لوگوں کے گھڑے ہوئے ہیں اور جبراً امام صاحب کے ذمہ لگادئے ہیں۔ لاکھوں رحمتیں ہوں امام صاحب پر انہوں نے حدیث پاک کو ہی اپنا مذہب بنایا حدیث کے مل جانے پر اپنی رائے کو پرکاہ کے برابر بھی نہیں جانا۔ ڈرڈر کر بیچ کر بڑی احتیاط سے مسائل بتائے اور پھر تاکید پر تاکید کی کہ اگر یہ حدیث کے خلاف ثابت ہو جائیں تو انہیں دیوار پر دے مارنا اور حدیث پر عمل کرنا.....

پھر افسوس ان علماء پر جو زبردستی فقہ کی کتابوں کے خلاف حدیث مسائل امام صاحب رضی اللہ عنہ کے نام سے لوگوں میں بیان کرتے ہیں اور پھر تھلیدی رنگ میں انہیں ماننے اور ان پر عمل کرنے کے لئے زور دیتے ہیں..... اگر کوئی کہے کہ فلاں مسئلہ حدیث سے مختلف ہے تو حنفی بھائیوں کو یہ تعلیم دے رکھی ہے کہ تم اسی قول پر جمے رہو ادھر ادھر جاؤ گے تو غیر مقلد ہو جاؤ گے۔ استغفر اللہ! حدیث سے مختلف (امام کے فرضی) قول کو اپنانے اور حدیث سے بے اعتنائی برتنے کو کہا جاتا ہے کہ یہ تابعداری ہے حضرت امام صاحب کی؟ حضرت امام صاحب رضی اللہ عنہ نے تو فرمایا ہے کہ میرا قول حدیث کے خلاف ہو تو اسے چھوڑ دو اور حدیث پر عمل کرو!

ہدایہ کے مصنف کا زمانہ

جس طرح قرآن کے بعد اصح الکتاب صحیح بخاری مسلم ہے اسی طرح احناف میں ہدایہ کا درجہ ہے کہ ہدایہ میں ہی لکھا ہے کہ ﴿إِنَّ الْهَدَايَةَ كَالْقُرْآنِ﴾ کہ ”ہدایہ مثل قرآن کے ہے۔“ اس ہدایہ کے خلاف حدیث احکام امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے ذمہ لگائے گئے ہیں حالانکہ ہدایہ امام صاحب سے صدیوں بعد لکھی گئی ہے۔ حضرت علی بن ابوبکر رضی اللہ عنہ ہدایہ کے مصنف ہیں۔ آپ کا لقب: برہان الدین اور کنیت ابوالحسن ہے۔ ۸ ماہ رجب ۵۱۱ھ سوموار کے دن عصر کے بعد پیدا ہوئے۔ آپ مرغیاں کے باشندہ تھے اور ۱۳ ذی الحجہ ۵۹۳ھ منگل کی رات کو اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ اور سمرقند کے قبرستان میں دفن کئے گئے۔

آپ نے ہدایہ کی تالیف ۵۷۳ھ میں شروع کی اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ۵۰ھ میں فوت ہوئے۔ گویا ہدایہ کا نام لوگوں نے امام صاحب رضی اللہ عنہ سے چار سو تیس برس بعد سنا۔ اس ہدایہ میں کتب حدیث کے راویوں کی طرح

سلسلہ روایت نہیں ہے کہ فلاں مسئلہ جو حضرت امام صاحب کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اس کا کیا ثبوت ہے؟ بس یونہی لکھ دیا گیا ہے۔

﴿مَا يَتَّخِذُ مِنَ الْحَنْطَلَةِ وَالشَّعِيرِ وَالْعَسَلِ وَالذَّرَةِ حَلَالٍ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَلَا يَحُدُّ شَارِبَهُ عِنْدَنَا وَإِنْ سَكَّرَ مِنْهُ﴾

”گیہوں، جو شہد، جوار کی شراب ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حلال ہے اور اس کے پینے والے کو امام صاحب کے نزدیک حد بھی نہیں مارتی چاہئے خواہ اسے نشہ بھی چڑھ جائے۔“

امام صاحب بری الذمہ ہیں!

جس طرح اس مسئلہ کی حلت زبردستی ساڑھے چار سو برس کے بعد امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ذمہ لگائی گئی ہے اسی طرح تمام خلاف حدیث اقوال و احکام بھی جبراً امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کئے گئے ہیں۔ ہم علی الاعلان کہتے ہیں کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان منسوبات سے بری الذمہ ہیں۔ پھر کہا جاتا ہے کہ تقلید نہ کرنے والے امام صاحب کا ادب نہیں کرتے۔۔۔ خوب! مختصرات کا الزام دور کرنے والے امام صاحب کے بے ادب ہیں اور جو یہ کہتے ہیں ﴿حَلَالٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ﴾ وہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ادب کرنے والے ہیں؟ انصاف! انصاف!!

بھائیو! جامہ تقلید ترک کر دو اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان کو پڑھو:

﴿إِذَا صَحَّ الْحَدِيثُ فَهُوَ مَذْهَبِي﴾

”صحیح حدیث ہی میرا مذہب ہے۔“

پس آپ بھی امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان کے مطابق اپنا مذہب حدیث اختیار کر لو۔ الحمد للہ جو جاؤ کہ حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی مذہب الحمد للہ رکھنے کے سبب الحمد للہ تھے۔

یہ جو ہم نے تقلید اور فقہ کے احکام و مسائل پر اتنی لمبی نظر کی ہے..... اس سے ہماری مراد یہ ہے کہ مسلمان بھائی امتیوں کے کورانہ بندھنوں سے آزاد ہو کر براہ راست رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری میں لگ جائیں صرف سبیل رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر چلیں۔ فرقہ بندی سے بال بال بچ کر صرف سرورِ رسولاں صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو ایمان کی جان سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ہمیں یہی حکم دیا ہے: ﴿وَمَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ سبیل رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر چلنے والا ہی اللہ کا حکم بردار ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کی کوئی کتاب نہیں ہے!

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر اللہ کی بے شمار رحمتیں ہوں کہ انہوں نے اس ڈر سے کوئی کتاب نہیں لکھی۔ کوئی تصنیف اپنے پیچھے نہیں چھوڑی۔ کہ لوگ ان کا مذہب نہ بنالیں ان کے نام سے کوئی فرقہ پیدا نہ کر لیں۔ چنانچہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ

نے مناقب الشافعی میں تصریح کی ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی کوئی تصنیف باقی نہیں رہی!

(سیرت النعمان از شبلی نعمانی رحمہ اللہ ص ۶۷)

حضرت مولانا شبلی رحمہ اللہ سیرت النعمان میں تحریر فرماتے ہیں۔ انصاف یہ ہے کہ ان تصنیفات کو امام صاحب رحمہ اللہ کی طرف منسوب کرنا نہایت مشکل ہے۔^(۱)

بلاشبہ ہماری ذاتی رائے یہی ہے کہ آج امام صاحب رحمہ اللہ کی کوئی تصنیف موجود نہیں۔..... (سیرت النعمان از شبلی نعمانی رحمہ اللہ ص ۶۹)

غور کریں کہ جب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دنیا میں کوئی تالیف، کوئی تصنیف، کوئی کتاب نہیں ہے تو پھر حنفی مذہب کہاں سے آگیا؟ اور اس مذہب کا اختیار کرنا کیونکر واجب ہو گیا جبکہ علماء احناف کے فتوے بھی موجود ہیں..... کہ مسلمان ہونے میں حنفی وغیرہ ہونا شرط نہیں کیا گیا۔۔۔۔۔ (مجموع فتاویٰ عبدالحی) ملا علی قاری حنفی شرح عین العلم میں لکھتے ہیں۔

﴿إِنَّ اللَّهَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى مَا كَلَّفَ أَحَدًا أَنْ يَكُونَ حَنْفِيًّا أَوْ شَافِعِيًّا أَوْ مَالِكِيًّا أَوْ حَنْبَلِيًّا﴾
یعنی اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ہرگز یہ تکلیف نہیں دی کہ وہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی بنیں۔۔۔۔۔ (معیار الحق)

جب احناف کرام کے فتاویٰ موجود ہیں کہ اللہ نے حنفی، شافعی وغیرہ ہونے کی تکلیف نہیں دی تو پھر اور کس کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ حنفی وغیرہ بننے کی تکلیف دے؟ کیا ایسا کرنا دین میں زبردستی نہیں ہے؟ مذاہب اربعہ سے پہلے تین چار سو سال کے لوگ تو حنفی، شافعی وغیرہ نہ تھے۔ پھر ان کی مسلمانی پر کوئی حرف آ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! بلکہ نیک پارسا اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔

افسوس! جس امر سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ڈرتے تھے وہی کام لوگوں نے کر دکھایا کہ ان کے نام سے حنفی مذہب بنالیا..... فقہ کا طواریک کران کے ذمے لگائی دیا۔ مسلمان بھائیو! سیدھے کتاب وسنت پر عمل کرو۔ اہل سنت اہل حدیث بن کر زندگی گزارو اور آپس میں محبت اور اتفاق رکھو!

وفات حسرت آیات

ستر برس کی عمر میں یہ علم و فضل اور عمل و تقویٰ کا آفتاب غروب ہو گیا، ۱۵۰ھ میں بغداد کے قید خانے میں بعض مسند امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو ان کی تصنیف کہتے ہیں۔ لیکن یہ غلط ہے۔ دراصل وہ مسند خوارزی ہے جو ساتویں صدی ہجری میں جمع کی گئی ہے۔ اور حضرت امام صاحب دوسری صدی میں وفات پا گئے تھے۔ پھر یہ کس طرح امام صاحب رحمہ اللہ کی کتاب ہو سکتی ہے۔ چنانچہ مولانا شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے بستان الحدیث میں لکھا ہے کہ مسند امام اعظم رحمہ اللہ جو بالفضل مشہور ہے۔ یہ قاضی القضاۃ ابوالموید محمد بن محمود الخوارزمی کی تالیف ہے۔ جو اس نے ۶۷۷ھ میں جمع کی تھی۔

جان..... جان آفریں کے سپرد کردی رحمتہ اللہ علیہ آپ کے جنازے پر پچاس ہزار مسلمان حاضر تھے۔ بیس روز تک لوگ آپ کی قبر منورہ پر جنازہ پڑھتے رہے اور آپ کے لئے مغفرت کی دعائیں مانگتے رہے۔ خداوند!..... امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی روح پر اپنی رحمتوں کی برکھا برسا..... اور احناف کرام کو ان کے ارشاد ﴿اِذَا صَحَّ الْحَدِيثُ فَهُوَ مَذْهَبِي﴾ کے مطابق مذہب حدیث نصیب کر! انہیں الحمد للہ بنادے! (آمین)

فقہ پر علی وجہ البصیرت عمل کریں

قرآن مجید وحی ہے اور صحیح حدیث بھی وحی ہے۔ یہ دونوں چیزیں غلطیوں سے مبرا ہیں باقی رہا کلام رجال تو وہ صحیح بھی ہو سکتا ہے اور غلط بھی۔ صحیح فرمایا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے:

﴿مِمَّا مِنْ أَحَدٍ إِلَّا وَمَا خُوذَ مِنْ كَلَامِهِ وَمَرُوذٌ عَلَيْهِ إِلَّا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ﴾
(معیار الحق)

”دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں جس کی بعض باتیں درست اور بعض درست نہ ہوتی ہوں۔ پھر اچھی باتیں لے لی جاتی ہیں اور بری باتیں چھوڑ دی جاتی ہیں سوائے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے کہ حضور ﷺ کی سب باتیں صحیح، حق، درست اور سب کی سب مان لینے کے ہی قائل ہیں۔“.....

(انصاف از شاہ ولی اللہ بحوالہ معیار الحق)

فقہ الہامی نہیں ہے وحی نہیں ہے کہ قرآن حدیث کی طرح مان لی جائے بلکہ اس کلام رجال کو پرکھ کر مانا جائے گا جو قرآن حدیث کے مطابق ہے مان لیں گے اور جو مطابق نہیں ہوگا اسے چھوڑ دیا جائے گا۔ مثال کے طور پر ہم کچھ باتیں فقہ کی آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں غور فرمائیں۔

علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ ایک بہت بڑی علمی شخصیت ہیں۔ آپ اپنی مایہ ناز کتاب ”سیرۃ النعمان“ میں حنفی مذہب کے اس مسئلہ کو کہ ایمان اور عمل دو جدا گانہ چیزیں ہیں۔ صحیح ثابت کرنے کے لئے ایک آیت ان الفاظ میں لکھتے ہیں۔

﴿مَنْ يَوْمُنَ بِاللَّهِ فَيَعْمَلُ صَالِحًا﴾ حرف تعقیب آیا ہے: جس سے اس بات کا قطعی فیصلہ ہو جاتا ہے۔ (سیرۃ النعمان)

آپ سارے قرآن کی ورق گردانی کیجئے حافضوں کو پوچھ دیکھئے آپ کو ﴿مَنْ يَوْمُنَ بِاللَّهِ فَيَعْمَلُ صَالِحًا﴾ آیت (معاذ اللہ) نہیں ملے گی۔

علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ اتنی بڑی شخصیت! کیا کہیں یہ ان سے کیا ہوا۔ افسوس! بعد کے لوگ ان کی کتاب سے اتنی بھاری غلطی کو درست بھی نہیں کرتے۔ فقہ کی چوٹی کی کتاب حدایہ جس کے متعلق کہا گیا ہے الحمد للہ یہ لکچر قرآن کہ ہدایہ

قرآن کی مانند ہے۔“ اس ہدایہ میں کتاب الصلوٰۃ باب الاماتہ میں ایک حدیث یوں نقل کی گئی ہے۔

﴿لَقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنْ صُلَى خَلْفَ عَالِمٍ تَقَى فَكَانَ مَا صُلَى خَلْفَ النَّبِيِّ﴾
جس نے متقی عالم کی اقتداء میں نماز باجماعت ادا کی اسے اتنا اجر ملے گا جتنا کہ رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں پڑھنے کا۔“

(ہدایہ کتاب الصلوٰۃ)

یہ کوئی حدیث نہیں، رسول اللہ ﷺ پر بہتان ہے! ایک اور موضوع حدیث ملاحظہ ہو۔
رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ آدَمَ افْتَخَرَنِي وَأَنَا افْتَخَرْتُ بِرَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي أَسْمُهُ نَعْمَانُ وَكُنْيَتُهُ أَبُو حَنِيفَةَ هُوَ سَرَّاجٌ أُمَّتِي﴾ (در مختار)

”آدم کو میری ذات پر فخر ہے اور مجھے اپنے ایک امتی کے سبب فخر ہے جس کا نام نعمان اور کنیت ابو حنیفہ ہے جو کہ میری امت کا چراغ ہے۔“ (از نتائج التقلید)

غور فرمائیں! کہ یہ بھی کوئی حدیث نہیں۔ حضور ﷺ پر بہتان ہے۔ آخر یہ سب کچھ بھی کتب فقہ میں ہے۔
اور دیکھیں۔ ہدایہ مایو جب القضاء والکفارہ میں اعرابی کی کفارہ والی حدیث کا ذکر کرتے ہوئے مصنف ہدایہ

نے یہ الفاظ اپنی طرف سے لکھ دیئے ہیں۔ ولا یجزی احدا بعدک (نتائج التقلید ص ۷۷)

گویا رسول اللہ ﷺ کی حدیث مذکورہ میں الفاظ بڑھا دیئے ہیں۔ یعنی آپ کے ذمہ لگا دیئے ہیں، کتنی جسارت ہے!

توضیح تکوین جو اصول فقہ حنفیہ کی چوٹی کی مشہور درسی کتاب ہے اس میں یہ مشہور موضوع حدیث صحیح بخاری کی طرف منسوب کی گئی ہے۔

﴿بَلَفَظَ يَكْثُرُ لَكُمْ الْإِحَادِيثُ مِنْ بَعْدِي فَإِذَا رَوَى لَكُمْ حَدِيثٌ فَأَعْرَضُوهُ عَلَيَّ كِتَابَ اللَّهِ الْحَدِيثُ﴾

”یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے بعد لوگ بہت سی من گھڑت حدیثیں بیان کریں گے، پس جب تمہارے پاس کوئی حدیث بیہن کی جائے تو تم اس کو قرآن شریف پر پیش کرنا۔“

افسوس! اس بہتان علی الرسول کو کتب فقہ میں حدیث رسول ﷺ لکھا گیا ہے اور پھر کہا گیا ہے۔ وایراذ البخاری ایہ فی صحیحہ یعنی امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

حالانکہ صحیح بخاری میں قطعاً نہیں ہے۔ ثابت ہوا کہ کتب فقہ میں یقیناً غلطیاں ہیں۔

دیکھئے! یہ ہے ہمارے سامنے اصول شاشی مائیہ ناز درسی کتاب اصول فقہ حنفیہ کی اس میں بھی مذکورہ موضوع

حدیث کو حدیث لکھا گیا ہے۔

﴿قال عليه السلام تكثروا لكم الاحاديث من بعد فاذا روى لكم عني حديث فاعرضوه على كتاب الله فما وافق فاقبلوه وما خالف فردوه﴾

(اصول شاشی ص ۶۹ مطبع فاروقی دہلی)

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے بعد لوگ کثرت سے جھوٹی حدیثیں بیان کریں گے۔ پس جب تمہارے پاس میری حدیث بیان کی جائے تو تم اس کو قرآن پر پیش کرو اگر موافق ہوئی تو قبول کر لینا“ ورنہ چھوڑ دینا۔“

پھر آگے لکھا ہے کہ اگر کوئی اس حدیث کی صحت پر اعتراض کرے تو اس کا جواب یہ ہے:

﴿فالجواب عنه ان امام محمد بن اسماعيل البخاري اور هذا الحديث في كتابه و هو امام هذه الصنعة فكفى به دليلا على صحة ولا تلتفت الى طعن غيره بعده كذا في شرح اصول البزروي﴾ (اصول شاشی ص ۲۶۹)

حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور وہ علم حدیث کے امام ہیں۔ پس یہی دلیل ہے اس حدیث کی صحت پر۔ اس کے بعد (کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اس کو روایت کیا ہے) کسی کے طعن کی طرف التفات نہ کیا جائے گا اور ایسا ہی ہے شرح اصول بزوری میں۔

اللہ اکبر! اتنے چوٹی کے فقہاء اور مایہ ناز فقہ کی کتابیں۔۔۔ سب کہتے ہیں کہ حدیث مذکور صحیح بخاری میں ہے۔ حالانکہ ہرگز بخاری شریف میں نہیں ہے اور پھر یہ کہ مذکورہ حدیث ہے ہی موضوع!

ثابت ہوا کہ کتب فقہ میں ضرور غلطیاں بھی ہیں، نور الانوار فقہ کی مشہور کتاب میں ہے:

﴿وان عرف بالعدالة والضبط دون الفقه كانس واهي هريرة ان وافق حديثه القياس عمل به﴾ (نور الانوار ص ۱۵۰ مطبع نول کشور)

”یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث اگر امام کے قیاس کے خلاف ہو تو حدیث چھوڑ کر قیاس پر عمل کیا جائے گا۔“

یہ ہے اصول فقہ حنفیہ کا نور الانوار میں۔ افسوس!

اور پھر حضور انور ﷺ کے صحابیوں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما کو کہنا کہ وہ فقہیہ نہیں تھے۔ سخت افسوس!

حضرت وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ صحابی رسول ﷺ کے متعلق ایک ریمارک ملاحظہ ہو:

﴿وان كان مجهولا اى فى رواية الحديث والعدالة لافى النسب بان لم يعرف الا

بالحدیث او حدیثین کو ابصہ بن معبدؓ (نور الانوار ص ۱۵۱ مطبع نول

کشور)

یعنی صحابی اگر غیر عادل اور مجہول ہو جیسے وابصہ بن معبدؓ

غور کریں کہ صحابی رسول ﷺ حضرت وابصہ بن معبدؓ کو غیر عادل اور مجہول لکھ دیا گیا ہے۔ نہایت

افسوس!

حسامی میں ہے:

«وان كان الراوى مجهولا اى فى رواية لا يعرف الا بحدیث رواه او بحدیثین مثل

وابصہ بن معبد وسلمة بن المحبقؓ (حسامی ص ۱۵۰)

اصول فقہ کی کتاب حسامی میں ہے حضرت وابصہ بن معبد اور حضرت سلمہ بن محقق صحابی رسول ﷺ کو مجہول کہا

گیا ہے۔

یہ ادب ہے صحابہؓ کا۔

ہم ان ہی چند باتوں پر اکتفا کرتے ہیں، درنہ اس قسم کا بہت سا مواد کتب فقہ میں موجود ہے جس کو نقل کرنا ہم مناسب نہیں سمجھتے، کیونکہ ہمیں انتشار پھیلانا مقصود نہیں ہے اور نہ خفی بھائیوں پر طعن کرنا چاہتے ہیں۔ ہماری غرض صرف یہ ہے کہ فقہ کو آنکھیں بند کر کے نہیں ماننا چاہئے۔ اس میں غلطیاں بھی ضرور ہیں کیونکہ یہ امتوں کا کلام ہے اور امتی غیر معصوم ہوتے ہیں۔ بھول چوک سے پاک نہیں ہیں۔ ہاں معصوم ذات اور غلطی سے پاک صرف محمد رسول اللہ ﷺ ہی ہیں ان کا فرمان حرف آخر ہے۔ منعجائے کلام ہے۔ یہاں نقد و نظر اور چھان بین کی ضرورت نہیں۔ پس فقہ کا جو حصہ قرآن اور حدیث کے مطابق ہے، سر آنکھوں پر رکھو اور جو مطابق نہیں اسے چھوڑ دو!

فرقہ بندی کا ہلکاؤ

یہ بات آپ پچھلے اوراق میں پڑھ آئے ہیں کہ امت محمدیہ ﷺ میں فرقے پیدا ہوں گے اور سوائے ایک جماعت کے جو ﴿مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاصْحَابِی﴾ (۱) پر کاربند ہوگی، سب کے سب گمراہ ہوں گے اور یہ بھی آپ معلوم کر چکے ہیں کہ وہ ناجی جماعت صرف سنت اور حدیث پر عمل کرنے والی ہوگی۔

یاد رکھیں کہ جس جماعت کا عمل اور عقیدہ قرآن اور حدیث پر ہو وہ فرقہ نہیں ہے، گمراہ نہیں ہے۔ قرآن اور حدیث کے سوا۔۔۔ عقیدہ اور عمل رکھنے والے فرقے کہلاتے ہیں، امت کے اعظم رجال کے ناموں کی طرف خود کو منسوب کر کے ان کے ذاتی فرمودہ مسائل و احکام کو اندھا دھند عمل میں لاتے ہیں اور وہ بھی فرقے ہیں جو

(۱) حسن ہے اس کی تخریج ص ۳۸ حاشیہ نمبر ۱ میں گزر چکی ہے۔

حضور انور ﷺ کی صحیح حدیثوں کو دانستہ ترک کر کے اپنے بزرگوں اور اماموں کے قولوں پر چلتے ہیں۔

فرقہ بندی کے سلسلے میں یہ بھی آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

﴿وَأَنَّهُ سَيَخْرُجُ فِي أُمَّتِي أَقْوَامٌ تَتَجَارَىٰ بِهِمْ يَلْكُ الْأَفْوَاءُ كَمَا تَتَجَارَىٰ الْكَلْبُ بِصَاحِبِهِ لَا يَبْقَىٰ مِنْهُ عِرْقٌ وَلَا مَفْصَلٌ إِلَّا دَخَلَهُ﴾ (احمد، ابوداؤد) ^(۱)

”پیشک نکلیں گی میری امت میں کئی قومیں سرایت کریں گی ان میں (شرکیہ بدعیہ عقائد و اعمال کی) خواہشیں جیسے سرایت کرتی ہے ہڑک ہڑک والے کو۔ نہیں باقی رہتی اس سے کوئی رگ اور نہ کوئی جوڑ مگر داخل ہوتی ہے اس میں۔“

اس کا مطلب یہ ہے کہ امت محمدیہ میں جو فرقے پیدا ہوں گے ان فرقوں کے مغائر اسلام عقائد و اعمال ان کی رگ رگ میں سرایت کر جائیں گے جیسے باؤلے کتے کے کانے کا زہر سگ گزیدہ کی رگ رگ اور جوڑ جوڑ میں سرایت کر جاتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ جس شخص کو باؤلہ کتا کاٹ جاتا ہے تو اس کا زہر تمام نموں رگوں جوڑوں میں اثر کر جاتا ہے۔ پھر اس پر پیاس غلبہ کرتی ہے لیکن وہ پانی سے بھاگتا ہے اور پیاسا مر جاتا ہے۔ ایسے ہی فرقوں پر ان کے مخصوص ”حادث“ عقائد و اعمال کی خواہش غالب ہوگی۔ لیکن قرآن و حدیث کے سچے علم سے بھاگیں گے اور گمراہی کے ریکڑار میں ہلاک ہوں گے۔ یعنی فرقے اپنے اپنے عقیدوں، عملوں، طریقوں پر ایسے پکے ہوں گے کہ ہزار آیتیں، حدیثیں سناؤ گے وہ ایک نہ مانیں گے ان سے بھاگیں گے، بدکیں گے، نفرت کریں گے۔ انہیں اپنی فرقہ بندی کا ہلکاؤ ہوگا کتاب و سنت کے شفاف پانی سے بھاگیں گے اور پیاسے مر جائیں گے۔

کیا حضور انور ﷺ کا فرمان پورے سولہ آنے صحیح نہیں ہو رہا ہے؟ فرقوں میں باؤلہ پن نہیں ہے دیوانگی کی وجہ سے حدیث سے نہیں بھاگ رہے ہیں؟ سنت سے نفرت نہیں کر رہے ہیں؟ اسلام خالص کے امرت سے گریزاں نہیں ہیں؟ ہر فرقے کو کٹ مرنے منظور ہے لیکن اپنے محدث عقیدوں اور عملوں سے ادھر ادھر ہونا گوارا نہیں ہے۔ یہی باؤلہ پن اور ہلکاؤ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں کو سکر آپ نے کسی کو بدکتے نہیں دیکھا۔ سنت کے نام سے آستیں چڑھاتے نہیں پایا۔ شرکیہ عقیدوں کے رد میں آیتیں سن کر کوئی لال پیلا ہوتا نظر نہیں آیا، اور پھر ان لوگوں نے قرآن اور حدیث سے مختلف اپنے مخصوص معتقدات کے لحاظ سے امت کو تقسیم نہیں کر رکھا ہے؟ خبردار! جس گروہ کا طریق کار احادیث سرور رسولان ﷺ اور تعامل صحابہ کرام کے خلاف ہو..... جو قال اللہ اور قال الرسول ﷺ کے معارضے میں امتیوں کے نقش قدم پر چلنے والا ہو وہ گمراہ ہے راہ گم کردہ فرقہ ہے۔ ایسے گروہوں اور فرقوں کے عمل و اعتقاد کی آکاس تیل سے اپنے شجر ایمان کو بچائیں۔

(۱) صحیح ہے اس کی تخریج ص ۴۹ حاشیہ نمبر ۱ میں گزر چکی ہے۔

ملت واحدہ اہل حدیث

اسلام دنیا میں جمع کا پیغام لے کر آیا ہے وہ تفریق کے نام سے نا آشنا ہے۔ اس نے صدیوں کے متفرق لوگوں کو اسلام کی آغوشِ موافات میں جمع کر دیا ہے۔ ہمیشہ الفت و اخوت کا درس دیا اور افتراق و تشتت کو مٹایا اس نے سارے جہان کے مسلمانوں کو توحید و رسالت کے جھنڈے تلے اکٹھا کر دیا۔ اس امن و آشتی و مولات کے پیغام لانے والے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنی امت کو مذہبی یک جہتی کا یہ حکم دیا:

﴿تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابَ اللَّهِ وَ سُنَّةَ رَسُولِهِ﴾.....

(رواہ فی المؤطا) (۱)

”لوگو! (سنو!) میں تم میں دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں جب تک تم ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رکھو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے (یاد رکھو وہ دو چیزیں) اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت ہے۔“

اس تاکید رسول ﷺ سے ثابت ہوا کہ ملت واحدہ ناجیہ وہ ہے جو صرف ان دو چیزوں پر مضبوطی سے کاربند رہے۔ یہی جماعت ہے جس پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ اس جماعت کی پہچان بھی حضور ﷺ نے بتادی ہے۔ ﴿مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي﴾ جو میرے اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقے پر ہو۔ اسی جماعت میں شامل رہنے کی تاکید فرمائی۔ ﴿وَمَنْ شَذَّ شَذَّ فِي النَّارِ﴾..... (مشکوۃ) (۲)

”جو شخص تنہا ہوا (قرآن و حدیث پر عمل کرنے والی) جماعت سے تنہا ڈالاجائے گا آگ میں۔“ (۳)

ثابت ہوا کہ نجات کے لئے حدیث پر ایمان اور عمل رکھنے والی جماعت سے چپے رہنا ضروری ہے اور یہ جماعت کسی رنگ، نسل، قوم، وطن اور شخصیت کی طرف منسوب نہیں ہوگی..... کسی قسم کے بت کی بچاری نہیں ہوگی۔ اس کا دائرہ کسی خاص طبقے تک محدود نہیں ہوگا اس کا کوئی گھڑا ہوا ذاتی عقیدہ اور عمل نہیں ہوگا۔۔۔ اسلام میں یہ کوئی نیا راستہ تجویز نہیں کرے گی، کسی فرقے کی بنیاد نہیں رکھے گی، گروہ سازی نہیں کرے گی ڈیڑھ اینٹ کی جدا مسجد نہیں چنے گی نہ کوئی اپنا ذاتی نیا خیال، تصور، عمل، طریقہ اور دستور جاری کرے گی۔ بلکہ وہ بالراست قرآن اور حدیث پر عمل کرے گی اور لوگوں کو اسی شاہراہ اسلام کی دعوت دے گی۔ پس آپ صراطِ مستقیم کو کبھی نہ بھولیں اور قرآن اور حدیث پر عمل کر کے جماعت میں داخل ہوں اور قرآن اور حدیث پر عمل کرنے والا آپ کا جماعتی بھائی ہے۔ خواہ وہ کوئی ہو

(۱) صحیح ہے اس کی تخریج ص ۷۴ حاشیہ نمبر ۲ میں گزر چکی ہے۔

(۲) ترمذی کتاب الفتن (۳۱) باب ما جاء فی النجوم الجماعۃ (۷) الحدیث ۲۱۶۷ و مستدرک ۱۱۵/۱ عن ابن عمر رضی اللہ عنہما اس روایت کا پہلا جملہ ترجمہ شواہد کی وجہ سے صحیح ہے مگر مؤلف کے درج کردہ الفاظ ضعیف ہیں کیونکہ سند میں ایک راوی سلیمان بن سفیان الدنئی ضعیف ہے تقریباً ۱۳۳۱ھ امامہ البانی نے اس جملہ کو ضعیف قرار دیا ہے تحقیق مشکوۃ ۶۱/۱۔

(۳) سنت اور حدیث کے خلاف عقیدہ اور عمل رکھنا جماعت سے تنہا ہونا ہے۔

اور کہیں کا ہو۔

الحدیث کا مفہوم

محدثین کی اصطلاح میں حدیث کا مطلب رسول اللہ ﷺ کا فرمان فعل اور تقریر ہے۔ اس کے علاوہ اللہ کے کلام۔۔۔ قرآن مجید کو بھی حدیث کہا گیا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے:

﴿اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ﴾ (پ ۲۳ : ع ۱۷)

”اللہ نے اتاری ہے بہتر حدیث۔“

﴿فَبِآيَ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ﴾ (پ ۲۹ : ع ۲۲)

”وہ اس حدیث (قرآن) کے بعد کس حدیث پر ایمان لائیں گے۔“

﴿فَبِآيَ حَدِيثٍ بَعْدَ اللَّهِ وَآيِهِ يُؤْمِنُونَ﴾ (پ ۲۵ : ع ۱۷)

”وہ کس بات پر پیچھے اللہ کے اور اس کی آیتوں کے ایمان لائیں گے۔“

﴿أَفَمِنْ هَذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ﴾ (پ ۲۷ : ع ۷)

”کیا پس اس حدیث (قرآن) سے تعجب کرتے ہو۔“

﴿فَلْيَأْتُوا بِحَدِيثٍ مِثْلِهِ إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ﴾ (پ ۲۷ : ع ۴)

”پھر چاہئے کہ لے آئیں یہ بھی ایسی حدیث (قرآن) اگر ہیں سچے۔“

﴿أَفَبِهَذَا الْحَدِيثِ أَنْتُمْ مُذْهِبُونَ﴾ (پ ۲۷ : ع ۱۶)

”کیا پھر ساتھ اس حدیث (قرآن) کے تم سستی کرتے ہو۔“

ان آیتوں میں لفظ حدیث کا مطلب اللہ کا کلام قرآن پاک اس کی باتیں ہیں خود حضور انور ﷺ فرماتے ہیں

﴿خَيْرُ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ﴾^(۱) ”سب حدیثوں (باتوں) میں بہتر حدیث اللہ کی کتاب ہے۔“

اور اللہ نے اپنی حدیث (بات) کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا﴾ (پ ۵ : ع ۸)

”اور کون بہت سچا ہے اللہ تعالیٰ سے حدیث (بات) میں۔“

معلوم ہوا کہ سارا قرآن اللہ کی حدیثیں اور باتیں ہیں جن سے بہتر اور سچی باتیں کسی کی نہیں ہو سکتیں۔

اللہ کی حدیثوں کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کی باتوں کو بھی قرآن نے حدیث کہا ہے:

﴿إِذْ أَسْرَأَ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا﴾ (پ ۲۸ : ع ۱۹)

(۱) مسلم کتاب الجمعة (۷) باب تعفيف الصلاة و الخطبة (۱۷۸) الحديث ۲۰۰۵ عن جابر بن عبد الله

اس میں حدیث کا لفظ حضور انور ﷺ کے کلام کے متعلق آیا ہے۔ معلوم ہوا کہ کلام اللہ بھی حدیث ہے اور رسول اللہ ﷺ کا کلام بھی حدیث ہے۔ یہ صرف دو ہی قسم کی حدیثیں ہیں۔ یعنی اللہ اور رسول ﷺ کی جن کا ماننا اور ان پر عمل کرنا فرض ہے۔ ان کو قال اللہ اور قال الرسول کہتے ہیں۔ یہی حجت ہیں۔ ان کے آگے بولنے کی اجازت نہیں۔ اونچا سانس لینے کی رخصت نہیں۔ ﴿اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول﴾ میں اللہ اور رسول ﷺ کی حدیثوں کی اطاعت ہی واجب ہے۔ اللہ اور رسول کی حدیثوں کے سوا امتیوں کی حدیثیں بھی ہیں، لیکن یہ دین میں حجت نہیں ہیں، حجت صرف قرآن اور حدیث پیغمبر کے لئے ہی ثابت ہے۔ پھر جو شخص امتیوں کی حدیثوں (باتوں) کو قولوں، قیاسوں، رایوں سے بے نیاز ہو کر صرف اللہ اور اس کے سچے رسول حضرت محمد ﷺ کی حدیثوں کو پڑھے پڑھائے، سنے سنائے آگے پہنچائے انہیں دین کی اصل و اساس بنا کر ان پر عمل کی عمارت بننے والے اللہ کی حدیث ہے یعنی احسن الحدیث (قرآن) اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث کا عامل الحمدیث الحسنیہ ہے۔

الحمدیث محدثہ فرقہ نہیں!

یاد رکھنا چاہئے کہ الحمدیث کوئی فرقہ نہیں ہے کیونکہ یہ لقب کسی امتی کے نام کی طرف منسوب نہیں ہے۔ کسی رنگ، نسل، وطن، قومیت اور شخصیت کو اس میں دخل نہیں۔ اللہ کی بات (حدیث قرآن) اور رسول پاک کی بات (حدیث رسول ﷺ) کے سوا کسی کی بات رائے، قیاس، خیال اور نظریے کو یہاں راہ نہیں۔ الحمدیث کے نزدیک صرف حکم اللہ کا اور اس پر عمل کرنے کے لئے طریقہ رسول اللہ ﷺ کا کافی ہے۔ ان کے عقیدے میں اسلام صرف قرآن اور حدیث میں مکمل موجود ہے محدود ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک کے مسلمان صرف قرآن اور حدیث پر ہی عمل کرنے کے لئے مامور ہیں۔

الحمدیث کی ابتداء

صرف قرآن اور حدیث پر عمل کرنے سے نہ تو کبھی فرقے کی بنیاد رکھی جاسکتی ہے نہ کوئی دکان کھولی جاسکتی ہے نہ ریسٹوران چلایا جاسکتا ہے۔ کوئی بانس نہیں کھڑا کیا جاسکتا کیونکہ محدود ایاز کے لئے یہاں ایک ہی صف ہے۔ کسی شخصیت کو کسی رنگ میں بچانے اور کمانے کی گنجائش نہیں۔ پھر جب الحمدیث کتاب و سنت کے استدلال (اور زور سے) دین کی منڈی میں ہر قسم کی غیر جنس کی درآمد کر دیتے ہیں۔ صغرائے کراتی کو اعتدال پر لانے کے لئے معدلات استعمال کراتے ہیں۔ کشت اسلام سے احداث کی روئیدگی اکھاڑتے ہیں۔ بتوں پر کاری ضرب لگاتے ہیں۔ لات و منات کے دور میں وحدت کا گیت گاتے ہیں تو آذری کرنے والے فرقہ ساز عوام کو یہ کہہ کر دھوکا دیتے ہیں کہ اہل حدیث تو ابھی کل پیدا ہوئے ہیں۔ ان کی باتیں مت سنو! یہ بزرگان دین اور اولیاء اللہ کے منکر ہیں اور

(۱) بے ادب ہیں۔

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ سورج تو ابھی کل معرض وجود میں آیا ہے چاند کا وجود پچاس ساٹھ برس سے ہے؟ کوئی کہہ سکتا۔ سنئے! سورج اس وقت سے ہے جب سے دن کا نام ہے جب سے روشنی کا ظہور ہوا ہے۔ ایسے ہی سب سے چاندنی ہے اس وقت سے چاند ہے۔ اسی طرح جب سے اللہ نے احسن الحدیث (قرآن) کو اتارا ہے اور سب سے رسول رحمت ﷺ کا ظہور ہوا ہے! الحمد للہ اس وقت سے ہیں یعنی جب سے قرآن ہے اور رسول اللہ کی حدیث ہے۔ الحمد للہ کا وجود اسی وقت سے ہے۔ الحمد للہ کے معنی ہیں: حدیث پر ایمان اور عمل رکھنے والے۔ تو سب سے حدیث ہے اسی وقت سے الحمد للہ ہیں۔ اگر قرآن اور حدیث کل نکلے ہیں: تو الحمد للہ بھی کل نکلے ہیں۔ اگر قرآن اور حدیث رسول رحمت ﷺ کے دور سے ہیں تو الحمد للہ بھی اسی دور ہمایوں سے چلے آ رہے ہیں۔ (۲) اس چیز پر پڑھ لکھے حضرات سنجیدگی سے غور فرمائیں اور عوام دیانت داری سے سمجھنے کی کوشش کریں!

صحابہؓ الحمد للہ تھے!

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ صحابہؓ حضور انور ﷺ کی حدیثوں کے حامل تھے۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ صحاح ستہ اور دوسری حدیث کی کتابوں میں جو حضور کی ہزاروں حدیثیں ہیں ان سب کے راوی صحابہؓ ہی ہیں۔ جب حدیثوں کے روایت کرنے والے۔۔۔ انہیں پھیلانے اور سارے جہان میں پھیلانے والے صحابہؓ ہیں۔ تو کیا وہ الحمد للہ نہ ہوئے؟ اہل حدیث کے معنی ہیں: حدیثوں والے حدیثوں کے پڑھنے پڑھانے آگے چلانے اور ان پر عمل کرنے والے! نماز روزہ حج زکوٰۃ صدقات خیرات اور دین و دنیا کے بے شمار مسائل کے حلق حضور ﷺ کی حدیثیں ہی تو ہیں جن سے دین عبارت ہے بس ان حدیثوں سے واسطہ اور رابطہ رکھنے والے۔ لام کو حدیث کے ذریعہ پہچاننے والے اور عمل میں لانے والے صحابہؓ الحمد للہ حدیث والے ہیں!

ایک حدیث کے لئے مدینہ سے دمشق کا سفر

کثیر بن سعد کہتے ہیں کہ میں دمشق کی مسجد میں حضرت ابی درداۃؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص ان کے عندیہ الرسول ﷺ سے آیا اور کہنے لگا: اے ابودرداءؓ میں صرف اس لئے آپ کے پاس آیا ہوں کہ مجھے

بزرگان دین اور اولیاء اللہ کے بے ادبوں پر اللہ کی پکڑ کا۔ یہ حق گوؤں پر محض افتراء ہے تاکہ لوگ کتاب و سنت کے فدا یوں اور مبلغوں سے نفرت کریں اور حق نہ دیکھیں۔ اور یار لوگوں کے ”سنگل کے مال“ کی ”دکانیں“ قائم رہیں۔

ہاں الحمد للہ کے سوا جتنے مذہبی گروہ فرقتے اماموں مجتہدوں بزرگوں اور اعظم رجال کے ناموں سے منسوب ہیں یہ یقیناً در قرآن و رسالت سے بعد نکلے ہیں۔ کوئی انکار کر سکتا ہے اس حقیقت کا کہ امتیوں کے مقلد کل پیدا نہیں ہوئے؟ بے شک یہ حقیقت ہے کہ تیسری یا چوتھی صدی سے پہلے ان کا نام و نشان نہ تھا۔

ایک حدیث پہنچی ہے جسے آپ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں (آپ سے بلا واسطہ سنئے آیا ہوں) اس لئے یہ حدیث مفصل بیان فرمائیں۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے کہا: (ہاں! وہ حدیث سنئے) بے شک سنائیں نے رسول اللہ ﷺ سے آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَطْلُبُ فِيهِ عِلْمًا سَلَكَ اللَّهُ بِهِ طَرِيقًا مِنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا رِضًا لَطَالِبِ الْعِلْمِ وَإِنَّ الْعَالِمَ لَيَسْتَغْفِرُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالْجِبْتَانِ فِي جُوفِ الْمَاءِ وَإِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ وَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ وَإِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَإِنَّمَا وَرَثَتُوا الْعِلْمَ فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَبْطٍ وَالْفِرَاقِ﴾ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)^(۱)

تاجدار عالم بطحاً نے فرمایا

”جو شخص علم (دین کا) حاصل کرنے کے لئے ایک راہ چلے اللہ اس کو بہشت کی راہوں میں سے ایک راہ پر چلاتا ہے“^(۲) اور طالب علم کی رضا مندی کے لئے فرشتے (رحمت کے) اپنے بازو رکھتے ہیں اور (یہ تو طالب علم کا درجہ ہے اور عالم باعمل کا مرتبہ یہ ہے کہ) عالم کے لئے استغفار کرتے ہیں جو کہ آسمان میں ہیں (فرشتے) اور جو زمین میں ہیں (جن وانس وغیرہ) اور مچھلیاں درمیان پانی کے اور بے شک عالم کی بزرگی عابد پر اس طرح ہے جس طرح چودہویں رات کے چاند کی تاروں پر اور تحقیق علماء وارث ہیں پیغمبروں کے اور تحقیق نبی نہیں چھوڑ گئے ورثہ دینار اور نہ درہم اور سوائے اس کے نہیں کہ انہوں نے ورثہ چھوڑا ہے علم۔ پھر جس نے علم حاصل کیا اس نے لے لیا حصہ کامل۔“

غور کیا آپ نے۔ کہ ایک حدیث کے لئے اس شخص نے مدینہ سے دمشق تک سفر برداشت کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ حدیث کے شیدائی تھے اور ہوتے بھی کیوں نہ۔ جب کہ مذہب کا دار و مدار ہی

(۱) مسند احمد ۱۹۶/۵ و سنن دارمی ۱۱۰/۱ المقدمة باب فی فضل العلم و العالم (۳۲) الحدیث ۳۴۳ و ابوداؤد کتاب العلم (۱۹) باب الحث علی طلب العلم (۱) الحدیث ۳۶۳۱ و ترمذی کتاب العلم (۳۲) باب ماجاء فی فضل الفقه علی العبادة (۱۹) الحدیث ۲۶۸۲ و ابن ماجہ المقدمة باب فضل العلماء و الحث علی طلب العلم (۱۷) الحدیث ۲۳۳ و ابن حبان رقم الحدیث ۸۸ ابن حبان اور البانی نے صحیح کہا ہے صحیح سنن ترمذی ۲۱۸۹۔

(۲) یعنی طالب علم کے لئے جو راہ طے کی جاتی ہے دراصل وہ بہشت کی راہ طے کی جاتی ہے۔ تحصیل علم کا سفر بہشت کو پہنچاتا ہے۔ جو قدم اس راہ پر اٹھتا ہے وہ بہشت کی جانب اٹھتا ہے۔ مبارک ہو قرآن و حدیث کے طلب کو!

حدیث پر ہے۔ (۱) یقین کریں کہ حضور ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم الحدیث المسند تھے۔

سنت اور حدیث

سنت: حضور ﷺ کی راہِ روشِ عادت، چلن اور طریقے کو کہتے اور حدیثوں میں حضرت رحمت للعالمین ﷺ کی یہی چیزیں بیان ہوتی ہیں۔ گویا حدیث کے علم سے آپ کی عادتِ راہِ روش کا پتہ چلتا ہے حیاتِ پاک جس طرح گزری ہے۔ اس کے طریقے معلوم ہوتے ہیں پھر لاکھوں رحمتیں ہوں ان صحابہ رضی اللہ عنہم پر جنہوں نے احادیث کو بڑی احتیاط اور ذمہ داری سے روایت کیا اور کروٹ کروٹ جنت دے اللہ محمد شین کو جنہوں نے ان انوار کو کتابوں میں جمع کر کے دین کی تحصیل بہل کر دی ہے۔ اگر حدیثیں نہ ہوتیں تو حضور ﷺ کی راہ و روش کا کچھ پتہ نہ چلتا۔ یہ جو حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں دو چیزیں دے چلا ہوں اللہ کی کتاب اور نبی سنت۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی کتاب کے ساتھ اپنا عمل بالقرآن بھی تمہیں دے چلا ہوں۔ یعنی سنت حضور ﷺ کا قرآن پر عمل ہے۔ احکام خداوندی کی بجا آوری کا طریقہ ہے۔ یہ طریقہ حضور ﷺ کا عمل بالقرآن حدیثوں کے علم سے ظاہر ہوتا ہے۔ تو پھر کتنا ضروری ہے یہ علم حدیث..... اور کتنا اہم ہے اس کا پھیلانا، یہی وجہ ہے حضور انور ﷺ فرماتے ہیں:

﴿نُصِّرَ اللَّهُ أَمْرًا سَمِعَ مِنَّا شَيْئًا فَلَبَّغَهُ كَمَا سَمِعَهُ﴾ (مشکوٰۃ) (۲)

”اللہ اسے ہر ابھرا رکھے جس نے مجھ سے سنا کچھ (کوئی حدیث) پھر اسے (آگے) پہنچا دیا جیسے سنا اس کو۔“

حدیثوں کو پھیلانے اور آگے پہنچانے والے کے لئے حضور دُعا مانگ رہے ہیں کہ اللہ انہیں ہر ابھرا رکھے، ترو رکھے۔ حدیثوں کے پڑھنے پڑھانے، سننے سنانے اور ان کا شغل رکھنے والے الحدیث، حضور انور ﷺ کی دُعا برکت سے ہرے بھرے اور ایمان سے تروتازہ رہتے ہیں۔ آپ سب بھائیوں کو حضور ﷺ کی دُعا میں شریک کرنے کے لئے حدیثوں سے محبت کرنی چاہئے۔ انہیں پڑھنا اور آگے پہنچانا چاہئے۔ ان کی خوب اشاعت کرنی ہے اور انہیں اپنا طور طریقہ مذہب اور مسلک بنانا چاہئے تاکہ آپ ہرے بھرے ہوں تروتازہ رہیں!

اگرچہ قرآن اصل ہے۔ مگر جب تک قرآن کا مطلب اور مفہوم حضور انور ﷺ کی حدیثوں سے نہ سمجھا جائے اس پر عمل نہیں ہو سکتا پس قرآن پر یعنی اللہ کے احکام پر عمل کرنے کے لئے احادیث کا ہونا لازمی ہے۔

مسند احمد ۱/۳۳۷ و ترمذی کتاب العلم (۳۲) باب ماجاء فی الحث علی تبلیغ السماع (۷) الحدیث ۲۶۵۷ و ابن ماجہ المقدمۃ باب من بلغ علما (۱۸) الحدیث (۲۳۲) و ابن حبان رقم الحدیث (۶۶) عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ امام ترمذی ابن حبان اور علامہ البانی نے صحیح ترمذی (۲۱۳۰)

صحابی رضی اللہ عنہ کی زبان پر لفظ الحمدیث

حضرت علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ ایک یگانہ روزگار محدث گزرے ہیں۔ آپ کی وفات ۴۶۳ھ میں ہوئی۔ پانچویں صدی کے یہ امام حدیث اپنی مایہ ناز کتاب ”شرف اصحاب الحدیث“ میں روایت ذیل لائے ہیں جو اس طرح ہے:

﴿حَدَّثَنَا ابْنُ الْفَضْلِ حَدَّثَنَا أَبُو سَهْلٍ أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زِيَادٍ الْقَطَّانُ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْجَهْمِ السَّمَرِيُّ حَدَّثَنَا الْهَيْثَمُ بْنُ خَالِدٍ الْمُقَرِّي حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ الْمُتَوَكِّلِ الْبَاهِلِيُّ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ ذَكْوَانَ الْأَزْدِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو هَارُونَ الْعَبْدِيُّ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّهُ كَانَ إِذَا رَأَى الشَّبَابَ قَالَ مَرْحَبًا يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ نُوسَعَ لَكُمْ فِي الْمَجْلِسِ وَأَنَّ نَفْهَمَ كُمْ الْحَدِيثَ فَإِنَّكُمْ خُلُوفُنَا وَ أَهْلُ الْحَدِيثِ بَعْدَنَا﴾ (شرف اصحاب الحدیث) (۱)

”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ صحابی رسول اللہ ﷺ جب حدیث کے نوجوان طالب علموں کو دیکھتے تو کہتے (نوجوانو!) رسول اللہ ﷺ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم اپنی (علمی) مجلسوں کو تمہارے لئے کشادہ کریں اور تمہیں حدیثیں سمجھائیں (ہاں ہاں!) اُٹھ ہمارے خلیفے ہو اور ہمارے پیچھے اُٹھ ہی الحمدیث ہو۔“

نوجوان طالب علمو! اُٹھ ہمارے خلیفے ہو اور ہمارے بعد اُٹھ ہی الحمدیث ہو۔

یہ الفاظ ہیں حضرت اکرم ﷺ کے ایک جلیل القدر صحابی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے اس سے پتہ چلا کہ خود حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بھی اپنے تئیں اہل حدیث کہلاتے تھے جیسی تو حدیث کے طالب علموں کو اپنے خلیفے اور الحمدیث کہا، پھر فَإِنَّكُمْ خُلُوفُنَا بصیغہ جمع فرمایا کہ اُٹھ ہمارے خلیفے ہو۔ یہ صیغہ متکلم مع الغیر ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ نہ صرف حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہی الحمدیث کہلاتے تھے بلکہ ان کے ساتھ سب صحابہ رضی اللہ عنہم بھی الحمدیث کے معزز لقب سے سرفراز تھے اور طالب علموں کو بھی الحمدیث کے لقب سے نواز کر اپنی خلافت تفویض کرتے تھے۔ ﴿وَأَهْلُ الْحَدِيثِ بَعْدَنَا﴾ اور اُٹھ ہی ہمارے بعد الحمدیث ہو۔ ”معلوم ہوا کہ وہ خود بھی الحمدیث تھے جو بعد والوں کو الحمدیث کہہ رہے ہیں۔“

(۱) شرف اصحاب الحدیث ص ۱۲ باب وصیۃ النبی ﷺ بکرام اصحاب الحدیث اس کی سند میں ابوبارون (عمارة بن جوین) العبدی راوی کذاب ہے میزان ۱۷۳/۳۔

الہمدیث کل پیدا ہوئے؟

پھر جو لوگ کہتے ہیں کہ الہمدیث کل پیدا ہوئے، یہ اللہ کا خوف کر کے تعصب چھوڑ کر بتائیں کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی بھی کل پیدا ہوئے ہیں جو خود کو اور اپنے شاگردوں کو الہمدیث کہتے ہیں۔ آپ پیچھے ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ احناف کی معتبر کتاب ”حداائق الحنفیہ“ میں ہے کہ حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کو کسی نے پوچھا کہ آپ الہمدیث کیسے ہو گئے؟ تو آپ نے فرمایا: مجھے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے الہمدیث بنایا۔ فرمائیے! یہ حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ بھی کل ہی ہوئے ہیں جو کہتے ہیں کہ مجھے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے الہمدیث بنایا۔^(۱) یہ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے تھے جنہوں نے سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کو الہمدیث بنایا تھا۔

اور خود حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ﴿إِذَا صَحَّ الْحَدِيثُ فَهُوَ مَذْهَبِي﴾ (شامی) میرا مذہب صحیح حدیث ہے یعنی میں الہمدیث ہوں۔ کیا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بھی کل ہی ہوئے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ میرا مذہب حدیث ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ حضرت قرہ بن ایاس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ مظفر و منصور رہے گا جو کوئی بھی ان کا ساتھ چھوڑ دے گا۔ اس کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکے گا حتیٰ کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔“

اس کے بعد حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ امام بخاری سے ان کے استاد امام علی بن مدینی رحمہ اللہ کا قول نقل کر کے فرماتے ہیں کہ یہ مظفر و منصور جماعت کون سی ہے؟ لکھتے ہیں:

﴿قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ قَالَ عَلِيُّ بْنُ الْمَدِينِيِّ هُمْ أَصْحَابُ الْحَدِيثِ﴾

امام محمد بن اسمعیل رحمہ اللہ بخاری کہتے ہیں کہ (میرے استاد) علی بن مدینی نے فرمایا کہ وہ مظفر و منصور جماعت الہمدیث ہے حضرت امام بخاری رحمہ اللہ اور ان کے استاد علی بن المدینی بھی کل ہی ہوئے ہیں۔ جن کی زبان پر اہل حدیث کے الفاظ ہیں۔

جس حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر رہے گی۔ اس کے متعلق حضرت امام احمد^(۲) بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ﴿إِنَّ لَمْ يَكُونُوا أَصْحَابَ الْحَدِيثِ فَلَا أَذْرَىٰ مِنْهُمْ﴾ اگر (یہ جماعت) الہمدیث نہیں ہے تو پھر میں نہیں جانتا کہ کون لوگ مراد ہیں؟

(۱) سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کو نہ کر رہنے والے ہیں۔ پھر کہہ کر مد تشریف لے گئے۔ ۱۰۷ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۸ھ میں وفات پائی۔ آپ بڑے پایہ کے حدیث کے امام ہیں۔

(۲) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ۱۶۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۴۱ھ میں فوت ہوئے۔

(فتح الباری شرف اصحاب الحدیث)

امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ کو تو گیارہ صدیوں سے زیادہ عرصہ ہوا۔ کہ انہوں نے جماعت اہلحدیث کا ذکر فرمایا تھا۔ یہ بھی کل کی بات ہے؟

مقدمہ ابن خلدون فصل فی علم الفقہ میں علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ صحابہ رحمہ اللہ کے بعد کے زمانے کے بارے میں لکھتے ہیں۔ ان میں فقہ دو طریقوں میں منقسم ہو گئی۔ اہل رائے و قیاس کا طریق اور وہ اہل عراق ہیں اور اہلحدیث کا طریق اور وہ اہل حجاز ہیں۔“

علامہ خلدون رحمہ اللہ جو اہل حجاز کو اہلحدیث فرما رہے ہیں۔ یہ بھی کل کی بات ہے؟

شامی شرح در مختار میں ہے کہ قاضی ابوبکر جوزجانی کے عہد میں ایک حنفی نے اہلحدیث سے اس کی لڑکی کا رشتہ مانگا۔ الفاظ یہ ہیں۔

﴿ان رجلا من اصحاب ابی حنیفۃ خطب الی رجل من اصحاب الحدیث﴾
تو اس اہلحدیث نے انکار کر دیا مگر اس صورت میں کہ وہ حنفی اپنا مذہب چھوڑ دے اور امام کے پیچھے (سورۃ فاتحہ) پڑھا کرے اور رکوع کے وقت رفع الیدین بھی کیا کرے۔ ﴿و نحو ذالک﴾ اور اسی طرح (دوسرے مسائل بھی اہلحدیث کی طرح کیا کرے) ﴿فاجابہ فزوجہ﴾ پس اس (حنفی) نے یہ بات منظور کر لی اور اہلحدیث نے اپنی لڑکی اس سے بیاہ دی۔

یہاں تو تیسری صدی میں اہل حدیث کا ذکر خیر موجود ہے پھر وہ لوگ کتنے متعصب اور کس قدر غلطی پر ہیں جو کہتے ہیں کہ اہل حدیث تو نیا فرقہ ہے ابھی کل پیدا ہوئے ہیں۔ حالانکہ مذکورہ بالا تصریحات سے ثابت ہو گیا ہے کہ صحابہ رحمہ اللہ اہلحدیث تھے اور اس وقت سے لے کر آج تک اہل حدیث چلے آ رہے ہیں اور یہی سب سے قدیمی ہیں۔ یعنی قرآن اور حدیث کے وقت سے ہیں جبکہ احناف و شوافع کا نام و نشان نہ تھا۔

دیکھئے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ بھی اہلحدیث کا ذکر کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں:
﴿فَعَلَامَةُ أَهْلِ الْبِدْعَةِ الْوَقِيعَةُ فِي أَهْلِ الْأَثَرِ﴾
”پس اہل بدعت کی نشانی اہلحدیث کی بدگوئی کرنا ہے۔“

(غنیۃ الطالبین)

غور کریں کہ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ بھی اہل حدیث کا ذکر کرتے ہیں۔ بلکہ اہل حدیث کو برا کہنے والوں کو بدعتی فرماتے ہیں:

آپ مزید ارشاد فرماتے ہیں۔

﴿وَلَا اسْمَ لَهُمْ إِلَّا اسْمٌ وَاحِدٌ وَهُوَ أَصْحَابُ الْحَدِيثِ﴾

”اور (سنو)!! ان کا صرف ایک ہی نام ہے کہ وہ الہدیت ہیں۔“ (غنیۃ الطالبین)
علامہ تفتازانی رحمہ اللہ تلویح شرح توضیح جلد دوم میں فرماتے ہیں:

﴿وَعَلَيْهِ عَامَّةُ أَهْلِ الْحَدِيثِ وَالشَّافِعِيَّةِ﴾

”اور اسی پر ہیں عام اہل حدیث اور شافعیہ بھی۔“

دیکھئے کتب فقہ میں بھی الہدیت کا ذکر موجود ہے، پھر تسلیم کرو کہ یہ مسلک اہل حدیث حضور ﷺ کے وقت سے آج تک چلا آ رہا ہے۔

مسلمان بھائیو! تفرقہ پر داز لوگوں سے بچو۔ فرقہ بندی چھوڑ دو! الہدیت یعنی حدیث والے بن جاؤ۔ جو لوگ آپ کو حدیثوں سے نفرت دلاتے ہیں وہ آپ کے خیر خواہ نہیں ہیں۔ غور کرو کہ ان کے دل میں حضور انور ﷺ کی کہاں تک محبت ہے جو حدیثوں سے مسلمانوں کو دور ہٹاتے ہیں۔ بھائیو! آنکھیں کھولو! سوچو سمجھو! حدیثوں پر عمل کرو اور ایمان کا مزا پاؤ۔

حضرت ابو بکر بن ابی دواد جتانی محدث ارشاد فرماتے ہیں:

﴿رَأَيْتُ فِي النَّوْمِ أَبَا هُرَيْرَةَ وَأَنَا بِسَجِسْتَانَ وَأَصْنَفُ حَدِيثَ أَبِي هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ لَهُ أَنَا أَجْبُكَ فَقَالَ أَنَا صَاحِبُ الْحَدِيثِ كَانَ فِي الدُّنْيَا﴾ (اصابہ)

”میں جستان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیثیں جمع کر رہا تھا کہ مجھے ان کی خواب میں زیارت ہوئی۔^(۱) میں نے کہا (اے حضور) مجھے آپ سے محبت ہے۔ آپ نے فرمایا (کیوں نہ ہو) کہ میں دنیا میں الہدیت تھا۔“

مسلمان بھائیو! غور کرو کہ حضور انور ﷺ کے سوالا کہ سے زائد اصحاب تھے رحمہ اللہ۔ یہ سب حضور ﷺ پر نور

- (۱) حضرت ابو بکر بن داؤد کا یہ خواب ہم نے الہدیت اور مذہب الہدیت کی تائید میں پیش کیا ہے۔ غور کریں کہ جب حضور ﷺ نے خود اپنی حدیثوں اور سنتوں کو مضبوط پکڑنے اور اگے پہنچانے کی تاکید فرمائی ہے تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یقیناً حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق حدیث کے عامل اور مبلغ تھے۔ اس لئے الہدیت ہوئے۔ معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر بن داؤد کا یہ خواب سچا ہے۔ اس لئے ہم نے بطور تائید بیان کیا ہے نہ کہ اسانا یا جتنہ! ہاں تو یاد رہے کہ قرآن اور حدیث کی صریح دلیل کے خلاف کوئی خواب صحیح ہو سکتا ہے اور نہ ہی اسے دلیل یا تائید میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً صحیح حدیث ہے۔ ﴿لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ﴾۔۔۔ (بخاری مسلم) ترجمہ: ”الحمد شریف کے بغیر کوئی نماز نہیں ہوتی۔“ اگر کوئی شخص کہے کہ مجھے فلاں بزرگ خواب میں ملے ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھنی چاہئے تو یہ خواب حضور انور ﷺ کی حدیث کے خلاف ہونے کے سبب نہ دلیل ہو سکتا ہے نہ تائید میں پیش کیا جاسکتا ہے۔“ (محمد صادق) (بخاری کتاب الاذان (۱۰) باب وجوب القراءة للامام والمأموم فی الصلوة کلہا (۹۵) الحدیث (۷۷) و مسلم کتاب الصلاة (۳) باب وجوب القراءة الفاتحة فی کل رکعة (۱۱) الحدیث (۸۷) عن عبادۃ بن الصامت رحمہ اللہ)

کے اقوال و افعال یعنی حدیثیں بیان کرنے اور ان پر عمل کرنے والے تھے۔ حضور ﷺ کا عام حکم ہے۔

﴿يَبْلَغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً﴾^(۱)

”میری طرف سے پہنچا دو خواہ میری ایک حدیث ہی ہو۔“ (مشکوٰۃ)

جب صحابہ رضی اللہ عنہم حدیثوں کے بیان کرنے، سنانے اور آگے پہنچانے والے تھے تو کیا وہ سب کے سب اہل حدیث نہ ہوئے اور ان کا مذہب حدیث نہ ہوا؟ کیوں نہیں! کہ کتب حدیث کے اندر حدیثوں کے راوی صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ حدیثیں پڑھنی، پڑھانی، سنانی اور آگے پہنچانی ان کا شغل تھا۔ پھر وہ ضرور ضرور حدیث والے، اصحاب الحدیث۔ اہل الحدیث تھے! کیا صحابہ رضی اللہ عنہم کی پیروی میں آپ امتیوں کی نسبتوں کو خیر باد کہہ کر حدیث والے بننے کو تیار نہیں؟ فرمائیے! ہم ضرور ضرور حدیث والے ہیں اور حدیث ہی پر تازیست عمل کریں گے۔^(۲)

آپ اپنے ایمان سے پوچھ کر بتائیں کہ کیا آپ حنفی کہلا کر خوش ہوتے ہیں یا اہل الحدیث (رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں پر ایمان اور عمل رکھنے والے کہلا کر)؟۔۔۔ غور فرمائیں کہ ایک شخص حنفیت کو نہیں مانتا آپ اسے کہہ سکتے ہیں کہ تم مسلمان نہیں ہو؟ ہرگز نہیں کہہ سکتے کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین، تابعین، تابعین، تابعین خود کو حنفی نہیں کہتے تھے اور باوجود حنفی نہ ہونے کے اعلیٰ درجہ کے مسلمان مانے جاتے تھے اور ان کی مسلمانی ساری امت کے لئے ایک معیار کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ میں حدیث رسول ﷺ کو نہیں مانتا، تو وہ یقیناً مسلمان نہیں رہتا۔ معلوم ہوا۔ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی وغیرہ ہونا اللہ کے حکم کی چیزیں نہیں ہیں اور نہ اللہ رسول کے مقرر کردہ مذہب ہیں۔ ہاں دین اور مذہب حدیث ہے جو احسن الحدیث اور رسول اللہ کی حدیث پر مشتمل ہے۔

منکر حدیث مسلمان نہیں!

منکر حدیث ایمان بالقرآن کے ہزار دعوے کرے سب بیکار ہیں قرآن کہتا ہے:

﴿وَمَا اتَّكُمْ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ﴾

”اور جو (قرآن پر عمل کرنے کا طریقہ دے تم کو رسول ﷺ، پس پکڑ لو اس کو۔“

(۱) بخاری کتاب احادیث الانبیاء (۶۰) باب ما ذکر عن بنی اسرائیل (۵۰) الحدیث (۳۳۶۱) عن عبد اللہ بن عمرو

رضی اللہ عنہ

(۲) مقلد حنفی کہلانے سے حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول ماننے پڑتے ہیں اور اہل الحدیث کہلانے میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل پر عمل کرنا پڑتا ہے پہلی صورت میں نسبت ایک غیر معصوم امتی کی طرف ہے اور دوسری صورت میں نسبت معصوم رسول حضرت رحمت للعالمین ﷺ کی طرف ہے جن کی اطاعت اللہ تعالیٰ نے امت پر فرض کی ہے اور جنہوں نے قیامت کو اللہ کی اجازت کے بعد شفاعت کرنی ہے اب آپ سوچ کر بتائیں کہ آپ حنفی ہیں یا محمدی اہل الحدیث۔ (محمد صادق)

ثابت ہوا کہ قرآن پر عمل کرنے کا طریقہ حضور انور ﷺ کے قول و فعل سے حاصل ہوتا ہے اور قول و فعل حدیث ہے۔ پس بغیر حدیث کے قرآن پر عمل نہیں ہو سکتا۔ پھر جو شخص حضور انور ﷺ کے عمل بالقرآن یعنی حدیث کا انکار کرتا ہے وہ مسلمان نہیں ہے۔ افسوس! منکرین حدیث حضور ﷺ کو محض ڈاکو کا درجہ دیتے ہیں۔ (استغفر اللہ) کہ جیسے ڈاکو چٹھی دے کر چلا جاتا ہے۔ اسے چٹھی کو کھولنے سننے اور پڑھنے سے کوئی سروکار نہیں، ایسے ہی معاذ اللہ رسول اللہ ﷺ چٹھی (قرآن) دے کر چلے گئے ہیں اب اُمت جانے اور چٹھی۔ "اُمت خود چٹھی کھولے پڑھے سمجھے اور عمل کرے حالانکہ اللہ فرماتا ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (پ: ۳: ۸۷)

"بے شک اللہ نے مسلمانوں پر احسان کیا جب بھیجا ان میں پیغمبر ﷺ ان کی جنس سے پڑھتا ہے ان پر آیتیں اس کی اور پاک کرتا ہے ان کو اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور (کتاب کی) سمجھ۔"

اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ کے برگزیدہ اچھی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی چٹھی کو کھولا پڑھا لوگوں کو سنایا۔ سمجھایا اور اس کی ماحقہ، تعلیم دی اور اس تعلیم سے ان کو شرک اور رذائل کی گندگی سے پاک کیا ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ﴾ کے حکم خداوندی کی تعمیل سے سارے قرآن پر خود عمل کیا اور لوگوں کو اپنے عمل کے ساتھ قرآن پہنچایا۔ ﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ کا مطلب ہی یہ ہے کہ اللہ کا حکم مانو رسول خدا کی تابعداری کر کے۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کے عمل بالقرآن کو اپنا کر اللہ کے قرآنی احکام بجالاؤ ﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ کے ذریعہ اللہ نے صاف اعلان کر دیا ہے کہ جس نے رسول ﷺ کی تابعداری کی اس نے اللہ کا حکم مان لیا۔ حضور ﷺ کی اطاعت میں اللہ کی حکم برداری ہے۔ پھر آپ خوب سمجھ لیں کہ حضور ﷺ کا عمل بالقرآن (حدیث و سنن) واجب العمل ہیں۔ جس نے حدیث کے مطابق قرآن پر عمل کیا اللہ وہی عمل قبول کرے گا۔ غیر مسنون اعمال ہرگز قبول نہیں ہوں گے۔ یہ ہے اہمیت حدیث!

الہمدیث ہونے کی دعوت!

آپ یہ خیال نہ کریں کہ ہم آپ کو بحیثیت ایک فرقہ کے الہمدیث بننے کی دعوت دے رہے ہیں۔ اچھی طرح یاد رکھیں کہ اسلام میں فرقہ بندی نہ صرف منع ہے بلکہ ایک عذاب ہے جس کی تردید ہم گذشتہ اوراق میں کر آئے ہیں۔

یاد رہے کہ بطور عالمگیر جماعت کے ساری اُمت اصولاً الہمدیث ہے ہر شخص جو حضور انور ﷺ کو رسول مانتا ہے۔ اور ان کی اطاعت فرض جانتا ہے الہمدیث ہے! پس ہم آپ کو حدیث کے قائل عامل اور مبلغ دیکھنا چاہتے

ہیں۔ حدیث پر کٹ مرنے والے حدیث والے بنانا چاہتے ہیں۔ زندگی کے گوشہ گوشہ میں حدیث مصطفیٰ کو جاری و ساری کرنے کرانے والے اہل حدیث بنانا چاہتے ہیں۔ آپ کی نماز روزہ حج، زکوٰۃ، خیرات، صدقات، تمام عقائد و اعمال۔۔۔ چلنا، پھرنا، اٹھنا، بیٹھنا، کھانا، پینا، مرنا، جینا، شادی، غمی..... تمدنی، معیشتی، معاشرتی اور اخلاقی قدریں سن شعور سے لے کر موت تک سارا مرد و حیات حضرت رحمۃ اللعالمین ﷺ کی سنت اور حدیث کے رنگ میں رنگا ہوا دیکھ کر آپ کو اہل سنت، اہل حدیث کے معزز لقب سے نوازتے ہیں۔

کس قدر جگر خراش منظر ہے کہ ہم اپنے آپ کو مذہب کے ماحول میں سینکڑوں رنگوں، مقاموں، اماموں، بزرگوں اور شخصیتوں کی طرف منسوب کر کے خوش ہوتے اور فخر کے ساتھ نام کے آگے اس نسبت کو لکھتے ہیں۔ لیکن رونے کا مقام ہے کہ جناب سید الکونین والتقلین، سید العرب والعجم، پیغمبر انس و جن، ہادی و بحر و سرور کائنات رسول رب العالمین کے پاک نام محمد ﷺ اور آپ کے قول و فعل (حدیث) کی طرف اپنے آپ کو منسوب کر کے محمدی یا اہل حدیث کہلاتے ہوئے ہمیں شرم آتی ہے اور ہم ہچکچاتے ہیں۔ اتنے دور ہو گئے ہیں ہم اپنے شافع روز جزا سے۔ یا اتنا دور کر دیا ہے ہم کو ہمارے علماء و مشائخ نے، امت کے ”بزرگوں“ اور ”اماموں“ نے اور شخصیت پرستی کرنے والوں نے۔

نمود روئے تو گلہائے باغِ راچہ کنم
چو آفتاب برآمد چراغِ راچہ کنم

فرمائیے! کون ہیں آپ کے رسول ﷺ؟ کیسے:

مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ (پ: ۲۶) محمد رسول اللہ ﷺ!

کس کا قول و فعل۔۔۔ اطاعت آپ پر اللہ نے فرض کی ہے؟ فرمائیے!۔۔۔

أَطِيعُوا الرَّسُوْلَ (پ: ۵) حضرت محمد ﷺ کی اطاعت اور حضور ﷺ ہی کے قول و فعل (سنت اور حدیث) پر عمل کرنا اللہ نے فرض کیا ہے۔

جب یہ حق ہے تو پھر حضور انور ﷺ کے قول و فعل، یعنی حدیث کی طرف خود کو منسوب کرنا کیونکر باعثِ حجاب ہو گیا۔

ترا اے قیس کیونکر ہو گیا سوزِ دروں ٹھنڈا
کہ لیلیٰ میں تو ہیں اب تک وہی اندازِ لیلیٰ

ذرا جرات اور اخلاقی جوانمردی سے کام لیں اور کہہ دیں اپنے آپ کو اہل حدیث بطور عقیدہ و عمل کے نہ بطور فرقہ کے، جب ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ ہیں اور اللہ نے ہم پر صرف حضور ﷺ ہی کی اطاعت فرض کی ہے۔ حضور ﷺ کے سوا سب امتی ہیں۔ وہ صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، فقہاء، اولیاء اللہ اور بزرگان

دین ہوں یہ سب حضور انور ﷺ ہی کے اقوال و افعال کے مبلغ ہیں۔ ﴿بَلِّغُوا عَنِّي﴾^(۱) کے ذریعہ حضور ﷺ نے ان سب کو حکم دیا ہے کہ میری حدیثوں اور سنتوں کو آگے پہنچاؤ، پھر حدیثوں اور سنتوں کو آگے پہنچانے پھیلانے اور ان پر عمل کرنے والے یہ سب حدیث والے ہوئے اور جن کو احادیث نبوی ﷺ پہنچیں انہوں نے قبول کیں اور ان پر عمل کیا، یہ بھی حدیث والے ہوئے۔ جب حدیث اور سنت کے بغیر کوئی چارہ نہیں، کوئی عقیدہ درست نہیں، کوئی عمل قبول نہیں، کوئی راہ سیدھی نہیں تو پھر کیوں نہ ہم اپنا مذہب قرآن و حدیث ٹھہرائیں۔

اصحاب الحدیث کے حق میں حضور انور ﷺ کی دُعا

﴿اللَّهُمَّ ارْحَمْ خُلَفَائِي﴾^(۲) حضور پُر نور ﷺ نے فرمایا۔ اے اللہ میرے خلیفوں پر رحم کر۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا۔ حضور! آپ کے خلیفے کون لوگ ہیں؟ ارشاد فرمایا جو میرے بعد آئیں گے میری حدیثیں روایت کریں گے اور انہیں لوگوں کو سکھائیں گے۔

(شرف اصحاب الحدیث)

گویا حضور ﷺ حدیث پڑھنے پڑھانے، سننے سمجھانے اور پھیلانے والوں کو اپنے خلیفے۔۔۔ نائب فرما رہے ہیں۔ سبحان اللہ! کتنا مرتبہ ہے! الحدیث کا! اور پھر اپنے خلیفوں کے حق میں اللہ کی جناب میں دست برد دعا ہیں: اے اللہ! میرے خلیفوں پر رحم کر! یہ مستجاب دُعا حضور ﷺ کی حدیث والوں کے حق میں ہے۔ چنانچہ صاف فرمایا ﴿الَّذِينَ يَزُؤْنَ أَحَادِيثِي﴾ میرے خلیفے میری حدیثوں کو روایت کرنے والے ہیں۔

پس جو لوگ حضور ﷺ کی حدیثوں کو پڑھاتے ہیں سنتے سنتے ہیں اور ان کی اشاعت کرتے ہیں۔ وہ حضور ﷺ کی دعائے مستجاب میں شریک ہیں۔ حضور ﷺ کی دُعا ان کے حق میں ہے۔ مبارک ہو حدیث والوں کو حضور ﷺ کی مستجاب دعا۔

قیامت تک حق پر رہنے والی جماعت

آپ گزشتہ اوراق میں پڑھ آئے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: بنی اسرائیل میں بہتر فرقے ہو گئے تھے اور

(۱) بخاری کتاب احادیث الانبیاء (۶۰) باب ما ذکر عن بنی اسرائیل (۵۰) الحدیث ۳۴۶۱ عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ

(۲) شرف اصحاب الحدیث ص ۴۷ باب کون اصحاب الحدیث خلفاء النبی ﷺ فی التبلیغ و طہرانی الاوسط ۳۹۵/۶ رقم الحدیث ۵۸۳۲ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما علامہ بیہقی فرماتے ہیں اس کی سند میں احمد بن یحییٰ راوی ہے جسے امام دارقطنی نے کذاب کہا ہے مجمع الزوائد ۱۲۶/۱ و فی نسخة الاحمدی ۱۳۱/۱ علامہ ذہبی حافظ بن حجر اور علامہ البانی نے اس روایت کو باطل قرار دیا ہے۔ میزان ۱/۱۲۷ و لسان المیزان ۲۳۱/۱ و الضعیفہ ۸۵۳۔

میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی سب جہنم میں جائیں گے سوائے ایک جماعت کے اور وہ نجات پائے گی اور اس نجات پانے والی جماعت کے متعلق فرمایا:

﴿لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ لَا يَضُرُّهُمْ مَن خَدَّلَهُمْ إِلَىٰ أَنْ تُقُومَ السَّاعَةُ﴾

(شرف اصحاب الحدیث - ترمذی)

”میری امت میں سے ایک جماعت مظفر و منصور ہمیشہ حق پر قائم رہے گی۔ ان کے مخالف قیامت تک ان کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکیں گے۔“

یہودی سارے ہی فرقے بندی کے سبب تباہ و برباد ہو گئے ان میں کوئی جماعت بھی حق پر نہ رہی۔ ان کے مولوی اور پیر سب کو لے ڈوبے لیکن امت محمدیہ میں جہاں برطابق خبر رسول کریم ﷺ بہتر فرقے ہو جائیں گے وہاں ایک جماعت ناقیامت حق پر ثابت رہے گی مظفر و منصور رہے گی تو حید کا جھنڈا پکڑ کر حدیثوں اور سنتوں کی مشعلوں کو روشن رکھے گی۔ باطل فرقوں کی گمراہی سے عامۃ المسلمین کو بچائے گی۔ خالص قرآن اور حدیث کو پھیلانے کی کوئی انہیں مٹانہ سکے گا..... ﴿هَآءَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِي﴾^(۱) کی شاہراہ پر تاصور اسرار لیل گا مزن رہے گی۔ یعنی حضور ﷺ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یہودی طرح میری ساری کی ساری امت نہیں بگڑ جائے گی بلکہ میری امت میں ایک جماعت ضرور حق پر قائم رہے گی اور قیامت تک حق کی نشر و اشاعت کرتی رہے گی۔

اب اس جماعت کو حضور ﷺ کی نشاندہی کے مطابق انصاف سے پہچانو! حضور نے فرمایا ہے ﴿هَآءَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِي﴾ ”وہ جماعت میرے اور میرے صحابہ ﷺ کے طریق پر ہوگی۔“ اس نشان دہی سے صاف پتہ چل گیا کہ وہ نجات پانے والی جماعت صحابہ ﷺ کے طریق پر ہوگی۔۔۔ اور صحابہ ﷺ کا طریق صرف حضور ﷺ کی سنت اور حدیث پر عمل کرنا تھا پس آج تعصب چھوڑ کر پہچان لو اس جماعت کو جو صرف قرآن اور حدیث پر چلنے کی دعوے دار ہے جو بغیر کسی کی تقلید جامد کے بالراست صحابہ ﷺ کی طرح حدیث کو مانتی ہے اور اس پر عمل کرتی ہے۔ حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق قیامت تک حق پر قائم رہنے والی یہی ناجی جماعت ہے۔

چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں جیسا کہ پیچھے گزرا۔

﴿اِنَّ لَّمْ يَكُوْنُوْا اَصْحَابُ الْحَدِيْثِ فَلَا اَذْرٰی مِّنْهُمْ﴾ (شرف اصحاب الحدیث)

”ہمیشہ حق پر رہنے والی جماعت اگر اہل حدیث نہیں ہیں تو پھر میں نہیں جانتا۔ کہ وہ کون ہیں۔“

علامہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ کی کتاب ”شرف اصحاب الحدیث“ میں مندرجہ ذیل حوالہ جات بھی موجود ہیں:

امام یزید بن ہارون رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (جو جماعت قیامت تک حق پر رہے گی) اس سے مراد اہل الحدیث ہیں۔

(۱) حسن ہے اس کی تخریج ص ۴۸ حاشیہ نمبر ۱ میں گزر چکی ہے۔

امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”الحدیث زمین پر اللہ کے دین کے نگہبان ہیں۔“

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

﴿مَنْ يَعْتَقِدْ مَذْهَبَ أَهْلِ الْحَدِيثِ﴾

”ہمیشہ حق پر قائم رہنے والی وہ جماعت ہے جو مذہب الحدیث کی پابند ہے۔“

حضرت امام ابن المبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

﴿هُمْ عِنْدِي أَصْحَابُ الْحَدِيثِ﴾

”میرے نزدیک یہ (لَا تَزَالُ أَهْتِي) لوگ الحدیث ہیں۔“

حضرت امام احمد بن سنان رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ وہ جماعت الحدیث ہے۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس جماعت کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ ہمیشہ حق پر رہے گی اس سے مراد جماعت اہل حدیث ہے۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاد علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ مظفر منصور ہمیشہ حق پر رہنے والی جماعت الحدیث ہے۔^(۱)..... (شرف اصحاب الحدیث)

ان تصریحات کے ایراد سے ہماری غرض یہ ہے کہ آپ کو یقین آجائے کہ حضور ﷺ اور حضور ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریق پر چلنے والی قیامت تک حق پر قائم اور ثابت رہنے والی جماعت صرف حدیث والوں کی جماعت ہے اور آپ بھی عقیدہ اور عمل کے لحاظ سے حدیث والے بن جائیں۔۔۔ تمام پیوندی ذرائع چھوڑ کر سیدھے رسول اللہ ﷺ کی آغوش میں آجائیں اور مصطفیٰ کی گفتار کے ہوتے ہوئے کسی کے قول و کردار کی طرف آنکھ نہ اٹھائیں۔ ”کالی کملی“ کے سوا تمام جمود بردوش تقلیدی ”بھورے“ پھاڑ دیں۔ ”پٹے“ حلق سے اتار دیں۔ ”نمدے“ دریا برد کر دیں۔۔۔ اور فرقہ وارانہ نسبتیں بھی مٹا دیں^(۲) کہ آپ نے پڑھا ہوا ہے:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ

”اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں (اور) محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔“

(۱) بار بار الحدیث کا نام پڑھ کر آپ یہ خیال نہ کریں کہ ہم آپ کو کسی نئے فرقے کی دعوت دے رہے ہیں۔ الحدیث ہرگز کوئی نیا فرقہ نہیں ہے۔ بلکہ حضور ﷺ کی حدیث پر عمل کرنے والے لوگ مراد ہیں۔ پس صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح ہم آپ کو سنت اور حدیث پر عمل کرنے والے بنانا چاہتے ہیں۔ بندھنوں سے آزاد کرنا حضور انور ﷺ کے قول و فعل کے پابند کرانے کے خواہاں ہیں۔ یاد رکھیں کہ فرقے حضور ﷺ کے بعد نکلے ہیں۔ سنت اور حدیث بعد کی چیز نہیں ہے اور نہ سنت اور حدیث کے عامل بعد کے ہیں۔

(۲) نسبتوں سے ہماری مراد وہ نسبتیں ہیں جو عقائد و اعمال میں شخصیتوں کی اندھی اور جامد تقلید کا موجب ہیں! منہ

اس کا مطلب یہ ہے

کہ عبادت اللہ کی اور اطاعت مصطفیٰ ﷺ کی ہے۔ یعنی اللہ کی خالص عبادت رحمت عالم ﷺ کے طریقہ کے مطابق کرنی چاہئے کہ معبود برحق کی حکم برداری حضور ﷺ سید ولد آدم ﷺ کی تابعداری میں بجالائی جائے۔ حضور ﷺ کے طریقہ کے سوا کسی کا طریقہ درخور اعتنا نہ مانا جائے۔ حضور پر نور ﷺ فرماتے ہیں:

﴿فَإِنْ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ وَخَيْرُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)﴾^(۱)

تمام باتوں سے بہتر بات اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور تمام طریقوں سے بہتر طریقہ محمد ﷺ کا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام سے کوئی کلام بہتر نہیں ہے۔ اس لئے اس کا کلام قرآن مجید ہی دراصل قابل عمل ہے۔ احکم الحاکمین کے نازل کردہ دستور اور قانون کے مطابق ہی زندگی گزارنی لازم ہے کہ اسی خالق مالک رازق اور شہنشاہ لازوال کا حکم ہی انسانی زندگی پر لاگو ہے۔ اب اللہ کے کلام ارشاد اور حکم پر عمل کرنے کا طریقہ کیا ہونا چاہئے؟ ﴿خَيْرُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ﴾ ”کلام الہی پر عمل کرنے کا طریقہ محمد ﷺ کے طریقے سے کوئی بہتر نہیں ہے۔“

گو شمع میاں دریں بزم کہ اشب
در مجلس ما ماہ رُخ دوست تمام است

جب ثابت ہوا کہ طریقہ رسول ﷺ کے سوا کوئی بہتر طریقہ نہیں۔۔۔ اور حضور ﷺ کے طریقہ کے سوا کسی اور طریقے کو اختیار کرنے کی اللہ کی طرف سے اجازت نہیں تو پھر جو شخص حضور ﷺ خاتم النبیین ﷺ کے طریقہ کے سوا عقائد و اعمال میں کوئی اور طریقہ اختیار کرتا ہے وہ یقیناً فرقے بندی کی راہ پر چلتا ہے۔ وہ سبیل رسول ﷺ پر نہیں ہے۔ سبیل رسول پر صرف حدیث والا ہی ہو سکتا ہے۔ کہاں احادیث اور کہاں احادیث کے مقابلہ میں اقوال اُتھیاں۔ مسلمان بھائیو! ”جواہرات“ چھوڑ کر کیوں ”خرمہرے“ لئے پھرتے ہو

باغِ مراچہ حاجتِ سرود و صنوبر است
شمشادِ خانہ پرورما از کہ کمتر است

اصحاب الحدیث کا حشر کے دن مرتبہ

﴿عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَمَةِ جَاءَ

(۱) صحیح ہے اس کی تخریج ص ۳۱ میں مزیں کی ہے۔

أَصْحَابُ الْحَدِيثِ مَا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَمَعَهُمُ الْمَحَابِرُ لَيَقُولُ اللَّهُ أَنْتُمْ أَصْحَابُ الْحَدِيثِ كُنْتُمْ تَصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اذْخُلُوا الْجَنَّةَ (جواهر الاصول تاریخ خطیب از محدث خطیب بغدادی) (۱)

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حشر کے روز اہل حدیث اللہ کے حضور اپنی دواتوں سمیت (جن سے احادیث نبوی لکھا کرتے تھے) حاضر ہوں گے۔ خدا تعالیٰ ان کو فرمائے گا۔ ﴿أَنْتُمْ أَصْحَابُ الْحَدِيثِ﴾ ثم اہل حدیث ہو۔ ثم (حدیثوں کو لکھتے پڑتے اور سناتے وقت) میرے نبی ﷺ پر درود پڑھتے تھے۔ جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ۔“

﴿اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ﴾

مسلمان بھائیو! بھنو! اللہ کے رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں پڑھو حدیثوں پر عمل کرو ان کو سراؤ انھوں پر رکھو جان سے عزیز جانو اور حدیثوں کے عمل کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنالو۔ سچے اہل حدیثوں۔ عالموں کی طرح زندگی گزارو۔ بڑی طیب اور پاک زندگی بسر کرو۔ حلال کھاؤ پئو پہنؤ بیچ بولو عقائد اور اعمال کی تمام تاریکیوں کو حدیثوں کے اجالے سے کافور کرو۔ حدیث والے بن کر شاہراہ رسول ﷺ پر تازیت گامزن رہو۔ یاد رکھو! کہ ہدایت کی تدلیلوں سے ایسی روشن راہ کہیں بھی آپ کو نہیں مل سکے گی۔

نکبت زلف سے کم مرتبہ مشک ہوا
شرم سے ناف میں آہو کے لبو خشک ہوا

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا نعرہ حق!

اہل سنت والجماعت اہل حدیث ہیں

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ آپ کے علم و فضل و زہد و ورع کا آفتاب نصف النہار پر ہے اور آپ کی ذات احناف اور اہل حدیث میں یکساں عزت اور مرتبہ کی نظر سے دیکھی جاتی ہے۔ نجات پانے اور تاقیامت حق پر رہنے والی مظفر و منصور۔۔۔ ﴿مَا آنا عَلَيْهِ وَ أَصْحَابِي﴾ کی

موضوعات کبیر ۱/۲۶۰ والامی المصنوعہ ۱/۹۸ عن انس رضی اللہ عنہ اس کی سند میں محمد بن یوسف الدقی راوی کذاب ہے خلیفہ علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر ابن جوزی اور شوکانی نے اس روایت کو باطل اور من گھڑت قرار دیا ہے میزان الاعتدال ۳/۳ و لسان میزان ۳۶/۵ و فوائد المجموعہ ص ۲۹۱۔

روشن راہ پر چلنے والی جماعت کے متعلق آپ اپنی مایہ ناز کتاب غنیۃ الطالبین میں ارشاد فرماتے ہیں: ضد اور تعصب چھوڑ کر ایمان کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں!

﴿وَأَمَّا الْفِرْقَةُ النَّاجِيَةُ فَهِيَ أَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ﴾ (غنیۃ الطالبین)

”اور لیکن نجات پانے والا (حق پر ثابت) گروہ اہل سنت والجماعت ہے۔“

آگے آپ اہل سنت والجماعت کو فرقہ بندی سے بالابتائے ہوئے فرماتے ہیں۔

﴿فَأَهْلُ السُّنَّةِ طَائِفَةٌ وَاحِدَةٌ﴾ (غنیۃ الطالبین)

”پس اہل سنت ایک ہی گروہ ہے۔“^(۱)

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے کیسا دیانت داری سے سچا فیصلہ عین حدیث کے مطابق کیا ہے کہ اہل سنت ایک ہی گروہ ہے۔ فرقے بندی سے بالاصحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح ایک ہی جماعت ہے۔ اب اس طائفہ واحدہ۔۔ ایک جماعت کی مزید وضاحت فرماتے ہیں اور پہچان بتاتے ہیں:

وَهُوَ أَصْحَابُ الْحَدِيثِ (غنیۃ الطالبین)

”اور وہ اہل حدیث ہیں۔“

بیاساتی نوائے مرغزار از شاخسار آمد

بہار آمد نگار آمد نگار آمد قرار آمد

ناظرین کرام! غور فرمائیں۔۔۔ کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اہل سنت والجماعت صرف الہدایت کو فرما رہے ہیں۔^(۲) تین صدیوں کے بعد جتنے فرقے آج تک ہوئے ہیں ان میں سے کسی کا نام نہیں لیا۔ اگر ناجی اہل سنت والجماعت کسی کو کہا ہے تو الہدایت کو کہا ہے۔

در مجلس ما عطر میامیز کہ جاں را

ہر لحظہ بہ گیسوی تو خوشبوئی مشام است

برادران احناف کو اخلاقی جرأت کر کے ایمان کا سہارا لے کر حضرت شاہ جیلانی علیہ الرحمۃ کے ارشاد کے

(۱) سیدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ناجی گروہ اہل سنت والجماعت کو قرار دیا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم کے نیک زمانوں کے بعد نکلے ہوئے کسی فرقے کا نام نہیں لیا اور اہل سنت والجماعت کی آپ نے شناخت بھی بتادی ہے فرماتے ہیں۔

﴿السُّنَّةُ مَا مَنَّهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْجَمَاعَةُ مَا اتَّفَقَ عَلَيْهِ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ﴾ (غنیۃ الطالبین) رسول اللہ ﷺ کے طریقے کو سنت کہتے ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے متفق ہونے کو جماعت کہتے ہیں۔ پس مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي کی راہ پر چلنے والے قرآن اور حدیث کو بالراست صحابہ کے طریق پر بجالانے والے اہل سنت والجماعت ہوئے۔

(۲) اس سے ثابت ہوا کہ حضرت شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ الہدایت تھے۔ کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ اہل سنت گروہ الہدایت ہے۔

مطابق اپنا مذہب حدیث اختیار کر لینا چاہئے۔ اہل سنت اہلحدیث بن جانا چاہئے۔۔۔ سبیل رسول ﷺ پر چلنے۔۔۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا مذہب رکھنے والوں..... اصحاب الحدیث میں شامل ہو جانا چاہئے۔ جن بھائیوں کا حضرت شاہ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ پر بڑا اعتقاد ہے اور جو انہیں بزرگ اور بڑے ولی اللہ سمجھتے ہیں وہ ان کے فرمان کی بھی قدر کریں ان کی بزرگی کے ساتھ ان کے ارشاد کو بھی مانیں کہ آپ فرما رہے ہیں:

”نجات پانے والا گروہ اہل سنت والجماعت ہے۔۔۔ اور اہل سنت ایک ہی گروہ ہے۔ اور وہ اہلحدیث ہے۔“

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ولایت کو برحق جاننے والے بھائیو! کبھی حدیث والوں کو برائی سے یاد نہ کرنا۔ یہ حدیث کوئی اہلحدیث کی گھر کی چیز نہیں ہے بلکہ ہمارے اور آپ کے اور سارے جہان کے رسول سید الکونین والتقلین حضرت محمد ﷺ کے فرمان ہیں جن کی عزت و قدر کرنا اور ان پر عمل کرنا سب پر فرض ہے۔ حضرت شاہ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے کہنے پر سب حدیث والے بن جاؤ۔^(۱) للہیت کے ماحول میں انصاف کی راہ اختیار کرو۔

ہے طلسم دھر میں صد حشر پاداش عمل
آگہی غافل کہ یک امروز بے فردا نہیں

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان سے

اہل بدعت کی پہچان!

حضرت شاہ جیلانی ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَأَعْلَمُ أَنَّ أَهْلَ الْبِدْعِ عَلَامَاتٌ يُعْرِفُونَ بِهَا﴾ (غنیۃ الطالبین)

”اور یاد رکھو کہ بدعتیوں کی کئی نشانیاں ہیں جن سے وہ پہچانے جاتے ہیں۔“

آگے آپ بدعتیوں کی نشانیوں میں سے ایک نشانی بتاتے ہیں:

﴿فَعَلَامَةُ أَهْلِ الْبِدْعَةِ الْوَقِيعَةُ فِي أَهْلِ الْأَثَرِ﴾ (غنیۃ الطالبین)

”پس نشانی بدعتیوں کی یہ ہے کہ وہ اہلحدیث کی بدگویی کرتے ہیں۔“

سچا مرید اور قلمس تابعدار وہ ہوتا ہے جو اپنے پیرومرشد کے (مدلل) کہنے پر چلے جب شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اہل سنت والجماعت صرف اہل حدیث کو کہا ہے۔ اور کسی فرقے کو نہیں کہا تو شاہ صاحب کے سب معتقدوں اور عقیدتمندوں کا فرض ہے کہ جناب پیر حقانی کی بات مان کر اپنا مذہب ﴿هَذَا آتَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي﴾ اختیار کر لیں۔ صرف قرآن اور حدیث پر عمل کرنے والے اہل حدیث بن جائیں۔ آپ کی خیر خواہی کے لئے درد دل سے اپیل ہے۔

حضرت پیر جیلانی رحمہ اللہ نے اہل اثر کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اہل اثر کے معنی اہل حدیث کے ہیں۔ چنانچہ غنیۃ الطالبین کا فارسی ترجمہ کرتے ہوئے علامہ عبدالحکیم رحمہ اللہ فاضل سیالکوٹی اہل اثر کا ترجمہ الحمدیث کرتے ہیں۔

اس طرح:

﴿فَعَلَامَةُ أَهْلِ الْبِدْعَةِ الْوَقِيعَةُ فِي أَهْلِ الْأَثَرِ﴾

”پس نشان اہل بدعت عیب گردن است در اہلحدیث۔“

(غنیۃ الطالبین مترجم فارسی) از علامہ عبدالحکیم رحمہ اللہ سیالکوٹی

بدعتی اہلحدیث کو برا بھلا کہتے ہیں

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے کتنی خداگفتی کہی ہے۔ اظہار حق میں کتنا بے باک قدم اٹھایا ہے۔ بلا خوف و لومۃ لام علی الاعلان فتویٰ دیا ہے کہ اہلحدیث کو برا کہنے والے ان کی بدگوئی اور عیب جوئی کرنے والے بدعتی ہیں۔ یعنی پہچان ہی بدعتیوں کی یہ ہے کہ وہ اہلحدیث کی بدگوئی کرتے ہیں۔

اہلحدیث کو برائی سے یاد کرنے والے بھائیو! گوش ہوش سے سن لو کہ شاہ جیلانی رحمہ اللہ اہلحدیث کو برا کہنے والوں کو بدعتی فرماتے ہیں۔ آئندہ توحید کے پروانوں اور حدیث و سنت کے شیدائیوں کو کبھی برائی سے یاد نہ کرنا بلکہ ان سے محبت کرنا اور خیر خواہی سے پیش آنا کیونکہ یہ لوگ صحابہ رحمہم اللہ کی روش پر رحمت للعالمین ﷺ کا اتباع کرتے ہیں اور تمام امت کے بزرگوں ولیوں اور اولیاء اللہ کا ادب و احترام بجالاتے ہیں۔

پھر یہ بھی یاد رکھیں کہ شیخ علیہ الرحمۃ نے جو اہلحدیث کی برائی کرنے والوں کو بدعتی کہا ہے۔ یہ بدعت کا فتویٰ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ بدعتی کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں غور سے ملاحظہ فرمائیں:

﴿لَا يَقْبَلُ اللَّهُ لِصَاحِبِ بِدْعَةٍ صَوْمًا وَلَا صَلَاةً وَلَا صَدَقَةً وَلَا حَجًّا وَلَا عُمْرَةً وَلَا جِهَادًا وَيَخْرُجُ مِنَ الْإِسْلَامِ كَمَا تَخْرُجُ الشَّعْرَةُ مِنَ الْعَجِينِ﴾ (ابن ماجہ) ^(۱)

”اللہ تعالیٰ بدعتی آدمی کا نہ روزہ قبول کرتا ہے نہ نماز اور نہ زکوٰۃ و خیرات اور نہ حج اور نہ عمرہ اور نہ جہاد اور بدعتی (دارہ) اسلام سے ایسے نکل جاتا ہے جیسے بال گوندھے ہوئے آنے سے نکل جاتا ہے۔“

ناظرین! دیکھا آپ نے کہ بدعتی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کتنا مردود ہے کہ اس کا کوئی عمل تک قبول نہیں ہوتا لہذا یاد رکھیں۔ آپ کبھی کوئی کام بدعت کا نہ کرنا۔ ^(۲) حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ بدعتیوں کے کاموں سے

(۱) ابن ماجہ، المقدمة، باب اجتنب البدع و الحدل (۷) الحدیث ۴۹ عن حذیفہ رضی اللہ عنہ اس کی سند میں محمد

محسن، راوی کذاب ہے، تقریب ص ۳۱۷ علامہ البانی نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے الضعیفہ ۴۹۳

(۲) حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں۔ ﴿مَنْ أَخَذْتُ لِي أَمْرًا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ﴾ (بخاری شریف) ترجمہ: ”جس شخص

ہماری (کمل) شریعت کے اندر کوئی نیا طریقہ (مسئلہ وغیرہ) نکالا۔ جو شریعت میں ہمارا (جاری کردہ) نہ ہو تو وہ طریقہ مسترد

کام یہ بتاتے ہیں کہ وہ الہدیث کی برائی کرتے ہیں۔ شیخ علیہ الرحمۃ نے یہ بالکل حق کہا ہے۔ غور کریں کہ جو رسول اللہ ﷺ کی سنتوں اور حدیثوں پر عمل کرنے والوں کو برا جانیں وہ بدعتی نہیں تو اور کون ہو سکتے ہیں؟ بے شک حضور رحمت للعالمین ﷺ کے اقوال و افعال۔۔۔ احادیث و سنن کو برا جاننا ان سے نفرت کرنا، چڑھنا۔ انہیں مٹانا، ان پر عمل کرنے والوں سے لڑنا بھڑنا بدعتیوں کا ہی کام ہے۔ ایسے بھائیوں سے ہم بڑے ادب سے عرض کرتے ہیں کہ وہ اس روش کو چھوڑ دیں۔ الہدیث سے بغض نہ رکھیں، انہیں اُمت کے ایک قطب الاقطاب کے فتویٰ پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے۔ ولایت کے بادشاہ کے کوڑے کی ضرب سے کانپ اٹھنا چاہئے۔

علماء سوء کی انگلیخت!

جب الہدیث قرآن اور حدیث بیان کرتے ہیں اور تبلیغ کی ذمہ داری میں شرک اور بدعت کا رد کرتے ہیں، خانہ ساز مسکوں کے ”بیت العنکبوت“ کو تار تار کرتے ہیں تو جن احبار و رہبان کی ”بلیک مارکیٹ“ کی آمدن ماری جاتی ہے وہ سادہ دل عوام کو الہدیث کے خلاف ابھارتے ہیں کہتے ہیں: یہ بے ادب ہیں، بزرگوں کے منکر ہیں، ان کی باتیں مت سنو، ان کے پاس نہ جاؤ۔۔۔ یہ سن کر عوام۔۔۔ سادہ لوح مسلمان، الہدیث سے نفرت کرتے ہیں۔ ”برادران یوسف“ کی انگلیخت پر حدیث والوں سے بیر رکھتے ہیں۔ ہم بڑے خلوص اور محبت سے ان سادہ دل مسلمان بھائیوں کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ وہ ان حضرات کی خالی خولی باتوں پر نہ جائیں۔ ان کے کہنے پر الہدیث کو برا نہ کہیں۔ یہ لوگ ”ریستوران“ کی رونق کے لئے الہدیث کی بدگوئی کرتے ہیں اور آپ سے کراتے ہیں۔ ذرا سوچئے تو کہ اہل حدیث کا کیا گناہ ہے؟ صرف یہی کہ وہ تمام اُمت کے بزرگ اور ولیوں کا ادب و احترام کرتے ہیں۔ لیکن تمام اُمت کے لئے اطاعت صرف حضرت محمد ﷺ کی فرض جانتے تھے۔ حضور ﷺ خیر الوریٰ کی ذات قدس کو معیار اُمت، حرف آخر اور منجائے کلام مانتے ہیں:

جنہیں حریم تصور میں باریابی ہے!

وہ بزمِ سرودِ سخن سے کشاں کشاں گزرے

مسلمان بھائیو! غور کرو کہ حضرت شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ آپ کو متنبہ کر رہے ہیں کہ اصحاب الہدیث کو برا نہ جانیں کہ ہمیں برا جاننا اہل بدعت کا شیوہ ہے۔ پھر آپ علماء سوء کا محرک (tnalumitS) نہ لیں۔ اس ڈوز (Dose) سے پرہیز کریں۔

(دغیرہ) مردود ہے۔ ”معلوم ہوا کہ شریعت کے اندر امتیوں کے بنائے اور گھڑے ہوئے مسکوں اور طریقوں کو بدعت کہتے ہیں پس آپ محتاط رہیں کہ کسی بے سند گھڑیلو مسئلے پر ثواب جان کر اسے دین کی چیز مان کر عمل نہ کریں، انہیں کہ بدعت پر عمل کرنے سے اللہ کوئی عمل قبول نہیں کرتا۔۔۔ (محمد صادق) (بخاری کتاب الصلح (۵۳) باب اذا اصطالحوا علی صلح جور فا الصلح مردود

(۵) الحدیث ۲۶۹۷ ع عائشہ رضی اللہ عنہا

یارب العالمین علماء کرام کو توفیق دے کہ وہ مسلمانوں میں اتفاق و اتحاد اور محبت و پیار کے وعظ کریں۔ وہ ایک دوسرے کو قریب لائیں اور انہیں شیر و شکر رہنے کی تلقین کریں کہ اسلام کا پیغام اولین یہی ہے۔
 دیئے سے جلنے لگے زیت کے دھندلکوں میں
 یہ کس کے روئے درخشاں کی یاد آئی ہے!

یہود کے فرقہ ساز علماء کا حال

یہودیوں کے فرقہ ساز علماء سادہ دل ان پڑھ لوگوں کو اپنے بنائے ہوئے مسائل بتا کر گمراہ کرتے تھے، جھوٹے قصے کہانیاں سنانا کر روٹی کماتے تھے۔ بنی اسرائیل کو فرقہ فرقہ کر کے آپس میں لڑاتے تھے۔ قرآن کہتا ہے:
 ﴿وَمِنْهُمْ أُمِّيُونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِي وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ﴾ (پ: ۱: ۹۷)
 ”اور بعض ان (یہود) میں سے ان پڑھ ہیں۔ نہیں جانتے کتاب (تورات) کو مگر (جھوٹی) آرزوئیں اور نہیں وہ مگر گمان کرتے۔“

اس آیت میں اللہ نے بتایا کہ بنی اسرائیل میں جو ان پڑھ بے علم اور سادہ لوح لوگ تھے وہ تورات کے احکام و مسائل نہیں جانتے تھے۔ ہاں ان کا ذہن اور جھوٹے قصوں کو جانتے تھے جو ان کے مولویوں اور پیروں نے ان کو سنا رکھے تھے ان ہی بے سند کاذب اور قصص پر ان پڑھ لوگوں کے مذہب کا دار و مدار تھا اور ان کے علماء بھی تورات کے احکام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عمل بالتورات چھپا کر لوگوں کو خانہ ساز مذہب پر چلاتے تھے اور ناجائز روٹی کماتے تھے۔ دیکھئے خدا تعالیٰ ان علماء و مشائخ کی ناجائز کمائی کا حال بیان کرتا ہے:

﴿فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُمُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ﴾ (پ: ۱: ۹۷)
 ”پس افسوس ہے ان لوگوں (علمائے یہود) پر جو اپنے ہاتھ سے تو کتاب لکھیں پھر (ان پڑھوں سے) کہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے ذریعے تھوڑے سے دام (دنیاوی فائدہ) حاصل کریں۔ پس افسوس ہے ان پر کہ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے (جھوٹ) لکھا اور (پھر) افسوس ہے ان پر کہ وہ ایسی کمائی کرتے ہیں۔“

آیت کا مطلب یہ ہے کہ یہود کے علماء جاہلوں سے مال حاصل کرنے کی غرض سے خود گھڑ کر مسائل لکھتے اور انہیں کہتے تھے کہ تورات میں اللہ کا ایسا ہی حکم ہے۔ یعنی شریعت کے نام سے بہت سے کھانے پینے کے مسائل اور دولت اکٹھی کرنے کے فرضی احکام انہوں نے خود لکھ لئے تھے۔ نذروں، نیازوں، چڑھاؤں کے سلسلہ دین کے لیے سے خود قائم کر لی تھیں اور لوگوں کو یہ کہہ کر دغا دیتے تھے:

﴿هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ﴾

”یہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔“۔ (دین ہے شریعت ہے)

اللہ فرماتا ہے۔ فَوَيْلٌ لِّلْخَرَابِیِّ ہے بربادی ہے ہلاکت اور جہنم ہے ان علماء کے لئے جو اپنے پاس سے (اکاذیب) لکھ کر جہلا کو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا حکم ہے اور یہ سب کچھ کیوں کرتے ہیں عوام کو مذہب میں ٹکیوں دھوکا دیتے ہیں؟ ﴿لَيْسَتْ رُؤَا بِہِ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ تاکہ اس لکھے ہوئے (خانہ ساز مذہب) کے عوض تھوڑا مول لیں۔“ مطلب یہ کہ وہ علماء و مشائخ پیری مریدی کے پیشے کے ذریعے جھوٹے مسائل کے طفیل لوگوں کا لہو چوس چوس کر ہزاروں لاکھوں روپے جمع کرتے تھے۔ قرآن نے اس مال کو ﴿ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ ”تھوڑی قیمت“ کہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ دین حق کو حق بیان کرتے تو اس حق بیانی کے بدلے اللہ نے جو آخرت میں انہیں انعام دینا تھا۔ بہشت کی نعمتیں عطا کرنی تھیں۔ اس آخرت کے اجر کے مقابلہ میں دنیا کا مال و دولت خواہ کتنا ہی کثرت سے ہو لاکھوں کروڑوں روپیہ ہو..... واقعی تھوڑا ہے، شمن قلیل ہے۔ غور فرمایا آپ نے! کہ یہ حال تھا یہود کے مولویوں کا اصل دین یعنی تورات اور سنت موسیٰ علیہ السلام کو گلدستہ طاق نسیان بنا کر خانہ ساز مذہب گھر کر جہلا کو اس پر چلا کر ان سے دنیا اکٹھی کرتے تھے۔ اللہ فرماتا ہے:

﴿فَوَيْلٌ لَهُمْ مِّمَّا كَتَبْتُ اَيِّدِيَهُمْ﴾

”پس خرابی ہلاکت اور عذاب ہے ان کے لئے جنہوں نے لکھا (خانہ ساز مذہب) اپنے ہاتھوں سے۔“

وَوَيْلٌ لَهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ

”اور خرابی بربادی ہلاکت اور دوزخ کی آگ ہے اس چیز سے جو کماتے ہیں۔“

یعنی اصل دین کو چھپا کر اپنا بنایا ہوا دین لوگوں کو بتانے والے علماء کے لئے دوزخ ہے اور اس گھریلو دین اتوال و آراء کے بدلے جو دنیا کا مال اکٹھا کیا ہے یہ بھی جہنم کا ایندھن ہے۔

مسلمان سادہ دل بھائیو! یہ حال تھا یہود کے علماء و مشائخ کا..... اللہ نے ہماری آنکھیں کھولنے کے لیے مزید ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَسْتُرُوْنَ بِہِ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ مَا يَأْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يَكْلَمُهُمْ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اسْتَرَوْا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰی وَالْعَذَابُ بِالْمَغْفِرَةِ فَمَا اَصْبَرَهُمْ عَلٰی النَّارِ﴾

(پ ۲: ۵۷)

”تحقیق جو لوگ (علماء و مشائخ) ان احکام کو جو اللہ نے کتاب میں نازل کئے (نفسانی اغراض کی بنا پر) چھپاتے ہیں اور ان کے بدلے (دنیاوی معاوضہ جو بمقابلہ آخرت) تھوڑا ہے حاصل کرتے ہیں۔ یہ

لوگ اپنے پیڑوں میں انگارے بھرتے ہیں۔ ان (خان عالموں اور رویشوں) سے اللہ قیامت کے دن بات بھی نہیں کرے گا اور نہ ان کو (دین فروشی اور مذہبی خیانت کے گناہوں سے) پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ یہ (خان علماء) وہ لوگ ہیں جنہوں نے مول لیا گمراہی کو بدلے ہدایت کے اور عذاب کو بدلے بخشش کے پھر کیا صبر کرتے ہیں وہ آگ پر۔“

آپ نے یہودی مولویوں کا حال پڑھ لیا کہ کس طرح دنیا کا مال اکٹھا کرنے کے لئے شریعت موسوی میں ردو بدل کرتے تھے اور عوام کو مذہب کے متعلق دھوکا دیتے تھے۔ اللہ نے ایسے دین چھپانے والے فرقہ ساز مولویوں کے بارے میں صاف فرمادیا کہ یہ لوگ اپنے پیڑوں میں انگارے بھر رہے ہیں یعنی مذہب میں دھوکا فریب کر کے جو عوام سے مال اکٹھا کرتے ہیں یہ آگ ہے آگ! جہنم کی آگ۔ اللہ قیامت کے دن ان مردود مولویوں سے کلام تک نہ کرے گا۔ نہ ان کے دجل و فریب کی خباثت و نجاست سے انہیں پاک کرے گا اور انہیں دردناک عذاب سے دوچار کرے گا۔

یہ سزا ان مولویوں کو اللہ اس لئے دے گا کہ دنیا میں انہوں نے عوام کو فرقہ فرقہ کر دیا۔ اور ان فرقوں کو مذہبی تجارت کی منڈیاں بنا لیا۔ ”تجارت“ کے ”اصول و ضوابط“ (مسائل و فتاویٰ) خود گھڑ لئے۔ ہر فرقے کو دوسرے فرقے کے ساتھ لڑایا اور خوب دنیا کمائی۔ ایسے ایسے مسائل کے شوشے چھوڑے کہ ان کا نام و نشان نہ تو رات میں ملتا ہے نہ موسیٰ علیہ السلام کی پاکیزہ زندگی میں!

أَمَّتْ خَيْرُ الرُّسُلِ كَوَانْتَابَه!

سادہ اور ان پڑھ لوگ ہر زمانے میں ہوتے ہیں جنہیں بیوقوف بنا کر اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُمت رسول ﷺ کے سادہ دلوں کو علماءِ سوء سے بیدار اور ہوشیار رہنے کے لئے آیت ذیل نازل فرمائی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَخْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لِيَأْكُلُوا أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْباطِلِ وَيَصْلُحُونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ﴾ (پ: ۱۰، ع: ۱۱)

”مسلمانو! تحقیق بہت سے عالموں اور رویشوں میں سے البتہ کھا جاتے ہیں مال لوگوں کے ساتھ جھوٹ کے اور بند کرتے (روکتے) ہیں (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے۔“

یہ آیت صاف بتا رہی ہے کہ مولویوں اور پیروں کی اکثریت سادہ لوح عوام کو مذہب کا چکمہ دے کر ان کے مال ہتھیاتی ہے۔ جھوٹ اور فریب سے مکار علماء اور مشائخ لوگوں کا مال کھاتے ہیں اور انہیں (بدعت اور شرک کی رسموں پر چلا کر) راہ اللہ سے روکتے ہیں۔ خانہ ساز مسئلوں پر عمل کرا کر ان کی عاقبت برباد کرتے ہیں۔ ثابت ہوا کہ

ایسے مولوی اور پیر بھی ہیں اور کثرت سے ہیں۔ ان ”کالی بھیروں“ کی بہتات ہے۔

یہ تو علماء سوء کا حال مسلمانوں کو متنبہ کرنے کے لئے اللہ نے بیان کیا ہے اب رسول اللہ ﷺ کی زبانی بھی ایسے علماء کا حال سنیں:

﴿وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوشِكُ أَنْ يَأْتِيَ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقَى مِنَ الْإِسْلَامِ إِلَّا اسْمُهُ وَلَا يَبْقَى مِنَ الْقُرْآنِ إِلَّا رِسْمُهُ فَسَاجِدُ هُمْ غَائِمَةٌ وَهِيَ خَرَابٌ مِنَ الْهَدْيِ عُلَمَاءُ هُمْ شَرُّ مَنْ تَحْتَ أَدْنَمِ السَّمَاءِ مِنْ عِنْدِهِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَفِيهِمْ تَعَوُّذٌ﴾ (مشکوٰۃ کتاب العلم)^(۱)

”حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت پر ایک زمانہ آئے گا جب اسلام نام کا رہ جائے گا اور قرآن کی فقط رسم۔ مسلمانوں کی مسجدیں (بظاہر جھار فافانوس پانی‘ روشنی اور ”بھیر“ سے تو) آباد ہوں گی لیکن ہدایت (خالص قرآن و حدیث کے درس و تدریس اور مسنون عبادات) سے ویران ہوں گی اور (اس وقت) ان کے علماء آسمان کے نیچے بدترین خلاق ہوں گے۔ ان کے پاس سے (دین میں افتراق و انشقاق اور اشراک و احداث کا) فتنہ پھیلے گا اور ان میں لوٹے گا۔“

برادران اسلام! حضور پر نور ﷺ کی اس حدیث پاک (وحی) پر ایک بار پھر نظر کریں اور سوچیں کہ کیا حضور ﷺ نے اپنی امت میں علماء سوء کو آسمان کے نیچے بدترین مخلوق نہیں فرمایا۔ انہیں فتنہ پھیلانے والے نہیں کہا؟ جب کہا ہے تو یقین کیجئے کہ ایسے علماء ضرور ہیں اور کثرت سے ہیں جو مسلمانوں میں خود گھڑ کر نئے نئے مسائل جاری کر کے روٹی کھاتے ہیں۔ بدعت اور شرک کی رسموں کے ذریعہ سادہ لوحوں سے مال ہتھیاتے اور انہیں اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ مسلمانوں کو آپس میں لڑاتے اور فتنہ و فساد پھیلاتے ہیں۔ ان کی وحدت کو پارہ پارہ کر کے فرقہ سازی کرتے ہیں۔ علامہ اقبال رحمہ اللہ نے ان ہی علماء سوء کے متعلق کہا ہے:

دین ملاً فی سبیل اللہ فساد!

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ فتنہ فساد اور لڑائی جھگڑا اس وقت سر اٹھاتا ہے مسلمانوں میں فرقہ بندی اس وقت راہ پاتی ہے جب قرآن اور حدیث کے سوا اعتقاد و عمل کی کوئی نئی راہ بار پائے جب قال رسول اللہ ﷺ کی جگہ قال فلاں کہا جائے۔ احادیث کی جگہ اقوال رجال لے لیں۔ علماء مشائخ اپنی باتیں منوائے لگیں۔ امانی، اکاذیب اور بے سند قصے کہانیاں منبروں پر سنانے لگیں۔ حقیقت خرافات میں کھو جائے مذہب میں دھونس اور دھاندلی سے کام لیا جائے۔ سادہ لوح انڈھی ارادت کی بناء پر احادیث کی شمعیں جگانے والوں کے مقابل نبرد آزما ہوں۔ ”زاغ و زغن“

(۱) شعب الایمان ۳۱۱/۲ رقم الحدیث ۱۹۰۸ و ابن عدی ۱۵۴۳/۳ علی مرتضیٰ رحمہ اللہ اس کی سند میں بزرگین و ولید قاضی راوی ہے جس میں ضعف ہے علامہ البانی نے اس پر ضعیف کا حکم لگایا ہے تحقیق مشکوٰۃ ۹۱/۱۔

عقابوں کے نشیمن پر قبضہ جمانے کے لئے پرتولیس۔ ایسے ماحول کے سرپرستوں سے بچنے کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے قرآن اور حدیث میں مسلمانوں کو ہوشیار کیا ہے۔

بھاگ ان بردہ فروشوں سے کہاں کے بھائی

بچ ہی ڈالیں جو یوسف سا برادر ہووے

علماء ربانی لوگوں کے لئے رحمت ہیں!

جہاں علماء شیعہ اُمت کے لئے زحمت ہیں وہاں علماء ربانی لوگوں کے لئے سراسر رحمت اور نعمت ہیں۔ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِي عَلَى أَذْنَانِي﴾ (مشکوٰۃ) ^(۱)

”بزرگی عالم (ربانی، حق گو، باعمل) کی اوپر عابد کے اس طرح ہے۔ جس طرح میری (محمد ﷺ کی) بزرگی تمہارے ادنیٰ پر ہے۔“

حضور انور ﷺ مزید ارشاد فرماتے ہیں۔

﴿إِنَّ اللَّهَ وَ مَلَائِكَتَهُ وَ أَهْلَ السَّمَوَاتِ وَ الْأَرْضِ حَتَّى النَّمْلَةُ فِي حُجْرِهَا وَ حَتَّى الْحُوْبُ لَيَصْلُوْنَ عَلَى مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَيْرِ﴾ (ترمذی) ^(۲)

”تحقیق اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اور اہل آسمان اور زمین حتیٰ کہ چوئیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں (دریاؤں میں) لوگوں کو خیر (قرآن اور حدیث کا علم) سکھانے والے کے لئے دعائے خیر کرتی ہیں۔“

معلوم ہوا کہ نیک، سچے، صالح، حلال، خور، حق گو، دیانتداری سے قرآن و حدیث بیان کرنے والے صاحبِ کردار عالم باعمل کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ سرورِ عالم ﷺ کی شریعت کے دیانت دار وارث اور امین کے مقام کو کوئی غیر عالم نہیں پہنچ سکتا۔ سبحان اللہ! ایسے نیک علماء ربانی پر اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اور چوئیاں اور مچھلیاں ان کے حق میں بخشش مغفرت اور عافیت کی دعا کرتی ہیں۔ پھر کتنی بڑی رحمت ہے۔ ایسے علماء اُمت کے لئے۔ یاد رکھیں ایسے علماء یقیناً اولیاء اللہ ہیں۔ علمائے ربانی کے حق میں حضور انور ﷺ اور ارشاد فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ خَيْرَ الْخَيْرِ خِيَارُ الْعُلَمَاءِ﴾ (دارمی شریف) ^(۳)

(۱) ترمذی کتاب العلم (۴۲) باب ما جاء في فضل الفقه على العبادة (۱۹) الحديث (۲۶۸۵) عن ابو امامة الباهلي رضي الله عنه الباني نے صحیح کہا ہے صحیح ترمذی ۲۶۱۔

(۲) صحیح ہے دیکھئے حاشیہ گذشتہ نمبر۔

(۳) سنن دارمی ۱۱۶/۱ المقدمة باب التبويخ لمن يطلب العلم لغیر الله (۳۳) الحديث ۳۷۰ عن حکیم بن عمیر اس کی سند میں شدید ضعف ہونے کے علاوہ مرسل بھی ہے حکیم تابعی ہے اور ضعیف ہے اور میں دوسرا راوی البقیہ بن ولید ہے جو مدلس ہے تقریب علامہ البانی نے اس کی سند کو کمزور قرار دیا ہے تحقیق مشکوٰۃ ۸۹/۱۔

”بے شک بہترین بھلوں کے بھلے علماء ہیں۔“

یعنی علمائے حقانی سے بڑھ کر کوئی بھلا نہیں ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ علمائے خیر کا وجود اپنے لئے رحمت جانیں، ایک نعمت غیر مترقبہ سمجھیں ان کی عزت و آبرو اور احترام بجالانے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کریں۔ ان کو صحبت کو کبریت احمر اور اکسیر تصور کریں۔ کَثُرَ اللّٰهُ سِوَا ذَہُم

الہمدیث کا ایک ہی نام ہے!

”دیناری علماء“ خود بھی حدیث والوں (الہمدیث) کو برا کہتے ہیں اور عوام کو بھی ان کے خلاف اکساتے ہیں۔ حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ایسے لوگوں کے حق میں آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں کہ اہل حدیث کو برا کہنے والے بدعتی ہیں۔ حضرت پیر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ مزید ارشاد فرماتے ہیں۔ غور سے ملاحظہ فرمائیں:

وَعَلَامَةُ الزَّانَةِ دَقَّةُ تَسْمِيَّتِهِمْ أَهْلَ الْأَثَرِ الْحُشْوِيَّةِ يُرِيدُونَ إِبْطَالَ الْأَثَرِ وَ عَلَامَةُ الْقَدْرِیَّةِ تَسْمِيَّتُهُمْ أَهْلَ الْأَثَرِ مُجَبَّرَةٌ وَ عَلَامَةُ الْجَهْمِيَّةِ تَسْمِيَّتُهُمْ أَهْلَ السُّنَّةِ مُشَبَّهَةٌ وَ عَلَامَةُ الرَّافِضِيَّةِ تَسْمِيَّتُهُمْ أَهْلَ الْأَثَرِ نَاصِبَةٌ. وَ كُلُّ ذَلِكَ عَصَبَةٌ وَ غِيَاظٌ لِأَهْلِ السُّنَّةِ وَلَا اسْمَ لَهُمْ إِلَّا اسْمٌ وَاحِدٌ وَهُوَ أَصْحَابُ الْحَدِيثِ وَلَا يَلْتَصِقُ بِهِمْ مَا لَقَبُوهُمْ أَهْلُ الْبِدْعِ كَمَا لَمْ يَلْتَصِقْ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْمِيَةُ كُفَّارٍ مَكَّةَ سَاحِرًا وَ شَاعِرًا وَ مَجْنُونًا وَ مُفْتُونًا وَ كَاهِنًا وَلَمْ يَكُنْ اسْمُهُ عِنْدَ اللَّهِ وَ عِنْدَ مَلَائِكَتِهِ وَ عِنْدَ أَنْبِيَائِهِ وَ جَنِّهِ وَ سَائِرِ خَلْقِهِ إِلَّا رَسُولًا نَبِيًّا بَرِيئًا مِنَ الْعَاهَاتِ كُلِّهَا ﴿غنية الطالبين﴾

”(میرے مرید و سنو)! بے دین زندیق فرقے کی نشانی یہ ہے کہ وہ الہمدیث جماعت کا نام (شرارتا) حشو یہ رکھتے ہیں۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ حدیثوں پر لوگ عمل نہ کریں۔ قدر یہ فرقہ کا نشان یہ ہے کہ وہ الہمدیث کا نام (شرارتا) مجبرہ رکھتے ہیں۔ جہمیہ فرقہ کی نشانی یہ ہے کہ وہ الہمدیث کا نام (شرارتا) مشبہ رکھتے ہیں۔ رافضی فرقہ الہمدیث کا نام (شرارتا) ناصبہ رکھتے ہیں۔ (سنو)! ان تمام باطل فرقوں کی یہ تہمتیں الہمدیث پر محض افترا ہیں، ہٹ دھرمی اور تعصب ہے۔ ان کے ساتھ حسد و بغض رکھنے کے سبب یہ بہتان باندھتے ہیں۔ (خوب یاد رکھو)! کہ اہل سنت والجماعت کا ایک نام کے سوا کوئی نام نہیں اور وہ نام الہمدیث ہے۔ یہ بدعتی ٹولے الہمدیث کو خواہ کچھ ہی کہیں (ان کے اٹلے اٹلے نام رکھیں) اس سے الہمدیث کا کچھ نہیں بگڑتا۔ (سنو)! جس طرح رسول اللہ ﷺ کے کفار مکہ نے بہت سے نام گھڑ لئے تھے اور ان کا کچھ نہ بگڑا تھا۔ (دیکھو)! کافروں نے حضور ﷺ کے (اٹلے اٹلے) نام جادوگر، شاعر، مجنون، مفتون کا بن وغیرہ رکھے تھے (لیکن) درحقیقت نبی اکرم ﷺ کا ان ناموں میں سے اللہ کے نزدیک

اس کے فرشتوں کے نزدیک، انسانوں، جنوں اور ساری خلقت کے نزدیک کوئی نام نہ تھا۔ آپ ﷺ کا نام صرف رسول، نبی ہی تھا۔ حضور ﷺ ان آفتوں سے قطعاً پاک تھے۔“

الہمدیث کے الٹے سیدھے نام رکھنا بدعتیوں کا کام ہے

آپ نے حضرت پیر جیلانی رحمہ اللہ کا ارشاد سن لیا کہ وہ فرماتے ہیں: کہ بدعتی گروہ اور فرقے، الہمدیث کے ساتھ بغض اور حسد رکھتے ہیں اور بغض و حسد کے سبب (شرارتاً) الہمدیث کے الٹے سیدھے نام رکھتے ہیں حالانکہ ان کا ایک ہی نام ہے اور وہ الہمدیث ہے اور الہمدیث ہی دراصل اہل سنت والجماعت ہیں!

الہمدیث کو برا کہنے والوں کو سوچنا چاہئے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جس طرح حضور ﷺ کے الٹے سیدھے نام رکھنے والے ساحر، شاعر، مجنوں، مفتون مکہ کے کافران کا کچھ نہ بگاڑ سکے تھے۔ ایسے ہی الہمدیث کے الٹے سیدھے نام رکھنے والے الہمدیث کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ تو الہمدیث کے بدگو بقول شاہ جیلانی رحمہ اللہ کن کے نقش قدم پر ہوئے؟ نقش قدم پر ہونے کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوا کہ الہمدیث کے الٹے سیدھے نام رکھنا، انہیں دل آزار لقب دینا۔۔۔ اہل بدعت کا کام ہے۔ پھر جو لوگ انہیں وہابی، نجدی، لامذہب وغیرہ مذموم القاب سے یاد کرتے ہیں بقول حضرت شیخ جیلانی رحمہ اللہ بدعتی ہوئے، کیونکہ آپ نے فرمایا ہے:

﴿فَعَلَامَةُ أَهْلِ الْبِدْعَةِ الْوَقِيعَةُ فِي أَهْلِ الْأَثَرِ﴾ (غنیۃ الطالبین)

”بدعتیوں کی پہچان یہ ہے کہ وہ الہمدیث کی بدگوئی کرتے ہیں۔“

وہابی، نجدی، لامذہب کے دل آزار القاب!

الہمدیث علی وجہ البصیرت صرف قرآن اور حدیث کو ماننے والے ہیں وہ کسی کے مقلد نہیں ہیں۔ پھر انہیں کسی بزرگ عبد الوہاب صاحب کی طرف زبردستی منسوب کر کے وہابی کہنا عقل و دیانت کے منافی ہے۔ ایسے ہی نجد میں رہنے والے کسی بزرگ کی طرف منسوب کر کے الہمدیث کو ازراہ حقارت نجدی کہنا۔ یہ بھی شرافت سے بعید ہے۔ غور فرمائیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کوفہ کے رہنے والے تھے کیا ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مقلد کوئی ہیں؟ نہیں۔ جب مقلد کوئی نہیں ہو سکتے تو جو کسی کے مقلد ہی نہیں وہ کیونکر نجدی ہو سکتے ہیں؟ سنئے! حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

﴿تَرَكْتُ فِيكُمْ أُمُورَ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهَا كِتَابَ اللَّهِ وَسُنَّةَ رَسُولِهِ﴾

(مشکوۃ) (۱)

”میں تم میں دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں جب تک تم ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رہو گے ہرگز گمراہ نہیں ہو گے وہ (دو چیزیں) اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت ہیں۔“

(۱) صحیح حدیث ہے تخریج حاشیہ نمبر ۳۱ میں گزر چکی ہے۔

اس فرمان رسول ﷺ کے مطابق الحمدیث نے حضور ﷺ کی چھوڑی ہوئی دو چیزوں کو مضبوطی سے تھام لیا یعنی قرآن اور حدیث کو اپنا مذہب بنالیا۔ پھر قرآن حدیث کا مذہب رکھنے والوں کو لاندہب کہنا کیا ایمان داری ہے؟ حضرت شیخ جیلانی رحمہ اللہ نے سچ فرمایا ﴿كُلُّ ذَلِكْ غَضَبٌ وَغِيَاظٌ﴾ (سُنّت اور حدیث پر عمل کرنے والوں کے یہ) سب (الئے سیدھے) نام اور القاب (تہمت طرازیوں اور بہتان بازیاں) تعصب اور حسد و بغض کے سبب ہیں۔ امید ہے کہ شاہ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی عزت کرنے والا کوئی شریف خفی آئندہ الحمدیث کو وہابی نجدی لاندہب وغیرہ دلا زار القاب سے نہیں پکارے گا، بلکہ محبت سے الحمدیث کہے گا، بلکہ حضور ﷺ کی حدیث کی محبت میں خود بھی الحمدیث کہلائے گا۔

خفی بھائیو! پھر سنو! حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

﴿لَا اِسْمَ لَهُمْ﴾ سُنّت اور حدیث پر عمل کرنے والوں کا کوئی نام نہیں۔

﴿اِلَّا اِسْمٌ وَاحِدٌ﴾ سوائے ایک نام کے ﴿وَهُوَ اَصْحَابُ الْحَدِيثِ﴾

اور وہ نام الحمدیث ہے۔

حضرت شیخ جیلانیؒ کا مذہب

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں:

﴿وَاَجْعَلِ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ اِمَامًا لَّكَ وَانْظُرْ فِيهِمَا بِعَاقِلٍ وَتَدَبَّرْ وَاَعْمَلْ بِهِمَا وَلَا تَغْتَرَّ بِالْقَالَ وَالْقِيلِ وَالْهُوسِ﴾ (فصوص الغیب)

”اور صرف کتاب و سُنّت (قرآن حدیث) کو اپنا امام بنا اور غور اور تدبیر سے ان دونوں کو پڑھا کر اور ان دونوں ہی پر عمل کیا کر اور (خبردار!) اُمّتیوں کی رائے قیاس پر مت چل۔“

شاہ جیلانی رحمہ اللہ نے صاف فرمایا ہے کہ دین میں اپنا امام اور پیشوا صرف قرآن اور حدیث کو بناؤ اور ان ہی پر عمل کرو اور سوائے قرآن و حدیث کے اوروں کی قال و قیل اور رائے قیاس پر (اندھا دھند) نہ چلو۔ ثابت ہوا کہ حضرت شیخ جیلانی رحمہ اللہ کا مذہب قرآن و حدیث تھا۔ وہ کسی کے جامد مقلد نہ تھے۔ یعنی بغیر تحقیق کے اندھا دھند کسی کے پیچھے نہ چلتے تھے۔ بے دلیل کسی کی نہیں مانتے تھے۔ سچی بات ہے کہ اہل اثر یعنی الحمدیث تھے۔ آپ اوپر پڑھ چکے ہیں کہ انہوں نے اہل سُنّت الحمدیث اصحاب کو فرمایا ہے تو کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ خود اہل سُنّت الحمدیث نہ تھے۔ جب اہل سُنّت ہو کر الحمدیث ہوئے تو حضرت کے ارادت کیشوں اور عقیدت مندوں کو انصاف سے چاہئے کہ وہ بھی شاہ صاحب کے ارشاد کے مطابق صرف قرآن اور حدیث کو اپنا امام اور پیشوا بنالیں۔ بندھنوں سے آزاد ہو کر اصحاب الحدیث میں شامل ہو جائیں۔ دیکھئے! حضرت شیخ علیہ الرحمۃ آب زر سے لکھنے کے قابل ایک اور وصیت

فرماتے ہیں:

﴿فَيَعْمَلُ بِمَا فِي الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَيَضُمُّ عَمَّا سِوَايِ ذَٰلِكَ﴾ (غنیۃ الطالبین)
 ”(اے میرے مریدو!) صرف قرآن اور حدیث پر ہی عمل کرو اور ان کے ماسوا سے بالکل بے بہرہ ہو جاؤ۔“

ثابت ہوا کہ شاہ صاحب رحمہ اللہ صرف قرآن اور حدیث کو بالراست ماننے والے اہلحدیث تھے اور اتنے زبردست اہلحدیث تھے کہ مریدوں کو حکم دیتے ہیں کہ وہ آیت اور حدیث کے سوا دین کے اندر کچھ نہیں ہی نہ بہرے ہو جائیں۔ مزید ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَعَلَيْكَ بِالتَّمَسُّكِ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَالْعَمَلِ بِهِمَا أَمْرًا وَنَهْيًا أَضْلًا وَفُرْعًا
 فَيَجْعَلُهُمَا جَنَاحَيْهِ يَطِيرُ بِهِمَا فِي الطَّرِيقِ الْوَاصِلِ إِلَى اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ﴾ (غنیۃ الطالبین)
 ”میرے ہر طالب اور مرید پر ضروری اور لازمی ہے کہ قرآن اور حدیث کو مضبوط پکڑ لے اور ان دونوں پر (ہی) عمل کرے ان کے امر کو بجالائے اور نہی سے باز رہے۔ اصول میں بھی ان کا پابند رہے اور فروغ میں بھی ان دو ہی کی تعمیل کرے۔ یہی قرآن و حدیث ہی دوہرے ہیں جن کے ساتھ آدمی اللہ کی راہ میں پرواز کر کے اللہ عزت اور جلال والے سے مل سکتا ہے!“

غور کریں کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے مسلمانوں کے سامنے صرف قرآن و حدیث ہی کو پیش کیا ہے اور اللہ سے ملنے کے لئے ان کو دوہرہ کہا ہے۔ حضرت شیخ جیلانی رحمہ اللہ کو پیر حقانی ماننے والو! آپ کے ارشاد کے مطابق ان دو پروں سے رب العزت کی جناب میں پرواز کرو اور کتاب و سنت کے ماسوا سے بے نیاز ہو جاؤ۔

یہاں کہ سینہ خس میں رواں ہے موج بہار
 یہاں کہ رقص شرر میں ہے نور سینائی

بادہ پیمائوں کے سلیقے

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے والو! ”بادہ پیمائوں“ کے ان سلیقوں کو اختیار کرو جو رحمت عالم کی نظر سے مرتب ہوئے ہیں۔ حدیث کی کیف اور صہبائے ایسے سرمست ہو جاؤ کہ اُمتیوں کے اقوال کا ”چشمہ حیاں“ آپ کی نظر میں رقص کرنے لگے۔ ”زہر شاکوں“ کی ”زلف دوتا“ لٹ جائے۔ بربط دل کے نغمے سو جائیں۔ حسن کے ”دیپ“ بجھ جائیں اور سنت کی وسعت کے آگے آرائے رجال کی دنیا چشمِ حود سے تنگ تر دکھائی دے۔

مسلمانو! رسالت کو اس طرح مانو کہ رحمت عالم ﷺ کو اُمتیوں کے ساتھ تولنے کے لئے کوئی ”ترازو“ نہ ہو۔

قول فعل کے نور کے آگے کوئی ”کرمک شب تاب“ دکھائی نہ دے اور اطاعت مصطفیٰ کی ”وارثی“ میں ”دنیا و مافیہا“ سے بے نیاز ہو جاؤ۔ پھر اقرار رسالت کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو گئے، پھر مسلمان بنو گئے!

کیا وجہ ہے کہ آپ کے دل دھک دھک نہیں کرتے۔ ”حسن“ اور ”شباب“ خزاں کی نیند سو گئے ہیں۔ عشق اور محبت کے سوتے سوکھ گئے ہیں اور آپ پر ایک اداس اور مصنوعی ماحول چھا گیا ہے۔ اگر ہلکے پھلکے اور بجھے بجھے ایمان کے شباب کے خواہاں ہو۔ افسردہ اور سونے ”باغ“ میں جشن بہاراں کے مزے لوٹنا چاہتے ہو تو اپنے ”خراپے“ کو رحمت عالم ﷺ کے ”تنفس“ سے رشک جتاں بناؤ، سراپائے ایمان کو حدیث کے پھولوں سے بساؤ۔

کہ صاف دردی کش چمناہ جم ہیں ہم لوگ
وائے وہ بادہ کہ افشردہ ”انگور“ نہیں

دین کے ٹکڑے اور حصے بخرے

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سورۃ انبیاء کے اندر بہت سے پہلے نبیوں اور ان کی اُمتوں کا حال بیان کیا ہے کہ کس طرح ان اُمتوں نے اپنے نبیوں کی راہ چھوڑ کر دوسری راہیں اختیار کیں۔ دین میں پھوٹ اور تفریق ڈالی اور بربادی مول لی۔ اُمت محمدیہ ﷺ کی آنکھیں کھولنے کیلئے ارشاد فرمایا:

﴿وَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ كُلُّ إِلَيْنَا رَاجِعُونَ﴾ (پ ۱۷ : ۶۷)

”اور لوگوں نے آپس میں (اختلاف کر کے) اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا (بالآخر) سب ہماری طرف لوٹ کر آنے والے ہیں۔“

اس آیت میں اللہ نے فرمایا ہے کہ پہلے لوگوں نے اپنے دین کے حصے بخرے کر لئے تھے۔ اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے بہت سی راہیں بنالی تھیں۔ نبیوں کی راہ کو چھوڑ کر فرقہ فرقہ ہو گئے تھے۔ اللہ نے فرمایا ﴿كُلُّ إِلَيْنَا رَاجِعُونَ﴾ آخر کار یہ سب فرقہ باز ہماری جناب میں حاضر ہونے والے ہیں۔

ان گروہ سازوں، فرقہ بازوں، دین کے حصے بخرے کرنے والوں کو ہم پوچھیں گے کہ تم نے میرے نبیوں کے متعینہ رستوں کو چھوڑ کر دین میں کیوں اور راستے اختیار کئے؟ کیوں فرقے بنائے؟ کیوں اللہ کے دین میں گھریلو مذہبوں کی بنیادیں رکھیں۔

مسلمان بھائیو! یہ سوال جہاں دوسری اُمتوں کو ہوگا۔ وہاں میدان محشر میں آپ سے بھی پوچھ چھچھ ہوگی کہ حضور سید العرب والعجم سید الکونین والتقلین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی راہ چھوڑ کر تم نے اور راہیں کیوں اختیار کیں؟ تم کیوں فرقے فرقے بنائے ہوئے؟ کیوں گروہ گروہ اور ٹولے ٹولے بنے؟ اسلام کے عالمگیر دین میں تم نے

کیوں مختلف مذہبوں کے جام کھنکائے؟ امتیوں کے نام سے کیوں مشربوں کی داغ بیل ڈالی؟ بولو۔۔۔ ظالمو! قال الرسول کے سامنے کیوں کہتے تھے: فلاں امام کے نزدیک مسئلہ یوں ہے؟ فلاں بزرگ کے نزدیک یہ حلال ہے فلاں کے نزدیک حرام ہے؟ اطاعت کی تکمیل امتیوں کے ہاتھ میں پکڑا کر کھ پتلی بننے والو! بتاؤ تمہارا رسول کون تھا؟ کلمہ کس کا پڑھا تھا؟ اور بلا دلیل کس کی مانی تھی؟ نکسالی سکوں میں جعلی سکے کیوں ملائے تھے؟ ہیروں کو خرمہروں کے ساتھ کیوں تولتے تھے؟ مسلمانی کا دعویٰ کر کے کن کن کی اطاعت کے پٹے گلے میں ڈال رکھے تھے؟ اندھی تقلید کے نشہ میں کیوں بدردووں میں گرتے تھے۔ تمہیں ہوش کے دارو سے کیوں نفرت تھی؟ بولو! آج تمہارا کون مددگار ہے؟

بیکسی ہائے شب ہجر کی وحشت سے ہے

سایہ خورشید قیامت میں ہے پنہاں مجھ سے

راہ رسول ﷺ کے خلاف اور راہوں کو پکڑنے والے بھائیو! سوچو! میدان محشر میں اللہ تعالیٰ کی پوچھ گچھ کے جواب میں آپ کیا کہیں گے؟ جب حنا کا رنگ جاتا رہا۔ غارے اتر گئے تو خلاف سنن اعمال کا ابطال کیا رنگ لائے گا؟ اس وقت نہ کوئی مقتدا ملے گا نہ بزرگ نظر آئے گا فرقہ ہباء منشوراً ہو جائیں گے۔ پھر بہتر ہے کہ آج ہی رسول اللہ ﷺ کا دامن مضبوطی سے تھام لو اور تمام موہوم دامنوں کو چھوڑ دو۔

زمحف رخ دلدار آیتے برخواں

نہ ایں مقام مقالات کشف و کشف است

رسول اللہ ﷺ کا فرقہ بازوں سے کوئی تعلق نہیں

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا لَّسْتُ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ﴾ (پ: ۸: ۷۷)

”(اے پیغمبر ﷺ) جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور ہو گئے فرقے فرقے۔ تیرا ان سے کچھ سروکار نہیں۔“

اس آیت نے صاف بتا دیا کہ فرقوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا کچھ سروکار نہیں، کوئی واسطہ نہیں۔ فرقہ والو! توبہ کرو فرقہ بندی سے اور اپنی نسبت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قائم کرو اعتقاداً بھی اور عملاً بھی۔

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

اللہ کی راہ سے بھٹکے ہوئے کا حشر کے دن واویلا

﴿وَيَوْمَ يَعْصُ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ يَقُولُ يَلْتَبَسِي اَتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا يَوْمَئِذٍ لَّيْسَ لِي لَمْ اَتَّخِذْ فَلَانًا خَلِيلًا﴾ (پ ۱۹ : ع ۱)

”اور جس دن ظالم (آدمی مارے افسوس کے) اپنے دونوں ہاتھوں کو کانے گا اور کہے گا: اے کاش! پکڑتا میں ساتھ رسول ﷺ کے راہ۔ ہائے میری کم بختی! کاش کہ نہ پکڑتا میں فلاں کو دوست۔“

اس آیت میں حشر کے دن ظالم کے واویلا کا ذکر ہے کہ ظالم اس بات پر بہت الجھتا ہے گا۔ پشیمان، نادم، شرمندہ اور منفعل ہوگا اور مارے افسوس کے اپنے ہاتھ کاٹے گا۔ کہے گا: اے کاش! میں نے دنیا میں رسول ﷺ کی راہ اختیار کی ہوتی، جس رستے پر حضور ﷺ چلے تھے میں بھی اس رستے پر چلا ہوتا۔ ان کے قدم پر قدم رکھا ہوتا۔ سنت اور حدیث کے مطابق عمل کیا ہوتا..... ہائے راہ رسول ﷺ نہ پکڑنے کے سبب آج اللہ نے مجھے پکڑ لیا ہے گرفتار کر لیا ہے۔ زنجیروں میں کس دیا ہے الزام ثابت کر کے فرد جرم لگا دی ہے۔ بیشک میں مجرم ہوں اور میرا جرم یہ ہے کہ راہ رسول ﷺ چھوڑ کر میں نے اور راہیں اختیار کی تھیں۔ یہ اور راہیں اختیار کرنا میرا جرم ہے اپنی جان پر ظلم ہے۔ اللہ نے اپنے سچے رسول حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو دنیا میں اس لئے بھیجا تھا کہ وہ قرآن پر عمل کر کے لوگوں کے لئے راہ متعین کر دیں۔ بے شک حضور ﷺ نے اپنے عمل سے راہ دکھائی، پر میری کم بختی، میں نے راہ رسول ﷺ نہ پکڑی ﴿مَا اَنَا عَلَيْهِ وَ اَصْحَابِي﴾ کی کہکشاں سے آنکھ موند لی۔ یہ میں نے بڑا ظلم کیا۔ اس ظلم کی سزا آج بھگتنے لگا ہوں۔ آج نہ کوئی میرا سفارشی ہے۔ نہ ضامن نہ وکیل ہے۔ نہ بدلہ نہ رشوت ہے۔ کوئی یار دوست، ساتھی، سنگی نہ مددگار نہ کارساز نہ بچانے والا نہ چھڑانے والا ہے۔

آہ! میری کم بختی، بد بختی جن کی راہیں میں نے اختیار کیں جن کے کہنے پر میں نے عمل کیے جن کے طریقے پکڑے۔ آنکھیں بند کر کے پیچھے چلا! اشارہ ابرو پر فدا ہوتا رہا۔ مال، جان، اولاد جن کی خدمت کے لئے وقف تھے جن کی زبان پر دین، کورات اور رات کو دین مانتا رہا، اٹھتے بیٹھتے جن کو پکارتا اور ناموں کے وظیفے چیتا رہا۔ دل کے آئینہ خانے میں جن کی تصویر ہر وقت آویزاں رہتی تھی۔ کیا اندھیر ہے کہ آج ان میں سے کوئی نظر نہیں آتا، کوئی شکل نہیں دکھاتا، کدھر گئے میرے ”پیر“ ”مرشد“ ”ہادی“ ”امام“ ”پیشوا“ ”صوفی“ ”ملک“ ”درویش“ ”قلندر“ ”مجاور“ ”صاحبزادہ“ ”گدی نشین“ ”اولیاء“ اپنی اطاعت کی ”فیوض“ میں صد سبیل کا زہر گھول کر مجھے پلا کر آج کہاں چھپ گئے؟ اپنی راہوں پر چلا کر کیوں غائب غلہ ہو گئے ہیں؟

﴿يَوْمَئِذٍ لَّيْسَ لِي لَمْ اَتَّخِذْ فَلَانًا خَلِيلًا﴾ میری شومئی قسمت (ماتھے پر ہاتھ مارتا ہے) میری بد نصیبی! (ہاتھ کاٹتا ہے) ہائے میں نے ان فلاں، فلاں، فلاں کو کیوں دوست بنایا؟ ان سے کیوں یارانہ گانٹھا کیوں مرید بنا؟

کیوں ان کی راہ اختیار کی

اے کاش! جانتا نہ تری رکھذر کو میں

مسلمان بھائیو! دیکھ لیا آپ نے کہ سبیل رسول ﷺ یعنی حضور انور ﷺ کی راہ 'روشن' سنت اور حدیث کا محروم اور تارک' قیامت کو کس طرح سر پھوڑے گا، روئے گا، چلائے گا، چپے گا، ہاتھ کاٹے گا اور بری طرح واویلا کرے گا۔ پھر سوچ لو اچھی طرح کہ آپ کو کس کی سبیل اختیار کرنی چاہئے۔ کس کی راہ پر چلنا چاہئے؟ ضمیر کی آواز تو یہی ہے۔ ایمان بالرسالت یہی گواہی دیتا ہے کہ حضور سید الکونین سید العرب والعجم رسول مجرب و سرور کائنات ﷺ اللہ کے آخری رسول ﷺ حضرت محمد ﷺ کی راہ پر ہی چلنا چاہئے۔

جس جا نسیم شانہ کش زلف یار ہے
نازہ دماغ آہوئے دشت تیار ہے

مشرکین مکہ کا مذہب!

﴿وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَهُمْ يَنْزِلُ بِهِ سُلْطَانٌ وَمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهِ عِلْمٌ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ﴾ (پ ۱: ع ۱۹)

”اور (مشرک اللہ کے سوا عبادت کرتے ہیں اس چیز کی کہ نہیں اُتاری (اس نے) ساتھ اس کے کوئی دلیل اور اس چیز کی کہ نہیں ہے واسطے ان کے ساتھ اس کے علم اور نہیں ہے واسطے ظالموں کے کوئی مددگار۔“ (۱)

یعنی مشرکین مکہ ایسی چیز کی عبادت کرتے ہیں کہ اللہ نے اس کے لئے کوئی حجت اور سند نہیں اُتاری۔ (۲)
جس طرح ان کے باپ دادا کرتے آئے تھے وہ بھی اسی طرح کرتے تھے چنانچہ قرآن کہتا ہے۔

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا﴾ (پ ۲: ع ۵۴)

”اور جب کہا جاتا ہے ان کو پیروی کرو اس چیز کی کہ اُتاری ہے اللہ نے“ کہتے ہیں بلکہ پیروی کریں گے ہم اس چیز کی کہ پایا ہم نے اس پر اپنے باپوں کو۔“

مشرکین اپنے مذہب کے لئے یہی ثبوت رکھتے تھے کہ ان کے باپ دادا ایسا کرتے آئے ہیں اس لئے وہ بھی

(۱) یہاں اللہ نے ظالم ان لوگوں کو فرمایا جو مذہب پر بلا دلیل چلتے ہیں۔ وہی جلی یاد بخفی کی سند کے بغیر عمل اور عقیدے رکھتے ہیں۔ یہ ظالم لوگ ہیں۔ قیامت کے دن ان ظالموں کے لئے اللہ کے عذاب سے چھڑانے والا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ احادیث رسول اللہ ﷺ کے خلاف رواجی اور تقلیدی مذہب رکھنے والے لوگوں کو لکھنا چاہئے۔

(۲) مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ہر قسم کی عبادت اور شرعی کاموں کے لئے سند رکھیں۔ قرآن اور حدیث کی دلیل سے مذہبی امور بجالائیں اور بے سند طریقوں اور عملوں کو ترک کر دیں۔ آیت مذکورہ میں یہی مضمون بیان ہوا ہے۔

کرتے ہیں۔ حضور انور ﷺ ان کو قرآن کی دلیل اور حدیث کی حجت کی طرف بلاتے تھے۔ وہ بجائے قرآن کی طرف آنے کے اپنے آباء کے طریقے کی طرف جاتے تھے قرآن کے مقابلہ میں باپ دادا اور بزرگوں کو پیش کرتے تھے۔ ایسے اندھے اور جامد مقلد تھے گویا بزرگوں کو پوجتے تھے۔

یاد رکھیں! کہ ایسی جامد تقلید حرام ہے جو قرآن اور حدیث کے مقابلہ میں کی جائے۔ قرآن کہتا ہے:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ

إِبَاءَنَا﴾ (پ: ۷: ع: ۴)

”اور جب کہا جاتا ہے ان کو آؤ اس چیز کی طرف جو اتاری ہے اللہ نے اور (آؤ) طرف رسول ﷺ کے (تو) کہتے ہیں کافی ہے ہم کو جو کچھ کہ پایا ہم نے اس پر اپنے باپوں کو۔“

غور فرمائیں! ارشاد خداوندی ہوتا ہے ﴿تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ﴾ آؤ قرآن کی طرف ﴿وَإِلَى الرَّسُولِ﴾ اور رسول (کی حدیث) کی طرف! یعنی جب ان کو قرآن اور حدیث کی طرف بلایا جاتا ہے تو کہتے ہیں: ہمارے باپ دادا کے طریقے ہمارے لئے کافی ہیں۔ قرآن اور حدیث کے مقابلہ میں اپنے آباؤ اجداد اور بزرگوں کے اقوال پر چلتے ہیں۔ گویا اپنے آباء کے جامد مقلد ہیں۔ مسلمان بھائیوں کو ڈرنا چاہئے اور قرآن اور حدیث سے ثابت شدہ مسئلہ کے مقابلہ میں برادری کی بات یا اپنے بزرگوں کے اقوال ہرگز نہیں ماننے چاہیں کہ یہ مشرکین کی روش ہے۔ مزید ارشاد ہوتا ہے۔

﴿وَإِذَا فَعَلُوا فَاجِسَةً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا وَاللَّهُ أَمَرْنَا بِهَا﴾ (پ: ۸: ع: ۱۰)

”اور جب کرتے ہیں بے حیائی (کے کام) کہتے ہیں پایا ہم نے اس پر اپنے باپوں کو اور اللہ نے حکم کیا ہے ہم کو ساتھ اس کے۔“

دیکھئے! مکہ کے مشرک ایسے اندھے اور جامد مقلد تھے کہ جب بے حیائی کے کام کرتے تھے اور ان کو ٹوکا جاتا تھا تو کہتے تھے چونکہ یہ کام ہمارے اجداد کرتے تھے اس لئے ہم کرتے ہیں۔ پھر کہا جاتا: یہ تو بے حیائی کا کام ہے۔ پھر کہتے ﴿وَاللَّهُ أَمَرْنَا بِهَا﴾ ہم کو اللہ نے اس کا حکم دیا ہے۔ جب پوچھا جاتا کہ اللہ کا حکم دکھاؤ تو جواب دیتے کہ ہمارے باپ دادا کوئی بے وقوف تھے کہ بغیر اللہ کے حکم کے کرتے تھے۔ یہ ہے مکہ کے جامد اندھے مقلدوں کا جواب۔ اس سے ثابت ہوا کہ وہ اللہ رسول ﷺ کے احکام کے مقابلہ میں تقلید کرتے تھے۔ یہ تقلید حرام ہے۔ کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔ اس کتاب میں ایسی ہی تقلید کی تردید کی گئی ہے۔

مسلمان بھائیو! سوچو کہ آج بھی جب قرآن اور حدیث پیش کیا جاتا ہے تو جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم مقلد ہیں۔ ہمارے لئے اپنے بزرگوں کا طریقہ امام کا قول کافی ہے۔ ہمارے آباؤ اجداد جس مذہب پر تھے ہم بھی اسی پر ہیں۔ پھر صریح حدیث کے خلاف امتی کا قول لے لیتے ہیں اور حدیث چھوڑ دیتے ہیں۔ کیا یہ مکہ گو مذکورہ آیت کی

زد میں نہیں آتے؟ اس شرط پر امام کے مسلک پر چلنا کہ اگر کوئی قول امام کا حدیث کے خلاف ہو تو قول چھوڑ کر حدیث لے لوں گا درست روش ہے؟ لیکن ایسی جامد اور اندھی تقلید کہ مقلد کے آگے آیت پڑھو حدیث پڑھو دونوں کا ترجمہ بھی دکھا دو وہ اپنی آنکھوں سے پڑھ بھی لے۔ پھر بھی اس آیت حدیث کے خلاف عقیدہ عمل نہ چھوڑے اور کہے کہ میں اپنے بزرگوں کے عقیدے اور عمل کو نہیں چھوڑ سکتا۔ کہنے کیا ایسے لوگ قیامت کو محض اس لئے چھوڑ دیئے جائیں گے کہ وہ زبانی کلمہ پڑھتے تھے۔ احادیث خیر البشر کو پرے ہٹا کر اپنے آباء ائمہ اور بزرگوں کے طریقوں اور قولوں کو اپنانے والے اس لئے نہ پوچھے جائیں گے کہ وہ امت رسول ﷺ کہلاتے تھے؟ ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ وہ ضرور ضرور پوچھے جائیں گے۔

مسلمان بھائیو! ہوش کرو اور سوچو اور قرآن اور حدیث کے مقابلہ کی تقلیدی راہ جو شرطی تقلید ائمہ کے منافی ہے مشرکین مکہ کی روش ہے جو سراسر مذموم اور مطرود ہے۔ کتاب و سنت کے مقابلہ میں حرام تقلید کے بارے میں علامہ اقبال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

اگر تقلید بودے شیوہ خوب
پیمر ہم رہ اجداد رفتے

”یعنی اگر تقلید (قرآن و حدیث کے مفاد میں کسی امتی کی بے دلیل بات مان لینا) اچھا طریقہ ہوتا تو پیغمبر ﷺ بھی اپنے آباؤ اجداد کی راہ پر چلتے۔“

قرآن مجید نے کافروں کی اس روش (اندھی اور جامہ تقلید کو بار بار بیان کیا ہے تاکہ مسلمان اس مرض کا شکار نہ ہو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب فرعون اور اس کی قوم کو حق کی دعوت دی تو انہوں نے جواب میں کہا۔

﴿وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عَابِدِينَ﴾ (پ ۱: ۵۷)

”پاپا ہم نے اپنے باپوں کو واسطے ان (غیر اللہ) کی عبادت کرنے والے۔“

﴿وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَلِكَ يَفْعَلُونَ﴾ (پ ۱۹: ۹۷)

”پاپا ہم نے اپنے باپوں کو اسی طرح کرتے تھے۔“

مشرک اپنے عقیدے کی بنا پر فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ اور ایسے ہی اور وہی تباہی عقیدے رکھتے تھے۔ اللہ نے فرمایا:

﴿مَّا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ﴾ (پ ۲۵: ۸۷)

”نہیں ہے ان کو ساتھ اس کے کچھ علم جنہیں وہ مگر قیاس آرائیاں کرتے۔“

یعنی ان مشرکوں کے یہ عقائد و اعمال علم کی بنا پر نہیں ہیں محض قیاسی اور خیالی ہیں کہ بغیر سند ثبوت اور دلیل کے ہیں۔

﴿إِنَّمَا اتَّيْنَهُم كِتَابًا مِنْ قَبْلِهِ فَهُمْ بِهِ مُسْتَمْسِكُونَ﴾ (پ ۲۵ : ۸ع)

”کیا دی ہے ہم نے ان کو کتاب اس سے پہلے۔ پس وہ ساتھ اس کے محکم پکڑ رہے ہیں۔“
یعنی کیا ان مشرکوں کو ہم نے کوئی کتاب دی ہے جس کو مضبوطی سے پکڑ کر ان عقیدوں اور عملوں پر چل رہے ہیں؟ اللہ ان کو پوچھتا ہے کہ کوئی کتاب دکھاؤ سند اور دلیل لاؤ جس کی بنا پر تم نے یہ مذہب بنا رکھا ہے؟ وہ جواب دیتے ہیں:

﴿إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِمْ مُقْتَدُونَ﴾ (پ ۲۵ : ۸ع)

”تحقیق پایا ہم نے اپنے باپوں کو اوپر ایک راہ کے اور تحقیق ہم ان ہی کے قدم بقدم ٹھیک رستے پر جا رہے ہیں۔“

یہ ہے جواب مشرکوں کا۔ کہ ہم اپنے آباء کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ اللہ پوچھتا ہے کہ اپنے مسئلے مسائل جائز ناجائز حلال حرام کارِ ثواب اور کارِ گناہ پر کوئی کتاب کوئی سند کوئی دلیل پیش کرو وہ اپنے باپ دادا کے اقوال پیش کرتے ہیں جو قرآن اور حدیث کے خلاف ہیں۔

یہ آیتیں مسلمانوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہیں وہ اپنے عقائد اور اعمال پر کتاب و سنت کو گواہ لائیں قرآن اور حدیث سے دلیل لائیں نہ کہ بزرگوں کے اقوال۔

جن لوگوں نے قرآن اور حدیث کے مقابلہ میں اُمتوں کے طریقوں کو پیش کیا، اللہ نے ان کے متعلق اپنا فیصلہ دیا:

﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءُنَا أَوْ لَوْ كَانَ الشَّيْطَانُ

يَذْعُرُهُمْ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ﴾ (پ ۲۱ : ۱۲ع)

”اور جب ان لوگوں کو کہا جاتا ہے کہ (قرآن) جو اللہ نے اتارا ہے اس پر چلو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اس (طریق) پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا۔ بھلا اگر شیطان ان کے باپوں کو عذاب دوزخ کی طرف بلاتا رہا ہو (تو بھی انہی کے طریقے پر چلیں گے)۔“

یہ آیت بتاتی ہے کہ جو طریقہ بھی کتاب و سنت کے مقابلہ میں بغیر سند اور دلیل کے اختیار کیا جائے وہ شیطانی طریقہ ہے۔ جب ان آباء کے جامد مقلدوں کے پاس اپنے طریقے کی کوئی خدائی سند نہیں صرف باپ دادا کی اندھی تقلید کے سوا کوئی دلیل نہیں رکھتے تو اللہ نے فیصلہ کر دیا کہ ان کے آباؤ اجداد جو قیاسی رواجی اُتکل چکو اور اوٹ پٹانگ مذہب رکھتے تھے وہ دراصل شیطان کی دعوت پر چلتے تھے ان کا پیشوا شیطان تھا جو انہیں عذاب دوزخ کی طرف بلاتا رہا۔ اس تصریح سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ قرآن اور حدیث کے مغائر اور خلاف تمام اقوال و افعال عقائد و اعمال نظریات طریقے راستے اور راہیں۔۔۔ شیطان کی دعوتیں اور پکاریں ہیں۔ اس لئے

مسلمان بھائیوں کی خیر خواہی کے لئے ہم عرض کرتے ہیں کہ وہ بغیر قرآن اور حدیث کی سند اور دلیل کے مذہب میں کوئی بات نہ مانیں نہ اس پر عمل کریں۔ کسی کے پیچھے اندھا دھند نہ دوڑیں۔ قرآن کا ارشاد یاد رکھیں:

﴿يَذْعُوهُمْ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ﴾

”شیطان بلاتا ہے ان (کتاب و سنت کے خلاف بغیر سند و دلیل اور حجت کے عمل کرنے والوں) کو دوزخ کی طرف۔“

کوئی صاحب یہ خیال نہ کریں کہ مذکورہ آیتوں میں تو کافروں اور مشرکوں کی جامد تقلید کا بیان ہے اور ہم تو مسلمان ہیں ہمیں ان آیتوں سے کیا واسطہ؟ جواب یہ ہے کہ اگر جھوٹ بولنا کافروں کے لئے منع تھا تو ہمارے لئے بھی منع ہے۔ شرک، کفر و عدہ خلافی، چوری، زنا، اغوا اگر ان کے لئے حرام تھا تو ہمارے لئے بھی یہ کام حرام ہیں۔ ایسے ہی وہ لوگ اپنے آباؤ اجداد کے بے سند اقوال اور برادری کے طور طریقوں کو دین کا نام دے کر پیش کرتے تھے۔ اللہ نے منع کیا کہ ایسا نہ کرو خدائی سند کے مطابق عمل کرو۔ ایسے ہی ہمارے لئے بھی آیات مذکورہ کی روشنی میں ضروری ہو گیا کہ ہم برادری کے رواجوں، رسوم، اپنے آباؤ اجداد کی بے سند باتوں اور ائمہ کے بے دلیل اقوال پر دین کے نام سے عمل نہ کریں۔ جب قرآن اور حدیث کی دلیل کامل موجود ہے تو پھر سب کو چاہئے کہ قرآن اور حدیث کی روشنی میں دلیل سے عمل کریں۔ اس اعتبار سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ ہم ائمہ اربعہ کے ماننے والوں کی مخالفت کر رہے ہیں۔ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ ہم خود ائمہ اربعہ اور ان کے سوا اور بہت سے ائمہ کو مانتے اور ان کے لئے اللہ سے رحمتیں طلب کرتے ہیں۔۔۔ ان اُمت کے چراغوں کے علم و اجتہاد سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ہاں اگر کوئی بات ان غیر معصوم ہستیوں کی کتاب و سنت سے ٹکرائے تو وہ چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ ان پر وحی نہیں آتی تھی۔ پس ان کے مسالک پر جو لوگ قرآن اور حدیث کی روشنی میں عمل کرتے ہیں وہ حق پر ہیں۔

مسلمان آباؤ اجداد

اگر کوئی کہے کہ مشرکین کے آباء تو کافر تھے اس لئے ان کی تقلید سے اللہ نے منع کیا ہے۔ ہمارے بڑے تو مسلمان ہیں اور تھے اس لئے ہمیں اپنے آباء کی بات بلاچوں و چراں مان لینی چاہئے۔ تو جواب یہ ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے سوا کوئی معصوم نہیں۔ ہر ایک سے غلطی کا امکان ہے اس لئے شریعت میں کسی اُمتی کا قول و فعل حجت نہیں ہو سکتا۔ جب تک قرآن اور حدیث کے مطابق نہ ہو۔ نہیں مانا جاسکتا۔ اللہ نے قرآن میں ﴿اطيعُوا الرَّسُولَ﴾ فرما کر رحمت عالم ﷺ کی حدیث کی حجیت کے سوا غیر مشروط اطاعت کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ گدا سے شاہ تک کی بات پر کھکر مانی جائے گی۔ اگر حدیث اس کی شناخت سے انکار دی ہے تو وہ بات ٹھکرا دی جائے گی باپ داوے ولی، شہید بزرگ، امام مجتہد، حضور انور، سید العرب والعجم، سید الکونین و الشقیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی

”اجازت“ کے بغیر لب نہیں ہلا سکتے۔ گفتار اطہر کی ”روشنی“ میں ہی حرکت کر سکتے ہیں۔ در رسالت کی ”بھیک“ پر ہی سب کی گزراں ہے، دلیز نبوت سے پھوٹے ہوئے ”چشمہ“ سے پی کر ”زندگی“ پاتے ہیں۔

بابا کے ہاں سے کون لایا^(۱)
جس نے پایا وہیں سے پایا بے شک
محمد ﷺ حامی دیں ماحی کفر و ضلالت ہے
محمد ﷺ شمعِ ایمان مشعلِ راہِ ہدایت ہے
محمد ﷺ مصطفیٰ کے واسطے کیا کیا سعادت ہے
نبوت ہے رسالت ہے قیادت ہے امامت ہے
محمد ﷺ کے سر پر نور پر تاجِ شفاعت ہے
نہیں ملتی ہے جوہرِ آدمی کو وہ یہ نعمت ہے
محمد ﷺ ہی کے دم سے افتخارِ آدمیت ہے
محمد ﷺ جانِ ملت، آنِ ملت، شانِ ملت ہے
اک امی نے سب ادیان و ملل منسوخ کر ڈالے
محمد ﷺ تاجدارِ منصب ختمِ رسالت ہے

ہاں تو زندگی بڑی احتیاط سے گزاریں، پھونک پھونک کر قدم رکھیں، ایسا نہ ہو کہ کوئی ”ساحر الموط“ آپ کو ”برگِ حشیش“ دے رہا ہو اور آپ اسے ”شاخِ نبات“ سمجھ کر نوشِ جان کر رہے ہوں۔ دیکھو تو۔
ساتی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں!

یہودیوں کی راہ و روش سے بچنے کا حکم

﴿اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوْا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَكَثِيْرٌ مِنْهُمْ فٰسِقُوْنَ﴾ (پ ۲۷: ۱۸ع)

”کیا مسلمانوں کے لئے نہیں آیا وہ وقت کہ نرم ہوں دل ان کے اللہ کی یاد کے لئے اور اس کے لئے جو اتر ہے حق سے (یعنی قرآن) اور نہ ہوں مانند ان لوگوں (یہود) کے کہ دیئے گئے تھے کتاب پہلے اس سے، پس دراز ہوئی ان پر مدت، پھر سخت ہو گئے دل ان کے اور بہت سے ان میں سے فاسق ہیں۔“

(۱) یعنی کوئی بھی ہدایت کا درس بابا کے ہاں سے نہیں لایا۔ جس نے کوئی مرتبہ پایا ہے حضور پر نور ﷺ کی ہدایت پر عمل پیرا ہو کر ہی پایا ہے۔

اس آیت میں اللہ نے مسلمانوں کو چھوڑا ہے کہ کیا ابھی تک ان کے لئے اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ذکر الہی اور قرآنی احکام کے لئے ان کے دل گداز ہوں؟ اللہ کے ذکر اور قرآن برحق کے لئے عاجز، نرم اور رقیق ہوں؟ یعنی مسلمان پورے پورے اللہ کے حکم بردار اور مطیع ہوں نہ کہ بجائے مطیع اور فرماں بردار ہونے کے یہودیوں کی مانند ہو جائیں جن کو تورات وی گئی تھی اور ایک زمانہ دراز گزر جانے کے بعد ان کے دل سخت ہو گئے ان کے دلوں سے اللہ کا خوف نکل گیا۔ وہ تورات کو چھوڑ گئے اور قاسم بن کرمن مانیاں کرنے لگے اسی لئے اللہ نے ہمیں یہودیوں کی روش پر چلنے سے روکا ہے کہ خبردار! ان کی طرح اللہ کی کتاب کو چھوڑ کر خواہش کا مذہب نہ بنالینا قرآن اور حدیث کے مقابلہ میں رائے قیاس پر نہ چلنے لگ جانا اخبار و رہبان کی اندھا دھند تقلید نہ کرنا امتیوں کے اقوال پر احادیث چھوڑ کر نہ مرنا۔ ان کی کتاب و سنت کے مقابلہ میں جامد تقلید کر کے انہیں رب نہ بنالینا۔

یہودیوں کی راہ و روش مذہب کے بارے میں یہ تھی کہ وہ تورات کو چھوڑ کر اپنے مولویوں اور پیروں کے اندھے مقلد ہو گئے تھے۔ ان کی رائے قیاس کو بلا دلیل مانتے تھے۔ ان کی زبانی بتائے ہوئے حلال حرام جائز ناجائز کی کچھ تحقیق نہ کرتے تھے۔ آنکھیں بند کر کے تسلیم کر لیتے تھے۔ جیسا کہ تفسیر ابن کثیر میں ہے:

﴿اقْبَلُوا عَلَى الْأَرَءَاءِ الْمُخْتَلِفَةِ وَالْأَقْوَالِ الْمُتَوَفِّكَةِ وَقَلَّدُوا الرِّجَالَ فِي دِينِ اللَّهِ وَاتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ (ابن کثیر)

”یہودی (تورات اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طریقے کو چھوڑ کر) بزرگوں کی مختلف آراء اور ایجادی اقوال کے پیچھے لگ گئے تھے اللہ کے دین یعنی شریعت موسیٰ میں اماموں کے مقلد بن گئے اور (تقلید جامد کر کے) اپنے علماء و مشائخ کو اللہ کے سوارب بنالیا۔“

علماء و مشائخ کو رب بنانا

اللہ نے ارشاد فرمایا ہے: یہودیوں کی اندھی تقلید کا ذکر کر کے مسلمانوں کو سمجھایا ہے۔

﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ (پ: ۱۰: ع: ۱۱)

”ٹھہر الیا (یہودیوں اور عیسائیوں نے) اپنے مولویوں اور درویشوں کو رب اللہ کے سوا۔“

عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم طائی (۱) نے اس آیت کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا (کہ یہودیوں اور

عیسائیوں نے اپنے علماء و مشائخ کو کس طرح اللہ کے سوارب بنالیا) تو آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿كَانُوا إِذَا أَحَلُّوا لَهُمْ شَيْئًا اسْتَحْلَوْهُ وَإِذَا حَرَّمُوا عَلَيْهِمْ شَيْئًا حَرَّمُوهُ﴾ (ترمذی)

(شریف)

(۱) حسن ہے اس کی تخریج ص ۱۲۹ حاشیہ نمبر ۱ میں گزر چکی ہے۔

”یہود و نصاریٰ کے علماء و درویش جب کسی چیز کو لوگوں کے لئے (صرف زبان سے بلا دلیل) حلال کہہ دیتے تھے تو لوگ (اندھا دھند) حلال مان لیتے تھے اور جب کسی چیز کو لوگوں کے لئے (صرف زبان سے بلا دلیل) حرام کہہ دیتے تھے لوگ (اندھا دھند تقلید کرتے ہوئے) حرام مان لیتے تھے۔“

حدیث مذکور سے ثابت ہوا کہ علماء و مشائخ کو اللہ کے سوارب اس طرح بنایا جاتا ہے کہ ان کی دین میں اندھا دھند تقلید کی جاتی ہے جو وہ زبان سے بلا دلیل کہہ دیں اسے دین مان لیا جائے اور جب ثابت ہو جائے کہ یہ حدیث کے خلاف ہے پھر اسے نہ چھوڑا جائے تو قرآن اور حدیث کے مقابلہ میں اماموں بزرگوں درویشوں کی آراء اور اقوال کو ماننا ان کو اللہ کے سوارب بنانا ہے۔

پھر غور کریں کہ جو بھائی احادیث کے مقابلہ میں اپنے اپنے اماموں کے قولوں پر چلتے ہیں ان کی آراء پر سنن حدیث کے معارضہ میں عمل پیرا ہیں۔ کیا وہ اللہ اور رسول ﷺ کی زبانی اپنے اماموں کو اللہ کے سوارب نہیں بنارہے ہیں؟ ان بھائیوں کو احادیث کے مقابلہ میں جامہ تقلید کی روش چھوڑ دینی چاہئے۔

بھائیو! خدا را خدا اور تعصب کو چھوڑ کر ٹھنڈے دل سے غور کرو اور سوچو کہ آپ کدھر جا رہے ہیں؟ خدائے وحدہ لا شریک کی قسم! ہم آپ کی دینی خیر خواہی اور رضائے الہی کی نیت سے یہ سب کچھ لکھ رہے ہیں۔ ہماری صرف یہی عرض ہے کہ آپ فرقہ بندی کی پگڈنڈیاں چھوڑ کر ﴿ہا انا علیہ واصحابی﴾ کی شاہراہ پر آ جائیں۔ پیارے بھائیو! اللہ جامہ تقلیدی راہوں اور فرقوں کو خیر باد کہہ کر خواجہ بدرخشین رحمہ اللہ کی آغوش رحمت میں آ جاؤ صرف حدیث کی شمع کے اجالے میں زندگی گزارنا اپنا مذہب بنا لو۔ غور نہیں کیا آپ نے کہ ﴿قُلُّوْا الرِّجَالُ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ﴾ یہودیوں نے اپنے مذہب میں اماموں اور بزرگوں اجمار اور رہبان کی جامہ تقلید کر رکھی تھی ان کی آراء اور اقوال پر اندھا دھند چلتے تھے۔ اللہ کی کتاب اور سنت موسیٰ علیہ السلام سے بے پروا ہو کر درویشوں اور مولویوں کی بے سند باتوں پر مرتے تھے۔ اگر آپ بھی ان کی طرح حدیث کے مقابلہ میں اقوال رجال لے لیں تو یہ راہ بڑی خطرناک اور مہلک ہوگی۔ ائمہ کو اللہ کے سوارب بنانا لازم آئے گا۔ فرمائیے رسالت کے تحت پر کون جلوہ فرما ہے؟ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ! اس تحت رسالت پر کوئی اور بھی آپ ﷺ کا جلیس ہے؟ کوئی نہیں! جب کوئی نہیں ہے تو پھر آپ نے کیوں امتیوں کو رسالت کا مقام دے رکھا ہے۔۔۔ اس طرح کہ حدیث کے مقابلہ میں ان کے بلا دلیل اقوال کو حجت فی الدین مان کر انہیں شریک رسالت کرتے ہیں۔ کتاب و سنت کے معارضہ میں بزرگوں کی باتوں کو تسلیم کر کے ان کو تخت نبوت پر بٹھاتے ہیں! ایسا کرنے والے کل قیامت کو رسول اللہ ﷺ کو کون سامنے دکھائیں گے؟ اللہ رب العالمین کو کیا جواب دیں گے؟ حدیث کو چھوڑ کر امتی کی رائے پر عمل کرنے والو! سوچو۔

افشائے محبت کا جو تھا خوف تو ہر اشک

دامن میں چھپا تھا کوئی پلکوں میں نہاں تھا

حدیث کے مقابلہ میں رائے پر عمل کرنے والے گمراہ ہیں!

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿تَعْمَلُ هَذِهِ الْأُمَّةُ بُرْهَةً بِيَكْتَابِ اللَّهِ وَبُرْهَةً بِسُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَعْمَلُونَ بِالرَّأْيِ فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ فَقَدْ ضَلُّوا﴾ (ابن کثیر) ^(۱)

”میری امت ایک زمانہ تک تو قرآن اور سنت پر عمل کرتی رہے گی اس کے بعد (افسوس! اُمتیوں کی) رائے پر چلنے لگے گی جب رائے پر چلے گی تو گمراہ ہو جائے گی۔“

اس سے معلوم ہوا کہ حدیث سرور کائنات ﷺ کے خلاف رائے پر چلنے والے گمراہ ہیں۔

حضرت عمرؓ کا فتویٰ

حضرت عمرؓ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿أَصْحَبُ الرَّأْيِ أَعْدَاءُ السُّنَّةِ أَعْيَتْهُمْ الْأَحَادِيثُ أَنْ يَحْفَظُوهَا وَتَخَلَّتْ مِنْهُمْ أَنْ يُعْوَها وَاسْتَحْيَوْا حِينَ سُنُّوا أَنْ يَقُولُوا لَا تَعْلَمُ فَعَارَضُوا السُّنَنَ بِرَأْيِهِمْ بِأَيَّاهُمْ إِيَّاكُمْ (اعلام الموقعين)

”اہل رائے حدیثوں کے دشمن ہیں۔ حدیثیں ان کو یاد نہیں رہیں حافظے سے نکل جاتی ہیں اور جب ان سے مسائل پوچھے جاتے ہیں تو ان کو شرم آتی ہے یہ کہتے ہوئے کہ ہم نہیں جانتے۔ پھر یہ (بہال) اپنی رائے سے فتوے دیتے ہیں جو حدیثوں کے برعکس ہوتے ہیں۔ (خبردار!) تم ان رائے سے فتوے دینے والوں سے الگ رہنا اور انہیں قریب نہ آنے دینا۔“

فتنہ انگیز لوگ

حضور انور ﷺ فرماتے ہیں۔

- (۱) مسند ابو یعلیٰ ۵/۳۲۷ رقم الحدیث ۵۸۳۰ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس کی سند میں عثمان بن عبد الرحمن الزہری راوی ہے جس کے ضعف پر محدثین متفق ہیں خطیب نے الفقیہ و المستفقہ ۱/۱۷۸ میں ذمہ میں میزان ۳/۳۳۳ میں ابو یعلیٰ کے طریق سے اسے ذکر کیا ہے اور ابن عبد البر نے جامع بیان العلم ۲/۱۳۳ میں لیکن اس کو روایت کرنے میں عثمان منفر نہیں بلکہ حماد بن یحییٰ خطیب اور ابن عبد البر کی روایت میں متابع موجود ہے لیکن اس کی سند میں حبارۃ بن مغلس راوی ضعیف ہے۔ کذا فی هامش ابی یعلیٰ۔

﴿اعْظُمَهَا فِتْنَةً عَلَى أُمَّتِي قَوْمٌ يَقْبِسُونَ الْأُمُورَ بِرَأْيِهِمْ﴾ (مجمع الزوائد) (۱)

”میری امت میں سب سے بڑے فتنہ انگیز وہ لوگ ہیں جو امور دین میں (احادیث کی موجودگی میں) رائے قیاس چلائیں گے۔“

ثابت ہوا کہ جو لوگ حدیثوں کو پرے ہٹا کر ان کے خلاف اقوال اور قیاسات پر عمل کرتے ہیں وہ سب سے بڑے فتنہ انگیز فرقہ باز ہیں!

حدیث کے خلاف رائے کے مسائل کوڑے میں پھینک دو!

امام شعبیؒ کا فتویٰ

﴿مَا حَدَّثَ نُوكَ هَؤُلَاءِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخُذْ بِهِ وَمَا قَالُوا بِرَأْيِهِمْ فَلَا لَهُ فِي الْحَشِيشِ﴾ (الانصاف از شاہ ولی اللہ)

”یہ (مسائل و فتاویٰ بتانے والے) لوگ اگر رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں لائیں تو انہیں لے لیا کرو اور جو مسائل یہ اپنی رائے سے بتائیں انہیں کوڑے میں پھینک دیا کرو۔“

امام شعبیؒ کے اس ایمان افروز فتوے پر پاک حق گوئی سے معلوم ہوا کہ احادیث کے مقابلہ میں قیاسات اور آراء کوڑے میں پھینک دینے کے لائق ہیں۔

ائمہ و رہبان کے اقوال کی طرف دعوت

﴿عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي رِجَالٌ يَدْعُونَ النَّاسَ إِلَى أَقْوَالِ إِمَامِهِمْ وَرَهْبَانِهِمْ وَيَعْمَلُونَ بِهَا وَيَحْسُدُونَ عَلَى التَّائِمِينَ خَلْفَ الْإِمَامِ إِلَّا أَنَّهُمْ يَهْوُونَ هَذِهِ الْأُمِّيَةَ ثَلَاثًا﴾ (از طریق محمدی، رواہ ابن القطان و صحیحہ ابن السکین)

”حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں عنقریب ایسے لوگ ہوں گے جو لوگوں کو اپنے اماموں اور درویشوں کے اقوال کی طرف بلائیں گے اور ان پر

(۱) طبرانی کبیر و مسند بزار بحوالہ مجمع الزوائد ۱۸۴/۱ و مستدرک ۳/۴۵۴ و ۴۳۰ عن عوف بن مالک رحمہ اللہ حاکم و ذمی نے صحیح اور بیہی فرماتے ہیں اس کی سند کے تمام راوی صحیح کے ہیں۔

(حدیث چھوڑ کر) عمل کریں گے اور (سنت پر عمل کرنے والے) مسلمانوں سے امام کے پیچھے پکار (۱) کر آئیں کہنے پر دشمنی کریں گے۔ (سنو) اوہ اس اُمت کے یہودی (۲) ہیں تین مرتبہ فرمایا۔“

بھائیو! ڈر جاؤ! امتیوں کے بے دلیل قولوں اور رایوں کو چھوڑ دو! اور حدیث پر عمل شروع کر دو! احادیث کے خلاف اقوال رجال پر چلنا یہودیت ہے اور جو بھائی امام کے پیچھے اُچی آواز سے آئیں کہتے ہیں ان کی مخالفت بھی نہ کرنا کہ یہ بھی یہودی خصلت ہے حدیث آپ اوپر پڑھ چکے ہیں کہ یہود اُچی آواز سے آئیں سکر حد کرتے اور جڑتے تھے۔

اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے!

﴿هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ (ب: ۱۷۷: ۱۷۸)

”اس نے تمہیں پسند کیا اور نہیں رکھی تم پر دین میں کچھ مشکل دین (توحید والا) تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا اس نے تمہارا نام مسلمان رکھا۔“

(۱) آئین بالجبر سے جڑنے کے متعلق ایک اور حدیث میں سرور عالم فرماتے ہیں:

﴿عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا حَسَدْتُمْكُمُ الْيَهُودُ عَلَى شَيْءٍ مَا حَسَدْتُمْكُمُ عَلَى السَّلَامِ وَالْأَمَانَةِ﴾ (ابن ماجہ) (مسند احمد ۶/۱۳۳ و ۱۳۵ و ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلاۃ (۵) باب الجہر بآمین (۱۳) الحدیث ۸۵۶۔ و بیہقی ۵۶/۲ و الادب المفرد للبخاری (۹۹۱) و ابن حذیمہ (۵۷۴ و ۱۵۸۵) عائشہ رضی اللہ عنہا ابن حذیمہ، منذری (الترغیب ۱/۳۲۸) اور البانی نے صحیح کہا ہے۔)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہودی شتم سے (کسی اور بات پر اس قدر) حسد نہیں کرتے جس قدر السلام علیکم اور آئین پکارنے میں کرتے ہیں۔ “آئین پکارنے پر جو نفی بھائی حسد اور دشمنی کرتے اور اس فعل کو برا جانتے ہیں حدیث مذکور کی روشنی میں انہیں اپنی اس روش پر غصہ سے دل سے غور کرنا چاہئے۔ اور پھر کبھی آئین بالجبر پر نہ جڑنا چاہیے۔ بھائیو! اس شتم پاک پر بجائے مخالفت کے عمل کرو اور کسی مولوی کے کہنے پر ہرگز نہ جڑنا نہ نفرت کرنا! فرقہ بندی پیدا کرنے اور لڑانے والے علماء نہ اسلام کے خیر خواہ ہیں نہ آپ کے۔

(۲) حضرت شاہ ولی اللہ علیہ السلام اور ان کے حامد مقلدوں کو یہودی کی روش پر بتاتے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں۔ اگر آپ یہودیوں کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہیں تو ان برے علماء کو دیکھ لو جو دنیا کے طالب ہیں اور انہوں کی تقلید کے خوگر ہیں اور کتاب و سنت سے روگرداں ہیں۔ اور تعق اور تشدد سے ایک عالم کی سند پکڑ کر کلام شارع معصوم سے بے پروا ہو گئے ہیں۔ اور موضوع حدیثوں اور تاویلات فاسدہ کو اپنا مقتدا بنا رکھا ہے۔ ﴿كَانَهُمْ هُمُ﴾ گویا کہ یہ یہودی ہیں (فوز الکبیر) یہ فتویٰ ہے شاہ ولی اللہ صاحب کا کتاب و سنت کے مقابلہ میں تقلید کرنے کرانے والے مقلدوں کے متعلق۔ ہم محترم علماء کی خدمت میں گزارش کرتے ہیں کہ وہ تقلید پر زور دینے کی بجائے لوگوں کو سنت اور حدیث پر عمل کرنے کی تاکید فرمائیں۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی عبادت کیلئے منتخب فرمایا اور ہمارے لئے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی ہر امر میں آسانی فرمائی ہے۔ نماز ہی کو لیجئے۔ سفر میں چار رکعت کی بجائے دو رکعت پڑھنے کی اجازت دے دی ہے۔ سفر میں روزہ کی رخصت فرمادی۔ لوہے، لنگڑے۔ سے جہاد ساقط کر دیا۔ غرض سارے دین میں اسی طرح آسانیاں رکھ دی ہیں اور نفس کو اس کی طاقت کے مطابق تکلیف دی ہے۔ پھر فرمایا: یہ آسان اور سہل دین وہی ہے جو تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا تھا۔ اس پر (سنت رسول اکرم ﷺ کے مطابق) چلو اور خبردار! فرتے فرتے نہ ہوتا، دین کو ٹکڑے ٹکڑے نہ کر دیتا۔ خود کو مذہب کی رو سے امتیوں کے ناموں سے منسوب کر کے دین کے حصے بخرے نہ کر لیتا۔ سنو! اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔ اسی پیارے نام کو اپنے لئے موجب فخر جاننا کہ مسلمان کے نام میں صرف اللہ کی فرماں برداری کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ ہاں ہاں! یاد رکھنا تم مسلمان ہو!

مسلمان کہلانے میں پھوٹ اور تفریق پیدا نہیں ہوتی۔ جو شخص اللہ کی توحید اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت کو مان کر عقائد اور اعمال میں قرآن اور حدیث کا پابند ہو جاتا ہے وہ مسلمان ہے۔ اس اصول پر تمام دنیا کے مسلمان ایک ہی عالمگیر برادری میں شامل ہیں۔ اتفاق، اتحاد اور اخوت و محبت کے پیکر ہیں لیکن جب اماموں، مجتہدوں اور بزرگوں کے ناموں کی طرف مذہب کو عقیدوں کو منسوب کیا جائے گا تو لحالہ فرتے بندی پیدا ہوگی، جو امت کے لئے تفریق اور نقصان کا موجب ہے۔ اماموں اور مجتہدوں کے علمی کارنامے اس لئے نہیں ہیں کہ ان کے ناموں کے مذہب بنا لئے جائیں بلکہ چاہئے کہ ان سے استفادہ کر کے کتاب و سنت پر عمل کیا جائے۔ پس ہر شخص کو شخصیت پرستی سے آزاد ہو کر مذہبی فرقوں کا چولا اتار کر خود کو (قرآن و حدیث پر عمل کرنے والا) مسلمان کہلانا چاہئے۔

الحدیث مسلمان

اور یہ جو آپ نے پیچھے ذکر کر پڑھا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم الحدیث تھے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ الحدیث کو نجات پانے والی جماعت کہتے ہیں اس کے متعلق پھر گزارش ہے کہ الحدیث فرقہ نہیں ہے۔ الحدیث کے معنی ہیں رسول اللہ ﷺ کے طریقے پر چلنے والا۔ قرآن کو حدیث کے ذریعے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے والا۔ سنئے! اللہ کی توحید حضور انور ﷺ کی رسالت اور قرآن کو مان کر مسلمان تو ہو گئے۔ اب قرآن پر عمل کرنا۔ ﴿اقیموا الصلوٰۃ﴾ کے فرض کو ادا کرنا ہے۔ اب نماز کس طرح پڑھیں؟ قرآن کہتا ہے۔

﴿وَمَا اتَّكُمْ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ﴾

”اور جو نماز اور قرآن پر عمل کرنے کا طریقہ دے تم کو رسول ﷺ پس وہ لے لو۔“

تو قرآن کے اس حکم کی بناء پر ہم نماز اس طرح پڑھیں گے۔ جس طرح حضور ﷺ نے پڑھی ہے اور حضور ﷺ کے نماز پڑھنے کا طریقہ حدیث ہی سے مل سکتا ہے۔ پھر حدیث کا ماننا اتنا ہی ضروری ہوا جتنا کہ قرآن پر

ایمان ضروری ہے۔ ثابت ہوا کہ بغیر حدیث کے قرآن پر عمل نہیں ہو سکتا تو مسلمان وہ ہے جو اس اسلام کو مانے اور قابل عمل جانے جو حدیث اور سنت کے ذریعے پہنچا ہے۔ جامد تقلیدی فرقے اپنے اماموں اور بزرگوں کے اقوال کے مطابق اسلام پر چلتے ہیں ان کی آراء سے پیش کیا ہوا اسلام مانتے ہیں۔ لیکن اہل حدیث صرف رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل کے ذریعے پہنچے ہوئے اسلام کو مانتے ہیں۔ حضور انور ﷺ کے عمل بالقرآن کے اجالے میں آیات خداوندی کو پڑھتے پڑھاتے اور ان پر عمل کرتے ہیں۔

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے پیش کردہ اسلام کو ماننے والے مسلمان ہیں تو یاد رکھیں کہ اہل حدیث کہلاتا فرقہ بندی سے بیزاری کا اعلان ہے اسلام میں گروہ سازیوں اور جتھے بندیوں سے فرار کی راہ ہے۔ جنگ ہفتاد و دو ملت سے کنارہ کشی اور عافیت کوشی کا نشان ہے۔ تمام فرقوں کے اپنے اپنے جدا ساقی ہیں۔ لیکن اہل حدیثوں کے صرف ایک ہی ”ساقی“ حضور سید العرب والعجم، سید الکونین والفقین جناب خاتم النبیین، رحمت للعالمین، شفیع المذنبین، اکرم الاولین والاخرین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

بچوں تو نازینے سرتا بپا لطافت
کیمتی نشان ندادہ ایزد نیا فریدہ

فرقوں کو اسلام میں مدغم کر دیں!

اسلام میں فرقے کثرت سے پیدا ہو گئے ہیں جو رجال امت کے ناموں سے موسوم ہیں۔ ان سب کو یہاں نام بنام گنانا مشکل ہے۔ ہم سب فرقوں سے باادب دریافت کرتے ہیں کہ کیا ان کا وجود قرون مشہود لہا بالخیر میں تھا یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین رضی اللہ عنہم، تبع تابعین رضی اللہ عنہم کے نیک زبانوں میں یہ فرقے پائے جاتے تھے؟ نہیں! پھر یہ بعد کی پیداوار ہوئے جس کی اسلام نے اجازت نہیں دی ہے۔ پھر ان کو چاہئے کہ اسلام میں فرقہ بندی قائم نہ کریں اور فرقہ بندی سے امت کی وحدت کو پارہ پارہ نہ کریں۔ ہم درد دل سے ان سب فرقہ والوں کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ خدا را وہ ان سب فرقوں کو اسلام میں مدغم کر دیں۔ صرف مسلمان کہلائیں اور عمل کے لئے صرف سنت اور حدیث کو کافی جانیں۔ عبادت اللہ کی اور طریقہ حضرت محمد ﷺ کا یہی مطلب ہے ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ﴾ کا۔

ہم پڑھے لکھے درد مند حضرات کی خدمت میں بڑے خلوص سے عرض کرتے ہیں کہ وہ خود کو صرف مسلمان جانیں اور عمل کے لئے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے طریقے (سنت اور حدیث) کو کافی جان کر فرقہ بندی کی زہریلی فضا سے باہر آ جائیں۔ کچے حدیث والے مسلمان بن جائیں۔ قیامت کے روز اللہ نے آپ کے اعمال کا جائزہ لینا ہے۔ ترازوئے عدل میں آپ کے اعمال کو تولنا ہے۔ یاد رکھیں! صرف وہی اعمال بار آور ہوں گے جو طریقہ رسول ﷺ (سنت اور حدیث) کے مطابق کئے ہوں گے، اسوۂ رسول ﷺ کے معیار پر پورے اتریں گے۔

فروق کے عقیدوں اور طریقوں کو اللہ نے نہیں پوچھا۔ اللہ نے صاف فرمادیا ہے۔

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (ب ۲۱: ۱۹ع)

”(مسلمانو! اللہ کے احکام پر چلنے کے لئے) بیشک تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اچھا نمونہ ہے۔“

جب اللہ نے آپ کو عمل کے لئے پیغمبر رحمت ﷺ کی ذات ایک لامثال نمونہ دے دیا ہے تو پھر اس پیغمبری نمونے کو چھوڑ کر فرقوں میں نمونے تلاش کرنا رسالت سے استغنا برتنا نہیں ہے؟ نبوت کی بے قدری نہیں ہے؟
﴿الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ پر حرف لانا نہیں ہے؟
حضرت ختم نبیاں ﷺ کے کامل نمونہ زندگی کی موجودگی میں بے نیاز ہو جاؤ امتیوں کے نمونوں سے! چلے آؤ فرقوں کی تقلیدی ہستی سے اسوۂ حسنہ کے دارالبعیرت میں!

قبروں میں نکیرین کے سوال

قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔ یہاں آخرت کے راہی کی مذہبی زندگی کا ہلکا سا امتحان (Test) لیا جاتا ہے۔ اگر وہ اس امتحان میں کامیاب ہو گیا تو اگلی منزلیں اس پر آسان ہو جائیں گی۔ حتیٰ کہ سب سے بڑے حشر والے امتحان میں کامیاب ہو کر بہشت میں داخل ہو جائے گا۔ اور اگر قبر کے ٹیسٹ میں سوالوں کا جواب نہ دے سکا تو آنے والی منزلوں میں مشکلات کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں گے۔ یہاں تک کہ امتحان محشر میں ناکام ہو کر بڑی جیل (دوزخ) میں جا پڑے گا۔

رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق قبر میں منکر نکیر نے اللہ کے حکم سے ہمیں پوچھا ہے۔^(۱)

﴿مَنْ رَبُّكَ﴾ ”بتا تیرا رب کون ہے؟“..... (ابوداؤد)

﴿وَمَا دِينُكَ﴾ ”اور تیرا دین کیا ہے؟“..... (ابوداؤد)

﴿وَمَنْ نَبِيُّكَ﴾ ”اور تیرا نبی کون ہے؟“..... (ابوداؤد)^(۲)

(۱) مؤلف مرحوم نے اسے ابوداؤد (کتاب السنہ (۳۹) باب المسألة فی القبر وعذاب القبر (۲۳، ۲۴) الحدیث ۴۷۵۳ سے نقل کیا ہے جبکہ یہ حدیث بخاری، کتاب الجنائز (۲۳) باب ماجاء فی عذاب القبر (۸۶) الحدیث ۱۳۶۹ اور مسلم کتاب الحنة و صفة نعيمها (۵۱) باب عرض مقعد النار و النار علیہ (۱۷) الحدیث (۷۲۱۹) عن البراء ابن عاذب رضی اللہ عنہ میں بھی مروی ہے۔

(۲) ابراہیم روایت میں ﴿وَمَا هَذَا الرَّجُلُ الَّذِي بُعِثَ فِيكُمْ﴾ بھی آیا ہے۔ یعنی ان کے بارے میں تو کیا کہتا ہے جو تم میں بھیجے گئے تھے؟ (احمد ابوداؤد) مسند احمد ۴/۲۸۷ و ۲۸۸ و ۲۹۵ و ۲۹۶ و ابوداؤد المصدر السابق عن براء ابن عاذب رضی اللہ عنہ نے صحیح کہا ہے تحقیق مشکوٰۃ ۳۸/۱۔

اب تکیرین کے سوالوں کے جواب حضور ﷺ کی زبانی سنئے۔

مفکر تکیر: بتا تیرا رب کون ہے؟

مسلمان: ﴿رَبِّی اللہ﴾ ترجمہ: ”میرا رب اللہ ہے۔“ (ابوداؤد)

مفکر تکیر: اور تیرا دین کیا ہے؟

مسلمان: ﴿دینی الاسلام﴾ ”میرا دین اسلام ہے“ (ابوداؤد)

مفکر تکیر: اور تیرا نبی کون ہے؟

مسلمان: ﴿مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللہ﴾ میرے نبی محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ ﷺ (ابوداؤد)

دنیا کا ”اندھا“ آخرت کا اندھا ہے

بھائیو! سنو! اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهِ اَعْمٰی فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی وَاَضَلُّ سَبِيْلًا﴾ (پ ۱۵ : ۸۷)

”اور جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہے اور بہت گھویا ہوا ہے۔“

جس طرح ظاہر کی روشن آنکھ کے لئے بیماریاں ہیں مثلاً قذئی، رمد، عکدر، جرب العین، ناخنہ، یاض، سبل، ضعف البصر، دھند، غبار، جال، اندھرتا، قریب نظری، بعید نظری، پڑبال، موتیا، بند، اندھا پن۔ وغیرہ۔ ویسے ہی باطنی آنکھ کے لئے بھی روحانی اور اخلاقی بیماریاں ہیں ظاہری بیماریاں بینائی کے لئے مضر ہیں تو روحانی بیماریاں ایمانی اور اخلاقی بینائی کے لئے نقصان دہ ہیں مثلاً شرک ایک ایسی بیماری ہے جو ایمانی بصارت کو کلیتہً زائل کر کے پورا ”اندھا“ بنا دیتی ہے۔ ایسے ہی کفریہ عقائد و اعمال دوسرے اکبر کبائر اور بدعات باطنی بصارت گنوا دیتے ہیں۔

جس نے اس دارمکافات میں اپنے خالق مالک رب اور معبود برحق کو اس کی الوہیت اور صفات کی وحدت کے ساتھ نہیں پہچانا، جو توحید کے عقیدہ و عمل کے ساتھ اس پر ایمان نہیں لایا، جو قرآنی احکام سے آنکھیں بند کر کے طغیان کی وادیوں میں پھرتا رہا۔ ہدایت خداوندی کا ناپنا۔ شاہراہ رسالت ماب ﷺ کا اندھا، حشر میں بہشت کی تلاش میں ناک ٹوئیاں مارے گا۔ اندھوں کی طرح ہاتھ پہارے گا۔ لیکن ”نا بینا“ گوہر مقصود نہ پاسکے گا۔

قبر بھی آخرت کی ایک منزل ہے۔ توحید کا اندھا، اسلام کی پہچان کا اندھا، حدیث کی قدر اور سنت کے عمل کا اندھا، قبر میں تکیرین کے روبرو..... آہ کس طرح اپنے موحد مسلمان اور امت محمد رسول اللہ ﷺ ہونے کا دعویٰ کر سکے گا؟ کیری آنکھوں والے خوفناک فرشتوں کے سامنے اللہ سے بے تعلق اسلام ناشناس نافرمان رسول ﷺ پر کیا بیٹے گی؟ اللہ ہم سب کے حال پر رحم فرما! کتاب و سنت پر عمل کی توفیق دے کر قبر کے فتنوں اور آخرت کی غتیوں سے بچالینا! (آمین)

قارئین کرام!

جو چیز قبر میں پوچھی جانی ہے وہ تو حید خداوندی ہے اس کی نگہداشت کریں کہ موحد مسلمان جنہیں۔ پھر دین کا سوال ہوتا ہے اس لئے خالص دین اسلام یعنی صرف قرآن اور حدیث پر عمل رکھیں، بانی اسلام حضور سید الکوین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے متعلق پوچھا جائے گا۔ آپ صرف حضور انور ﷺ کی اطاعت کے سوا تمام اطاعتوں کو کندھوں سے اتار دیں۔^(۱)

خبردار! توحید کی شراب طہور میں شرک کی نجاست نہ گرائیں..... اسلام کے خالص شہد میں کسی قسم کی ”راب“ نہ ملائیں۔ اسلام کی شاہراہ پر چلنے کے لئے رحمت عالم ﷺ کے طریقے کے سوا کوئی طریقہ نہ اپنائیں، پس حدیث اور سنت کی روشنی میں اسلام کے احکام پر عمل کرنے والا موحد مسلمان بتوفیقہ تعالیٰ قبر میں ثابت قدم رہے گا۔

حدیث نکیرین کے بیان سے ہماری غرض یہ ہے کہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ قبر کے امتحان میں کسی فرقے، کسی گروہ، کسی امام، مجتہد، مرشد، اور اماموں، مرشدوں، مجتہدوں کی طرف منسوب کئے گئے مذہبوں، اور مشربوں کے متعلق سوال نہیں ہوگا۔ پھر لکھ خیر باد کہہ دیں آپ تمام فرقوں، گروہوں اور ایجادی مذہبوں اور مسلکوں کو کہ آپ مسلمان ہیں۔ آپ کا دین اسلام ہے، اور دین اسلام پر چلنے کا طریقہ مذہب و مسلک شافع روز جزا کی ادائیں ہیں ﷺ!

وہ دانائے سب ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادی سینا



(۱) امتیوں کی اطاعت مشروط ہے۔

خاتمہ اور دُعا

اے اللہ! ہمیں اپنی پسند کا ایمان عطا فرما، اپنی مرضی کا مسلمان بنا، آسمان سے اترے ہوئے دین اسلام پر اس طرح عمل کرنے کی توفیق دے جس طرح تیرے سچے رسول حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے عمل کیا۔ ہماری زندگی کی راہ میں رحمت عالم ﷺ کے قول و فعل کے دیپ جلا سنن ہدیٰ کی شمعیں جگا، اُسوۃ اطہر ہمارے نزدیک سارے جہان سے زیادہ محبوب بنا۔ اللہ! ہمیں ”دلہلوں“ سے بچا، تازیست تنفس پاک کی عنبریز فضا میں رکھ، رحمت عالم ﷺ کے ہاتھوں جام کوثر پلا اور حضور انور ﷺ کی شفاعت نصیب فرما۔ آمین۔

رَضِينَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَاَرْزُقْنَا اِتِّبَاعَهُ وَاَرِنَا
الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَاَرْزُقْنَا اجْتِنَابَهُ ؕ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ
اَجْمَعِيْنَ



ضمیمہ سبیل الرسول ﷺ

کیا تقلید جائز ہے

مؤلف سبیل الرسول نے قرآن کی متعدد آیات اور احادیث کثیرہ تقلید کے رد میں نقل کی ہیں، جن کو قارئین مطالعہ بھی کر چکے ہیں، مگر مولوی محمد امین صفدر ادا کا زوی لکھتا ہے کہ:

(۱) اس آیت میں علماء کو رب بنانے کا ذکر ہے نہ کہ ان کی تقلید کرنے کا

(۲) مؤلف کا فرض تھا کہ وہ یہ ثابت کرتا کہ یہود و نصاریٰ کے وہ علماء و مشائخ مجتہد تھے۔ سبیل الرسول پر ایک

نظر ص ۷۔

الجواب: (۱) مؤلف رحمہ اللہ نے رب، بنانے کی وضاحت میں اسنن ترمذی، سے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی تھی جس نے یہ معنی متعین کر دیا تھا کہ علماء پر اندھا اعتماد کو ناسان کو رب بنانا ہے اور اسی کا دوسرا نام تقلید ہے، مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں کہ

اس آیت میں نصوص کے مقابلہ میں تقلید کرنے کی مذمت ہے جیسے جاہلوں کی عادت ہے کہ جب رسوم منکرہ سے منع کیا جائے تو اپنے مشائخ سے تمسک کرتے ہیں، (حاشیہ بیان القرآن ص ۷۰۷ ج ۳)

مولوی غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی فرماتے ہیں کہ

قرآن کی اس آیت اور اس حدیث (عدی بن حاتم رحمہ اللہ) سے یہ واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مقابلہ میں اپنے کسی دینی پیشوا کے قول کو ترجیح دینا اور اس پر اصرار کرنا اس دینی پیشوا کو خدا بنا لینا ہے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی صریح حدیث کے مقابلہ میں اپنے کسی دینی پیشوا کے قول کو ترجیح دینا اس کو رسول کا درجہ دینا ہے۔ (تبیان القرآن ص ۲۲ ج ۵ طبع فرید بک شال لاہور ۱۳۲۱ھ)

(۲) ماسٹر صاحب کا یہ مطالبہ بھی فضول اور لچر ہے اگر یہ قرآن کے الفاظ پر غور کرتے تو ایسا مطالبہ ہی نہ کرتے۔ سنئے قرآن نے ان کے لئے احبار، کا لفظ استعمال کیا ہے جو صحر کی جمع ہے اور لغت عرب میں اس کا استعمال بمعنی علماء آتا ہے۔ مفردات القرآن ص ۱۰۶ اور تمام مترجمین نے اس کا یہی معنی کیا ہے۔

حدیث رسول ﷺ میں تحریف

فرماتے ہیں کہ:

مجتہد کے بارہ میں بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث میں ہے کہ اگر صواب پر ہو تو دو اجر خطا پر ہو تو بھی ایک اجر ملتا ہے۔ کیا آپ کا یہی عقیدہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کے وہ علماء جن کا ذکر ان آیات میں ہے، وہ بعض مسائل میں دو اجر اور بعض میں ایک اجر کے مستحق ہیں، سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۰۔

الجواب: اولاً حدیث میں دگنا اجر ملنے کا تو بلاشبہ ذکر ہے مگر یہ مجتہد کے متعلق نہیں بلکہ حاکم کے بارے میں ہے، حدیث کے الفاظ ہیں۔

اذا حکم الحاكم فاجتهد ثم اصاب فله اجران، واذا حکم فاجتهد ثم اخطا فله اجره۔
یعنی جب حاکم کوشش کر کے فیصلہ کرے، پھر درست کرے، تو اس کے لئے دو چند اجر ہے اور اگر بوجہ غلطی کرے تو اس کے لئے ایک اجر ہے۔ (بخاری ۳۵۲ و مسلم ۴۲۸۷)

قارئین کرام حدیث پر غور کریں اس میں لفظ ”حاکم“ ہے مگر ماسٹر صاحب اس کا ترجمہ مجتہد کرتے ہیں۔ لا حول ولا قوة الا باللہ العلیٰ العظیم، محترم یہاں مسئلہ قضاء کا ہے، حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ حاکم وقت کسی مقدمہ میں فیصلہ کرنے کے لئے تحقیق کے بعد فیصلہ کرے تو اس کے لئے دگنا اجر ہے، عالم دین اور مجتہد کے دینی مسائل بتانے کے بارے میں یہ حدیث نہیں ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک انصاری صحابی کی قیادت میں ایک لشکر بھیجا اور صحابہ کرام کو اس کی اطاعت کرنے کا حکم دیا، اتفاق سے اہل لشکر کی کسی بات سے امیر لشکر (انصاری صحابی) غضب ناک ہو گیا، اس نے لکڑی جمع کر کے انہیں آگ لگانے کا حکم صادر کیا پھر صحابہ کو کہا اس میں داخل ہو جاؤ صحابہ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا کہ نبی ﷺ کی اطاعت میں محض جہنم کی آگ سے بچنے کے لئے آئے ہیں، القرض صحابہ آگ میں داخل نہ ہوئے، جب اس واقعہ کی خبر نبی کریم ﷺ کو ہوئی تو آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

لو دخلوها ما خرجوا منها ابدا، انما الطاعة في المعروف،
یعنی اگر تم آگ میں داخل ہو جاتے تو کبھی بھی نکالے نہ جاتے بلاشبہ امیر کی اطاعت فقط معروف (نیکی) میں

ہے، (بخاری ۱۳۵ و مسلم ۴۷۶۶)

یہاں ایک معقول سوال جنم لیتا ہے جس انصاری صحابی کو آپ علیہ السلام نے امیر قافلہ مقرر کیا تھا، وہ جاہل تھا یا دین کو جاننے والا صاحب علم تھا۔ یقیناً عالم تھا۔ مگر آنحضرت ﷺ نے اس کے حکم کو پسند نہیں کیا بلکہ کہا اگر تم اس پر عمل کرتے تو ہمیشہ ہمیشہ آگ میں ہی رہتے۔

کیا حدیث عدی بن حاتم ضعیف ہے۔
فرماتے ہیں کہ:

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ہم عبد السلام بن حرب کے علاوہ کسی طریق سے اس حدیث کو پہچانتے تک نہیں، اور اس سند کا دوسرا راوی، غطف بن اعین حدیث میں غیر معروف ہے، (ترمذی ص ۴۴۱) اس سند کا پہلا راوی حسین یزید کوئی ہے ابو حاتم اس کو لین الحدیث کہتے ہیں۔ (میزان ص ۵۵ ج ۱) اور لا مذہبوں نے تو صراحت لکھا ہے کہ اہل کوفہ کی حدیث بے نور ہوتی ہے۔ (حقیقۃ الفقہ) سند کا دوسرا راوی عبد السلام بن حرب بھی کوئی ہے۔ (میزان الاعتدال ص ۶۱۲ ج ۲) تیسرا راوی غطف بن اعین ہے امام دارقطنی اسے ضعیف کہتے ہیں۔ (میزان ص ۳۳۶ ج ۳) یہ حضرت عدی بن حاتم والی حدیث ہے جس کی سند کا حال حکیم صاحب نے چھپایا جب کتمان سبیل یہود ہے سبیل رسول نہیں، سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۰

الجواب: اولاً آپ نے یہ مغالطہ دیا ہے کہ امام ترمذی نے اس پر حرج کر کے حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، حالانکہ یہ بات درست نہیں، انہوں نے حسن غریب کہہ کر اس پر صحت کا حکم لگایا ہے کیونکہ غریب اس روایت کو کہا جاتا ہے جس کی سند ایک ہی ہو دوسری ثابت نہ ہو، جیسے انما الاعمال بالذیہ، غریب ہونے کے باوجود صحیح حدیث ہے اور (بخاری ۱) و مسلم ۴۹۲) کی توفیق علیہ ہے، اور حدیث کا حسن ہونا اس کے حجت ہونے کی دلیل ہے تمام کے نزدیک حسن حجت ہے۔

ثانیاً اہل کوفہ کی روایت کو بے نور، مؤلف حقیقۃ الفقہ، نے نہیں کہا بلکہ امام اہل سنت اور مجتہد ذی شان امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کہا ہے۔ (سنن ابو داؤد ۳۴۱ ج ۲) لہذا آپ نے، لاندہب کہہ کر جو گالی دی ہے وہ ان آئمہ کے متعلق ہیں۔

ثالثاً: بلاشبہ امام ابو حاتم نے حسین بن یزید کو ”لین“ کہا ہے مگر امام ابو حاتم جرح میں تشدد ہیں (الرفع والتکمیل ص ۲۷۵) تنہا ابو حاتم کی جرح کا اعتبار نہیں، پھر جہاں میزان میں ابو حاتم کی جرح ہے وہاں ہی ابن حبان سے توثیق بھی لکھی ہوئی ہے۔ واضح رہے کہ حسین کا (طبرانی کبیر ۹۲/۱) میں قیس بن ربیع اور یحییٰ دوراوی متابع موجود ہیں۔

رابعاً: عبد السلام بن حرب پر یہ جرح نقل کی گئی ہے کہ یہ کوئی تھا حالانکہ یہ بخاری و مسلم کے راوی ہیں۔ امام ترمذی اور دارقطنی اور متعدد اہل علم نے انہیں ثقہ اور حجت کہا ہے۔ (تہذیب ص ۲۸۳ ج ۶) آئمہ جرح و تعدیل میں سے اسے کسی ایک نے بھی ضعیف قرار نہیں دیا، غالباً ماسٹر امین علوم حدیث اتنا ہی آشفتہ تھا جتنا پیدائشی اندھا ہرے رنگ سے واقف ہوتا ہے۔

خامساً: رہا راوی غطف بن حاتم تو اسے امام ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔ (تہذیب ص ۲۵۱ ج ۸) الغرض یہ حدیث

قابل حجت ہے، یہی وجہ ہے کہ امام ترمذی اور علامہ البانی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ (صحیح سنن ترمذی ۲۴۷۱)

حدیث عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کے معنی میں تحریف

فرماتے ہیں:

اس حدیث سے لائدہب مراد ہیں مجتہدین مراد نہیں اگر حکیم صاحب اور ان کا پورا فرقہ قتل کر اصول فقہ سے صرف ایک حوالہ دکھادیں جس میں مجتہد کی تعریف یہ لکھی ہو کہ مجتہد اسے کہتے ہیں جو اللہ کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کہے۔ تو ہم انہیں ایک ہزار روپیہ نقد رائج الوقت انعام دیں گے۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک مجتہد قانون ساز نہیں بلکہ قانون دان ہوتا ہے۔ وہ قیاس شرعی اللہ اور رسول کے حکم کو ظاہر کرتا ہے۔ خود مسائل نہیں بناتا، سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۱۲۱۰۔

الجواب: اولاً۔ آپ اہل سنت کا نام کس منہ سے لیتے ہیں، آپ تو اہل بدعت ہیں تفصیل تحفہ حنفیہ میں کر دی گئی ہے وہاں سے دیکھ لی جائے۔

ثانیاً۔ مقلدین کی کتب فقہ تو اس بات کی پر زور تردید کرتی ہیں کہ ابوحنیفہ قانون سازی بجائے قانون دان کی تھی، آپ نے اپنی کتاب غیر مقلدین کی غیر مستند نماز، میں بیسوں مسائل کی نشان دہی کی ہے کہ یہ قرآن و حدیث سے ثابت نہیں، بلکہ یہ خالص فقہ کے مسائل ہیں، گویا آپ نے خود تسلیم کر لیا کہ آپ کے نزدیک امام ابوحنیفہ کی حیثیت شریعت دان کی بجائے شریعت سازی کی ہے، علاوہ ازیں مؤلف سبیل الرسول نے متعدد مسائل کی نشان دہی کی ہے جو قرآن و سنت کے خلاف ہیں، اور امام ابوحنیفہ نے چند احادیث رسول ﷺ کو بیان کرنے کے بعد فرمایا:

هذا الذي سمعتم كله ريب وباطل .

یعنی یہ تمام فرمان نبی علیہ التحیۃ والسلام و اہیات اور باطل ہیں۔ (الحرع والتعديل ص ۴۵۰ ج ۸)

امام یحییٰ بن حمزہ اور امام سعید بن عبد العزیز بیان کرتے ہیں کہ

ان ابا حنیفۃ قال لو ان رجلا عبده هذه النعل يتقرب بها الى الله لم اربذلك باسا

یعنی ابوحنیفہ نے کہا کہ اگر کسی شخص نے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کی غرض سے جوئی کی عبادت کی تو میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔

اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔

(کتاب المعرفة والتاریخ ص ۸۴ ج ۲ و تاریخ بغداد ص ۳۷۴ ج ۱۳)

اس جگہ پر ہم قارئین کرام کو دعوت فکر دیتے ہیں کہ غور کریں کہ یہ حیثیت قانون دان کی ہے یا قانون سازی

ہے۔

سبیل الرسول میں اوہام

فرماتے ہیں کہ:

حکیم صاحب نے یہود کے نقش قدم پر یہود کے علماء جن کا ذکر ان آیات میں ہے۔ ان کا خصوصی وصف جھوٹ کہنا اور جھوٹ سنا تھا، حکیم صاحب بھی اس وصف میں کچھ ان سے کم نہیں، آپ نے بخاری شریف پر جھوٹ بولے ہیں۔

پہلا جھوٹ۔ آپ ایک لکھتے ہیں، افضل الاعمال الصلوٰۃ فی اول وقتہا۔ بخاری سبیل الرسول ص ۲۴۶ یہ بخاری شریف پر ایسا ہی جھوٹ ہے جیسا کہ مرزا قادیانی نے اپنی کتاب شہادت القرآن میں یہ جھوٹ لکھا ہے کہ بخاری میں حدیث ہے کہ آسمان سے آواز آئے گی۔ هذا خلیفۃ اللہ المہدی۔

دوسرا جھوٹ۔ حکیم صاحب نے طلاق ثلاثہ کے متعلق سبیل الرسول ص ۲۶۸ پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث نقل کی ہے اور حوالہ بخاری کا دیا ہے۔ حالانکہ اس حدیث کا نام و نشان تک صحیح بخاری میں نہیں ہے۔ تیسرا جھوٹ۔ اسی حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے یکبارگی کا لفظ اپنی طرف سے بڑھایا جو حدیث مذکور میں نہیں۔

چوتھا جھوٹ۔ سبیل الرسول، پر امام کے پیچھے سورت فاتحہ پڑھنے کے لئے جو واقعہ فجر کی نماز والا ذکر کیا ہے اس میں حوالہ ابن ماجہ اور موطا امام مالک کا بھی دیا ہے۔ جو بالکل جھوٹ ہے، ان دونوں کتابوں میں اس واقعہ کا نام و نشان تک موجود نہیں۔

سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۲ تا ۱۱۔

الجواب: (۱) ان تمام فضولیات کا جواب خاکسار اپنی تالیف تحفہ حنفیہ ص ۵۰۲ تا ۵۱۵ میں دے چکا ہے قارئین کرام وہاں سے اس کی تفصیل دیکھ سکتے ہیں بفضلہ تعالیٰ یہ تمام کے تمام اعتراضات دراصل ان حضرات کے تعصب کی پیدائش ہیں۔

(۲) ماسٹر صاحب نے متعدد احادیث خود وضع کی تھیں۔ بطور نمونہ دو لکھا جاتا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ کتا سامنے سے گزر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے مسلم ص ۱۹۷ ج ۱۔ لیکن آپ نماز پڑھاتے رہے اور کتا سامنے کھیلتی رہی اور ساتھ گدھی بھی تھی دونوں کی شرمگاہوں پر نظر پڑتی رہی۔ (غیر مقلدین کسی غیر مستند نماز ص ۴۱ و ۴۲) ناشر المدنی دارالکتب سرے گھاٹ حیدر آباد، مجموعہ وسائل ص ۳۵۰ ج ۳ طبع گوجرانوالہ

۱۹۹۶ء

اسی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

تحقیق رسول اللہ ﷺ جس وقت کہ تکبیر کہتے تھے، تھوڑا سا سکتہ کرتے تھے اور جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہتے تھے تب بھی تھوڑا سا سکتہ کرتے تھے، اور جب دوسری رکعت میں کھڑے ہوتے تو سکتہ نہ کرتے تھے بلکہ کہتے تھے الحمد للہ رب العالمین۔

تحقیق مسئلہ آئین مندرجہ مجموعہ رسائل ص ۱۲۷ ج ۱۔

یہ دونوں عبارتیں مؤلف، سبیل الرسول پر ایک نظر کی وضع کردہ ہیں ماسٹر امین نے اللہ تعالیٰ کے خوف سے غدر ہو کر اور یہود کے نقش قدم پر چل کر افترا کی ہیں۔ کتب حدیث میں ان کا قطعاً کوئی وجود نہیں ہے۔

مقلدین کا طرزِ عمل

فرماتے ہیں کہ:

حکیم صاحب نے آئمہ مجتہدین کی تقلید کو شرک ثابت کرنے کے لئے دواور آیتوں سے استدلال کیا ہے، ان آیات سے آئمہ مجتہدین کی تقلید شخصی کو شرک اور حرام ثابت کرنے کے لئے دو باتیں ضروری تھیں۔

(۱) مشرکین کے آباء و اجداد کا مجتہد ہونا قرآن پاک سے ثابت کر دیا جائے۔

(۲) ان کے مذاہب کا مرتب و متواتر ہونا اور مشرکین کا تقلید شخصی کی وجہ سے ان کی طرف نسبتیں کرنا قرآن

وحدیث سے ثابت کر دیا جائے اور یہ دونوں باتیں حکیم صاحب اور ان کا فرقہ قیامت تک ثابت نہیں کر سکتا۔

سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۲۔

الجواب: اولاً، اس بیان سے آپ نے یہ بات تسلیم کر لی کہ تقلید شرعی اور دینی معاملہ نہیں بلکہ مشرکین مکہ اور گمراہ لوگوں کا راستہ ہے، ہاں البتہ آپ نے اس سلسلہ میں دو باتوں کو بہانہ بنا کر حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے کہ مشرکین کے آباء مجتہد نہ تھے اور ان کا مذہب متواتر نہ تھا، حالانکہ قرآن سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ مشرکین اپنے مذہب کو متواتر کہتے تھے اور وہ نسل در نسل اسی بات کے قائل تھے۔

قرآن کریم نے انہیں علماء بھی کہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ان کثیر من الاحبار والرهبان لیاکلون اموال الناس بالباطل ویصدون عن سبیل

اللہ﴾ (التوبة: ۳۴)

بہت سے عالم اور درویش اہل کتاب کے کھاتے ہیں مال لوگوں کے ناحق اور روکتے ہیں اللہ کی راہ سے (شاہ

عبد القادر) (۹-۳۴)

اس آیت میں یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ اہل کتاب حق سے دور کیوں تھے؟ ان کی گمراہی اور دین سے دور کا سبب ان کے علماء اور درویش تھے، مگر ماسٹر امین اس حقیقت سے انکار کرتا ہے، حالانکہ قرآن پوری ذمہ داری ہی ان

کے مذہبی قائدین پر ڈالتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ماسٹر صاحب کا دل بھی اس بات پر مطمئن نہ ہوا تو آگے چل کر اس پر مزید چار پانچ اعتراض کر دیئے گئے۔

(۱) جن مسائل کا مشرکین مکہ انکار کرتے تھے وہ سب مسائل اعتقادی تھے، ایک بھی مسئلہ اجتہادی نہ تھا۔
(۲) ان کے آباء خدا اور رسول سے ہٹانے والے تھے، اور مجتہدین خدا اور رسول کے طریقہ پر چلانے والے ہیں۔

(۳) وہ علم سے بالکل کورے تھے جبکہ آئمہ مجتہدین علوم شرعیہ میں بحرناپیدکنار کی حیثیت رکھتے ہیں۔
(۴) وہ ہدایت سے خالی خود گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والے تھے جبکہ آئمہ مجتہدین خود ہدایت یافتہ اور دنیا بھر کے لوگوں کو راہ ہدایت دکھانے والے تھے۔

سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۳۔

اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے سورہ طہ آیت (۱۲۳) میں بھی بیان کیا ہے۔ ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

﴿قُلْ إِنْ هَدَى اللَّهُ هُوَ الْهَدَىٰ﴾ (البقرة: ۱۲)

آپ (ﷺ) کہہ دیجئے کہ اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے۔ (۲-۱۲۰)

﴿قُلْ إِنْ هَدَى اللَّهُ هُوَ الْهَدَىٰ﴾ (آل عمران: ۱۷۳)

آپ کہہ دیجئے کہ بلاشبہ ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے۔

ان آیات میں یہ بات سمجھائی گئی ہے، دین صرف وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے انبیاء کرام علیہم السلام لے کر آتے ہیں۔ اور اسی دین کی پیروی لازم ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

﴿وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ (آل عمران)

(۸۵:

جو شخص اسلام کے علاوہ اور دین تلاش کرے اس کا دین ہرگز اس سے قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں سے ہوگا۔ (۳-۸۵)

الغرض دین اسلام میں اتباع و پیروی اور واجب الاتباع صرف اللہ تعالیٰ اور انبیاء کرام علیہم السلام ہیں۔ ان کی ہدایت کو ترک کر کے کسی بھی امتی کی طرف دعوت دینا خواہ وہ عالم ہے یا جاہل ہدایت یافتہ ہے یا بے ہدایتہ، بہر حال یہ صریحاً گمراہی ہے، مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں بعض مقلدین نے اپنے امام کو معصوم عن الخطاء و مصیب وجوباً و مفروض الاطاعت تصور کر کے عزم بالجزم کیا کہ خواہ کیسی ہی حدیث صحیح مخالف قول امام کے ہو اور مستند قول امام کا مجوز قیاس امر دیگر نہ ہو پھر بھی بہت سے علل و خلل حدیث میں پیدا کر کے یا اس کی تاویل بعید کر کے حدیث کو رد

کر دیں گے ایسی تقلید حرام اور مصداق قولہ تعالیٰ اتخذوا حراہم..... الخ، اور خلاف وصیت آئمہ مرحومین ہے امداد (الفتاویٰ ص ۲۹۷ ج ۵ طبع جدید کراچی)

مولوی ارشاد حسین رامپوری مجدد الف ثانی سے نقل کرتے ہیں کہ

ہم مقلدوں کو چھوڑنا مذہب اپنے امام کا ظاہر احادیث کے جائز نہیں۔ (انتصار الحق ص ۲۵۵)

حوالہ اول سے معلوم ہوا کہ ایسی تقلید حرام ہے اور حوالہ دوم سے معلوم ہوا کہ مقلدین ایسی ہی تقلید کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی صاف ہو گئی کہ مذکورہ آیت کی زد میں تمام مقلدین آتے ہیں خواہ وہ کسی کی تقلید کریں، قصہ مختصر یہ کہ واجب الاتباع صرف قرآن و سنت ہی ہیں آباء اجداد کی پیروی کا اسلام میں تصور بھی نہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ:

عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ ﷺ قال، اياكم وثلاثه زله عالم، وجدال منافق ودنيا تقطع اعناقكم فاما زلة عالم، فان اهتدى فلا تقلدوه دينكم، (الحديث طبرانی الاوسط ۳۲۶/۹ رقم الحديث ۸۷۱۰)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین چیزوں سے اپنے آپ کو بچاؤ، عالم کی لغزش، منافق سے جھگڑا، اور دنیا میں لگن ہونا، عالم کی لغزش یہ ہے کہ خواہ وہ ہدایت یافتہ بھی ہے تو اس کی تقلید نہ کرو۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

لا يقلدن احدكم دينه رجلا.

تم میں سے کوئی بھی دین کے معاملہ میں کسی کی تقلید نہ کرے۔ طبرانی کبیر ۱۵۲/۹ (رقم الحديث ۸۷۶۳) الجواب: اولاً، یہ تمام رام کہانی محض الفاظ کا ہیر پھیر ہے جو حقیقت سے کوسوں دور ہے، غور کیجئے کہ اختلاف کی بنیاد آباء و اجداد کی حیثیت پر نہیں بلکہ ان کی پیروی پر ہے، اسلام کی تعلیم میں آباء و اجداد کی پیروی کی بجائے قرآن و سنت کی پیروی کا درس دیا گیا ہے، اور یہ بات قرآن کریم نے کھول کر بیان کی ہے کہ انسان کا نفس اسے برائی کی طرف مائل کرتا ہے مگر وہی جس پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہو ارشاد ہوتا ہے۔

﴿وَمَا ابرى نفسى ان النفس لامارة بالسوء﴾ الا مارحم ربی ﴿﴾ (یوسف: ۵۳)

(یوسف علیہ السلام نے کہا) اور میں تو اپنے نفس کو پاک نہیں کہہ سکتا کیونکہ نفس تو ہر آن برائیوں پر ابھارتا ہے۔ مگر جتنا وقت اللہ کا رحم ہو (۱۲-۵۳)

حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

كلکم ضال الا من ہدیتہ مسلم کتاب الادب باب تحریم الظلم

تم تمام کے تمام گمراہ ہو مگر جسے میں ہدایت دوں۔ (الحديث ۶۵۷۲)

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کا مقدس سلسلہ جاری کیا، جن کے ذمہ ہدایت کا پہنچانا لگایا اور انہیں معصوم عن الخطاء کر کے ان کی اتباع کو فرض کیا، اور فلاح و کامیابی کو ان کی پیروی میں رکھا، ارشاد ہوتا ہے۔

﴿فَمَا يَتَّبِعْكَ مِنْهُ هَدًى فَمَنْ تَبِعَ هَدًى فَلَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ (البقرة :

(۳۸)

پس اگر میری طرف سے تم کو ہدایت پہنچے تو جو لوگ میری ہدایت کے تابع ہوں گے سو نہ ان کو کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غم کریں گے۔ (۲-۳۸)

رہا آپ کا یہ عذر کہ وہ اعتقادی مسائل میں تقلید کرتے تھے اور ہم فروعی مسائل میں تقلید کرتے ہیں آپ کا یہ دعویٰ محتاج دلیل ہے۔ آپ کسی نص سے ثابت کریں کہ وہ فروعی مسائل میں عدم تقلید کے قائل تھے واضح رہے کہ قرآن نے انہیں علی الاطلاق مقلد قرار دیا ہے آپ بلا دلیل اس کو مقید کر رہے، حالانکہ آپ کے نزدیک خبر آحاد یعنی حدیث صحیح سے بھی قرآن کو مقید نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن افسوس کہ یہاں آپ نے کذب بیانی سے قرآن کے الفاظ کو مقید کر دیا ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہاں ہم ارباب عقل و خرد کو دعوت فکر دیتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ کفار مکہ جس طریقہ سے عبادت کرتے تھے مثلاً بیت اللہ کا ننگے طواف کرنا، تالیاں بجاتے ہوئے اللہ کو یاد کرنا، حج سے واپس آتے ہوئے گھر کے دروازے سے نہ آنا یہ تمام اعمال فروعی ہیں یا اعتقادی اگر فروعی ہیں یقیناً فروعی ہیں تو سوال یہ ہے کہ آیا وہ ان مسائل میں آباء و اجداد کی تقلید کرتے تھے یا کسی نبی کی پیروی کرتے تھے، یقیناً آباء و اجداد کی تقلید کرتے تھے۔ ثابت ہوا کہ ماسٹر امین کا انہی صرف اعتقاد میں مقلد قرار دینا غلط بیانی اور کھلا افتراء ہے۔

ثالثاً۔ انہیں بے عقل قرار دینا بھی محض دل کو بھلانے کے لئے ہے، کفار عرب عقل و شعور اور قوت حافظہ میں اپنی مثال آپ تھے، قرآن نے انہیں جگہ جگہ عقل و شعور سے کام لینے کی دعوت دی ہے، تو کیا یہ بے عقلوں اور کند ذہن لوگوں کو دعوت دی جا رہی ہے، واضح رہے کہ وہ شرعی طور پر مکلف تھے حالانکہ دیوانہ مرفوع القلم ہوتا ہے یہ بات ملحوظ رہے کہ وہ عقل مند تو تھے مگر عقل سے کام نہ لیتے تھے، جیسے آج کے مقلد عقل مند ہونے کے باوجود شعور سے کام نہیں لیتے بلکہ اپنے امام کے قول پر اندھا اعتماد کرتے ہیں، یہی روش ان کی تھی۔

تقلید کی دلیل

فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ، واتبع من اناب الی، اور تقلید کر (اے مخاطب) اس شخص کی جو میری طرف رجوع رکھتا ہے۔ مجھ قیاس شرعی کے موافق بذریعہ۔۔۔ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرتا ہے، اور پھر سبیل یعنی مذہب کو مرتب کرتا ہے، دوسرے لوگ جو خود قیاس شرعی سے خدا رسول کی طرف رجوع نہیں کر سکتے وہ اس منیب

(مجتہد) کی طرف رجوع کر لیں جس کا مسلک مشہور اور متواتر ہو، لیجئے مجتہد کی تقلید کا وجوب تو خود قرآن پاک سے ثابت ہو گیا۔

سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۴۔

الجواب: اولاً۔ قرآن کریم نے اتباع کا لفظ استعمال کیا ہے، مگر ماسٹر امین اتباع کا معنی تقلید کرتا ہے، حالانکہ ان دونوں میں فرق ہے، امام ابن قیم فرماتے ہیں۔
والاتباع ما ثبت علیہ حجة، یعنی تقلید بغیر دلیل کے ہوتی ہے اور اتباع بادلہ۔

(اعلام الموقعین ص ۱۳۷ ج ۲)

مولوی غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی کہتا ہے کہ تقلید کے معنی ہیں دلائل سے قطع نظر کر کے کسی امام کے قول پر عمل کرنا اور اتباع سے یہ مراد ہے کہ کسی امام کے قول کو کتاب و سنت کے موافق پا کر اور دلائل شرعیہ سے ثابت جان کر اس قول کو اختیار کرنا، شرح صحیح مسلم ص ۶۳ ج ۵ مولوی سرفراز خاں صفدر حنفی دیوبندی فرماتے ہیں۔

یہ طے شدہ بات ہے کہ اقتداء و اتباع اور چیز ہے اور تقلید اور ہے، (راہ سنت ص ۳۵)

ثانیاً۔ قرآن کریم یا پھر احادیث صحیحہ میں سے یہ بات ثابت کریں کہ اناب الی سے مراد امام ابو حنیفہ ہیں ورنہ خالی آپ کے دعویٰ کو کون سنتا ہے۔

ثالثاً۔ اس میں لفظ ”مَنْ“ استعمال ہوا ہے جو عموم کے لئے آتا ہے، تو کیا آپ ہر متقی اور صالح کی تقلید کو واجب قرار دیتے ہیں۔ اگر نہیں یقیناً نہیں تو پھر یہ آپ کے دعویٰ کی دلیل جرح بن گئی، اس سے تو تقلید شخصی کا رد ہوتا ہے، مگر آپ اناڑیوں کی طرح جس سے اثبات کر رہے ہیں۔

رابعاً۔ آئیے قرآن کریم کی اس آیت کریمہ کو ملاحظہ کریں جس سے ہمارے مہربان، تقلید ثابت کر رہے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفَصَّلَهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِلَّهِ وَلِلْوَٰلِدَيْنِ إِلَٰهٍ الْمَصِيرُ ۚ وَإِن تَشْكُرْ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۚ وَصَاحِبَهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا ۚ وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ (سورة لقمن : ۱۴ و ۱۵)

اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی خود تائید کی ہے، اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور دو سال اس کا دودھ چھونے میں لگے (اسی لئے ہم نے اس کو نصیحت کی کہ) میرا شکر کر اور اپنے والدین کا شکر بجالا، میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے لیکن اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ تو کسی ایسے کو

شریک کرے جسے تو نہیں جانتا تو ان کی بات ہرگز نہ مان۔ دنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ اور پیروی اس شخص کے راستہ کی کر جس نے میری طرف رجوع کیا پھر تم سب کو پلٹنا میری ہی طرف ہے۔ اس وقت میں تمہیں بتا دوں گا کہ تم کیسے عمل کرتے رہے ہو۔ (۳۱-۱۵۱۴)

ان آیات پر غور کیجئے کہ ان میں مسئلہ یہ سمجھایا جا رہا ہے کہ والدین کی ہر حال میں فرمانبرداری کی جائے خواہ وہ مسلمان ہیں یا کافر، ہاں البتہ جب وہ شرک کی تلقین کریں تو تب ان کی بات نہ ماننا، اور اللہ تعالیٰ کے راستہ پر جو لوگ چلتے ہوں۔ ان کے راستے پر چلنا، یہاں سے تو تقلید کی نفی ہوتی ہے، کیونکہ عقائد میں مقلد بھی تقلید کے قائل نہیں، اور یہاں معاملہ تو عقیدہ تو حید کا ہے۔

اور عقائد میں تقلید کا تو مؤلف، سبیل الرسول پر ایک نظر بھی قائل نہیں جیسا کہ پہلے اس نے اپنی اور کفار کی تقلید کا فرق بیان کرتے ہوئے تحریر کیا ہے اور دیوبند کے جید عالم اور مذہب نصرۃ العلوم کے شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر فرماتے ہیں کہ عقائد اور اصول دین میں تقلید جائز اور درست نہیں ہے۔ (الکلام المفید ص ۳۳۵)

کتے کا ناپاک برتن

فرماتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے تین حکم ہیں۔ آٹھ مرتبہ دھونا، سات مرتبہ دھونا تین مرتبہ دھونا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا فتویٰ کتا برتن میں منہ ڈال دے تو تین مرتبہ دھونا۔ (دارقطنی طحاوی، بسند صحیح، آثار السنن ص ۱۲، محدث طحاوی) فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ کا تین بار دھونے کا فتویٰ دینا واضح دلیل ہے کہ حضرت ابوہریرہ کی سات دفعہ دھونے والی حدیث منسوخ ہے کیونکہ ہم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حسن ظن رکھتے ہیں یہ نہیں ہو سکتا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کچھ اور سنیں اور پھر فتویٰ آپ کے خلاف دیں۔ سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۲۹

الجواب: اولاً سات بار دھونے کی حدیث بخاری و مسلم کی متفق علیہ ہے جبکہ تین بار دھونے کی روایت ابن عدی نے روایت کی ہے، اور اس کی سند میں عبد الملک بن ابی سلیمان راوی ہے جو گو صدوق ہے مگر اس کی روایات میں وہم پایا جاتا ہے تقریباً ص ۲۱۹ میں ہے صدوق لہ اوہام یہی وجہ ہے کہ ابن عدی نے اس کی روایت تین بار والی کو مکرر اور ابن جوزی نے لایصح کہا ہے (نصب الراية ۱/۳۱ والعلل المتناہیة ۱/۳۳۳)

ثانیاً۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو فتویٰ بیان کیا جاتا ہے وہ بھی مذکورہ عبد الملک عن عطاء سے روایت کیا جاتا ہے (دارقطنی ۱/۶۶) اور عبد الملک کا حال اوپر گزر چکا ہے کہ یہ وہم کرتا ہے ایسا ہی امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ یہ خطائیں کرتا ہے۔ (خلاصہ)

جبکہ اس کے برعکس حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ سات بار دھونے کا فتویٰ منقول ہے (سنن

دارقطنی (۶۳/۱)

ان حقائق کے برعکس ماسٹر امین صاحب پہلے تو متفق علیہ احادیث کو ترک کرتے ہیں جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن مغفل، عبداللہ بن عمر، اور سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، سے مروی ہیں۔ دیکھئے (ارواء الغلیل (۲۳)

اور صحیح کے بجائے ضعیف روایت ابن عدی کا انتخاب کرتے ہیں پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے صحیح فتویٰ کو چھوڑ کر ضعیف کا انتخاب کرتے ہوئے نسخ کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ بعض اکابر احناف نے دعویٰ نسخ کو دیوانے کی بڑ قرار دیا ہے۔ مولانا عبدالحی کھنوی حنفی نے (السعیہ ۱/۳۵۲) میں طحاوی کا خوب رد کرتے ہوئے کہا ہے کہ محض احتمال سے نسخ ثابت نہیں ہوتا۔

ثالثاً۔ خود غرضی اور مطلب برآری کی انتہا دیکھئے کہ وہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں جن کے متعلق فقہ حنفی کی اصول کی کتابوں میں لکھا ہے کہ غیر فقہی تھا۔

مگر یہاں ان کے ضعیف فتویٰ کو بنیاد بنا کر احادیث صحیحہ کو رد کرنے کا ادھار کھائے بیٹھے ہیں حالانکہ کسی حدیث کو منسوخ قرار دینے کے لئے دلائل شرعیہ کی ضرورت ہوتی ہے احتمال اور محض دعویٰ سے نسخ ثابت نہیں ہوتا۔
نسخ کی دلیل: احادیث پر نظر رکھئے والا جانتا ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں کتوں کے بارہ میں احکام بہت سخت تھے ان کو مار ڈالنے کا حکم تھا بعد میں ان سے شکار کھیلنے کی اجازت مل گئی اور احکام نرم کر دیئے گئے اس لئے خیر القرون میں تمام مراکز اسلام مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، کوفہ میں فتویٰ تین پر ہی رہا۔

سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۳۰۔

تبصرہ: اولاً اس بات کی دلیل دیجئے کہ ابتدائے اسلام میں سات بار دھونے کا حکم تھا جو بعد میں تین بار دھونے میں بدل دیا گیا محض آپ کے دعویٰ کو کون سنتا ہے، بلکہ آپ اپنے دعویٰ پر دلیل قائم کریں۔

ثانیاً۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ متاخر اسلام ہیں وہ فرماتے ہیں

”یا اهل العراق انتم تذعمون انی اکذب علی رسول الله ﷺ لیكون لكم المهنا

وعلی الائم اشهد لسمعت رسول الله ﷺ یقول اذا ولغ الکلب فی اناء احدکم

فلیغسل سبع مرات“

اے عراقیو! تم خیال کرتے ہو کہ میں رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھتا ہوں (آہ) تم تو اچھے رہو اور مجھ پر گناہ رہے میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ جب برتن میں کتا منہ ڈال دے تو برتن کو سات بار دھویا جائے۔ (سنن ابن ماجہ ۳۶۳۔ ومسند احمد ۲/۴۲۳)

اس میں ایک دوسری حدیث بھی ملاحظہ کریں۔ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ نے کتوں کو قتل کرنے کا حکم فرمایا، پھر شکاری اور ریوڑ کے کتے کی اجازت دی اور فرمایا۔

اذا ولغ الكلب في الاناء فاغسلوه سبع مرات وغفروه الثامنة في الشراب،
جب کتا برتن میں منہ ڈال دے تو اسے سات بار دھویا جائے اور آٹھویں بار مٹی سے صاف کیا جائے، (مسلم

کتاب الطہارۃ باب حکم و لوغ الكلب الحدیث ۶۵۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہوا کہ انہوں نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے بلا واسطہ سنی تھی اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ متاخر اسلام ہیں اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہوا ہے کتوں کے متعلق جب احکام نرم ہوئے تو تب برتن کو سات بار دھونے کا حکم ہوا۔ مولانا عبدالحی لکھنوی انہیں حقائق کی بنا پر فرماتے ہیں کہ۔

ذلك صريحاً على ان الامر بالغسل سبعا كان بعد نسخ الامر بقتل الكلاب لا في

ابتداء الاسلام

یعنی یہ احادیث اس بات پر صریح دلیل ہیں کہ کتوں کو قتل کرنے کے حکم کے منسوخ ہونے کے بعد برتن کو سات بار دھونے کا حکم دیا گیا۔ (السعیاء ۱/۲۵۱)

لیکن ماسٹر امین اتاب دیانت اور بے حیا تھا کہ وہ اس حقیقت کے برعکس یہ جھوٹا دعویٰ کرتا ہے کہ سات بار دھونے کا حکم پہلے کا ہے اور کتوں کو قتل نہ کرنے کا حکم بعد کا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ثالثاً۔ اس کی دلیل عنایت کیجئے کہ مراکز اسلام میں فتویٰ تین بار دھونے پر تھا، آپ جیسے کاذب اور خائن کی بات پر کوئی جاہل ہی اعتبار کرے گا۔

زبان پر گالیاں اور مجنوں سی باتیں

فرماتے ہیں کہ

حکیم صاحب نے احناف پر اعتراض کرنے کے لئے تو دیانت و امانت سب کو خیر باد کہہ دیا مگر بخاری ص ۲۹/ج ۱ پر کتے کے جوٹھے پانی سے وضو کرنے کی اجازت دی ہے ذرا اس طرف بھی توجہ فرماتے اور آپ کے علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں کہ کتے کا پیشاب پاک ہے۔ (هدایۃ المہدی ص ۷۸ ج ۳) اور نواب صدیق حسن غیر مقلد لکھتے ہیں کہ کتے کے گوشت، خون، بال، اور پسینہ کہ نجس ہونے پر دلیل نہیں ہے بدور الابلہ ص ۱۶ حکیم صاحب آپ نے ان کی تردید میں کیا لکھا ہے جو کسی امتی کے نام سے نہیں بلکہ حدیث رسول اللہ ﷺ کے نام سے ایسے گندے مسائل پھیلا کر نبی معصوم ﷺ کو بدنام کر رہے ہیں۔ حکیم صاحب آپ کے ابن حزم نے یہ لکھا ہے کہ بیوی کو حق مہر میں کتا دینا جائز ہے۔ حکیم صاحب ذرا اس کی تفصیل بیان فرمائیں کہ آپ کے مذہب میں کنواری کے لئے کس نسل کا کتا اور شیبہ کے لئے کس نسل کا کتا مطلوب ہے۔ سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۳۲۔

الجواب: اولاً اگر بخاری ص ۲۹ ج ۱ میں ہے کہ امام زہری جو خیر القرون کے خیار امت سے ہیں ان کا قول ہے کہ:

اذ ولغ الکلب فی اثناء لیس له وضوء غیرہ یتوضا به۔
یعنی جب برتن میں کتا منہ ڈال دے اور پانی اس کے علاوہ میسر نہ ہو تو اس کے ساتھ وضوء کر لے، باب ۳۳ الماء الذی یغسل.....)

ماسٹر امین یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس سے کتے کے جوٹھے پانی سے وضوء کرنے کی اجازت دی گئی ہے مگر یہ استدلال درست نہیں کیونکہ یہ رخصت اضطراری حالت میں دی گئی ہے۔ علامہ عینی اور مولانا انور شاہ کا شیری فرماتے ہیں کہ امام بخاری کتے پہلے والا پانی کے متعلق امام ابو حنیفہ کے ہم مسلک ہیں اور مذکورہ اثر سے پانی کی طہارت ثابت نہیں ہوتی۔ پھر شاہ صاحب ایک فقہی مسئلہ کی نظیر بیان کرتے ہیں کہ

ان المصلی اذا لم یجد الا ثوبا نجسا هل یصلی عربانا اوفی ذلک الثوب فکما یکن عنده غیر هذا السور لایکون دلیلا علی طهارته وهو ظاهر،
یعنی جیسے کہ ہمارے حنیفہ کے نزدیک نمازی کے پاس صرف نجس کپڑا ہی ہو تو کیا نمازی ننگا نماز ادا کرے یا اسی نجس کپڑے میں نماز پڑے (بہر حال نمازی اسی نجس کپڑے میں نماز ادا کرے) تو یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ ہمارے نزدیک وہ کپڑا پاک ہے۔ ایسے ہی امام زہری کے قول میں پانی کے طاہر ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ (فیض الباری ص ۲۷۵ ج ۱)

ثانیاً۔ علامہ وحید الزمان کی حدیث المہدی، نام کی کوئی کتاب نہیں۔ اگر یہ کتابت کی غلطی سے حدیث المہدی کی بجائے لکھا گیا ہے تو اس کتاب کی صرف دو جلدیں ہیں۔

حیات وحید الزمان ص ۱۴۲ مگر آپ اس کی تیسری جلد کا حوالہ نقل کرتے ہیں۔
حالات۔ کتا احتاف کے نزدیک بھی نجس العین نہیں ہے مفتی دارالعلوم فرماتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ کلب (کتا) نجس العین نہیں ہے (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ص ۲۸۵ ج ۱)۔ یہی وجہ ہے کہ احتاف کے نزدیک کتے کا گوشت طاہر ہے، (ہدایہ مع فتح القدیر ص ۸۳ ج ۱) مفصل بحث کے لئے (دین الحق ص ۶۲۵ ج ۱) کی مراجعت کرے گا۔

رابعاً۔ احتاف کے نزدیک شراب اور خنزیر کو مہر رکھ کر نکاح پڑھا گیا تو نکاح ہو جاتا ہے (شرح و فایہ ص ۳۱ ج ۲ باب المہر)، دیوبندی وضاحت کریں کہ سورہ دانتہ ہونا چاہئے یا کھیرا۔

بیت اللہ کی چھت پر نماز

ماسٹر صاحب پہلے تو یہ شکوہ کرتے تھے کہ ترمذی وغیرہ میں اس روایت پر جرح تھی جسے حکیم صاحب نے نقل نہیں کیا پھر اس کی صحت کو بھی تسلیم کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

صاحب ہدایہ نے اس حدیث کا انکار نہیں کیا بلکہ اس حدیث سے بیت اللہ کی چھت پر نماز پڑھنے کا مکروہ ہونا ثابت کیا۔ سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۳۳

الجواب: اولاً۔ آپ کی تحریر کا خلاصہ تو یہ ہوا کہ نماز بیت اللہ کی چھت پر، جائز ہے مگر مکروہ ہے۔ بلاشبہ حقیقہ کا یہی مسلک ہے اور صاحب ہدایہ نے بھی یہی کہا ہے لیکن آپ نے اعتراض پر غور نہیں کیا۔ اعتراض یہ کہ صاحب ہدایہ نے جواز کا فتویٰ دیا ہے اس کے جواز پر آپ کوئی شرعی دلیل درج کریں۔

ثانیاً۔ باقی آپ نے جو دیگر مسائل میں نقل کی روایات نقل کر کے کہا ہے کہ نبی کبھی کراہت کے لئے ہوتی ہے اور کبھی تحریم کے لئے ہوتی ہے، سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۳۴

بلاشبہ یہ بات درست ہے کہ ہر جگہ نھی تحریم کے لئے نہیں آتی مگر ان کے لئے خارجی دلائل ہوتے ہیں اور آپ نے جن احادیث کی نشان دہی کی ہے ان میں خارجی دلائل موجود ہیں جبکہ یہاں مفقود ہیں لہذا آپ پر لازم ہے کہ آپ اس کے جواز پر کوئی دلیل نقل کریں تو ہم اس کی جواز مع الکراہت تسلیم کر لیں گے۔ محض آپ کا دعویٰ کافی نہیں بلکہ اس کے لئے دلیل کی ضرورت ہے۔

ثالثاً۔ آپ اپنے ساتھ امام ترمذی اور ابن ماجہ کو مت ملائیں کیونکہ انہوں نے تبویب ابواب سے اس کو سمجھا دیا ہے واضح رہے کہ آئمہ مجتہدین کے نزدیک مکروہ اور ناجائز مترادف الفاظ ہیں، امام ابن قیم نے اعلام الموقعین میں اس پر تفصیل سے بحث کی ہے، باذوق حضرات مراجعت کریں۔

کیا عورتیں جنازہ میں شامل ہو سکتی ہیں

فرماتے ہیں کہ:

حضرت ام عطیہؓ فرماتے ہیں نہینا عن اتباع الجنائز ولم یعزم علینا، (بخاری ص ۱۷۰ ج ۱)۔ اور فرماتی ہیں کنا تنہی عن اتباع الجنائز ولم یعزم علینا (مسلم ص ۳۰۴ ج ۱) امام نووی فرماتے ہیں معنا نہانا رسول اللہ ﷺ عن ذلک نہی کراہۃ تنزیہ لانهی عزیمة وتحريم (نووی ص ۳۰۴ ج ۱) حکیم صاحب صحابیات بھی جاتی تھیں کہ نبی کبھی کراہت کے لئے ہوتی ہے۔ کبھی تحریم کے لئے۔ سبیل الرسول پر ایک

نظر ص ۳۴

الجواب: اولاً۔ امام نووی کے کلام سے ہی نہیں بلکہ الفاظ حدیث اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ یہ بھی تحریم کے لئے نہیں بلکہ تنزیہ کے لئے ہے۔ حدیث کے آخری الفاظ ہیں۔

ولم یعزم علينا، اس کا معنی ہے لم یؤکد علينا فی المنع، (فتح الباری ص ۱۱۲/ج ۳ وفتح

الملمہ ص ۸۳ ج ۲)

اس معنی کو ملحوظ رکھا جائے تو حدیث کے الفاظ کا یہ معنی ہوگا کہ

ہمیں عورتوں کو جنازہ نہ پڑھنے کی ترغیب دی گئی اور تاکید کے ساتھ منع نہ کیا گیا۔

ثانیاً۔ اگر آپ لم یعزم علينا کو موقوف تسلیم کرتے ہیں تو تب بھی آپ کا استدلال باطل ہے کیونکہ صحابیہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی یہ تفسیر ہے جو فہم حدیث میں متاخرین کے اقوال سے بہر حال مقدم اور بہتر ہے لہذا آپ بیت اللہ کی چھت پر نماز کی ممانعت کو تنزیہ ثابت کرنے کے لئے راوی حدیث کی تفسیر دکھادیں۔ ورنہ آپ اس بھی کو کراہت کہہ کر جواز کا لبادہ پہنانے کا کوئی حق نہیں رکھتے، آپ کا کردار بالکل مبتدعین کا سا ہے۔ افسوس آپ بہت سی احادیث میں یہی چکر چلا کر فرمان نبوی کا انکار کر دیتے ہیں۔ جیسے مرزائی حدیث لائبریری بعدی میں نفی کمال کا چکر دے کر نبوت کے جاری ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔

ثالثاً۔ بھی کو تنزیہ پر محمول کرنا مجاز ہے اور کسی بات کو مجاز قرار دینے کے لئے قرینہ کی ضرورت ہوتی ہے، بلا دلیل بات کوئی بھی عقل مند قبول نہیں کرتا۔

کیا دھوکا کرنے سے بیع فسخ نہیں ہوتی

فرماتے ہیں:

حکیم صاحب بیع میں دھوکا منع ہے مگر ایک شخص جو دھوکا کھا جاتا ہے اسے آنحضرت ﷺ نے فرمایا، ثم لا خلاۃ کہہ دیا کرو، امام بخاری اس پر ان الفاظ سے باب باندھتے ہیں۔ ما یکرہ من الخداع فی البیع، (صحیح بخاری ص ۲۸۳ ج ۱) حافظ ابن حجر اس کا مطلب بیان کرتے ہیں کانہ اسار بہذا الی ان الخداع فی البیع مکروہ ولكنه لا یفسخ البیع، سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۳۳

الجواب: اولاً۔ حضرت امام بخاری نے (صحیح بخاری کتاب الخصومات باب (۲) من رد امر السفیہ والضعیف العقل وان لم یکن حجر علیہ الامام، الحدیث (۲۴۱۴) کے تحت لاکر یہ مسئلہ سمجھایا کہ دھوکہ دے کر جو بیع کی جائے وہ باطل ہے۔

ثانیاً۔

یہ صحابی حضرت حبان بن مہدی رضی اللہ عنہ تھے جو غزوہ احد میں شریک تھے۔ ان کے سر میں چوٹ لگی جس کی وجہ سے

عقل میں غفل آ گیا تجارت پیشہ تھا بوجہ لوگ ٹھگ لیتے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ
(فجعل له رسول الله ﷺ الخيار فيما اشترى ثلاثاً.)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے حضرت حبان رضی اللہ عنہ کے لئے بیع میں تین دن تک اختیار رکھا۔
(مستدرک حاکم ۲/۲۲۲ و بیہقی ۵/۲۷۳)

حاکم و ڈھمی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ آپ نے حافظ ابن حجر کو گواہ پیش کیا ہے ہم نے رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث پیش کر دی ہے کہ ایسی صورت میں بیع فسخ ہوتی ہے۔

الغرض بیع میں دھوکہ دے کر چیز کو ستا خرید لینا عقل و نقل کی رو سے باطل ہے اور ایسی بیع جائز ہے نہ ہی درست بلکہ باطل ہے۔ اسی دھوکے کی بیع کے سلسلہ میں مولانا محمد تقی عثمانی دیوبندی فرماتے ہیں کہ فقہاء حنفیہ نے اس حدیث کے جواب میں بہت سی تاویلات کی ہیں لیکن کوئی تاویل قابل اطمینان نہیں ہے۔ کیونکہ اس حدیث کے الفاظ بالکل واضح اور صاف ہیں اس لئے صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ بائع کو فسخ بیع کا اختیار حاصل ہے۔ (تقریر ترمذی ص ۷۷ ج ۱ طبع مین اسلامک پبلشرز، کراچی ۱۹۹۹ء)

آپ نے ہم پر شافعی گواہ پیش کیا تھا اس کے جواب میں ہم نے رسول اللہ ﷺ کے علاوہ ایک معتبر حنفی دیوبندی بھی پیش کر دیا ہے۔ امید ہے کہ اب آپ بیع کو باطل تسلیم کر لیں گے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور حدیث من قال لا اله الا الله

فرماتے ہیں کہ:

حکیم صاحب آپ نے مشکوٰۃ میں یہ حدیث پڑھی ہوگی کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا جو سچے دل سے، لا اله الا الله محمد رسول الله پڑھے، اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ کو حرام کر دیتے ہیں۔ لیکن آپ ﷺ نے حضرت معاذ کو روک دیا کہ لوگوں کو اس کی خبر نہ دینا اس روک کے باوجود حضرت معاذ نے موت کے وقت یہ حدیث سنا دی بلکہ اس کے نہ سنانے کو گناہ سمجھا (مشکوٰۃ) حکیم صاحب آنحضرت ﷺ نے جس سے روک دیا تھا اس کو سنانا ہی رسول پاک کی کیا کم مخالفت تھی لیکن اب نہ سنانے کو گناہ سمجھنا یہ تو انتہا ہو گئی۔ سبیل الرسول پر ایک نظر
ص ۳۵

الجواب: اولاً۔ یہ بات احکام کی ہو رہی ہے اور آپ کی بیان کردہ مثال کا تعلق علم و بشارت سے ہے۔ اور ان دونوں میں مشرق و مغرب کا فرق ہے۔

زید کا والد سکول میں نیچر تھا، اسے بخوبی معلوم ہے کہ میرا بیٹا لائق اور قابل ہے اور یقیناً وہ امتحان میں ممتاز پوزیشن میں کامیاب ہوگا، مگر یہ بات وہ اپنے بیٹے کو نہیں کہے گا۔ کیونکہ اسے یہ خدشہ ہوگا کہ کہیں یہ محنت ہی نہ چھوڑ

دے، یہی اس حدیث کا مفہوم ہے جیسا کہ علامہ نووی نے (شرح مسلم ص ۴۶ ج ۱) میں لکھا ہے اس کے برعکس اگر سکول سے بچے کو ہوم ورک ملا تھا تو اس کے متعلق ضرور ہدایات دے گا کہ بیٹے اسے کر لو، امتحان میں آپ کے کام آئے گا، حالانکہ اسے یقین ہوتا ہے کہ بیٹا اچھی پوزیشن میں پاس ہوگا۔

پہلا عمل خیانت نہیں اور دوسرا کذب نہیں۔ ایسا ہی نبی مکرم ﷺ کا منع فرمانا اس وجہ سے تھا کہ کہیں لوگ صرف کلمہ پڑھ لینے کو ہی نجات کے لئے کافی نہ سمجھ لیں اور اعمال صالحہ کو ترک کر دیں۔ جیسا کہ (مسلم ۱۳۷) کی حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میں اس کی وضاحت بھی مروی ہے بلکہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی اس کی صراحت ہے کہ جب حضرت معاذؓ نے لوگوں کو بتانے کی اجازت طلب کی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ لا تبشروہم فیتکلوا (بخاری ۲۸۵۶ و مسلم ۱۴۴)

یعنی لوگ محض کلمہ پڑھ لینے پر بھروسہ کر لیں، اس سے ثابت ہوا کہ یہ ممانعت محض مصلحت وقت کی وجہ سے تھی اور اس کے وقتی اور مصلحتی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے خاص خاص متعدد صحابہ کو یہ خوش خبری سنائی ہے جن کی تعداد کم و بیش تیس کے لگ بھگ ہے اگر اس کا بیان کرنا حرام ہوتا تو رسول اللہ ﷺ قطعاً اس کے مرتکب نہ ہوتے، یہ بات ملحوظ رہے کہ دین میں، مصلحت وقت، کی بھی ایک اہمیت ہے۔ غالباً اس سے کوئی عالم تو انکار نہیں کرے گا کیونکہ (بخاری ص ۲۱۵ ج ۱ مسلم ص ۴۲۹ ج ۱) میں مصلحت کے تحت بیت اللہ کے دو دروازے نہ لگانے کی صحیح حدیث موجود ہے۔

عورتوں کی امامت کا مسئلہ

ماسٹر امین صاحب ادھر ادھر کی فضول بھرتی کرتے ہوئے آخر اپنی راگ کی تان اس پر توڑتا ہے کہ حکیم صاحب نے ابو داؤد امامۃ النساء سے حضرت ام ورقہ کی حدیث نقل کی حکیم صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ یہ حدیث صحیح نہیں، اس کی سند میں ایک راوی محمد بن فضیل ہے جو سچا تو ہے مگر مذہباً شیعہ ہے دوسرا راوی ولید بن عبد اللہ بن جعج ہے جو سچا تو ہے مگر وہم کا مریض اور مذہباً شیعہ ہے، تیسرا راوی عبد الرحمن بن خلاد ہے جو مجہول ہے۔

سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۳۶

الجواب: اولاً۔ محمد بن فضیل بخاری و مسلم کا راوی ہے کوئی ادنیٰ سا کلمہ جرح بھی راقم بھی کو کتب رجال سے ان کے حق میں نہیں ملا۔ خود ماسٹر امین نے ان کو صدوق لکھ کر تعدیل کر دی ہے۔ رہا ان کا شیعہ تو یہ خالص افتراء ہے ہاں کتب رجال میں انہیں تشیع ضرور کہا ہے علم سے کورا اور عقل سے پیدل ماسٹر امین نے اس کا مطلب شیعہ سمجھ لیا ہے اس نالائق کو جب علم رجال سے اتنی ہی واقفیت تھی تو کس پاگل نے اسے سبیل الرسول کا جواب تحریر کرنے پر مجبور کیا تھا۔

واضح رہے کہ متقدمین کی اصطلاح میں تشیع کا مفہوم محض غلبہ محبت علی رضی اللہ عنہ ہے، تفصیل کے لئے راقم کی تالیف دین الحق ص ۱۰ اور مولوی سرفراز صفدر کی کتاب ارشاد الشیعہ کا مطالعہ کریں۔

ثانیاً۔ محمد بن فضیل کے متعدد ثقہ متابع موجود ہیں (۲) (ابو نعیم مسند احمد ۵/۶ مقروء بیہقی ۱۳۰/۳) (۲) عمر بن شبہ سنن دارقطنی ۱/۲۷۹ (۳) عبد اللہ بن داؤد مستدرک ۱/۲۰۳۔

ثالثاً۔ ولید بن عبد اللہ سے امام مسلم نے روایت لی ہے ابن معین اور عجل نے ثقہ کہا ہے امام ابو حاتم نے صالح الحدیث قرار دیا ہے امام احمد اور ابو داؤد نے ولیس بہ باس کہا ہے (تہذیب ص ۱۳۸ ج ۱۱) رابعاً۔ متدرک حاکم وغیرہ کی سند میں، عبد الرحمن غلام، کی متابعت، یحییٰ بنت مالک راویہ نے کی ہے۔ علاوہ ازیں عبد الرحمن تابعی ہے اور خیر القرون کا مجہول راوی آپ کے نزدیک حجت ہے۔ تجلیات صفدر ص ۱۷۷ ج ۴۔ الغرض اس حدیث پر جملہ اعتراض غلط و باطل ہیں متعدد آئمہ فہن نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ تفصیل حاشیہ نمبر ۷ میں گزر چکی ہے علامہ نیوی حنفی دیوبندی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ (آثار السنن ص ۱۶۴)

دوسرا عذر

لکھتا ہے کہ حدیث میں حضور ﷺ کا امر موجود ہے، امر وجوب کے لئے ہوتا ہے، تو غیر مقلدین کا فرض ہے کہ ہر گھر میں عورت کی امامت کو واجب قرار دیں یہ اجازت کا لفظ حدیث کے کس لفظ کا ترجمہ ہے سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۳۶۔

الجواب: اولاً، ہر امر سے وجوب ثابت نہیں ہوتا، (صحیح بخاری ۶۰۷۔ صحیح مسلم ۸۳۸) میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی مکرم ﷺ کی طرف سے حضرت بلال کو اکہری تکبیر اور دوہری اذان کہنے کا حکم دیا گیا۔ لیکن حنیفہ کے نزدیک اکہری اقامت واجب تو کجاست بھی نہیں، علاوہ ازیں اذان کہنے کا تو حکم دیا گیا ہے، حالانکہ احناف کے نزدیک اذان واجب نہیں بلکہ سنت ہے، تجلیات صفدر ص ۱۴۲ ج ۲۔

ثانیاً۔ حدیث میں ایسے یقیناً موجود ہیں جن کا معنی، اجازت ہے سنن ابو داؤد میں حدیث امام ورقہ بنت نوفل رضی اللہ عنہا میں ہے۔

فاستاذنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان تتخذ فی دارھا مؤذنا فاذن لھا، (ابو داؤد کتاب الصلاة باب امامة النساء الحديث ۵۹۱)

اس حدیث پر غور کیجئے کہ اس میں لفظ "فاذن" موجود ہے تمام کتب لغت میں اس کا معنی اجازت ہی لکھا ہے ہاں دیوبندی لغت میں اس کا معنی واجب لکھا ہو تو بعید نہیں کیونکہ اس فرقہ کی اکثریت عقل و خرد سے یکسر خالی اور بغض و تعصب سے لبریز ہے، واضح رہے کہ عورت کی امامت کے سلسلہ میں حکیم صاحب نے جو بھی بحث کی ہے اس میں

سرے سے اجازت کا لفظ ہی نہیں یہ اوکاڑوی کا جھوٹ ہے۔

تیسرا عذر

فرماتے ہیں کہ پھر حکیم صاحب کو مندرجہ ذیل احادیث جو کلیہ قاعدہ کی حیثیت رکھتی ہیں نظر کیوں نہیں آئیں۔
عن عائشة ان رسول الله ﷺ قال لا خير في جماعة النساء الا في المسجد وفي جنازة قتيل، (رواه احمد وطبرانی مجمع الزوائد ص ۱۵۵ ج ۱)
حضرت علی فرماتے ہیں

لا تؤم المرأة المدونة الكبرى (ص ۸۶ ج ۱)، اور حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا خیر صفوف الرجال اولها وشرها آخرها وخیر صفوف النساء آخرها وشرها اولها، (مسلم ص ۱۸۲ ج ۱)

عورت کے لئے تو مقتدی بن کر بھی اگلی صف میں کھڑے ہونا منع ہے پھر اس کی امامت کیسے جائز ہوگی۔
حکیم صاحب جب گھر کے مرد عورت کے مقتدی بنیں گے تو ان پر امام صاحبہ کی اطاعت واجب ہوگی یا نہیں اگر وہ اطاعت کریں گے تو حضرت کا فرمان ہے، هلکت الرجال حين اطاعت النساء (رواه احمد والحاكم وقال صحيح الاسناد)
ہماری پیش کردہ حدیث سے پتہ چلا کہ عورت کی جماعت میں کوئی خیر نہیں اور خیر سے خالی ہونا ہی دلیل کراہت ہے۔

سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۳۶ و ۳۷

الجواب: اولاً۔ اس کی سند میں ابن لہیعہ راوی ہے۔

(مسند احمد ۶/۶ و ۱۵۳ و طبرانی الاوسط ص ۱۶۶ ج ۱۰ رقم الحدیث ۹۳۵۵۔ والعلل المتناہیہ ص ۳۱۶ ج ۲) اور دیوبندیوں کے نزدیک یہ ضعیف ہے (احسن الکلام ص ۶۳ ج ۲) کیونکہ اس سے نماز میں فاتحہ پڑھنے کی حدیث آتی ہے مگر یہاں مطلب برآری کے لئے اس کی حدیث سے استدلال کر لیا ہے انا للہ وانا الیہ راجعون امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ محدثین کے نزدیک جب اس سے، عبد اللہ بن وہب عبد اللہ بن مبارک، ابن یزید، اور ابن مسلمہ روایات نقل کریں تو تب اس کی حدیث صحیح ہوتی ہے۔ (میزان ص ۳۸۲ ج ۲ و تہذیب ص ۳۷۹ ج ۵) دراصل اس کے گھر آگ لگ گئی تھی جس کی وجہ سے اس کی کتب جل گئیں اور حافظہ بگڑ گیا تھا۔

اور مذکورہ چار شاگرد چونکہ قدیم السماع ہیں اس لئے ان کی روایات بھی صحیح ہیں جبکہ بقیہ کی نہیں اور زیر بحث

روایت میں ان سے روایت کرنے والا راوی ابوصالح الحمدانی وغیرہ ہیں، اس لئے یہ روایت صحیح نہیں، امام ابن جوزی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

ثانیاً۔ ماسٹر امین نے اپنے ضعیف قرار دیئے ہوئے راوی کی روایت سے استدلال تو کر لیا مگر حدیث کا ترجمہ جان بوجھ کر چھوڑ دیا، روایت کے آخری الفاظ ہیں کہ الانی مسجد فی جنازۃ قتیل مگر مسجد اور مقتول کے جنازہ میں۔ یہ فقرہ ادا احتمال رکھتا ہے۔

(الف) عورت مسجد میں اور مقتول کے جنازہ کی امامت کروا سکتی ہے۔

(ب) عورت مسجد کی جماعت اور مقتول کے جنازہ میں شرکت کر سکتی ہے۔

ان دونوں احتمالوں میں سے پہلا احتمال ہمارے نزدیک راجح ہے کیونکہ حرف، الا استثنیٰ کے لیے آیا ہے اور حدیث کے پہلے فقرے میں جماعت میں شامل ہونے کا بیان نہیں بلکہ امامت کروانے کا ذکر ہے۔ لہذا ثابت یہ ہوا کہ عورت گھر میں تو نہیں بلکہ مسجد اور مقتول کے جنازہ کی امامت کروا سکتی ہے۔ لیجئے جناب کہتے ہیں نماز معاف کروانے گئے اور روزے گلے پڑ گئے۔

ثالثاً۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر کی صحیح سند پیش کیجئے۔ ویسے موقوف روایت سے مرفوع کا رد نہیں ہوتا۔

رابعاً۔ مسلم کی حدیث ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ امامت کے متعلق نہیں بلکہ صفیں بنانے کے بارے میں ہے امامت اور صف بندی کے فرق کو بھی جو لوگ نہیں جانتے وہ عقل سے یقیناً پیدل ہیں۔

خامساً۔ مسند احمد اور مستدرک کی روایت کا تعلق بھی امامت سے نہیں، غالباً ماسٹر صاحب اقتداء اور اطاعت کو مترادف الفاظ سمجھ بیٹھا ہے، حالانکہ ان کے درمیان شرق و مغرب کا فرق ہے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث ۹۵۲) میں ہے کہ نبی مکرم ﷺ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نماز ادا کی، تو کیا رسول اللہ ﷺ اپنے امتی کی اطاعت کرتے تھے۔ کاش آپ نے قرآن پڑھا ہوتا، ارشاد ہوتا ہے۔

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ (النساء: ۶۴)

یعنی کوئی رسول بھی ہم نے نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

مگر ماسٹر امین رسول اللہ ﷺ کو عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی اطاعت کروا رہا ہے اللہ کا ذکر نہیں تو بدنامی کا ہی خوف کیجئے۔

سادساً۔ ہلکت الرجال حین اطاعت النساء کی روایت ضعیف ہے۔ اس کی سند میں، بکار بن عبدالعزیز راوی ہے (مسند احمد ص ۳۵ ج ۵ مستدرک ص ۲۹۱ ج ۴)۔ ابن معین فرماتے ہیں بیچ محض ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں ضعیف راویوں میں سے ہے علامہ ذہبی نے، میزان میں اور البانی نے ضعیف قرار دیا ہے (الضعیفہ

واضح رہے کہ صحیح حدیث میں خلافت کا ذکر ہے، لن یفلح قوم ولوا امرہم امراء، (بخاری رقم الحدیث ۴۲۲۵ و ۷۰۹۹)

اگر تمام دینی و دنیاوی معاملات میں عورت کی اطاعت باعث ہلاکت ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا صحابہ کرام دینی مسائل میں ام المؤمنین کی طرف رجوع نہیں کرتے تھے۔ اگر کرتے تھے یقیناً کرتے تھے تو وضاحت کیجئے کہ صحابہ کرام کا اخروی معاملہ کیا ہے، دیوبندیوں اپنی پوزیشن صاف کرو۔

جلدی سے اس بات کا انکار نہ کر دینا، کیونکہ حقائق کے برعکس چلنا آپ کا دین و مذہب ہے مدینہ کے معروف عالم دین امام قاسم فرماتے ہیں کہ

كانت عائشة قد استقلت بالفتوى فما خلافة ابى بكر وعمر و عثمان وهلم جرا الى ان ما تفرحهم الله، (طبقات ابن سعد ص ۲۶ ج ۲ قسم ۲)

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ہی مستقل افتاء کا منصب حاصل کر چکی تھیں، حضرت عمر حضرت عثمان اور ان کے بعد آخر زندگی تک وہ برابر فتوے دیتی رہیں۔

عورت امامت کے وقت کہاں کھڑی ہو

ماسٹر امین لکھتا ہے:

حکیم صاحب نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ سے جو روایت نقل کی ہے۔ اولاً تو وہ صحیح نہیں کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی لیث بن ابی سلیم ہے جو ضعیف ہے۔ دوسرے اس طریقہ کی تائید آنحضرت ﷺ سے ہرگز ثابت نہیں اور جماعت کے وقت مقتدیوں کے درمیان ہونا بالاتفاق مکروہ ہے۔

سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۳

الجواب: اولاً۔ لیث پر جرح کا جواب تو حاشیہ نمبر ۷۲ میں گزر چکا ہے کہ اس اثر کی متعدد دیگر صحیح اسناد بھی موجود ہیں، قارئین کرام ورق الٹ کر ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

ثانیاً۔ اس کے علاوہ بھی یہ اثر ثابت ہے حمیرہ بنت حصین فرماتی ہیں کہ ہمیں حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عصر کی نماز پڑھائی، قامت بینا ہمارے درمیان کھڑی ہوئیں (مصنف عبدالرزاق ص ۱۴۰ ج ۳۔ ۵۰۸۲۔ و بیہقی ص ۱۳۱ ج ۳)

ربطۃ الحنفیۃ فرماتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عورتوں کو فرض نماز پڑھائی اور امامت کراتے وقت، قامت بینھن ان کے درمیان کھڑی ہوئیں۔ (مصنف عبدالرزاق ص ۱۴۱ ج ۳۔ ۵۰۸۷) و بیہقی ص ۱۳۱ ج ۳

علامہ نیموی حنفی دیوبندی نے ان دونوں آثار کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ (آثار السنن ص ۱۶۴)

یہی فتویٰ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے۔ (مصنف عبدالرازق ص ۱۴۰ ج ۳ (۵۰۸۳) و بیہقی ص ۱۳۱ ج ۳) لہذا آپ کا اتفاق کا قطعاً باطل و مردود ہے۔

ثانیاً۔ کسی حدیث مرفوعہ سے ثابت نہیں کہ عورت امامت کراتے وقت آگے کھڑی ہو، اگر آپ اپنے دعویٰ میں صادق ہیں تو دلیل بیان کیجیے محض آپ کے زبانی دعویٰ کی حیثیت دمری کی بھی نہیں۔

نابالغ کی امامت کا مسئلہ

فرماتے ہیں کہ حکیم صاحب نے سبیل الرسول میں بچے کی امامت کا مسئلہ ذکر کیا ہے کہ حدیث سے بچے کی امامت جائز ہے۔ اور فقہ ناجائز کہتی ہے۔ لیکن بچے کی امامت کے جواز میں نہ تو وہ آنحضرت ﷺ کا حکم پیش کر سکے کہ بالغ مرد نابالغ بچے کو اپنا امام بنالیا کریں نہ حضرتؐ کا فعل ثابت کر سکے کہ خود آنحضرت ﷺ نے کسی نابالغ بچے کو مردود کا امام بنایا ہو اور نہ یہ ثابت کر سکے ہیں کہ عمرو بن سلمہ سات سالہ بچے کی امامت کا حضور کو علم ہوا اور آپ خاموش رہے۔ ویسے عوام کو دھوکہ دینے کے لئے یہ جھوٹ لکھ دیا ہے کہ حضور ﷺ کو علم ضرور تھا اور آپ نے سکوت فرمایا یہ بالکل غلط ہے حکیم صاحب نے بخاری کا حوالہ دیا ہے مگر بخاری میں یہ ہرگز مذکور نہیں، عمرو بن سلمہ کے خاندان کے لوگ جب مسلمان ہوئے تو انہوں نے حضرت کا حکم سنا کہ جو زیادہ قرآن پڑھا ہو اس کو امام بناؤ، انہوں نے اپنی رائے سے عمرو بن سلمہ کو امام بنالیا، اس حال میں کہ عمرو بن سلمہ کی چادر پھٹی ہوتی تھی جس کی وجہ سے چوڑے رنگے ہوتے تھے، پیچھے نماز پڑھنے والی عورتوں نے کہا کہ امام صاحب کے چوڑے تو چھپا دو (ابوداؤد) حکیم صاحب نے پورا واقعہ اس لئے نقل نہیں کیا کہ اس حدیث سے استدلال کی صحت سے ستر عورت کا وجوب بھی ختم ہو جاتا ہے، اور احناف کی ضد میں ان کے آئمہ مساجد کو چوڑے رنگے کر کے نماز پڑھانی پڑتیں۔ سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۳۹۔

الجواب: اولاً، حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کے والد جب نبی مکرم ﷺ کے پاس بیع اپنی قوم بغرض قبول اسلام تشریف لے گئے تو واپسی پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ

صلوا صلوٰۃ کذا فی حین کذا وصلوا کذا فی حین کذا، فاذا حضرت الصلوٰۃ فلیؤذن احدکم ولیومکم اکثرکم قرآنا۔

فلاں نماز فلاں وقت پر پڑھو اور فلاں نماز فلاں وقت پر، اور جب نماز کا وقت آجائے تو تم میں سے ایک اذان دے اور جس کو زیادہ قرآن یاد ہو وہ نماز پڑھائے۔

اس سے ثابت ہوا کہ عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی قوم جب واپس تشریف لائی تب رسول اللہ ﷺ نے انہیں نماز کے موئے موئے مسائل سمجھا کر رخصت کیا، اور انہوں نے انہی ہدایات پر عمل کیا اور قرآن سب سے زیادہ عمرو بن سلمہ

ﷺ کو یاد تھا ان کو ہی امام بنالیا۔

اگر اس بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ ان صحابہ کرام کا اجتہاد تھا حکم نبوی ﷺ کی بنا پر ان لوگوں نے عمرو بن سلمہ ﷺ کو امام مقرر نہیں کیا تھا تو تب بھی ہمارا مدعا واضح ہے، کیونکہ یہ نبی مکرم ﷺ کی زندگی میں صحابہ کا اجتہاد تھا، اگر یہ غلط ہوتا تو اس سلسلہ میں وحی نازل ہوتی اس لئے کہ نماز دین کا اہم معاملہ ہے۔ جیسا کہ نبی ﷺ کی جوتی پر ناپاکی لگی ہوئی تھی تو عین حالت نماز میں جبریل وحی لے کر آ گئے۔

(ابوداؤد ص ۹۵ ج او بیہقی ص ۴۳۱ ج ۲ و دارمی ص ۳۷۰ ج او مسند احمد ص ۴۱۱ ج ۳ و ۹۲ و ۲۰ و مسند طیالسی (۲۱۵۴) و مستدرک ص ۲۶۰ ج ۱)

ثانیاً۔ حدیث میں پھٹی چادر کا نہیں بلکہ چھوٹی چادر کا ذکر ہے عمرو بن سلمہ ﷺ کہتے ہیں کہ

وكانت علی یردة اذا سمرت تقلصت عني

یعنی میرے تن پر صرف ایک چادر تھی جب میں سجدہ کرتا تو وہ سمٹ جاتی، (بخاری کتاب المغازی رقم الحدیث ۴۳۰۲)

عورت کی توجہ دلانے پر لوگوں نے عمرو بن سلمہ کو قیص بنوا کر دی، اس سے ثابت ہوا کہ نماز کی شرائط وغیرہ کا بھی انہیں علم تھا تب ہی عورت نے توجہ دلائی تھی، اور صحابہ نے نئی قیص بنا کے دے دی رہا ماسٹر امین کا یہ اعتراض کہ توجہ دلانے سے پہلے تو صحابی کے چوڑے ننگے ہوتے تھے بھائی یہ لاعلمی کے وقت ہوا جب علم ہوا تو نئی قیص بنوا کر دی گئی۔

پہلا عذر

ماسٹر امین لکھتا ہے آنحضرت ﷺ بچے کو امام بننے کی تو کیا اجازت دیتے وہ بچے کو کچھلی صف سے آگے بڑھنے کی بھی اجازت نہیں دیتے، عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ لا یقدم الصف الاول اعرابی ولا اعجمی ولا غلام لم یحتلم (مسند دارقطنی ص ۳۹۸ ج ۱، سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۳۹ و ۴۰)

الجواب: اولاً۔ اوکاڑوی صاحب نے مطلق بچے کی امامت سے انکار کر دیا ہے حالانکہ ماوراء النہر اور مشائخ بلخ کے تمام حنفیوں کے نزدیک نوافل میں بچہ امامت کرا سکتا ہے (مرقاۃ ص ۸۹ ج ۳) بلکہ حنفیہ خاص کر دیوبندیوں کے نزدیک اگر نابالغ بچہ فرائض میں بھی نابالغ بچوں کی امامت کرائے تو جائز ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری ص ۴۴ ج او خیر الفتاویٰ ص ۳۵۳ ج ۲)

یہ بات ملحوظ رہے کہ نابالغ بچہ جب نماز کے مسائل سے واقف ہو اور نماز صحیح مسنون طریقہ سے ادا کر سکتا ہو

اور قرآن کے حروف کو باقاعدہ اصول تجوید کے مطابق ادا کر سکتا ہو تو اس کی امامت بالکل جائز ہے، ماسٹر امین نے لاعلمی کی وجہ سے مغالطہ کھایا ہے یا جان بوجھ کر مغالطہ دیا ہے۔ اصل اختلاف بچے کی امامت میں نہیں بلکہ اصل اختلاف متطفل کی اقتداء میں فرائض ادا کرنے کے ہیں، جس کی وجہ سے انہیں نابالغ کی اقتداء میں نماز پڑھنے میں تاہل ہے۔ فتاویٰ شامی و امداد الفتاویٰ ص ۲۳۸ ج ۱ کیونکہ احناف کے نزدیک نابالغ پر نماز فرض نہیں۔

حالانکہ اولاد کو دس برس کی عمر میں نماز چھوڑنے پر مارنے کا حکم ہے۔ (ابوداؤد (۳۹۵ و ۳۹۶) مسند احمد ص ۱۸۰ و ۱۸۷ ج ۲ و دارقطنی ص ۲۳۰ ج ۱ و مستدرک ص ۹۷ ج ۱۔ و بیہقی ص ۸۴ ج ۳) الغرض دس برس کی عمر میں نماز فرض ہو جاتی ہے بلکہ دس برس کا لڑکا نابالغ نہیں نابالغ ہوتا ہے، مزید تحفہ حنفیہ ص ۳۲۸ کی مراجعت کریں۔

ثانیاً۔ آپ نے جو روایت پیش کی ہے اس کا ترجمہ کیونکر نہیں کیا؟ غالباً آپ کا ضمیر بھی اس پر ملامت کر رہا ہو گا۔ سنئے روایت کے الفاظ کا معنی ہے۔

آخری صف سے آگے نہ بڑھے، دیہاتی، عجمی، اور نابالغ لڑکا، وضاحت کیجئے کہ آپ کے نزدیک دیہاتی اور عجمی (غیر عربی) بھی امامت کے اہل ہے کہ نہیں، دیوبندیو! اگر اس حدیث کو مانتے ہو تو اپنی مساجد میں کسی دیہاتی اور غیر عربی کی اقتداء میں نماز نہ پڑھا کرو، لیجئے جناب اس سے بچنے کی امامت ہی نہیں بلکہ، مولانا محمود حسن خاں شیخ الہند، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا قاسم علی نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مفتی محمد شفیع، مفتی رشید احمد، مولانا تقی عثمانی، مولانا سرفراز خاں صفدر وغیرہ جید اور نامور علماء دیوبند کی امامت بھی ناجائز ہوتی ہے کیونکہ یہ تمام عجمی الاصل ہیں۔

ثالثاً۔ اس کی سند میں لیث بن ابی سلیم راوی ہے، (سنن دارقطنی ص ۲۸۱ ج ۱) اور یہ بالاتفاق ضعیف ہے خود ماسٹر امین نے سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۳۷ میں اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ لیث سے روایت کرنے والا راوی، عبید اللہ بن سعید، محمول ہے (العلل المتناہیہ ص ۴۲۸ ج ۱)

دوسرا عذر

لکھتے ہیں اہل طائف نے نماز تراویح میں ایک بچے کو امام بنالیا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو بطور خوش خبری یہ بات لکھی حضرت عمر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تمہیں ہرگز نہیں چاہئے کہ لوگوں کا امام ایسے بچے کو بناؤ جس پر حدود واجب نہیں۔ (عبدالرزاق ص ۳۹۸ ج ۲)

سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۴۰

الجواب: اولاً، اس کی سند میں عبدالعزیز عمر، ہیں جن کی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے ملاقات ثابت نہیں جو اس

بات کا مدعی ہے وہ دلیل دے۔

ثانیاً۔ کسی بچے کو امام بنایا گیا اس کے متعلق (عبدالرزاق ص ۳۸۴۸) میں وضاحت ہے کہ یہ محمد بن ابی سہید ہیں اور یہ بالاتفاق مجہول ہیں (تقریب ص ۳۰۱)

ثالثاً۔ امام محمد اور علماء بلخ کے نزدیک بچے کی امامت تراویح اور سنن وغیرہ میں جائز ہے۔ (ہدایۃ مع فتح القدیر ص ۳۱۰ ج ۱)

تیسرا عذر

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب نے ہمیں منع فرمایا کہ تھا کہ ہم امامت اس حال میں کرائیں کہ قرآن پاک مصحف سے دیکھ کر پڑھ رہے ہوں اور ہمیں منع فرمایا کہ ہم کسی نابالغ کو امام بنائیں۔ (کنز العمال ص ۲۳۶ ج ۴)

سمیل الرسول پر ایک نظر ص ۴۰۔

الجواب: اولاً، یہ روایت (کنز الاعمال ص ۱۲۵ ج ۸ رقم الحدیث ۲۲۸۳۲) میں بحوالہ ابن ابی داؤد مروی ہے صاحب کنز العمال نے مقدمہ کنز میں صراحت کی ہے اور اس جیسی کتابوں کی نسبت کرنا ہی ضعف کے لئے کافی ہے۔

ثانیاً۔ جو اس کی صحت کا مدعی ہے وہ سند بیان کرے۔

ماسٹر صاحب فرماتے ہیں کہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لڑکا اس وقت تک امام نہ بنے جب تک اس پر حدود واجب نہ ہوں۔ رواہ الاثرم فی سننہ کذا فی المستفی، (اعلاء السنن ص ۲۸۲ ج ۴) سلیل الرسول پر ایک نظر ص ۴۰۔

الجواب: اولاً، علامہ البانی فرماتے ہیں کہ اس کتاب پر میں مطلع نہیں ہو سکا، المکتبہ الطہارۃ میں کتاب الطہارۃ کا حصہ موجود ہے۔ اور نہ ہی میں اس بات پر مطلع ہو سکا ہوں کہ کسی نے اس کی سند پر بحث کی ہو، ہاں البتہ یہ عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کے اثر کے خلاف ہے جو حکماً مرفوع ہے اور امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ کسی صحابی سے اس کی مخالفت ثابت نہیں، جس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ یہ ضعیف ہے، (ارواء الغلیل ص ۳۱۳ ج ۲-۵۳۲)

الغرض جو اس کی سند کا مدعی ہے وہ اثبات دعویٰ کے لئے صحیح یا حسن سند درج کرے۔

ثانیاً۔ احناف کا یہ مؤقف ہے کہ چونکہ بچے کی نماز نفل ہوتی ہے اور مقتدی کی نماز فرض ہوتی ہے۔ لہذا مقتفل کی اقتداء میں فرض جائز نہیں ہیں۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ بچے پر نماز کس وقت فرض ہوتی ہے۔ بلوغت پر یا اس سے قبل؟ ماسٹر صاحب کے پہلے عذر کے جواب میں ایک صحیح حدیث نقل کی جا چکی ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ بچے پر

دس برس کی عمر میں نماز فرض ہو جاتی ہے، لہذا نابالغ کی اقتداء میں نماز ادا نہ کرنے پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔
 ثالث۔ فقہ حنفی میں دو قول مروی ہیں ۱۹ سال اور ۱۵ سال اور فتویٰ پندرہ سال پر ہے لہذا قرآن وحدیث اقوال
 صحابہ سے اس بات کا ثبوت دیجئے کہ اس سے قبل بچے کی اقتداء میں نماز درست نہیں ہے۔

پانچواں عذر

ماسٹر صاحب فرماتے ہیں

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ لڑکا جب تک بالغ نہ ہو امام نہ بنے، (عبدالرازق ص ۳۹۸ ج ۲)
 سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۴۰۔

الجواب: اس کی سند میں داود بن الحصین راوی ہے جو امام عکرمہ سے روایت کر رہا ہے اور امام علی بن مدینی
 اور امام ابو داود فرماتے ہیں کہ داود بن حصین کی عکرمہ سے روایت منکر ہے۔ (تہذیب ص ۱۸۱ ج ۳ و میزان ص
 ۵ ج ۲) حافظ ابن حجر نے فتح الباری ص ۱۴۷ ج ۱ میں اس کو ضعیف قرار دیا ہے اور مولانا ظفر احمد تھانوی نے (اعلاء
 السنن ص ۲۹۸ ج ۴) میں اس کے ضعف کو تسلیم کیا ہے۔

چھٹا عذر

ماسٹر امین لکھتا ہے کہ:

مکہ مکرمہ کے مفتی عطاء فرماتے ہیں لڑکا امامت نہ کرائے جب تک بالغ نہ ہو، (ص ۳۹۸ ج ۲)
 سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۴۰۔

الجواب: اولاً، یہ تابعی کا فتویٰ ہے اور امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ

واما اذا انتهی الامر الی ابراہیم والشعبی والحسن وعطاء فاجتهد كما اجتهدوا

(مناب الامام ابی حنیفہ ص ۲۰)

یعنی جب معاملہ ابراہیم، شعبی، حسن اور عطاء (وغیرہ تابعین) کی طرف آیا تو جیسے انہوں نے اجتہاد کیا اسی
 طرح میں بھی اجتہاد کرتا ہوں۔

جب امام ابو حنیفہ کے نزدیک تابعین کے اقوال ہی سرے سے حجت ہی نہیں تو پھر ان کے مقلدین کو کیا حق
 ہے کہ وہ تابعین کے اقوال کو فریق مخالف پر بغرض حجت نقل کریں۔

ثانیاً۔ اس کی سند میں ابن جریج ہیں جو بدترین قسم کی تدلیس کرتے ہیں۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ کانیدلس ویرسل (تقریب ص ۲۱۹)

امام دارقطنی فرماتے ہیں:

شرالتدلیس تدلیس ابن جریج فانہ قبیح التدلیس، لا یدلس الا فیما سمعہ من

معجروح

بدترین تدلیس ابن جریج کی ہے کیونکہ وہ قبیح التدلیس ہیں وہ صرف اسی روایت میں تدلیس کرتے ہیں جو انہوں نے معجروح راوی سے سنی ہو، (طبقات المدلسین ص ۴۱)
جبکہ زیر باعث روایت میں تحدیث کی صراحت نہیں بلکہ صیغہ عن سے مروی ہے لہذا یہ امام عطاء سے ثابت نہیں۔

ساتواں عذر

ماسٹر صاحب فرماتے ہیں حضرت عمر بن عبدالعزیز امام فہمی، امام مجاہد فرماتے ہیں کہ لڑکا جب تک بالغ نہ ہو امامت نہ کرے، (ابن ابی شیبہ ص ۲۳۳، سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۴۰)
الجواب: اولاً، بلاشبہ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۳۹ ج ۱) کتاب الصلوات باب فی امامۃ الغلام قبل ان یحتلم میں امام مجاہد سے یہی منقول ہے کہ نابالغ امامت نہ کرائے مگر امام ابراہیم اور امام حسن بصری سے جواز کا قول منقول ہے۔ مصنف میں ہے، لا بأس ان یؤم الغلام قبل ان یحتلم اور امام ابراہیم کے قول کے ساتھ فی شہر رمضان کے الفاظ زیادہ مروی ہیں، اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام ابراہیم کے نزدیک تراویح میں اور امام حسن بصری کے نزدیک فرائض و نوافل میں نابالغ کی امامت درست ہے۔ مگر ماسٹر امین مصنف کے حوالے سے اس کے برعکس نقل کرتا ہے جو مصری جھوٹ ہے۔

ثانیاً۔ امام عبدالعزیز سے مصنف میں کوئی ایسا فتویٰ منقول نہیں، واضح رہے کہ انہوں نے صرف امام فہمی سے فتویٰ نقل کیا ہے۔

ثانیاً۔ اس کی سند میں واصل بن جمیل (مصنف میں تصحیف سے واصل بن ابی بکر ہے) راوی ہے امام ابن معین فرماتے ہیں کہ بیچ محض ہے اور امام بخاری فرماتے ہیں مجاہد سے مرسل روایت کرتا ہے۔ (میزان ص ۳۲۸ ج ۴)

آٹھواں عذر

ماسٹر صاحب فرماتے ہیں۔

ابراہیم نخعی (صحابہ و تابعین) اس سے کراہت کرتے تھے کہ لڑکا بالغ ہونے سے پہلے امام بنے، (المدونۃ الکبریٰ ص ۸۵ ج ۱ سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۴۰)
الجواب: اولاً، پہلے گذر چکا ہے کہ ابراہیم نخعی کے نزدیک نوافل تراویح وغیرہ میں بچے کی امامت جائز ہے خود

حنفیہ کے اکابر بھی مذکورہ قول کو اس پر محمول کرتے ہیں۔ (اعلاء السنن ص ۲۹۹ ج ۴)

ثانیاً۔ اس کی سند میں سفیان ثوری ہیں جو تدریس کرتے ہیں، میزبان میں ہے، یدلس عن الضعفاء یعنی ضعیف راویوں سے تدریس کرتے ہیں۔ مسئلہ آئین میں تمام حنفیہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو امام سفیان ثوری کی تدریس کے بہانے رد کرتے ہیں دیکھئے، (آثار السنن ص ۲۶ او اعلاء السنن ص ۲۵۳ ج ۲۔ و معارف السنن ص ۴۲۰ ج ۲ و درس ترمذی ص ۵۲۱ ج ۱) دیکھئے حنفی دیوبندی۔ یہاں بھی سفیان کی تدریس کو تسلیم کر کے روایت کو ضعیف کہتے ہیں یا نہیں؟ کیونکہ سند میں تدریس ہے۔

نواں عذر

آنحضرت ﷺ نے امام کو خاص فرمایا ہے، (احمد طبرانی مجمع الزوائد ص ۱۴۳ ج ۱)، اب اگر امام کی نماز نفل ہوگی اور مقتدی کی فرض ہوگی تو وہ ضامن کیسے بنے گا اور ظاہر ہے کہ نابالغ بچے کی نماز نفل ہوتی ہے اور مردوں کی فرض تو وہ کیسے امام بن سکتا ہے معلوم ہوا کہ اس مسئلے کو خلاف حدیث کہنا حکیم صاحب کی جہالت کا کرشمہ ہے۔

حکیم صاحب ذرا ہمت کر کے حضرت عمر بن عبدالعزیز حضرت ابراہیم نخعی اور اس دور کے صحابہ و تابعین کو منکر حدیث کی لسٹ میں درج فرمائیں یا پھر پچارے احناف سے بھی درگزر فرمالیا کریں۔

سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۴۱۔

الجواب: اولاً، اوپر کی تفصیل سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ کسی صحابی اور تابعی سے موافقت ثابت نہیں لہذا آپ کا سوال ہی غلط ہے۔

ثانیاً۔ احادیث سے ثابت ہے کہ نفل ادا کرنے والے امام کی اقتداء میں فرض نماز ہو جاتی ہے۔ تفصیل کے لئے دین الحق جلد اول کی مراجعت کریں جہاں ہم نے صحیح احادیث پیش کر کے حنفیہ کے جملہ اعتراضات کو باطل و مردود ثابت کر دیا ہے۔

ثالثاً۔ امام ضامن کا یہ معنی کسی لغت میں نہیں لکھا کہ بچہ امامت کے لائق نہیں اور آپ کے ضامن کا یہ مفہوم التزام، بیان کرنا درست نہیں کیونکہ دوسری حدیث میں اس کی وضاحت آچکی ہے۔

الامام ضامن فان احسن فله ولهم وان اساء یعنی فعلیہ ولا علیہم یعنی امام ضامن ہے اگر اس نے نماز صحیح پڑھائی تو امام و مقتدی دونوں کے لئے اور اگر امام نے نماز غلط پڑھائی تو اس کا وبال امام پر ہے مقتدی کی نماز ہو جائے گی۔ (ابن ماجہ ۹۸۱)

رابعاً۔ احناف کے نزدیک فاسق و فاجر کی اقتداء جائز ہے۔

(ہدایہ مع فتح القدیر ص ۳۰۴ ج ۱ و فتاویٰ شامی ص ۵۶۱ ج ۱ و البحر الرائق ص ۳۴۹ ج ۱)

وفتاویٰ عالمگیری ص ۸۴ ج ۱)

سوال یہ ہے کہ جس معنی میں آپؐ یہاں لفظ ضامن کو لیتے ہیں اس معنی کو ملحوظ رکھ کر فاسق و فاجر ایک نمونہ کا ضامن کس طرح بن سکتا ہے۔ وضاحت کیجئے۔

ہبہ کو واپس لینا

مؤلف سبیل الرسول نے ہبہ کو واپس نہ لینے پر بخاری و مسلم سے حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ نقل فرمائی تھی، پھر ہدایہ سے نقل کیا تھا کہ اگر اجنبی آدمی کو کوئی چیز ہبہ کر دی جائے تو ہبہ کرنے والے کو اختیار ہے چونکہ یہ مسئلہ غلط اور منشاء نبوت کے خلاف تھا، اس لئے حکیم صاحب نے اس پر تنقید کر دی، اس تنقید پر ماسٹر صاحب فرماتے ہیں کہ حضرات معلوم ہوا کہ ہبہ کا رجوع جائز بالکراہت ہے، صاحب ہدایہ نے جواز پر بھی دو دلیلیں بیان فرمائی ہیں ایک حدیث نبوی ایک عقلی دلیل اور کراہت پر بھی دو دلیلیں بیان کی ہیں ایک حدیث نبوی دوسری دلیل عقل، اس لاف ہبہ تہرائی غیر مقلد نے مسئلہ بھی نقل کرنے میں خیانت کی کہ جواز کا ذکر تو کیا کراہت کا ذکر تک نہیں کیا اور پھر یہ کہنا کہ رجوع کے حق پر دلیل نہیں خالص جھوٹ ہے۔

سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۴۳

الجواب: اولاً، جو بھی صورت اختیار کی ہے اس میں ہبہ کرنے والے کو رجوع کا اختیار دیا ہے گویا فعل حرام کو حلال بنایا ہے۔

ثانیاً۔ آپ نے صاحب ہدایہ کی طرف ہبہ میں رجوع کو تحریمی ہونا منسوب کیا ہے، حالانکہ ہدایت میں ایسی کوئی عبارت نہیں۔

ہبہ رجوع کی دلیل اول

ماسٹر صاحب فرماتے ہیں کہ

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ الرجل احق۔ بھبتہ ما لم یشب بها (ابن

ماجہ ص ۱۷۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ آدمی اپنے ہبہ میں رجوع کا اختیار رکھتا ہے جب تک عوض نہ ملے۔ سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۴۴

الجواب: اولاً، فقہاء احناف کے نزدیک فقط اجنبی سے ہبہ لینے کا جواز ہے ذی رحم سے ہبہ لینے کا اختیار نہیں۔ (تکملة فتح الملہم ص ۶۲ ج ۲ و اعلاء السنن ص ۱۰۷ ج ۱) حالانکہ اس حدیث میں ذی رحم کی

تخصیص نہیں بلکہ تمام سے واپس لینے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ اور حنفی اس کے منکر ہیں۔

ثانیاً۔ اس کی سند میں ابراہیم بن اسماعیل راوی ہے۔ (ابن ماجہ ۲۳۸۷) اور اسے بالاتفاق امام ابو حاتم اور بخاری نے کثیر الوہم قرار دیا ہے امام ابو داؤد نے ضعیف و متروک کہا ہے امام ابن حبان کا کہنا ہے کہ اسانید کو الٹ پلٹ دیتا ہے۔ (تہذیب ص ۹۱ ج ۱) حافظ ابن حجر نے ضعیف کہا ہے تقریب ص ۱۹ کوئی ادنیٰ کلمہ تو شیخ بھی کتب رجال سے ہمیں نہیں ملا۔ علاوہ ازیں ابراہیم نے یہ روایت عمرو بن دینار سے اور انہوں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور امام ابو حاتم فرماتے ہیں کہ عمرو بن دینار نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کچھ بھی نہیں سنا۔ (مراسیل ابن ابی حاتم ص ۱۴۴ علامہ زلیعی نے نصب الرایۃ ص ۱۲۵ ج ۲) میں مولانا تقی عثمانی نے، (تکمملہ فتح الملہم ص ۶۰ ج ۲) میں اور علامہ البانی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے (الضعیفہ ۳۶۳)

دوسری دلیل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دو سندوں سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کسی کو کوئی چیز حہ کی وہ اس میں رجوع کا اختیار رکھتا ہے۔ جب تک اس کا عوض نہ ملے لیکن یہ رجوع کرنا ایسا ہی ہے جیسے کتابے کر کے چاٹ لے۔ طبرانی، دارقطنی، دونوں سندیں باعث تقویت ہیں۔ سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۴۴۔

الجواب: اولاً، طبرانی کی سند اس طرح ہے۔ (حدثنا محمد بن عثمان بن ابی شیبۃ حدثنی ابی قال وجدت فی کتاب ابی عن ابن ابی لیلی عن عطاء عن ابن عباس، طبرانی کبیر ص ۱۹ ج ۱۱ رقم الحدیث ۱۱۳۱۷) یہ سند متعدد وجوہ سے سخت ضعیف ہے سند میں دجاہہ ہے۔

(۲) سند میں ابو شیبہ ابراہیم بن عثمان، راوی متروک ہے، (تقریب ص ۲۲)

(۳) سند میں ابن ابی لیلی راوی ہے جو سخت خراب حافظے والا ہے۔ (تقریب ص ۳۰۸)

جس سند میں دجاہہ کے علاوہ ایک راوی متروک ہو اور دوسرا سخت کئی الحفظ ہو اس کے باطل و مردود ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔

ثانیاً۔ (سنن دارقطنی ص ۴۴ ج ۳) کی جو دوسری سند کا حوالہ دیا گیا ہے اس میں ابراہیم بن ابی یحییٰ راوی ہے جسے امام قحطان، امام ابن معین امام علی بن مدینی وغیرہ نے کذاب کہا ہے۔ امام یحییٰ بن سعید نے امام مالک سے اس کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ روایت اور وین دونوں میں غیر ثقہ ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ ایسی روایات نقل کرتا ہے جس کی کوئی اصل نہیں۔ ہر گناہ (فسق و فجور اور کذب و افتراء) اس میں تھا، محدثین نے اسے ترک کر دیا (خبیث) رافضی تھا۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ ابن مبارک اور محدثین نے اسے ترک کر دیا تھا (میزان ص ۵۷ ج ۱)۔

مثلاً، رہا ماسٹر صاحب کا یہ کہنا کہ دونوں سندیں باعث تقویت ہیں تو یہ بات محل نظر ہے۔ علامہ ذیلیعی حنفی فرماتے ہیں کہ

اور کئی ہی روایات ہیں جن کے راوی بہت ہیں اور ان کے متعدد طرق بھی ہیں مگر اس کے باوجود ضعیف ہیں۔
(نصب الرایہ ص ۳۶۰ ج ۱)
مفل بحث دین الحق ص ۵۴ ج ۱ میں دیکھئے۔

تیسری دلیل

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کوئی چیز حبہ کرے وہ اس کا زیادہ حق دار ہے کہ جب تک اس کا عوض نہ لے، (مستدرک حاکم ص ۱۵۲ ج ۲) اور حاکم نے کہا کہ یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے، سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۴۴

الجواب: اولاً، امام حاکم نے اس سے آگے الا ان يكون الحمل فيه على شيخنا، کہہ کر راوی اسحاق بن محمد کو مرفوع بیان کرنے میں متہم بھی قرار دیا تھا، جسے آپ بے ڈکار مضامین کر گئے ہیں یہی وجہ ہے کہ علامہ ذہبی نے میزان ص ۱۹۹ ج ۱ میں کہا ہے رُوِيَ عَنْه الحاکم و اتهمه بالتلخیص مستدرک کے مطبوعہ نسخہ میں ذہبی کا حاکم پر کوئی نقد و غیرہ نہیں ہے مگر علامہ مناوی نے الجامع الصغیر کی شرح میں کہا ہے کہ میں نے ذہبی کے ہاتھ کا لکھا ہوا تخلیص مستدرک کا مسودہ دیکھا ہے جس میں انہوں نے اس ردایت پر موضوع کا حکم لگایا ہے۔ (بحوالہ الضعیفہ ص ۳۶۳ ج ۱)

ثانیاً۔ اگر کہا جائے کہ دارقطنی نے (السنن ص ۴۳ ج ۳) میں ایک دوسری سند بھی بیان کی ہے جس میں اسحاق راوی نہیں تو جواب اس کا یہ ہے کہ خود امام دارقطنی نے آگے لکھا ہے کہ
لایثبت هذا مرفوعا والصواب عن ابن عمر عن عمر موقوفا۔
یعنی اس کا مرفوع ہونا ثابت نہیں صحیح یہ ہے کہ یہ عمر فاروق رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

امام بیہقی نے معرفۃ السنن میں کہا کہ اسے مرفوع بیان کرنے میں، عبید اللہ بن موسیٰ نے خطا کی ہے۔ علامہ زیلعی حنفی نے (نصب الراہیہ ص ۱۲۶ ج ۲) میں اس کی موافقت کی ہے۔ علامہ البانی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (الضعیفہ ۳۶۳)

چوتھی دلیل

اس دلیل کے تحت ماسٹر امین نے چند صحابہ و تابعین کے اقوال ذکر کئے ہیں کہ یہ صہبہ میں رجوع کے قائل تھے۔ اگر ان کے اقوال کی صحت کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو تب بھی مضائقہ نہیں کیونکہ صحابہ و تابعین کے اقوال مرفوع حدیث کے خلاف حجت نہیں ہیں۔ علامہ ابن حمام فرماتے ہیں۔

ان قول الصحابی حجة فيجب تقليده عندنا اذا لم ينهه شيء آخر من السنة
یعنی صحابہ کے اقوال حجت ہیں جب تک سنت سے کوئی چیز اس کی نفی نہ کرے۔

(فتح القدیر ص ۳۷ ج ۲)

اس پر مفصل بحث، تحفہ حنفیہ ص ۳۷ ج ۱ میں ملاحظہ کریں۔

زبان پر گالیاں مجنوں سی باتیں

ماسٹر امین کو جب دلائل میں شکست نظر آئی تو الزام تراشی کذب افترا پر اتر آیا چنانچہ سبیل یہود پر چلتے ہوئے لکھتا ہے کہ

کتے کا قے کر کے چاٹ لینا شرعاً حرام نہیں کیونکہ وہ مکلف نہیں، اگرچہ طبعاً نہایت خسیس اور قبیح حرکت ہے، لیکن غیر مقلدین کے مذہب میں کتا خود بھی پاک ہے، عرف الجادی ص ۱۱۰ اس کی قے اور خون بھی پاک ہے، بدور الابلہ ص ۷۱ اکتا کنویں میں گر کر مر جائے تو کنواں ناپاک نہیں ہوتا (فتاویٰ نذیریہ ص ۲۰۰ ج ۱) البتہ بچوں کی گیند کھیلتے ہوئے کنوئیں میں گر جائے تو کنواں ناپاک ہو گیا۔ اب تا وقتیکہ تمام و کمال پانی نہ نکلے پاک نہیں ہوگا (فتاویٰ نذیریہ ص ۲۰۲ ج ۱) اگر کسی کی جوتی گر جائے تو سارا پانی کنوئیں کا نکالنا آتا ہے، (فتاویٰ نذیریہ ص ۲۰۲ ج ۱) ان فتاویٰ کے لئے حدیث صحیح صریح غیر معارض پیش فرمائیں۔ سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۳۶۲-۳۶۵۔

تبصرہ

اولاً، بلاشبہ شرعی احکام کا کتا مکلف نہیں اور نہ ہی حدیث کا یہ مفہوم ہے بلکہ حدیث میں صہبہ کو واپس لینے والے کو کتے کی قے خوری سے تشبیہ دی گئی ہے اور حرف کاف جو مشابہت کے لیے آتا ہے اس میں من کل وجوہ مشابہت جیسے کم عقل کو گدھا لے کر اونٹ موٹے کو ہاتھی اور بہادر کو شیر کہہ کر ان لوگوں کو شرعی احکام سے رخصت دینا مقصود نہیں۔ بلکہ ان لوگوں کو بعض جدوی مشابہت کی وجہ سے جانوروں سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ ایسا ہی اس حدیث میں بھی انسان کو (جو مکلف ہے) ذمہ داری کا احساس دلایا گیا تھا کہ کتے (جو غیر مکلف) کی طرح تم غیر مکلف نہیں بلکہ احکام شرعی کے پابند ہو، لہذا ایسی بری حرکت کر کے کتے کی طرح آوارہ نہ ہونا چنانچہ اس حدیث میں یہ الفاظ بھی

مردی ہے۔

لا یحل لرجل یعنی کسی انسان کے لئے (ہبہ میں رجوع) حلال نہیں۔

(ابوداؤد کتاب البیوع باب الرجوع فی الہبۃ الحدیث ۳۵۳۹۔ و ترمذی ۲۱۳۲) اس کے بعد حدیث میں وہی کتے کی مثال ہوئی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جو چیز مسلمان کے لئے حلال نہیں وہ یقیناً حرام ہے۔ امام ترمذی نے اس کو حسن صحیح کہا ہے۔

ثانیاً۔ احناف کے نزدیک کتا پاک ہے (فتاویٰ دار العلوم ص ۲۸۵ ج ۱) یہاں تک کہ اگر اونٹ بکری وغیرہ کی میٹھی کنویں میں گر گئی تو کنواں ناپاک ہو جاتا ہے۔ (کفایۃ المفتی ص ۲۳۲ ج ۲) اس کے برعکس اگر حوض میں کتا گر گیا تو حوض پاک ہے۔ (عبیر الفتاویٰ ص ۱۰۱ ج ۲) یہی وجہ ہے کہ کتے کی کھال کا جانا نماز مسجد میں کتے کی کھال کی چٹائی، کنویں سے پانی نکالنے کے لئے ڈول بنانا اور اس کی خرید و فروخت جائز ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند ص ۳۲۲ ج ۱)

ثالثاً۔ جو عبارات آپ نے فتاویٰ نذیریہ کی طرف منسوب کی ہیں وہ بدترین جھوٹ ہے، کیونکہ فتاویٰ نذیریہ میں یہ فتویٰ محمد مسعود نقشبندی تحریر کرتا ہے جس نے فقہ حنفی کے مطابق فتویٰ تحریر کیا ہے۔ اور سائل نے بھی فقہ حنفی کا حکم دریافت کیا تھا۔ اور حضرت میاں صاحب مرحوم نے بھی نقشبندی کے فتویٰ پر تصدیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کتب حنفیہ میں ایسا ہی ہے۔ (فتاویٰ نذیریہ ص ۳۲۲ ج ۱)

نماز استسقاء میں جماعت کا مسئلہ

حضرت حکیم صاحب نے سبیل الرسول میں بخاری و مسلم کی حدیث پیش کر کے ہدایہ سے عبارت نقل کی تھی کہ امام صاحب کے نزدیک استسقاء میں نماز باجماعت مسنون نہیں۔ اس پر ماسٹر صاحب رقم کرتے ہیں کہ امام صاحب نے نماز باجماعت کے جواز سے انکار نہیں کیا، بلکہ سنت کی نفی کرتے ہیں۔ حدیث کے خلاف جب ہوگا کہ آپ حدیث میں سنت کا لفظ دکھادیں۔

قرآن نے بارش مانگنے کا جو طریقہ ذکر کیا ہے اس میں استسقاء ہے نماز باجماعت کا ذکر نہیں۔

آنحضرت ﷺ نے اکثر اوقات بارش کے لئے صرف دعا استسقاء پر ہی اکتفا فرمایا نماز باجماعت نہیں پڑھائی۔

ابو مروان الاسلمی فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ استسقاء کے لئے نکلے تو آپ نے استغفار کے

علاوہ اور کچھ بھی نہ کہا، (ابن ابی شیبہ سعید بن منصور زجاجہ ص ۳۲۲ ج ۱)

الجواب: اولاً، صاحب ہدایہ کی عبارت کا جو مفہوم مؤلف سبیل الرسول نے بیان کیا ہے یہ مفہوم بعض اکابر

احناف کو بھی مسلم ہے، چنانچہ علامہ زلیعی فرماتے ہیں کہ

اما استسقاء عليه السلام فصحيح ثابت، واما انه لم يرو عنه الصلاة، فهذا غير صحيح بل صح انه صلى فيه، كما سيأتي، وليس في الحديث انه استسقى، ولم يصل بل غاية مطحور ما يوجد ذكر الاستسقاء دون ذكر الصلاة ولا يلزم من عدم ذكر الشيء عدم وقوعه.

یعنی بارش کی دعا تو آپ علیہ السلام سے صحیح ثابت ہے، اور یہ بات کہ آپ ﷺ سے نماز ثابت نہیں، غیر صحیح ہے۔ بلکہ صحیح اور خالص حق بات یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے استسقاء کی نماز پڑھی ہے جیسا کہ آگے آتا ہے اور کسی حدیث میں یہ نہیں آیا کہ بارش کے لئے دعا کی اور نماز نہ پڑھی، زیادہ سے زیادہ یہ بات ہے کہ بعض احادیث میں نماز کا ذکر نہیں اور عدم ذکر عدم شیء کو مستلزم نہیں، (نصب الراية ص ۲۳۸ ج ۲) مولانا عبدالحی لکھنوی مرحوم خفی فرماتے ہیں کہ

وبه ظهر ضعف قول صاحب الهداية في تعليل مذهب ابي حنفيه ان رسول الله ﷺ استسقى ولم يرو عنه الصلاة انتهى، فانه ان اراد انه لم يرو بالكلية فهذه الاخبار تكذبه وان اراد انه لم يرد في بعض الروايات فغير قادح واما ما ذكروا ان النبي ﷺ فعله مرة وتركه اخرى فلم يكن سنة فليس بشيء فانه لا ينكر ثبوت كليهما مرة هذا ومرة هذا لكن يعلم من تتبع الطرق انه لما خرج بالناس الى الصحراء صلى فتكون الصلاة مسنونه في هذه الحالة بلا ريب ودعاء المسجد كان في غير هذه الصورة،

یعنی اس سے صاحب ہدایہ کے قول کی کمزوری واضح ہو جاتی ہے، جو انہوں نے امام ابوحنیفہ کے مذہب کی تائید میں پیش کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بارش طلب کرنے کے لئے نماز منقول نہیں، اگر صاحب ہدایہ کا مقصود یہ ہے کہ بعض احادیث میں نماز کا ذکر نہیں تو اس میں کوئی عیب نہیں اور وہ جو یہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے کبھی نماز پڑھی کبھی نہیں پڑھی لہذا نماز سنت نہیں تو یہ بات کچھ بھی نہیں، اس لئے کہ وہ ان دونوں کے ثبوت کا انکار نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ کبھی نماز پڑھی کبھی نہیں پڑھی۔ لیکن تمام احادیث کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام جب بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ میدان میں بارش طلب کی غرض سے نکلے تو نماز پڑھی، لہذا نماز اس حالت میں بلاشبہ مسنون ہے۔ اور اس کے علاوہ صرف دعا پر اکتفا فرمائی، (التعليق الممجّد ص ۱۵۸)

بلکہ شرح وقایہ کے حاشیہ میں فرماتے ہیں

ولعل هذه الاخبار لم تبلغ الامام وإلا لم ينكر استئذان الجماعة.

ممکن ہے کہ یہ احادیث امام ابوحنیفہ کو نہ پہنچیں ہوں ورنہ بارش طلب کرنے کے لئے نماز باجماعت کا انکار نہ

کرتے۔ (عمدة الدعاہ ص ۲۰۸ ج ۱)
 ان دو گواہوں کی شہادت سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ صاحب ہدایہ کے قول کو حضرت حکیم صاحب نے بدلا
 نہیں۔ صاحب ہدایہ کے قول کے علاوہ بھی متعدد حنفی بزرگوں کے اقوال سے یہی بات ثابت ہوتی ہے، امام محمد
 فرماتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فکان لا یری فی الاستسقاء صلوۃ
 یعنی امام ابو حنیفہ کا یہ قول ہے کہ استسقاء میں نماز نہیں، (موطا امام محمد ص ۱۵۸)
 علامہ کاسانی فرماتے ہیں کہ

فظاهر الروایة عن ابی حنیفۃ انه قال لا صلاۃ فی الاستسقاء وانما فیہ الدعاء
 یعنی ظاہر الروایت میں امام ابو حنیفہ کا یہی قول ہے کہ استسقاء میں نماز نہیں بلکہ اس میں دعا ہے، بدائع الصنائع
 ص ۲۸۲ ج ۱) یہی وجہ ہے کہ احناف میں سے بعض کا یہ قول ہے کہ امام صاحب کے نزدیک استسقاء کی نماز بدعت
 ہے، (فتاویٰ شامی ص ۱۸۴ ج ۲)
 ثانیاً۔ قرآن اور بعض احادیث میں نماز استسقاء کے عدم ذکر کا جواب علامہ زلیعی حنفی کی عبارت میں گزر چکا
 ہے۔

ثالثاً۔ حدیث میں سنت کا لفظ بھی موجود ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ (سنة الاستسقاء سنة
 الصلاة فی العیدین مستدرک ص ۳۲۶ ج ۱) گو یہاں اس کا استعمال لغوی معنی میں ہوا ہے مگر آپ کا مطالبہ پورا
 ہو گیا۔

رابعاً۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا جو قول آپ نے ذکر کیا ہے اس میں بھی آپ نے بددیانتی کی ہے۔ اس کے
 الفاظ ہیں، فما زاد علی الاستسقاء، (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۴۷۴ ج ۲) اور اس سے حنفیہ کا موقف ثابت
 نہیں ہوتا، مولانا رشید اشرف سیفی حنفی دیوبندی فرماتے ہیں۔ اس روایت سے استدلال واضح نہ ہو سکے گا۔ (حاشیہ
 درس ترمذی ص ۳۳۹ ج ۲)

غائبانہ نماز جنازہ

مؤلف سبیل الرسول نے مخالفت حدیث کی غائبانہ نماز جنازہ کی مثال بھی دی تھی اور بخاری و مسلم کی صحیح صریح
 حدیث پیش کی تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کا غائبانہ نماز جنازہ پڑھا تھا، اس کا جواب رقم کرتے ہوئے بارہ سوالات کی
 ایک طویل فہرست مرتب کر کے آخر میں بطور فرماتے ہیں کہ
 معلوم ہوا کہ نماز جنازہ غائبانہ نہ پڑھنا ہی سنت متواتر ہے اور سنت متواترہ کے خلاف کوئی حدیث خبر واحد مل
 بھی جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس کو قبول نہ کرو (الکفایہ) جس حدیث سے حکیم صاحب نے دھوکا

دینے کی کوشش کی ہے اس میں نہ غائب کا لفظ نہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہم نے غائبانہ جنازہ پڑھی نہ صحابہ نے کہا ہم نے غائبانہ جنازہ پڑھا حکیم صاحب نے قیاس سے یہ نکال لیا، اب ذرا نماز جنازہ پڑھنے والے صحابہ کی سن لیجئے فرماتے ہیں۔

نحن لا نرى الا ان الجنازة قد امنا، ابو عوانه، وهم لا يظنون الا ان الجنازة بين يديه،

ابن حبان، وما نحسب الجنازة الاموضوعة بين يديه، (مسند احمد ص ۴۴۶ ج ۴)

جب جنازہ سامنے تھا، تو غائبانہ کیسے رہا، سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۴۹

الجواب: اولاً، صحیح حدیث متفق علیہ سے غائبانہ نماز جنازہ ثابت ہے۔ خلفاء الراشدين، امہات المؤمنین سمیت کسی بھی صحابی سے اس کی ممانعت ثابت نہیں جس سے ثابت ہوا کہ جنازہ غائبانہ پڑھنا سنت متواترہ ہے۔

ثانیاً، باقی رہا آپ کا یہ مطالبہ کہ فلاں سے ثابت کیا جائے، تو آپ کا یہ مطالبہ فضول ہے کیونکہ یہ مسلمہ اصول ہے کہ عدم ذکر عدم شئیء کو مستلزم نہیں جیسا کہ پہلے علامہ زلیعی اور مولانا لکھنوی مرحوم کی عبارت نقل کی جا چکی ہے۔

ثالثاً۔ آپ نے جو روایت الکفایہ سے نقل کی ہے اس میں سنت متواترہ کے الفاظ نہیں یہ آپ کی زیادتی ہے اگر آپ کہہ دیں کہ حدیث کا مفہوم یہی ہے (جو بہر حال غلط ہے) تو جواباً عرض ہے کہ ثابت ہوا کہ جو چیز مفہوم سے ثابت ہو وہ بھی دلیل شرعی ہے، لیکن افسوس کہ آپ حدیث نجاشی میں اس کلیہ کو بھول گئے ہیں اور غائب کا لفظ نہ ہونے کی وجہ سے اس حدیث سے غائبانہ نماز جنازہ کے ثبوت سے منکر ہیں، حالانکہ یہ ایک مسلمہ اصول سے انحراف ہے۔

رابعاً۔ حدیث الکفایہ سخت ضعیف ہے، اس کی سند میں صالح بن موسیٰ راوی ہے۔ (ابن عدی ص ۱۳۸۷ ج ۳ و دارقطنی ص ۲۰۸ ج ۴) سے امام بیہقی ہیچ محض کہتے ہیں امام بخاری منکر الحدیث قرار دیتے ہیں۔ امام نسائی متروک کہتے ہیں، (میزان ص ۳۰۲ ج ۲) حافظ ابن حجر نے متروک کہا ہے۔ تقریب، متعدد اہل علم اور علامہ البانی نے اس روایت کو سخت ضعیف قرار دیا ہے۔ (الضعیفہ ۱۰۶۹)

رابعاً۔ یہ اصول ہی لغو اور باطل ہے کہ تو اتر عمل کے خلاف خبر واحد کو قبول نہ کیا جائے، کیونکہ مشرکین عرب بھی اس بات کے مدعی تھے کہ بت پرستی ان کی نسل در نسل میں متواتر چلی آ رہی ہے یہی وجہ ہے کہ اصول فقہ حنفی میں بھی اولہ شرعہ چار ہیں، قرآن و سنت، اجماع اور قیاس شرعی، مگر تو اتر کو شرعی دلیل کسی اصول نے بھی قرار نہیں دیا، نبی ﷺ ایک مدت تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے رہے۔ اور امت مرحومہ میں بھی یہی معمول بہ تھے۔ مگر جب عین حالت نماز میں قبلہ تبدیل ہو گیا تو صبح کے وقت ایک آدمی نیکہ سے قباء کی طرف گیا اور صحابہ کرام بیت اللہ کی بجائے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کر رہے تھے اس شخص نے کہا کہ آج رات نبی ﷺ پر قرآن نازل ہوا ہے جس سے قبلہ تبدیل ہو گیا ہے تو صحابہ کرام نے عین حالت نماز میں مسجد اقصیٰ کی طرف سے منہ

کعبہ کی جہت میں کر لیا، (بخاری ۳۳۹۰۔ و مسلم ۱۱۷۸)

اس واقعہ پر غور کیجئے کہ صحابہ کرام نے متواتر عمل کے خلاف فقط ایک شخص کی خبر کو قبول کر لیا اور تواتر کو ترک کر دیا، ثابت ہوا کہ قرآن وحدیث کے خلاف تواتر کی کوئی شرعی حیثیت نہیں۔

خامساً۔ آپ نے جن روایات سے نجاشی کے جنازہ کو حاضر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے گو اس کی سند میں جرح کا ثبوت موجود ہے، کیونکہ اس میں ایک راوی ابو قلابہ ہے۔ (مسند احمد ص ۴۳۶ ج ۴ وابن حبان ۳۰۹۲) جو خیر سے مختلط ہیں (تقریب ص ۲۲۰)، اور ان سے راوی یحییٰ بن ابی کثیر ہیں، جو قدیم السماع ثابت نہیں ہیں، مگر ہم اس بات کو صرف نظر کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ ابو عوانہ میں نرای ابن حبان میں یظنون اور مسند احمد میں نحسب کے الفاظ ہیں، اور یہ تینوں الفاظ ہم معنی ہیں اور ان کا اطلاق تصوراتی چیز پر ہوتا ہے۔ اس معنی کو ملحوظ رکھا جائے تو حدیث کا مفہوم یہ بنتا ہے۔

نجاشی کا نماز جنازہ ایسا ہی پڑھا گیا ہے جیسے حاضر میت کا پڑھا جاتا ہے، اور اس پر سنن ترمذی میں مروی حدیث عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بھی دلالت کرتی ہے۔

قال لنا رسول الله ﷺ ان اخاكم النجاشي قدمنا فقوموا فصلوا عليه فقمنا فصفنا
كما يصف على الميت وصلينا عليه كما يصلى على الميت . (ترمذی مع تحفه ص ۱۳۹ ج ۲)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا دینی بھائی نجاشی فوت ہو گیا ہے۔ اٹھو اور اس پر نماز جنازہ پڑھو (ہم جنازہ پڑھنے کے لئے) اٹھے اور صف بندی کی جیسے میت پر صف بندی کی جاتی ہے، اور نماز جنازہ پڑھا جیسے میت پر نماز پڑھی جاتی ہے۔ (ترمذی کتاب الجنائز باب ما جاء في صلوة النبي ﷺ على النجاشي الحديث ۱۰۳۹)

جماعت میں اکہری تکبیر

حنفی فقہ کی مخالف حدیث میں آٹھویں مثال حضرت حکیم صاحب نے اکہری تکبیر کا مسئلہ بیان کیا تھا، اس پر ماسٹر صاحب فرماتے ہیں کہ

حکیم صاحب نے ہدایہ سے یہ عبارت نقل کی ہے، ولا إقامة مثل الاذان اس کی دلیل میں صاحب ہدایہ نے لکھا تھا، هكذا فعل الملك النازل من السماء، (ہدایہ ص ۸۷)

صاحب ہدایہ نے بات صاف کر دی ہے کہ یہ اقامت کسی فقیہ نے معاذ اللہ گھر سے نہیں گھڑی بلکہ اصل اذان واقامت اس فرشتے کی ہے جس نے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کو اذان سکھائی تھی، اس فرشتے نے اقامت

مثل اذان سکھائی تھی۔

سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۵۰۔

تبصرہ

صاحب ہدایہ نے جو دلیل درج کی ہے وہ قابل اعتماد نہیں، کیونکہ اس بات کو بیان کرنے والے معاذ رضی اللہ عنہ ہیں اور معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے، عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ راوی ہیں اور انکی معاذ سے ملاقات و سماع ثابت نہیں، علامہ ابن حمام حنفی فرماتے ہیں۔ عبدالرحمن لم یسمع من معاذ، یعنی معاذ رضی اللہ عنہ سے عبدالرحمن کا سماع نہیں ہے۔ فتح القدیر ص ۲۱۱ ج ۱۔ امام علی بن مدینی، امام ترمذی، امام ابن خزیمہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ عبدالرحمن کی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے ملاقات و سماع نہیں ہے۔ (تہذیب التہذیب ص ۲۳۵ ج ۶) الغرض یہ روایت منقطع ہے۔

پہلا عذر

حضرت عبداللہ بن زید فرماتے ہیں کہ اس فرشتے کی اذان اور اقامت دونوں دوہری دوہری تھیں، (ابن ابی شیبہ ص ۱۳۶ ج ۱، عبدالرزاق ص ۳۶۱ ج ۱، وآثار السنن ص ۵۲ و سندہ صحیح هذا اسناد فی غایۃ الصحۃ المحلی لابن حزم ص ۱۵۸ ج ۱) حافظ ابن دقیق العید کہتے ہیں (رجالہ رجال الصحیح، نصب الرایہ ص ۲۶۷ ج ۱ ابو داؤد ص ۷۵ ج ۱) سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۵۰

الجواب: اولاً، ماسٹر امین کو علم حدیث کا دھواں بھی لگا ہوتا تو اس دلیل کو اس ترتیب سے بیان نہ کرتا، عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ، اور ابوداؤد، تینوں کتابوں کی اسناد مختلف ہیں اور الفاظ بھی متغائر ہیں، ابوداؤد کی سند ابن ابی لیلیٰ عن معاذ بن جبل سے ہے۔ عبدالرزاق کی سند، عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ یقول کان النبی ﷺ، (رقم الحدیث ۱۷۸۸) اور مصنف ابن ابی شیبہ کی سند عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ قال حدثنا اصحاب رسول اللہ ﷺ ہے ص ۲۰۳ ج ۱) ان میں سے ابن ابی شیبہ کی سند کو علامہ ابن حزم نے غایۃ الصحۃ کہا ہے (المحلی لابن حزم ص ۱۹۰ ج ۲)

ثانیاً۔ اب ترتیب وار ان روایات کی کھوٹ ملاحظہ کریں۔ عبدالرزاق کی روایت مرسل ہے۔ ابوداؤد کی روایت کی تفصیل گزر چکی ہے کہ ابن ابی لیلیٰ کی حضرت معاذ سے ملاقات ثابت نہیں علاوہ ازیں سند میں المسعودی، راوی مخطوط ہے۔ اس کے بارے میں آئمہ فہرین کا یہ فیصلہ ہے کہ جس نے بغداد میں سنا ہے اس نے حالت اختلاط میں سماع کیا ہے۔ اور زیر بحث روایت میں المسعودی سے یزید بن رومان راوی روایت نقل کر رہا ہے۔ اور امام ابن نمیر نے کہا ہے کہ یزید کا سماع حالت اختلاط کا ہے۔ (تہذیب ص ۲۱۱ ج ۶)

ان تمام علتوں کے علاوہ ابن ابی لیلیٰ پر یہ روایت مخطوط ہو گئی تھی، تفصیل کے لئے دین الحق ص ۱۹۵ ج ۱ کی

مراجعة کریں، رہی مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت تو اس کی سند میں الاعمش (سلیمان بن مہران) راوی مدلس ہے۔ (میزان ص ۲۲۴ ج ۲ و طبقات المدلیسن ص ۳۳ و تقریب ص ۱۰۳) اور زیر بحث روایت میں سماع کی صراحت نہیں بلکہ عن کر کے مروی ہے اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ مدلس راوی کی ایسی روایت جو عن کر کے بیان کرے وہ ضعیف ہوتی ہے باقی آپ نے جو ابن حزم سے سند کی تصحیح نقل کی ہے اس سے حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ ہم نے تدلیس کا ذکر کیا ہے راوی حدیث کی تصحیف بیان نہیں کی، ویسے بھی ابن حزم اور محدثین کے ضابطہ تدلیس میں اختلاف ہے اردودان حضرات، (توضیح الکلام ص ۲۸۸ ج ۲) کی مراجعت کریں۔

الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔

ثالثاً۔ یہ روایت آپ کے بھی خلاف ہے کیونکہ اس میں ابتداء اذان میں کلمہ اللہ اکبر چار کی بجائے دوبار کا ذکر ہے حالانکہ تمام حنفی اذان کے ابتداء میں چار بار اللہ اکبر کہتے ہیں۔

رابعاً۔ یہ صحیح احادیث کے بھی خلاف ہے کیونکہ صحیح حدیث میں واقعہ خواب میں اکبری تکبیر کا ذکر ہے۔ (ابوداؤد ص ۷۲ ج ۱ و ابن حبان ص ۹۴ ج ۴ رقم الحدیث ۱۶۷۷ و بیہقی ص ۳۹۰ ج ۱ و مسند احمد ص ۴۳ ج ۳ و دارقطنی ص ۲۴۱ ج ۱ وغیرہ)

دوسرا عذر

فرماتے ہیں کہ:

حضرت عبداللہ بن زید فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی اذان و اقامت دو دو مرتبہ تھی (ترمذی ص ۲۷۷ ج ۱) سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۵۰۔

الجواب: اولاً، یہ حضور ﷺ پر افتراء ہے کیونکہ ترمذی میں یہ بات موقوف بیان کی گئی ہے مگر آپ مرفوع نقل کرتے ہیں۔

ثانیاً۔ امام ترمذی آگے فرماتے ہیں کہ عبدالرحمن بن ابی اسحاق لم یسمع من عبداللہ بن زید، (ترمذی مع تحفہ ص ۱۷۳ ج ۱) امام ترمذی کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت سنداً منقطع ہے۔

تیسرا عذر

فرماتے ہیں حضرت ابو محمد زہری فرماتے ہیں کہ مجھے آنحضرت ﷺ نے اذان و اقامت دو دو مرتبہ سکھائی (عبدالرزاق ص ۴۵۸ ج ۱)

سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۵۰۔

الجواب: اولاً، مصنف عبدالرزاق کی عبارت میں تصحیف ہے کیونکہ یہی روایت امام احمد بن حنبل نے اپنے

استاد امام عبدالرزاق سے نقل کی ہے اور اس میں اذان ترجیع سے اور اقامت دو دو مرتبہ ہے۔ (مسند احمد ص ۴۰۹ ج ۳) امام عبدالرزاق کے شاگرد امام محمد بن نافع (بیہقی ص ۳۹۳ ج ۱) امام ابوالاثر (دارقطنی ص ۲۳۵ ج ۱) امام عاصم (سنن ابن داود مع عون ص ۱۹۱ ج ۱) وغیرہ نے بھی امام عبدالرزاق سے ترجیع والی روایت نقل کی ہے، علاوہ ازیں امام عبدالرزاق نے یہ روایت، ابن جریج سے اخذ کی ہے اور ابن جریج سے امام حجاج نے بھی روایت کی ہے، (سنن کبریٰ للنسائی ص ۴۹۸ ج ۱ و محتبی رقم الحدیث ۶۳۴) اس میں بھی ترجیع کا ذکر ہے، اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ مصنف عبدالرزاق کی روایت میں یا تو تحیف ہوئی ہے یا اختصار ہے۔ اصل روایت میں ترجیع اذان کا ذکر ہے۔ اور جب اذان میں ترجیع ہو تو تب اقامت بھی دوہری کہنی چاہئے احادیث مرفوعہ کا یہی مفاد ہے۔

ثانیاً۔ علامہ ماروینی حنفی فرماتے ہیں کہ:

حدیث عثمان بن السائب عن ابیہ وام عبدالملک بن ابی محذورہ، قلت، عثمان و ابوہ وام عبدالملک مجهول حالہم۔

یعنی عثمان بن سائب کی روایت کے متعلق میں کہتا ہوں کہ عثمان اور اس کا باپ اور ام عبدالملک کا حال مجهول ہے۔ (الحوہر النقی ص ۳۹۲ ج ۱) عبدالرزاق کی روایت بھی عثمان بن سائب والی ہی ہے۔

چوتھا عذر

فرماتے ہیں:

عبدالعزیز بن ریف فرماتے ہیں میں نے ابو محذورہ کی اذان و اقامت سنی دونوں دو دو مرتبہ تھیں، طحاوی ص

۱۷۹۳

الجواب: اس کی سند میں شریک بن عبداللہ راوی ہے، جو گو صدوق ہیں مگر جب یہ کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے تب سے ان کا حافظہ بگڑ گیا تھا، (تقریب ص ۱۴۵) علاوہ ازیں یہ مدلس بھی ہیں، (طبقات المدلیسن ص ۳۳) اور زیر بحث روایت معصن مروی ہے جس کی وجہ سے ضعیف ہے۔

پانچواں عذر

فرماتے ہیں:

حضرت سلمہ بن الاکوع بھی اذان و اقامت دوہری کہتے تھے، (دارقطنی، واسنادہ صحیح، آثار السنن

ص ۵۳ ج ۱) سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۵۰۔

الجواب: بلاشبہ علامہ نیوی دیوبندی نے اس کی سند صحیح کہا ہے مگر محدث مبارکپوری فرماتے ہیں اس کی سند

میں ابن جنید راوی ہے جس سے دارقطنی کا شیخ ابو عمر القاضی روایت کر رہا ہے۔ اور اس کے حال اور نام سے میں واقف نہیں ہوں، جو اس کی صحت کے مدعی کا ہے وہ اس کی عدالت و ثقاہت بیان کرے۔ جبکہ سنن دارقطنی ص ۲۳۱ ج ۱ میں ہے۔ یزید بن ابی سلمہ اپنے والد سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے عہد مبارک میں اذان دو مرتبہ اور اقامت ایک ایک بار کہی جاتی تھی (ابکار المنن ص ۹۵) اس معارضہ کا جواب دیوبندیوں کی طرف سے تادم تحریر نہیں بن پڑا۔

چھٹا عذر

فرماتے ہیں:

حضرت ابراہیم فرماتے ہیں حضرت ثوبان کی اذان و اقامت دوہری دوہری ہوتی تھیں (عبدالرزاق ص

۴۶۲ ج ۲)

الجواب: یہ روایت عبدالرزاق میں تو نہیں ہاں البتہ طحاوی نے (شرح معانی الآثار ص ۹۵ ج ۱) میں روایت کی ہے، علامہ نیوی حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ یہ مرسل ہے کیونکہ ابراہیم نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔ (آثار السنن مع حاشیہ ص ۶۸)

یہ روایت مرسل ہونے کے علاوہ ضعیف بھی ہے کیونکہ سند میں حماد بن سلمہ ہیں جن کا حافظہ بگڑ گیا تھا، (تقریب ص ۸۲) ضعیف ہونے کے باوجود یہ اصولی طور پر دلیل کے قابل نہیں کیونکہ یہ موقوف ہے جو مرفوع کے معارض نہیں ہو سکتی۔

حضرت سوید بن غفلہ فرماتے ہیں میں نے حضرت بلال کو اذان و اقامت کہتے سنا ان کی اذان و اقامت دو دو مرتبہ ہوتی تھی، (راوہ الطحاوی و اسنادہ حسن آثار السنن ص ۵۳) سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۵۱۔

الجواب: اولاً، اس کی سند میں شریک بن عبداللہ القاضی راوی ہے، (طحاوی ص ۹۴) اس کا حال پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ جب کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے تو تب ان کا حافظہ بگڑ گیا تھا، جس کی وجہ سے یہ کثرت سے خطائیں کرتے تھے۔ (تقریب ص ۱۳۵) اور غلطی کی روایت حسن کیسے ہو سکتی ہے۔ جتنی دیر تک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ راوی عنہ نے ان سے اختلاط سے پہلے سماع کیا ہے۔

ثانیاً۔ سوید بن غفلہ تابعی ہیں جن کی ملاقات حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے نبی ﷺ کی وفات کے بعد ملاقات ہونا ایک یقینی بات ہے، جبکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے نبی مکرم ﷺ کی وفات کے بعد اذان ہی نہیں دی (مفصل دیکھئے دین الحق ص ۱۸۲ ج ۱) علامہ زیلیعی حنفی فرماتے ہیں کہ

واعترض الحاكم بان الاسود بن يزيد و سويد بن غفلة لم يدرك اذان بلال في عهد

رسول اللہ ﷺ واپی بکر قال فی الامام، وكون سوید ابن غفلة لم یدرك اذان بلال
فی عہدہ علیہ السلام صحیح،

یعنی حاکم نے اعتراض کیا ہے کہ اسود بن یزید اور سوید بن غفلة نے نبی مکرم علیہ السلام کے زمانہ میں اذان بلالؓ کو نہیں پایا، ایسا ہی خلافت صدیقی میں کہا امام میں کہ سوید بن غفلة نے آپ علیہ السلام کے عہد میں اذان بلالؓ کو نہیں پایا، یہی بات درست ہے۔ (نصب الرایۃ ص ۲۹۴ ج ۱)

آنھوں کا عذر

حضرت ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ حضرت بلالؓ نبی پاک ﷺ کے لئے اذان بھی دو دو مرتبہ اور اقامت بھی دو دو مرتبہ کہا کرتے تھے۔ (رواہ دارقطنی و الطبرانی) محدث طحاوی فرماتے ہیں حضرت بلالؓ کا دوہری اقامت کہنا تو اتر سے ثابت ہے طحاوی ص ۹۴ ج ۱) سبیل الرسولؐ پر ایک نظر ص ۵۱۔

الجواب: اولاً، اس کی سند میں زیاد بن عبد اللہ البرکائی کوئی راوی ہے (طبرانی کبیر ص ۱۰۱ ج ۲۲ و دارقطنی ص ۲۳۲ ج ۱) جو گو صدق ہیں مغازی میں مثبت ہیں مگر انکی وہ تمام روایات جو ابن اسحاق کے علاوہ ہیں ان میں لین ہیں، (تقریب ص ۱۱۰) علامہ نیموی حنفی دیوبندی نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔ (آثار السنن ص ۶۷) الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔

ثانیاً۔ طحاوی کا یہ دعویٰ کہ حضرت بلالؓ کا دوہری اقامت کو تو اتر سے ثابت ہونا، کہنا، کذب صریح اور سونی صد مغالطہ ہے (بخاری ص ۸۵ ج ۱ او مسلم ص ۱۶۳ ج ۱) کی صحیح صریح حدیث میں وضاحت موجود ہے کہ حضرت بلالؓ کو اکہری تکبیر کہنے کا حکم نبی ﷺ سے ہوا تھا۔

نوال عذر

حضرت علیؓ کا مؤذن اقامت دو دو مرتبہ کہا کرتا تھا، (عبدالرزاق ص ۶۳ ج ۱)

سبیل الرسولؐ پر ایک نظر ص ۵۱

الجواب: یہ روایت بھی ضعیف ہے، سند کا ایک راوی مسلم کہتا ہے، اخبرنی من سمع مؤذن علیؓ، الغرض مسلم بطین کا شیخ محکم راوی ہے۔ اس کی عدالت وثقات ثابت کی جائے۔ علاوہ ازیں اس کی سند میں سفیان ثوری راوی ہیں جو مدلس ہیں اور روایت بھی محض ہے جس کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے۔
ثانیاً۔ یہ روایت بھی موقوف ہے جو مرفوع کے بالمقابل مرجوح ہے۔

دسواں عذر

حضرت بن قیس (نقل مطابق اصل) کہتے ہیں کہ بے شک حضرت علیؓ اذان و اقامت دو دو مرتبہ کہا کرتے

تھے، ایک دن ایک مؤذن کو سنا جس نے ایک ایک مرتبہ کہی حضرت علی نے فرمایا تو نے دو دو مرتبہ کیوں نہ کی، تیری ماں مر جائے، (ابن ابی شیبہ ص ۱۳۸ ج ۱) سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۵۱۔

الجواب: اولاً، ماسٹر امین نے یہ روایت عبدالرزاق ص ۴۶۳ ج ۱ کے حاشیہ سے غالباً نقل کی ہے جس میں دیوبندیوں کے محقق شہیر نے ابن ابی شیبہ کی تصحیف کا بھی ذکر کیا تھا، جسے اوکاڑوی تالافتی ہونے کی وجہ سے غالباً سمجھ نہیں سکا۔ اور اپنی جہالت پر پردہ ڈالنے کی غرض سے حضرت بن قیس بن قیس نقل کر دیا۔ بن قیس کون ہے۔ تفصیل دین الحق ص ۱۹۷ ج ۱ میں عرض کر دی گئی تھی، وہاں سے دیکھ لیا جائے۔

ثانیاً۔ اس کی سند میں حنفی بن بشر راوی ہے، ابن ابی شیبہ ص ۲۰۵ ج ۱ جو ندلس ہیں، جیسا کہ امام عیسیٰ، ابن سعد، حاکم، ابن حبان، نسائی، اور حافظ ابن حجر نے صراحت کی ہے، (تہذیب ص ۶۳ ج ۱۱ و طبقات المدلسین ص ۴۷ و تقریب ص ۲۶۷) جبکہ زیر بحث سند متعین ہے تحدیث کی صراحت نہیں، الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

گیارہواں عذر

فرماتے ہیں:

ابو اسحاق کہتے ہیں کہ اصحاب علی اور اصحاب عبداللہ بن مسعود سب کے سب اذان اور اقامت دو دو کہا کرتے تھے۔ مصنف ابن ابی شیبہ سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۵۱۔

الجواب: اولاً، ابو اسحاق (عمر بن عبداللہ السهمی) بلاشبہ ثقہ ہیں، مگر مختلط ہیں، تقریب، اور ان سے روایت کرنے والے حجاج بن ارطاة ہیں یہ بات دلیل سے ثابت کی جائے کہ ابو اسحاق سے حجاج کا سماع اختلاط سے پہلے ہے۔

ثانیاً۔ حجاج بن ارطاة راوی کثرت سے غلطیاں کرتا ہے، (تقریب ص ۶۴) جس کی وجہ سے یہ روایت درجہ صحت سے گری ہوئی ہے اور صحیح حدیث کے مخالف ہونے کی وجہ سے مردود بھی ہے۔

بارہواں عذر

فرماتے ہیں:

حضرت امام سفیان ثوری نے منیٰ میں اذان و اقامت کہی جو دو دو مرتبہ تھی (عبدالرزاق ص ۴۶۳ ج ۱) سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۵۱۔

الجواب: اولاً، مصنف عبدالرزاق کے الفاظ یہ ہیں، (قال عبدالرزاق سمعت الثوری و اذن لنا بمعنی، رقم الحدیث ۱۷۸۹) ان الفاظ کا معنی ماسٹر امین کرتا ہے، امام سفیان ثوری نے منیٰ میں اذان و اقامت کہی۔ جس

تالائق کو نصف سطر کا ترجمہ نہیں آتا وہ سبیل الرسول کا رد لکھنے بیٹھا ہے۔
 ثانیاً۔ یہ امام کا قول ہے جو مرفوع حدیث کے معارض نہیں ہو سکتا۔

تیسرے سوال عذر

فرماتے ہیں مجاہد فرماتے ہیں کہ ایک ایک مرتبہ اقامت کہنا امراء (بن امیہ) کی تحفیف ہے۔ اقامت تو دو دو مرتبہ ہی ہے۔

(عبدالرزاق ص ۴۶۳ ج ۱ ابن ابی شیبہ ص ۱۳۸ ج ۱ طحاوی ص ۹۵ ج ۱ قط ص ۸۹) سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۵۱۔

الجواب: اولاً، قط دارقطنی کی علامت ہے جبکہ یہ روایت دارقطنی اور ابن ابی شیبہ میں نہیں یہ الا عظمیٰ اور مؤلف (الحوہر النقی ص ۴۲۵ ج ۱) کا وہم ہے، ہاں البتہ طحاوی اور عبدالرزاق میں ضرور ہے۔
 ثانیاً۔ اس کے ابتداء میں اللہ اکبر چار بار کی بجائے دو بار کا ذکر ہے، فنا کان جوا کم فھو جواہنا۔
 ثالثاً۔ حدیث صحیح مرفوع متصل میں ایک ایک اقامت کہنے کا ذکر ہے، جس سے ثابت ہوا کہ امام مجاہد کو یہ روایات نہ ملی تھی اور عدم علم سے عدم شیء لازم نہیں آتا۔

ماسٹر امین کا ایک سوال

آنحضرت ﷺ توفیقہ کو خیر فرماتے ہیں (بخاری ص ۱۸ ج ۱) مگر آپ کا محمد جونا گڑھی کتاب کا نام رکھتا ہے۔ (اظہار الطیب والخبیث بتقابل الفقہ والحديث) بتائیے اس نام میں فقہ کو خبیث کہا گیا ہے، یا حدیث کو، جس کو بھی خبیث کہا گیا ہے۔ یقیناً حدیث کے مخالف ہے، ورنہ قرآن و حدیث میں دکھاؤ کہاں فقہ کو خبیث کہا گیا ہے۔ سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۵۳۔

الجواب: اولاً، یہ نام شیعہ محمدی، کا ہے جو فقہ حنفی کے رد میں لکھی گئی ہے۔ جس میں مؤلف شیعہ محمدی نے نمبر ۱۵۶ مسائل کی نشان دہی کی ہے کہ یہ یہ مسئلے فقہ حنفی کے قرآن و احادیث صحیحہ کے مخالف ہیں، وضاحت کیجئے کہ جو چیز قرآن و حدیث کے خلاف ہو وہ طیب ہے کہ خبیث؟ یقیناً خبیث ہے۔

ثانیاً۔ آپ اقوال فقہاء کو فقہ سے تعبیر کرتے ہیں، اور حدیث میں آئمہ کے اقوال کو خیر نہیں کہا گیا، یہ آپ کی زبانی ہے۔

ثالثاً۔ بخاری کے مذکورہ صفحہ پر ایسی کوئی حدیث نہیں جس کا یہ معنی ہو کہ فقہ خیر ہے، ہاں البتہ مثل الخبیث کی حدیث ضرور ہے مگر اس کا وہ مفہوم نہیں جو آپ بیان کر رہے ہیں۔

نماز کی امامت کا مسئلہ

حضرت حکیم صاحب نے سبیل الرسول ص ۲۰۲ میں نماز کی امامت کا مستحق کون ہے، اس پر حدیث صحیح صریح پیش کی تھی کہ سب سے مقدم وہ ہے جو سب سے زیادہ قاری قرآن ہے۔ اس کے بعد جو سنت کا عالم ہے پھر مہاجر اور اس کے بعد امامت کا مستحق وہ ہے جس کی عمر بڑی ہو، صحیح مسلم، اس حدیث سے فقہ حنفی کا اختلاف ثابت کرتے ہوئے ہدایہ سے عبارت نقل کی ہے کہ سب سے مقدم وہ ہے جو سنت کا عالم ہو، پھر قاری قرآن، پھر متقی و پرہیزگار، پھر زیادہ عمر والا۔

اس گرفت پر ماسٹر امین پہلے تو ادھر ادھر کی فضول بھرتی کرتا ہے کہ یہ فرقہ اہل حدیث انگریزی دور میں پیدا ہوا۔ اور مساجد میں اختلاف انتشار پھیلانے کے لئے انگریز نے ایسے مسائل کو ہوا دی اور مولانا محمد حسین بنالوی اور نواب صدیق حسن خاں نے جہاد کے حرام ہونے پر کتب تحریری کی۔

یہ اتنا جھوٹ ہے کہ اس پوری زمین پر کبھی نہ بولا گیا ہوگا، کسی اہل حدیث نے بھی جہاد کے حرام ہونے پر کتاب تحریر نہیں کی، نہ ہی انگریز کی غلامی کو قبول کیا، بلکہ ہمیشہ جماعتی سطح پر جہاد فی سبیل اللہ کو فروغ دیا۔ اگر ہم جہاد کے منکر ہوتے تو افغانستان اور کشمیر میں قربانیاں کیوں دیتے۔

سید سلیمان ندوی مرحوم فرماتے ہیں کہ

اہل حدیث کے نام سے ملک میں اس وقت بھی جو تحریک جاری ہے۔ حقیقت کی رو سے وہ قدم نہیں صرف نقش قدم ہے..... بہر حال اس تحریک کے جو اثرات اور اس زمانہ سے آج تک ہمارے دور ادبار کی ساکن سطح میں اس سے جو جنبش ہوئی وہ بھی ہمارے لئے بجائے خود مفید اور لائق شکر یہ ہے۔ بہت سی بدعتوں کا استیصال ہوا، توحید کی حقیقت نکھاری گئی۔ قرآن پاک کی تعلیم و تفہیم کا آغاز ہوا، قرآن پاک سے براہ راست ہمارا رشتہ دوبارہ جوڑا گیا، حدیث نبوی کی تعلیم تدریس اور تالیف و اشاعت کی کوششیں کامیاب ہوئیں، اور دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ ساری دنیائے اسلام میں ہندوستان ہی کو صرف اس تحریک کی بدولت یہ دولت نصیب ہوئی، نیز فقہ کے بہت سے مسئلوں کی چھان بین ہوئی (یہ اور بات ہے کہ کچھ لوگوں سے غلطیاں بھی ہوئی ہوں) لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ دلوں سے اتباع نبوی ﷺ کا جو جذبہ گم ہو گیا تھا وہ سالہا سال تک کے لئے دوبارہ پیدا ہو گیا مگر افسوس ہے کہ اب وہ بھی جا رہا ہے۔ اس تحریک کی ہمہ گیر تاثیر یہ بھی تھی کہ وہ ”جہاد“ جس کی آگ اسلام کے مجر میں ٹھنڈی پڑ گئی تھی۔ وہ پھر سے بھڑک اٹھی، یہاں تک کہ ایک زمانہ گزرا کہ وہابی اور باغی مترادف لفظ سمجھے گئے اور کتنوں کے سر قلم ہو گئے۔ کتنوں کو سویلوں پر لٹکانا پڑا اور کتنے پابجولاں دریائے شور عبور کر دیئے گئے یا تنگ کوٹھڑیوں میں انہیں بند ہونا پڑا۔

مقدمہ تراجم علمائے حدیث ص ۳۵ و ۳۶ طبع

مولانا ابوالحسن علی ندوی مرحوم فرماتے ہیں۔

ہندوستان میں تحریک اہل حدیث جن بنیادوں پر قائم ہوئی۔ وہ بنیادیں چار تھیں۔ عقیدہ، توحید، اتباع سنت، جذبہ جہاد اور انابت الی اللہ..... جماعت انہیں چار چیزوں کا مجموعہ تھی۔

اخبار الہدی، درمہنگہ مورخہ ۱۶ جولائی ۱۹۶۱ء بحوالہ تحریک جہاد جماعت اہل حدیث اور علمائے احناف ص

۵۰۔

اس طرح کی بیسوں شہادات پیش کی جاسکتی ہیں کہ جماعت اہل حدیث نے جہاد فی سبیل اللہ کو فروغ دیا اور انگریزی حکومت کے خلاف جدوجہد کی، مگر ہمارا مقصود استیعاب نہیں صرف یہ بتانا ہے کہ ماسٹر امین نے جہاں غلط بیانی کی ہے وہاں حقیقت پر پردہ ڈالنے کی بھی فضول کوشش کی ہے۔ علاوہ ازیں امامت کا مستحق کون ہے؟ اس مسئلہ کے ساتھ مذکورہ تاریخی واقعات کا کیا تعلق ہے؟ ان کو درمیان میں تھیں لاننا دراصل اصل مسئلہ پر سے فرار کا ایک بہانا ہے۔ جو پلہ چھڑانے کے لئے کافی نہیں، فقہ حنفی میں بتائی ہوئی ترتیب پر قرآن و سنت سے دلیل دینے کی ضرورت ہے۔

پہلا عذر

فرماتے ہیں کہ:

مؤلف کہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ امامت کا زیادہ حقدار بڑا قاری ہے، یہ حدیث تو نقل کر دی مگر آنحضرت ﷺ کا دوسرا فرمان کہ امامت کا زیادہ مستحق، اہم فی الدین ہے جو دین کا بڑا فقیہ ہو پھر وہ جو بڑا قاری ہے۔ (مستدرک حاکم ص ۲۴۳ ج ۱ و دارقطنی ص ۱۰۴ ج ۱) کیا وجہ ہے کہ پہلی حدیث کو ماننے والا تو اہل حدیث کہلائے لیکن دوسری حدیث کو ماننے والا مخالف حدیث کہلائے۔ سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۵۶۔

الجواب: اولاً، یہ روایت آپ کے موقف پر تقریب نام نہیں، کیونکہ اس میں جو سب سے پہلے مستحق امامت بیان ہوا ہے وہ مہاجر ہے، حدیث کے ابتدائی الفاظ ہیں، یوم القوم اقدمهم ہجرة، یعنی قوم کی امامت وہ کرائے جس نے ان میں سے سب سے پہلے ہجرت کی ہو، (مستدرک ص ۲۴۳ ج ۱ و دارقطنی ص ۲۸۰ ج ۱) مگر آپ نے کمال دیانت داری سے اس حصہ کو حذف کر دیا ہے اور اس بدیانتی کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے نزدیک سب سے مقدم امامت کا مستحق مہاجر نہیں بلکہ فقہی ہے۔

ثانیاً۔ اس کی سند میں جاج بن ارطاة راوی ہے جو منکظم فیہ ہونے کے علاوہ ضعفاء سے تالیس بھی کرتا ہے۔ (طبقات المدلیسن ص ۴۹) اور زیر بحث روایت معصن ہے علامہ زیلعی حنفی فرماتے ہیں، اندہ معلول بالہجاج بن ارطاة یعنی یہ روایت جاج کی وجہ سے معلول (ضعیف) ہے۔ (نصب الرایۃ ص ۲۵ ج ۲)

دوسرا عذر

فرماتے ہیں:

آنحضرت ﷺ کے صحابہ میں سب سے بڑے فقیہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، سب سے بڑے قاری ابی بن کعب رضی اللہ عنہ تھے۔ آنحضرت ﷺ نے آخری وقت میں سب سے بڑے فقیہ (ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) کو امام بنایا، یہ فقہاء کا گھڑا ہوا مسئلہ نہیں بلکہ آنحضرت ﷺ کی آخری قولی اور فعلی سنت ہے۔ ملخصاً سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۵۷۔

الجواب: اولاً، آپ کی یہ ساری تقریر قیاس فاسد پر مبنی ہے۔ جو حدیث صحیح کے مخالف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

ثانیاً۔ (ہدایہ ص ۷۷ ج ۱) میں حدیث یوم القوم اقرء ہم لکتاب اللہ کا یہ جواب دیا ہے کہ جو صحابہ کرام نبی مکرم ﷺ سے قرآن حاصل کرتے تھے وہ معانی و تفسیر سمیت حاصل کرتے تھے، ان میں جو اقراء ہوتا تھا وہ اعلم و افضل بھی ہوتا تھا اور یہی دیوبندی علماء فرماتے ہیں دیکھئے (خزائن السنن ص ۶۵ حصہ دوم) اس جواب سے ثابت ہوا کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، اقراء تھے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے اعلم و افضل بھی تھے۔ مگر کوئی دیوبندی یہ بات تسلیم نہ کرے گا، جس سے ثابت ہو کہ آپ حضرات بھی ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اقراء تسلیم کرتے ہیں، اور یہی حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔

تیسرا عذر

فرماتے ہیں:

اس لاندہب کو یہ شکوہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تیسرے نمبر پر مہاجر کو رکھا تھا، لیکن فقہاء نے اس مسئلہ کو بدل کر پرہیزگار کا لفظ رکھ دیا، یہاں بھی خالص فریب اور مغالطہ ہے، ایک ہجرت وہ تھی جو مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کو ہو رہی تھی، اس کے بارہ میں آنحضرت ﷺ نے اعلان فرما دیا کہ، لا ہجرۃ بعد الفتح، یعنی فتح مکہ کے بعد ہجرت ختم ہے۔ جب ہجرت کی یہ قسم ختم ہو گئی تو فقہاء نے جستجو کی کہ کیا ہجرت کی کوئی قسم جاری بھی ہے۔ تو انہیں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی مل گیا کہ المهاجرین من ہجر الخطایا والذنوب (رواہ الحاکم صحیحہ) یعنی وہ شخص بھی مہاجر ہے جو کبیرہ اور صغیرہ گناہوں کو چھوڑ دے، اس کی تفسیر فقہاء نے زیادہ پرہیزگار سے کر دی۔ تو یہاں مراد رسول کو ہی بیان فرمایا ہے۔ لاندہب کا یہ کہنا کہ یہ مسئلہ حدیث کے خلاف ہے کتاب و سنت سے جہالت کی دلیل ہے۔ سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۵۸۔

الجواب: اولاً، جب کفار مکہ کے ظلم و ستم کی داستان بڑھتی گئی تو مکہ مکرمہ سے ہجرت کا حکم نازل ہوا۔ پھر جب

مکہ مکرمہ فتح ہو گیا اور کفار مغلوب اور مسلمان غالب ہو گئے تو ہجرت کی وجہ ختم ہونے سے مکہ سے ہجرت ختم ہونے کا اعلان نبوی علیہ الخیرۃ والسلام ہوا، نہ یہ کہ سرے سے ہجرت کا حکم ہی ختم ہو گیا اور اب کسی بھی جگہ سے مسلمان ہجرت نہیں کر سکتے، یہ بات صریحاً غلط اور حدیث کے مفہوم کو گڈنڈ کرنے کی سعی لا حاصل ہے۔

ثانیاً۔ حدیث کے الفاظ میں یہ قطعاً نہیں کہ مکہ کے مہاجر کو مقدم رکھا جائے، بلکہ حدیث کے الفاظ میں عموم ہے کہ مہاجر کو مقدم رکھا جائے، خواہ وہ کسی بھی جگہ سے ہجرت کر کے آیا ہو، اگر آپ کے نزدیک مہاجر وہی ہے جو صرف مکہ سے ہجرت کر کے آیا ہو، تو بتایا جائے حضرت سلمان فارسیؓ مہاجر تھے کہ نہیں؟ کیونکہ آپ فارس سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے تھے، دیکھئے (سیرۃ المصطفیٰ ص ۴۱۸ ج ۱)

ثالثاً۔ حدیث میں مہاجر سے مراد حقیقی مہاجر مراد ہے جبکہ حدیث، المهاجر من هجر الخ میں حکمی مراد ہے۔ اور حقیقی کی بجائے حکمی مہاجر مراد لینا فتاہت نہیں بلکہ پرلے درجے کی حماقت ہے۔

فضول بھرتی

ماسٹر امین جب اس مسئلہ پر مزید لکھنے سے عاجز ہو گیا اور اسے یہ بخوبی معلوم ہو گیا کہ حقیقت کے دامن میں قیاس فاسدہ اور تاویلات کا سدھ کے سوا کچھ بھی نہیں تو فقہ حنفی کے مسئلہ کو ثابت کرنے کی بجائے الزامات اور تہر ابازی پر اتر آیا، بار بار، لا مذہب، کہہ کر اپنے خبث باطن کا اظہار کیا، حالانکہ ہم لا مذہب قطعاً نہیں ہمارا دین اسلام ہے، اور اس پر ہمارا سب کچھ قربان ہے۔ بہر حال آئیے ان الزامات کا جواب بھی ملاحظہ کریں۔

مرزائی کی اقتداء

پہلا الزام یہ لگایا کہ اہل حدیث کے نزدیک مرزائی کی اقتداء جائز ہے۔ حالانکہ مرزائی کی عدم اقتداء پر علماء امت کا اتفاق ہے اور یہی اہل حدیث کا موقف ہے، حضرت میاں محمد نذیر حسین محدث دہلوی مرحوم فرماتے ہیں۔ اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ جو کچھ ہم نے سوال سائل کے جواب میں کہا اور قادیانی کے حق میں فتویٰ دیا ہے وہ صحیح ہے۔ کتاب وسنت اور اقوال علماء امت اس کی صحت پر شاہد ہیں۔ اب مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسے دجال، کذاب، سے احتراز اختیار کریں اور اس سے وہ دینی معاملات نہ کریں جو اہل اسلام میں باہم ہونے چاہئیں نہ اس کی صحبت اختیار کریں اور نہ اس کو ابتداء اسلام کریں اور نہ اس کو دعوت مسنون میں بلائیں اور نہ اس کی دعوت قبول کریں اور نہ اس کے پیچھے اقتداء کریں اور نہ اس کی نماز جنازہ پڑھیں، اگر انہیں اعتقادات و اقوال پر یہ رحلت کرے۔ واللہ الموفق للعمل والقبول، الراقم العاجز سید محمد نذیر حسین۔

پاک و ہند کے علماء اسلام کا اولین متفقہ فتویٰ ۸۶۔

حضرت مولانا محمد شمس الحق محدث عظیم آبادی اور شارح البوداؤد فرماتے ہیں میرے نزدیک جیسا کہ اس وقت

ہم نے سمجھا ہے اقتداء فرق ضالہ مثل مرزا قادیانی و اتباع مرزا و رافض وغیرہم من اهل البدعة والہوا، ہرگز جائز نہیں ہے۔ (فیصلہ مکہ ص ۷)

حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری مرحوم فرماتے ہیں۔

کچھ شک نہیں کہ مرزا قادیانی ایک دھریہ معلوم ہوتا ہے، مفتری علی اللہ ہے، اس کے الہامات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے اللہ پر بھی ایمان نہیں، کیونکہ اللہ پر ایمان رکھنے والا اس قسم کے افتراء نہیں کہا کرتا اس لئے میرا یقین ہے کہ مرزا قادیانی جو کچھ کرتا ہے، سب دنیا سازی کے لئے کرتا ہے، پس اس کی امامت جائز نہیں۔ (ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری فتویٰ شریعت نمر اغہ اول مندرجہ پاک و ہند کے علمائے اسلام کا اولین متفقہ فتویٰ ۱۷۶)

حدیث رسول اللہ ﷺ میں معنوی تحریف

فرماتے ہیں:

ہم نے تو حدیث قوی و فعلی اور اجماع سے ثابت کر دیا کہ بڑا فقیہ امامت کا مستحق ہے اور الحمد للہ ہماری مساجد میں یہی سنت جاری ہے لیکن غیر مقلدین کی مساجد میں یہ سنت مردہ ہے۔ کیا آپ ایک بھی حدیث پیش کر سکتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہو کہ فقہ کے منکر اور فقہ کے دشمن کو امام بناؤ، فقہ کے منکر کا امام بننا تو کجا امام کے قریب پہلی صف میں بھی (اولو الاحلام والنہی) یعنی فقیہ ہوں، دوسری صف میں بھی فقیہ کے ماننے والے ہوں، تیسری صف والے بھی فقہ کے ماننے والے ہوں۔ مسلم

سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۵۹۔

الجواب: اولاً، آپ کے تمام دلائل کا رد کر دیا گیا ہے اور آپ کا دعویٰ اجماع خالص مخالفہ سوفی صد غلط بیانی اور سولہ آنے فراڈ ہے۔ کیونکہ آئمہ اربعہ میں سے تین (امام احمد رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ) اماموں کے علاوہ قاضی ابو یوسف بھی حدیث کے موافق اقراء کو مقدم رکھنے کا موقف رکھتے ہیں۔

(درس ترمذی ص ۴۹۱ ج ۱ و فتح الملہم ص ۲۳۰ ج ۲)

ثانیاً۔ حدیث، اولو الاحلام والنہی، کا جو آپ نے معنی، فقیہ کیا ہے یہ آپ کی جہالت کا کرشمہ ہے۔ کیونکہ اس کا معنی عاقل و بالغ ہوتا ہے۔ (فتح الملہم ص ۶۳ ج ۲)۔ اور یہاں امامت کا بیان نہیں بلکہ جماعت کے وقت صف بندی کرتے ہوئے امام کے قریب کھڑے ہونے والوں لوگوں کی یہ صفت بیان کی گئی ہے اور اس کا قرینہ حدیث کا لفظ للینی کا ہے (مسلم کتاب الصلاة باب تسوية الصفوف.....) (الحديث ۹۷۲)

الغرض آپ نے یہاں دو غلط بیانیوں کی ہیں (۱) عاقل و بالغ سے فقیہ مراد لینا (۲) مقتدی سے امام مراد لینا۔

بجہ کی حلت و حرمت

فرماتے ہیں:

فقہ کا مسئلہ تو حدیث سے ثابت ہو گیا اب امام جماعت غرباء الہدیٰ نے فتاویٰ ستاریہ میں جو مسئلہ لکھا ہے کہ جو شخص بجہ کو حلال نہ سمجھے اس کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ فتاویٰ ستاریہ، سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۵۹۔

الجواب: اولاً، (فتاویٰ ستاریہ ص ۲۱ ج ۲) میں یہ بات سائل نے کہی ہے مفتی غرباء نے اس پر بجہ کی حلت پر دلائل نقل کئے ہیں اور امامت پر سکوت کیا ہے۔ واضح رہے کہ بجہ کے حلال ہونے پر حدیث صحیح صریح موجود ہے (ترمذی رقم الحدیث (۸۵۱) و ابوداؤد ص ۷۷ ج ۲ و نسائی ص ۲۲ ج ۲ و ابن ماجہ ص ۲۴۰ و دارمی ص ۴۰۰ ج ۱ و مسند احمد ص ۳۱۸ ج ۳ و ابن حبان (الموار) الحدیث (۱۰۶۸) و دارقطنی ص ۲۳۶ ج ۲ و مستدرک ص ۴۵۲ ج ۱ بیہقی ص ۱۸۳ ج ۵)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ بجہ کو کھالیا کرتے تھے، اور یہی ابن عباس رضی اللہ عنہما اور امام عطاء کا مذہب ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ صفاء اور مردہ کے درمیان بغیر کسی تکلیف کے بجہ کو گوشت فروخت ہوتا تھا، (شرح ترمذی ص ۵۲۷ ج ۱ الشیخ گوندلوی)

ثالثاً۔ اگر کوئی دیانت داری سے تحقیق کر کے اس نتیجہ پر پہنچا ہو کہ بجہ حرام ہے تو بوجہ حدیث اس کے اقتداء ناجائز نہیں ہے۔ ہاں البتہ کوئی شخص ہوائے نفس کی وجہ سے مذکورہ حدیث کو رد کرتا ہے۔ تو یہ چیز انکار میں شامل ہے، لہذا ایسے شخص کی اقتداء ناجائز ہے۔ خود علماء دیوبند کے نزدیک منکر حدیث کی اقتداء جائز نہیں، بلکہ اگر کوئی شخص منکر حدیث کا جنازہ پڑھاتا ہے اور پھر اس سے تابع بھی نہیں ہوتا تو اس کی بھی اقتداء کو ناجائز کہتے ہیں، ملاحظہ ہو (خیر الفتاویٰ ص ۳۵۰ ج ۲)

خارجی اور رافضی کی اقتداء

ماسٹر امین نے علامہ وحید الزمان مرحوم کی تالیف (لغات الحدیث ص ۹۸ ج ۸) سے نقل کیا ہے کہ رافضی اور خارجی کی اقتداء جائز ہے۔ سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۵۹۔

مبتدعین کی اقتداء کا مسئلہ خیر القرون سے مختلف فیہ ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ جس کی اپنی نماز درست ہے خواہ وہ بدعتی بھی ہو تو تب اس کی اقتداء کراہت کے ساتھ جائز ہے۔ بعض صحابہ و تابعین مختار بن عبیدہ کی اقتداء میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے حالانکہ معتبر بالاتفاق لحد اور گمراہی کی طرف دعوت دینے والا تھا۔

(فقہ السنۃ ص ۲۱۰ ج ۱) امام ابن حزم فرماتے ہیں کہ

مجھے نہیں معلوم کہ کسی ایک صحابی نے بھی، مختار بن عبیدہ بن زیاد، اور حجاج کی اقتداء سے منع کیا ہو۔ حالانکہ ان

لوگوں سے بڑھ کر کسی کا فسق نہیں، (المحلی بالانار ص ۱۳۰ ج ۳ مسئلہ نمبر ۲۸۸) جبکہ بعض حضرات مبتدعین کی اقتداء سے منع کرتے ہیں، ہمارے نزدیک یہی بات درست اور خالص حق ہے بالخصوص ایسے بدعتی جن کی بدعت حد کفر کو پہنچ چکی ہو، ان کی اقتداء حرام ہے، کیونکہ حدیث میں آتا ہے۔

فلیمکم خیار کم، اپنے امام بہتر لوگوں کو بنایا کرو، (سنن دارقطنی ص ۸۸ ج ۲) (اس کی سند ضعیف ہے) مگر اس کی تائید بعض حدیث سے ہوتی ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک قوم کی امامت کی اور قبلہ کی جانب تھوکا اور رسول اللہ ﷺ دیکھ رہے تھے تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ۔

لا یصلی لکم۔ اب وہ تمہاری امامت نہ کرے۔ (ابوداؤد رقم الحدیث ۲۸۱) و مسند احمد ص ۵۲ ج ۲ و ابن حبان رقم الحدیث ۳۳۳ (موارد) علامہ البانی نے اس کی سند کو شاہد کی وجہ سے صحیح کہا ہے۔ (تحقیق مشکوٰۃ ۷۷۷)

اس حدیث کی بنا پر بدعتی کی اقتداء جائز نہیں علمائے اہل حدیث میں اکثریت کا یہی قول ہے۔

امام اور مقتدی کی نماز

فرماتے ہیں کہ:

نواب وحید الزمان نے لکھا ہے۔ ایک شخص نے جماعت کرائی اور سلام کے بعد اعلان کیا کہ میں نے بے وضو نماز پڑھائی ہے تو نماز ہوگئی دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں، (کنز الحقائق ص ۲۴) ایک شخص نے نماز پڑھائی اور بعد میں بتایا کہ میں کافر ہوں۔ تو نماز ہوگئی دہرانے کی ضرورت نہیں (کنز الحقائق ص ۲۴) سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۵۹ و ۶۰

الجواب: اولاً عالم الغیب صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کوئی انسان بھی دوسرے شخص کے دلی خیالات معلوم کرنے کی قدرت و اختیار نہیں رکھتا یہ بات کسی شک و شبہ سے خالی ہے کہ انسان نہیں جان سکتا کہ پیش امام طہارت سے ہے یا نہیں آیا کافر ہے یا موحّد و مومن، کیونکہ یہ امام کے دل کا معاملہ ہے کہ وہ پکا مسلمان ہے یا درپردہ کافر و بے ایمان ہے۔ اور ہر وہ چیز جو انسان کے اختیار میں نہیں وہ کرنے کا مکلف نہیں، ارشاد باری ہے کہ

﴿لَا يَكْلَفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا الْهَرَّةَ آيَت ۲۸﴾

اللہ کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔

ثانیاً۔ حدیث نبوی علیہ التحیۃ والسلام میں آتا ہے کہ

قال رسول الله ﷺ يصلون لکم فان اصابوا فکم وان اخطوا فکم وعلیہم،

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ تم کو نماز پڑھاتے ہیں اگر ٹھیک ٹھاک پڑھیں گے تو تم کو ثواب ملے گا۔ اگر غلطی کریں گے (نماز غلط پڑھائیں) تو تب بھی تم کو ثواب ملے گا اور غلطی کا وبال امام پر ہوگا، (بخاری ص ۹۲ ج ۱)

عمر فاروق رضی اللہ عنہ، عثمان غنی رضی اللہ عنہ، علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، امام حسن بصری، امام سعید بن جبیر، امام ابراہیم نخعی، امام اوزاعی، امام مالک امام شافعی کا مذہب ہے کہ مقتدی کی نماز ہو جاتی ہے۔

(حاشیہ لا مع الداری ص ۲۶۷ ج ۱، والمحلّی بالانار ص ۱۳۳ ج ۳ و بیہقی ص ۴۰۱ ج ۲) قرآن کریم کی آیت، شرعی اصول حدیث نبوی، اقوال صحابہ اور فتاویٰ آئمہ عظام کے برعکس حنفیہ کے پاس قیاس فاسد کے سوا کچھ بھی نہیں پھر بھی اس مسئلہ پر اڑے بیٹھے ہیں۔

امامت کی مزید شرائط

فقہاء احناف نے امام میں مزید بھی کئی اوصاف کا ہونا بیان کیا ہے۔ خوبصورت چہرہ ہو، شریف النسب ہو، آواز اچھی ہو، بیوی خوبصورت والا ہو، لباس اچھا ہو، عضو چھوٹا اور سر بڑا ہو، وغیرہ شرائط کے بار میں ماسٹر امین کہتا ہے کہ یہ مسائل و شرائط حدیث کے خلاف نہیں، اگر ہے تو پیش کریں، سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۶۱۔

الجواب: امامت عبادت کا معاملہ ہے، اور عبادات اصل ممنوع الاصل ہیں۔ یعنی ان کی اپنی طرف سے کیفیات و قیود لگانا بدعت ہے۔ اس کی پوری تفصیل راقم نے دین الحق حصہ دوم میں عرض کر دی ہے، مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ فرض نمازیں چھ ہیں، یا نماز مغرب کی فرض رکعات چار ہیں، یا ظہر کی نماز میں ہر رکعت میں تین رکوع ہیں۔ اور دلیل یہ دے کہ اس کے رد میں حدیث صحیح صریح پیش کی جائے کہ نمازیں چھ نہیں مغرب کی چار رکعات نہیں، ظہر کی نماز میں رکوع تین تین نہیں، اور اس پر ضدی کرتا چلا جائے۔ تو ہر صاحب عقل اور تمام علماء یہی کہیں گے کہ اس کے دماغ میں نقص ہے اور یہ نالائق ہونے کے علاوہ بدترین بدعتی ہے، مولانا سرفراز خاں صاحب صفدر نے راہ سنت کے باب چہارم میں اس پر تفصیل سے لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ

عبادات میں اپنی طرف سے قیود لگانا یا ان کی کیفیت بدل دینا یا اپنی طرف سے اوقات کے ساتھ معین کر دینا یہ بھی شریعت کی اصطلاح میں بدعت ہوگی۔

(راہ سنت ص ۱۱۸)

حافظ ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں:

کل من احدث فی الدین ما لم یاذن به اللہ ورسولہ فلیس من الدین فی شیء
جس نے دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کی جس کی اجازت اللہ و رسول ﷺ نے نہیں دی تو اس کا دین سے کوئی

تعلق نہیں، (جامع العلوم والحکم ص ۴۲)

ماسٹر امین صاحب امامت میں مزید شرائط کا لگانا عبادت کے معاملہ میں دخل ہے۔ جس کی وجہ سے یہ بدترین بدعت ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا۔

من عمل عملا ليس عليه امرنا فهو رد، جس نے کوئی ایسا کام کیا جس پر ہماری طرف سے کوئی ثبوت نہیں تو وہ کام مردود ہوگا، (بخاری ص ۱۰۹۲ ج ۲ و مسلم ص ۷۷ ج ۲)

الغرض آپ کا امامت میں مزید شرائط کا لگانا چونکہ بے ثبوت ہیں لہذا بحکم حدیث یہ مردود ہیں، آپ کا دل اس حدیث کو قبول نہ کرے تو الگ بات ہے۔

من گھڑت روایات

فرماتے ہیں:

(۱) حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری نمازیں قبول فرمائے تو اپنا امام نیک لوگوں کو بناؤ، ابن عساکر،

(۲) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ثم احسن وجهها، پھر امام اس کو بناؤ جو خوبصورت چہرے والا ہو۔

(۳) آنحضرت ﷺ نے فرمایا، جورات کو زیادہ نماز پڑھتا ہے۔ اس کا چہرہ حسین و خوبصورت ہوتا ہے۔

فتاویٰ شامی،

(۴) آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں خوبصورت بیوی جنت کا خزانہ ہے۔

سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۶۱ تا ۶۳۔

تبصرہ

روایات پر نمبر ہم نے لگائے ہیں تاکہ تبصرہ میں آسانی رہے۔ اب ترتیب وار ان روایات کی حقیقت ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) اس کو (دارقطنی ص ۸۸ ج ۲، حاکم نے، مستدرک ص ۲۲۲ ج ۳) میں، اور طبرانی نے (المعجم الکبیر ص ۳۲۸ ج ۲) میں ابی مریم الغنوی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اور اس کی سند میں یحییٰ بن یعلیٰ الاسلمی راوی ہے، امام بخاری نے مضطرب الحدیث، ابو حاتم نے ضعیف کیا ہے ابن عدی کہتے ہیں کوفہ کے شیعہ میں سے تھا تہذیب ص ۳۰۴ ج ۱۱)

(یحییٰ نے مجمع الزوائد ص ۶۳ ج ۲) میں علامہ فتنی نے (تذکرہ ص ۴۰) میں اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے، اس سلسلہ میں دوسری روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ (دارقطنی ص ۳۳۶ ج ۳ و ابن

عدی ص ۹۱۲ ج ۳) امام دارقطنی اور ابن عدی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ کیونکہ سند میں خالد بن اسماعیل راوی ضعیف ہے اور ابن جریر بدترین مدلس ہیں جبکہ زیر بحث روایت میں تحدیث کی صراحت نہیں، علامہ زبیلی نے (نصب الراية ص ۲۶ ج ۲) میں اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ تیسری روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کی جاتی ہے اور امام بیہقی نے صراحت کی ہے یہ ضعیف ہے، (السنن الکبریٰ ص ۹۰ ج ۳) امام ابن قطعان فرماتے ہیں اس کا راوی حسین بن نصر مجہول ہے۔ (نصب الراية ص ۲۶ ج ۲)

چوتھی روایت ابی امامۃ رضی اللہ عنہ سے بیان کی جاتی ہے اور اس کی طرف بنی ماسر بددیانت نے اشارہ کیا ہے، علامہ علی متقی حنفی نے (کنز العمال ۲۰۴۲۸) میں ابن عساکر سے نقل کیا ہے اور صاحب کنز العمال کے اصول کے موافق یہ روایت ضعیف ہے۔ وہ خطبہ (کنز العمال ص ۱۹) میں فرماتے ہیں کہ عقیل کی الضعفاء ابن عدی کی اکامل خطیب کی تاریخ اور ابن عساکر کی طرف نسبت کر دیا بنی اس بات کے لئے کافی ہے کہ یہ روایت ضعیف و بے اصل ہے۔

(۲) یہ روایت دوسندوں سے مروی ہے۔ پہلی سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے، (ابن عدی ص ۷۷۴ ج ۲) امام ابن جوزی نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔ اور کہا ہے کہ اس کا راوی محمد بن مروان سدی غیر ثقہ ہے اور حضری مجہول ہے، (الموضوعات کبیر ص ۱۰۰ ج ۲) علامہ البانی نے بھی اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔ (الضعیفہ ۶۰۸)

دوسری سند سے حضرت ابی زید الانصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، (السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۱۲۱ ج ۳) اس کی سند میں عبدالعزیز راوی منکر الحدیث ہے، امام بیہقی نے اس روایت کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ امام ابن حبان، امام ابوالاحمد الحاکم اور علامہ البانی نے منکر اور بے اصل قرار دیا ہے۔ (الضعیفہ ۶۰۹) علاوہ ازیں یہ روایت صحیح حدیث کے مخالف بھی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

ان الله لا ينظر الى صوركم واموالكم ولكن ينظر الى قلوبكم واعمالكم.

یعنی خدا تعالیٰ تمہاری دولت و صورت کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ دلوں اور اعمال کی طرف دیکھتا ہے۔ (مسلم کتاب البر باب تحريم الظلم رقم الحديث ۶۵۴۳)

(۳) اے (ابن ماجہ ۱۳۳۳) نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے اس کی سند میں ثابت بن موسیٰ الضریر راوی ہے جسے امام یحییٰ نے کذاب اور ابوحاتم نے ضعیف کہا ہے۔ (میزان ص ۳۶۷ ج ۱) اور اسکا شیخ، شریک بن عبداللہ غلط ہے، (تقریب ص ۱۴۵) اور شریک کا استاذ، الأعمش (سلیمان بن مہران) مدلس ہے، (تقریب ص ۱۳۶)

العقيلي نے (الضعفاء الکبیر ص ۱۷۶ ج ۱) میں ابن عدی نے الکامل ص ۲۳۰۵ و ۲۳۴۷ ج ۶) میں ابن

جوزی نے (الموضوعات کبیر ص ۱۱۰ ج ۲) میں، (سبوطی اللالی الموضوعه ص ۲۹ ج ۲) میں فتی نے (تذکرہ ص ۲۸) میں شوکانی نے (الفوائد المجموعه ص ۳۵) میں ملا علی قاری نے (الموضوعات الکبیر ص ۱۲۵) میں اور علامہ البانی نے (ضعیف ابن ماجہ ص ۹۸) میں اس روایت کو ضعیف و باطل قرار دیا ہے۔
(۴) یہ روایت راقم کو نہیں ملی، واللہ اعلم

نماز کا اول وقت

حضرت حکیم صاحب نے سبیل الرسول ص ۲۰۸ پر مذکورہ عنوان کے تحت فقہ حنفی اور حدیث نبوی علیہ التحیۃ والسلام کا اختلاف بیان کرتے ہوئے ثابت کیا تھا کہ
اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کی زبانی معلوم ہوا کہ جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جائے تو یہ نماز عصر کا اول وقت اور نماز ظہر کا آخری وقت ہے، یعنی ظہر ختم اور عصر شروع ہے۔ لیکن حنفی مذہب اس کے برعکس حکم دیتا ہے وہ کہتا ہے۔
امام ابو حنیفہ کے نزدیک آخری وقت ظہر کا، اور اول وقت عصر کا وہ ہے جب ہر چیز کا سایہ اس سے دو گنا ہو جائے۔ سبیل الرسول ص ۱۰۸ و ۱۰۹۔

اس کا جواب تحریر کرتے وقت ماسٹر امین ادھر ادھر کی فضول بھرتی کرتے ہوئے، آئندہ اربعہ کا اختلاف اور امام ابو حنیفہ کی مختلف روایات نقل کرتا ہے کہ (۱) ظہر کا وقت دو گنا سایہ پر ختم ہوتا ہے (۲) ایک مثل سایہ پر ختم ہوتا ہے (۳) ظہر کا ایک مثل پر وقت ختم ہو جاتا ہے۔ اور عصر کا وقت دو گنا سایہ ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے (۴) ظہر کا وقت دو گنا سایہ سے کچھ پہلے ختم ہو جاتا ہے اور عصر کا دو مثل کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اس رام کہانی کو درج کرنے کے بعد علماء احناف کا اختلاف بیان کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ
ظہر کا وقت ایک مثل تک تو بالیقین رہتا ہے۔ اور مثل ثانی کے ختم تک رہنے کا احتمال ہے۔ اور عصر وقت مثل ثالث سے بالیقین شروع ہوتا ہے۔ مگر مثل ثانی سے شروع ہونے کا احتمال ہے۔ ایک نظر ص ۷۷۔
اسی موقف کو مولانا محمود حسن خاں دیوبندی کی طرف منسوب کر کے آخر اپنے راگ کی تان اس پر توڑتے ہیں۔

حضرت قدس سرہ نے یہ نقطہ نظر دو وجہ سے اپنایا ہے۔ ایک اس وجہ سے کہ مثلیں تک ظہر کا وقت باقی رہنے کی کوئی صریح روایت نہیں اس لئے احتمال ہے کہ مثل ثانی عصر کا وقت ہو۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ امامت جبرئیل والی حدیث کی تاریخ معلوم ہے، وہ اس وقت کی روایت ہے، جب پانچ نمازیں فرض ہوئی تھیں، اور باقی تمام روایتیں بعد کی ہیں، اس لئے احتمال ہے کہ مثل اور مثلیں کے معاملہ میں نسخ ہوا ہو، یعنی عصر کا وقت کٹ کر مثلیں سے کر دیا گیا

ہو، اور ظہر کا وقت بڑھا کر مثلین تک کر دیا ہو، سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۷۹۔

عبارت پر تبصرہ

اس عبارت سے واضح ہے کہ دو گناہ سایہ تک ظہر کا وقت باقی رہنے کی کوئی صریح حدیث موجود نہیں حدیث موجود نہ ہونے کے باوجود ایک مثل کے منسوخ ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں، حالانکہ اس پر کوئی دلیل موجود نہیں، محض کسی احتمال سے کوئی چیز ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ یقین کو شک زائل نہیں کرتا، دوسری مثل سے عصر کا وقت شروع ہونا اور ظہر کا ختم ہونا حدیث صحیح صریح سے ثابت ہے۔ اس کے بالمقابل حدیث صحیح چاہیے کہ ظہر کا وقت دو مثل تک باقی رہتا ہے اور عصر کا تیسری مثل پر شروع ہوتا ہے۔ حالانکہ ایسی کوئی حدیث موجود نہیں۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں۔

واما اخر وقت الظھر فلم یوجد فی حدیث صحیح ولا ضعیف انه یبقی بعد مصیر ظل کل شیء مثله ولذا خالف ابا حنیفة فی هذه المسئلة احبائه و فقهاء الجمهور .
اور کسی صحیح ضعیف روایت میں نہیں کہ ظہر کا وقت ایک مثل کے بعد بھی رہتا ہے۔ اور اسی وجہ سے صاحبین (امام محمد اور قاضی ابو یوسف) نے امام ابو حنیفہ کی مخالف کرتے ہوئے جمہور کی موافقت کی ہے۔
تفسیر مظہری، بحوالہ (معیار الحق ص ۳۱۳ و انتصار الحق ص ۳۳۴)
مولانا عبدالحی لکھنوی مرحوم فرماتے ہیں

الانصاف فی هذا المقام ان احادیث المثل صریحة صحیحة و اخبار المثلین لیست صریحة فی انه لا یدخل وقت العصر الی المثلین و اکثر من اخبار المثلین انما ذکر فیہ توجیہ احادیث استنبط منها هذا الامر و الامر المستنبط لا یعارض الصریح .
اس مقام پر انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ نماز ظہر کے ایک مثل پر وقت ختم ہونے کی احادیث صحیح اور صریح ہیں جبکہ دو مثل کی روایات صریح نہیں ہیں۔ کہ دو مثل کے بعد عصر کا وقت آتا ہے۔ اور جن روایات سے دو مثل پر استدلال کیا جاتا ہے۔ ان میں توجیحات اور استنباط کیا جاتا ہے۔ جبکہ اصول یہ ہے کہ استنباط صریح کا معارض نہیں ہو سکتا۔
(التعلیق المسند ص ۲۵) مزید فرماتے ہیں

وقال ابو حنیفة اول وقت العصر من حین یصیر الظل مثلین وهذا خلاف الآثار و خلاف الجمهور و هو قول عند الفقهاء من اصحابہ و غیرہم مہجور .
یعنی امام ابو حنیفہ نے کہا کہ عصر کا اول وقت تب ہوتا ہے جب سایہ دو مثل ہو جائے، مگر یہ قول آثار (حدیث نبوی) کے خلاف ہے۔ اور جمہور کے بھی، اور یہی قول انہی کے فقہاء تلامذہ اور دوسرے فقہاء کے نزدیک متروک و

مہجور ہے، (التعلیق الممجد ص ۴۳)

نامر حنفیت مولانا نبوی فرماتے ہیں

وانی لم اجد حدیثا صریحا صحیحا او ضعیفا بدل علی ان وقت الظہر الی ان بصیر
الظل مثلیہ۔

میں نے کوئی ایسی صحیح یا ضعیف حدیث نہیں پائی جو اس بات پر دلالت کرتی ہو کہ ظہر کا وقت دو مثل تک رہنا
چاہئے، (آثار السنن ص ۵۳)۔

مولانا تقی عثمانی دیوبندی فرماتے ہیں

مشہلین پر ظہر کا وقت ختم ہونے کے سلسلہ میں عموماً احناف کی طرف سے بھی تین دلیلیں پیش کی جاتی ہیں لیکن
انصاف کی بات یہ ہے کہ ان میں سے کوئی حدیث بھی اوقات کے تحریر پر صریح نہیں ہے۔ اس کے برخلاف حدیث
جبرئیل میں صراحۃً پہلے دن کی نماز عصر مثل اول پر پڑھنے کا ذکر موجود ہے۔ اس لئے یہ حدیثیں حدیث جبرئیل کا
مقابلہ نہیں کر سکتیں، (درس ترمذی ص ۳۹۶ ج ۱)

ان عبارات اکابر علما دیوبند سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ ظہر کا دو گناہ سایہ تک باقی رہنا کسی
حدیث صحیح یا ضعیف سے صریحاً ثابت نہیں ہوتا، صرف استدلال کئے جاتے ہیں جبکہ اصول یہ ہے کہ استدلال صریح
احادیث کا معارض نہیں ہو سکتا۔

اس کے بعد ماسٹر امین کے عذرات و دلائل کا جواب تحریر کرنا ہمارے ذمہ باقی نہیں رہتا۔ لیکن اس کے باوجود
ہم تحریر کرتے ہیں تاکہ بات پوری طرح قارئین کرام پر کھل جائے، واللہ یھدی من یشاء۔

دلیل اول و دوم

اس دلیل کے تحت ماسٹر امین نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے، پہلے موطا امام مالک سے پھر موطا
امام محمد سے نقل کر کے اسے دو دلیل قرار دیا ہے، حالانکہ یہ ایک ہی روایت ہے، سند کے لحاظ سے اور متن کے اعتبار
سے بھی واضح رہے کہ موطا امام مالک جو یحییٰ بن یحییٰ کی روایت سے ہے وہ موطا امام مالک کے نام سے معروف ہے
اور جو امام محمد کی روایت سے ہے وہ موطا امام محمد کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا اعتراف خود امین صاحب نے بھی ص
۳ پر کیا ہے مگر آگے چل کر انہیں علیحدہ علیحدہ قرار دے کر کذب بیانی کا ارتکاب کر کے اپنی آخرت خراب کی ہے۔

علاوہ ازیں یہ روایت موقوف ہے، اور اصول یہ ہے کہ جب موقوف مرفوع کے مخالف ہو تو جب موقوف قابل
قبول نہیں ہوتی۔ مولانا ظفر احمد تھانوی دیوبندی فرماتے ہیں۔ قول الصحابی حجة عندنا اذا لم يخالفه
مرفوع۔

یعنی صحابی کا قول ہمارے نزدیک حجت ہے جب مرفوع حدیث کے خلاف نہ ہو، (اعلاء السنن ص ۱۲۶ ج ۱)، مزید تفصیل راقم کی تالیف، تحفہ حنفیہ ص ۲۷۶ ج ۱ میں ملاحظہ کریں۔

تیسری دلیل

فرماتے ہیں کہ:

امام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ تو ظہر کی نماز میں سے جلدی پڑھتے تھے اور تم لوگ عصر کی نماز کو آنحضرت ﷺ سے جلدی پڑھتے ہو، (ترمذی ص ۱۵۰ و مسند احمد ص ۲۶۹ ج ۶)، سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۸۲۔

الجواب: اولاً، حدیث کے کن الفاظ کا یہ معنی ہے کہ ظہر کا وقت دو گناہ سایہ ہونے تک رہتا ہے۔ اور اس کے بعد عصر کا شروع ہوتا ہے۔ اگر یہ بات سرے سے روایت میں موجود ہی نہیں تو آپ کا دعویٰ اور مذہب کیسے ثابت ہو گئے۔

ثانیاً۔ یہ روایت تو ثابت کرتی ہے کہ نبی ﷺ عصر کی بجائے ظہر میں جلدی کرتے تھے۔ مولانا عبدالحی لکھنوی مرحوم فرماتے ہیں۔

لأنما يدل كون التعجيل في الظهور اشد من التعجيل في العصر لا على استحباب تاخير العصر.

یعنی یہ روایات تو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نبی ﷺ عصر کی بجائے ظہر کی نماز میں جلدی کرتے تھے۔ اس سے نماز عصر کو تاخیر سے پڑھنے کا استحباب ثابت نہیں ہوتا، (التعلیق الممجد ص ۳۶)۔
مولانا انور شاہ کاشمیری حنفی دیوبندی فرماتے ہیں کہ

ان حديث الباب ظاهره مبهم والتاخير امر اضافي ولا لفاظ الاضافية لا يكاد يفصل بها الامر

یعنی اس کا مفہوم مبہم ہے۔ اور تاخیر امر اضافی ہے، اور الفاظ الاضافیہ سے کسی چیز کا حکم مستحب نہیں کیا جاسکتا، بحوالہ معارف السنن ص ۱۷۶ ج ۲

چوتھی دلیل

فرماتے ہیں:

حضرت رافع بن خدیجؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ لوگوں کو حکم دیتے تھے کہ وہ عصر کی نماز کو مؤخر کر کے پڑھیں۔ سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۸۲۔

الجواب: اولاً، تاخیر کا معنی کس لغت کی کتاب میں لکھا ہے کہ ظہر ذو مثل تک اور عصر کا اس کے بعد شروع ہوتا ہے۔ وضاحت کیجئے۔

ثانیاً۔ امام بیہقی نے آگے (السنن الکبریٰ ص ۴۴۳ ج ۱) میں اس روایت پر جرح کر کے ضعیف ثابت کیا تھا اسے آپ بددیانتی سے، مضمر کر گئے ہیں، واضح رہے کہ اس کی سند میں عبدالواحد بن نافع الکلاعی راوی ہے، امام ابن حبان اور امام حاکم اور ابو نعیم فرماتے ہیں کہ یہ اہل شام سے موضوع روایات بیان کرتا ہے اس کا ذکر جائز نہیں مگر قدح کے طور پر امام ابن قنطار فرماتے ہیں مجہول الحال ہے، (میزان الاعتدال ص ۶۷۶ ج ۲ ولسان المیزان ص ۷۹ ج ۴) مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی مرحوم نے (التعلیق الممجد ص ۴۶) میں اور علامہ زیلعی نے (نصب الراية ص ۲۴۵ ج ۱) میں اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

مولانا تقی عثمانی کا یہ کہنا کہ محدثین کی تعداد جارحین سے زیادہ ہے درس (ترمذی ص ۴۱۰) غلط بیانی ہے کسی محدث سے اس کی توثیق منقول نہیں کوئی ادنیٰ کلمہ توثیق بھی راقم کو کتب رجال سے عبدالواحد کے متعلق نہیں ملا، یہ سب تقلیدی آفات ہیں کہ اپنے موقف کی پاسداری کے لئے جھوٹ بولا جا رہا ہے۔

پانچویں دلیل

فرماتے ہیں:

(مصنف عبدالرزاق ص ۵۴۰ ج ۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور شاگرد ظہر کی نماز جلدی پڑھتے تھے اور عصر کی نماز تاخیر سے پڑھتے تھے۔
سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۸۲۔

الجواب: اولاً، تاخیر کے متعلق بتایا جا چکا ہے کہ حنفی حضرات کا مذہب ثابت نہیں ہوتا۔
ثانیاً۔ یہ تابعین کا عمل ہے جو حدیث نبوی کا معارض نہیں ہو سکتا۔

ثالثاً۔ اس کی سند میں سفیان ثوری مدلس ہیں علامہ ذہبی فرماتے ہیں، (ید لس عن الضعفاء) یعنی ضعیف راویوں سے مدلس کرتے ہیں (میزان ص ۱۶۹ ج ۲) دوسرا راوی الاعمش ہے۔ یہ بھی مدلس ہے، تقریب اور زیر بحث روایت معصن ہے جس کی وجہ سے ضعیف ہے۔

چھٹی دلیل

فرماتے ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۲۷ ج ۱) میں ہے کہ سوار بن شیبہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ عصر کو اتنا مؤخر کر کے پڑھتے تھے کہ میں یہ خیال کرتا تھا شاید سورج زرد ہو گیا ہے۔ سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۸۲۔

الجواب: اولاً، یہ روایت آپ کے بھی خلاف ہے، روایت کے الفاظ ہیں حتی اقول قد اصفرت الشمس، یہاں تک کہ میں کہتا کہ سورج زرد ہو گیا ہے اور یہ وقت بالاتفاق مکروہ ہے۔ مفتی خیر المدارس ملتان دیوبندی فرماتے ہیں صحیح یہ ہے کہ عصر کا مکروہ وقت آفتاب کے متغیر ہونے سے شروع ہو جاتا ہے (خیر الفتاوی ص ۱۹۵ ج ۲)

اسی وجہ سے ماسٹر امین نے تقلیدی ہاتھ کی صفائی سے روایت کا معنی غلط کیا ہے۔ روایت میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس کا یہ معنی ہو، میں یہ خیال کرتا تھا شاید یہ ماسٹر امین کا کذب و افتراء اور دجل و فریب ہے۔
ثانیاً۔ اس کی سند میں عمرو بن عبد اللہ بن یعلیٰ بن منیہ، راوی ہے۔ امام احمد امام ابن معین، امام ابو حاتم امام نسائی مکر الحدیث کہتے ہیں امام جریر فرماتے ہیں شراب پیتا تھا، امام دارقطنی نے متروک الحدیث کہا ہے۔ (تہذیب ص ۴۱۷ ج ۲ و میزان ص ۲۱۱ ج ۳ و ابن عدی ص ۱۶۹۲ ج ۵) الغرض یہ روایت ضعیف ہے۔

ساتویں دلیل

فرماتے ہیں (ابو داؤد ص ۵۹ ج ۱، ابن ماجہ ص ۲۸) میں ہے کہ علی بن شیبان کہتے ہیں کہ ہم لوگ مدینہ میں آنحضرت ﷺ کے پاس آئے تو آپ عصر کی نماز مؤخر کر کے پڑھتے تھے جب تک سورج سفید اور صاف ہو جاتا تھا۔

سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۸۲۔

الجواب: اولاً، مؤخر سے آپ کا موقف ثابت نہیں ہوتا۔ تفصیل گزر چکی ہے۔
ثانیاً۔ روایت کے الفاظ نقیہ کے ہیں۔ اور ان کا معنی چمکنا ہوتا ہے، صاف نہیں جیسا کہ آپ نے تحریر کیا ہے۔
ثالثاً۔ اس کی سند میں یزید بن عبد الرحمن راوی مجہول ہے، (تقریب ص ۳۸۳) علامہ البانی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (ضعیف ابو داؤد ص ۴۰)، واضح رہے کہ یہ روایت ابن ماجہ میں نہیں۔ یہ آپ کی زبانی ہے۔

رابعاً۔ صحیح صریح احادیث کے خلاف ہے۔

(۱) حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عصر کی نماز پڑھتے پھر ہم میں سے کوئی اپنے گھر لوٹا تو سورج چمکتا ہوتا تھا، (بخاری ص ۷۸ ج ۱، و مسلم ص ۲۳۰ ج ۱)

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی ﷺ عصر کی نماز پڑھتے پھر ہم میں سے کوئی عوالی مدینہ میں جاتا تو سورج بلند ہوتا تھا۔ اور عوالی مدینہ سے چار میل ہے۔ (بخاری ص ۷۸ ج ۱، و مسلم ص ۲۲۵ ج ۱)

(۳) حضرت رافع خدیج رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ عصر کی نماز پڑھ کر اونٹ کو ذبح کر کے،

غروب آفتاب سے پہلے پکار کر کھالیا کرتے تھے۔ (بخاری ص ۳۳۸ ج ۱ و مسلم ص ۲۲۵ ج ۱)۔

آٹھویں دلیل

فرماتے ہیں کہ (مصنف عبدالرزاق ص ۵۴۰ ج ۱) میں ہے کہ ابراہیم نخعی کہتے ہیں تم سے پہلے لوگ ظہر کی نماز کو تمہاری بہ نسبت جلدی پڑھتے تھے اور عمر کی نماز کو تم سے زیادہ مؤخر کرتے تھے، سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۸۳۔
الجواب: اولاً، پہلے عرض کر دیا گیا ہے کہ تاخیر سے آپ کا مذہب ثابت نہیں ہوتا۔

ثانیاً۔ اس کی سند میں سفیان ثوری ہیں جو مدلس ہیں۔ (میزان ص ۱۶۹ ج ۲) اور روایت میں تحدیث نہیں صیغہ عن سے مروی ہے جس کی وجہ سے یہ روایت سنداً ضعیف ہے۔
ثالثاً۔ یہ تابعی کا قول ہے جو مرفوع حدیث کا محارض نہیں ہو سکتا۔

کبھی اچنا بنا لیا کبھی بگنا

فرماتے ہیں حدیث جبریل حکیم صاحب نے ص ۲۴۳ پر نقل کی ہے مگر نقل کرنے میں کئی خیانتیں کی ہیں (۱) حدیث آدمی نقل کی ہے (۲) اس حدیث کی سند میں راوی عبدالرحمن بن الحارث ضعیف ہے۔ (میزان ص ۵۵۴ ج ۲) مگر حکیم صاحب نے اس کا ذکر تک نہیں کیا۔
سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۸۳۔

(۱) اس حدیث کو آپ نے بھی ص ۶۹ پر بیان کیا ہے مگر آپ کو تو آدمی بیان کرنے کی بھی توفیق نہیں ملی۔ صرف ایک ٹکڑے کو نقل کیا ہے۔
(۲) اگر عبدالرحمن کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے تو آپ نے بھی استدلال تو کیا ہے مگر اس کا ذکر نہیں کیا جو چیز حکیم صاحب کے لئے خیانت ہے وہ آپ کے لئے امانت داری ہے۔

پیر جی سید مشتاق علی شاہ

اوقات نماز کی بحث تحریر کرنے کے بعد ماسٹر جی نے ہمت ہار دی ہے۔ اور ان کے مرید جو اپنے نام کے ساتھ ہمیشہ پیر جی کا لاحقہ ضرور کرتے ہیں (سید مشتاق علی میدان میں کود پڑے ہیں۔ اور ص ۸۴ تا ۱۵۲ آخر کتاب تک انہوں نے باقی ماندہ مسائل کا جواب لکھا ہے۔ کہیں علماء دیوبند کے فتاویٰ نقل کئے ہیں تو کہیں رجم الغیب یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ مسئلہ حکیم صاحب نے ظفر المسین سے لیا ہے۔ اور ظفر المسین کا جواب علماء دیوبند کی طرف سے فتح المسین کے نام سے دیا گیا ہے۔ اس میں مسئلہ کی تفصیل دیکھیں۔ بلاشبہ ظفر المسین کا جواب فتح المسین کے نام سے دیا گیا تھا مگر فتح المسین کا جواب، الکلام التین فی اظہار تلخیصات المقلدین کے نام سے مولانا محمد ابوالحسن سیالکوٹی مرحوم نے لکھا تھا، جو سات سو صفحات پر مشتمل ہے۔ جس کا جواب پوری ذریت احناف پر تاحال ادھا رہا ہے۔ اگر محض اتنا ہی کافی ہوتا تو

فلاں فلاں کتاب کی مراجعت کرو تو صرف، الکلام التین کا نام ہی کافی دشانی تھا، مگر ہم پیر جی کے دلائل جوتا رنگبوت سے بھی زیادہ کمزور ہیں ان کا ترتیب وار جواب تحریر کرتے ہیں تاکہ حق و باطل کے درمیان امتیاز ہو جائے۔ واللہ بھدی من یشاء۔

دو نمازوں کا جمع کرنا

حضرت حکیم صاحب نے سبیل الرسول ص ۲۱۰ پر دو نمازوں کا جمع کر کے پڑھنا صحیح و صریح حدیث سے بیان کیا تھا، پھر حدیث سے فقہ حنفی کا اختلاف بیان کیا تھا۔ اس کا پیر جی رد تحریر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

فقہ کا مسئلہ تو خود بخاری و مسلم کی حدیث سے صراحتاً ثابت ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی آنحضرت ﷺ کو بے وقت نماز پڑھتے نہیں دیکھا، مگر دو نمازیں مغرب اور عشاء جمع کے موقع پر اور اس دن آپؐ نے فجر کی نماز وقت (مقار) سے پہلے ادا فرمائی۔ سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۸۵۔

الجواب: اولاً، یہ حدیث تو حنفیہ کے بھی خلاف ہے کیونکہ حج کے موقع پر عرفات میں ظہر و عصر اور مزدلفہ میں مغرب و عشاء کے تو آپؐ بھی قائل ہیں، پیر صاحب نے اس اعتراض سے جان چھڑانے کی غرض متن روایت میں ہی تحریف کر دی اور اپنی طرف سے حج کے موقع پر کے الفاظ بڑھا دیئے۔ حالانکہ (بخاری رقم الحدیث ۱۶۸۲) و مسلم رقم الحدیث ۳۱۱۶) میں روایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تو ہے مگر حج کا اس میں ذکر نہیں۔

ثانیاً۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اپنی دید بیان کرتے ہیں نبی مکرم ﷺ سے اس کی نفی نقل نہیں کرتے، جبکہ متعدد صحابہ کرام سے جمع بین الصلاۃ کی حدیث مروی ہے مثلاً۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، (بخاری ص ۴۲۱ ج ۱ و مسلم ص ۲۳۵ ج ۱)

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، (بخاری رقم الحدیث ۱۱۰۷)

(۳) حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ، (بخاری ص ۷۲ ج ۱ و مسلم ص ۱۹۶ ج ۱)

(۴) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، (ابو دود ص ۱۷۲ ج ۱ و ترمذی مع تحفه ص ۳۸۶ ج ۱ و مسند

احمد ص ۲۲۹ ج ۵ و بیہقی ص ۱۶۳ ج ۳)۔

(۵) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، (بخاری ص ۱۵۰ ج ۱ و مسلم ص ۲۳۵ ج ۱)۔

اس کے علاوہ بھی جمع بین الصلاۃ کی احادیث مروی ہیں جن کی تعداد چودہ ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ان کی اپنی دید کا بیان ہے جبکہ دیگر صحابہ کرام سے جمع بین الصلاۃ کا اثبات ہوتا ہے۔ اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ ثبوت نفی پر مقدم ہوتا ہے۔ مولانا سرفراز خان صفدر حنفی دیوبندی فرماتے ہیں اور یہ طے شدہ قاعدہ ہے کہ اثبات نفی پر مقدم ہوتا ہے۔ (احسن الکلام ص ۲۵۹ ج ۱)

ایک نئی دریافت

بہر صاحب فرماتے ہیں:

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا
بے شک نماز مومنوں پر فرض ہے، وقت پر، جب نماز وقت پر فرض ہوتی ہے اور وقت سے پہلے فرض ہی نہیں تو
ادا کیسے ہوگی۔ سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۸۵۔

الجواب: اولاً، جمع اگر دو نمازوں کا جمع کرنا۔ اس آیت کی رو سے غلط ہے اور نماز ادا ہی نہیں ہوتی تو حنفی حج
میں جمع تقدیم اور جمع تاخیر کر کے کیوں نمازیں پڑھتے ہیں۔ فَمَا كَانَ جَوَابَكُمْ فَهَوَ جَوَابُنَا۔
ثانیاً۔ آپ کے استدلال کو اگر تسلیم کر جائے تو تب بھی جمع تاخیر جائز ثابت ہوگی کیونکہ وہ نماز فرض ہونے
کے بعد ہی ادا ہوئی حالانکہ آپ اس کے قائل نہیں۔

ثالثاً۔ قرآن نے نماز کو کتابا موقوتا فرمایا مگر موقوتا (وقت) کی تفصیل بیان نہیں کی یہ نبی مکرم ﷺ نے
اپنے عمل سے تفسیر کی ہے، اور نبی ﷺ نے جس طرح سفر و حضر میں کتابا موقوتا کی عملی تفسیر پیش کی ہے وہ ہی کتابا
موقوتا ہے۔

لہذا آپ کسی نص سے سفر میں، جمع بین الصلاۃ تین کو موقوتا سے خارج ثابت کریں، ورنہ آپ کے زبانی دعویٰ
کو کون سنتا ہے، جو عمل نبوی علیہ التحیۃ والسلام کے مخالف ہونے کی وجہ سے باطل و مردود ہے۔

قرآن میں معنوی تحریف

فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، حافظوا علی الصلوٰۃ والصلوٰۃ الوسطی، پابندی کرو نمازوں کی یعنی ان کے
وقتوں میں پڑھو، سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۸۶۔

الجواب: اولاً، آپ نے جو متن ترجمہ میں یعنی ان کے وقتوں میں پڑھو کے الفاظ کا اضافہ کیا ہے یہ قرآن پر
افتراء ہے اور حفاظت کا معنی وقت کسی لغت میں نہیں لکھا۔

ثانیاً۔ اگر دو نمازوں کا جمع کرنا حفاظت کے منافی ہے تو آپ حج کے موقعہ پر حفاظت کی مخالفت کرتے ہیں،
فَمَا كَانَ جَوَابَكُمْ فَهَوَ جَوَابُنَا۔

مفہوم القرآن وسعت میں تنگی کا مظاہرہ

فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهْوَاتِ فَسُوفَ

یلقون غیا۔ پھر ہوئے ایسے ناخلف جنہوں نے نمازوں کو ضائع کیا (یعنی وقت سے بے وقت پڑھ کر) اور اپنی شہوتوں کے پیچھے پڑ گئے۔ عنقریب وہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۸۶۔

الجواب: اولاً، اعضا عوا میں فقط وقت ہی نہیں بلکہ نماز کی تمام شرائط و ارکان شامل ہیں۔ مگر آپ اسے صرف وقت سے مخصوص کرتے ہیں حالانکہ اعضا عوا بمعنی وقت کسی لغت میں نہیں لکھا، الغرض نماز کا جو بھی رکن سنت کے خلاف ہے وہ اعضا عوا میں شامل ہے۔ اور حنفیوں کی نماز جس قدر سنت کے مخالف ہے۔ دعویٰ سے کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی فرقوں میں سے کسی کی بھی نہیں۔

ثانیاً۔ نماز کے متعلق جو چیز سنت سے ثابت ہے وہ اعضا عوا میں شامل نہیں، ورنہ لازم آئے گا کہ نبی مکرم ﷺ کی نماز بھی ضائع تھی اور یہ باطل ہے۔ کیونکہ نبی ﷺ سے دو نمازوں کا جمع کرنا ثابت ہے۔

ثالثاً۔ اگر سفر میں دو نمازوں کا جمع کرنا اس کا ضائع ہونا ہے تو یہ آپ کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ حج میں آپ بھی اس کے مرتکب ہوتے ہیں۔ فما كان جوابكم فهو جوابنا۔

تفسیر بالرائے کا ایک مزید نمونہ

فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، فويل للمصلين الذين هم عن صلوٰتہم ساهون، تباہی اور بربادی ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نماز سے غافل ہیں، پس جو شخص ظہر کا سارا وقت نماز سے غافل رہا اور اسے عصر کے وقت میں پڑھایا مغرب کا سارا وقت غافل رہا نماز ادا نہ کی اور عشاء کے وقت میں اسے پڑھا وہ بھی اس آیت کا مصداق ہے۔

سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۸۶

الجواب: اولاً، بجا فرمایا ہے جناب نے غور کیجئے اس میں آپ نے اپنے ہی مذہب پر تیر چلائے ہیں۔ کیونکہ حنفی ہی عموماً ظہر کو اتالیٹ کرتے ہیں کہ اس کا وقت مثل اول نکل جاتا ہے اور دوسری مثل میں اسے ادا کرتے ہیں جو نماز عصر کا وقت ہے، پھر حج کے موقع پر حنفی بھی نماز مغرب کو اتالیٹ کرتے ہیں کہ اس کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور نماز عشاء کا وقت شروع ہونے انہیں جمع کر کے پڑھتے ہیں، قدروی ص ۵۹، خلاصہ کلام یہ کہ جو مفہوم آپ نے بیان کیا ہے اگر وہی ہے تو اس کے حنفی بھی مرتکب ہیں۔

فما كان جوابكم فهو جوابنا

ثانیاً۔ نماز کے معاملہ میں جو چیز سنت سے ثابت ہے وہ ساهون میں شامل نہیں اور سفر میں دو نمازوں کا جمع کرنا سنت سے ثابت ہے لہذا ساهون میں داخل نہیں۔

حدیث نبوی علیہ السلام سے استدلال

فرماتے ہیں: حضرت ابو قتادہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نیند میں تفریط نہیں ہے۔ تفریط تو یہ ہے کہ آدمی نماز نہ پڑھے یہاں تک کہ دوسری نماز کا وقت آجائے۔ سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۸۷

الجواب: اولاً، اگر دو نمازوں کو جمع کرنا اس حدیث کی مخالفت ہے تو یہ مزدلفہ میں مغرب و عشاء کو جمع کرنے کی ممانعت پر بھی دلیل ہے جیسا کہ علامہ سندھی حنفی مرحوم نے صراحت کی ہے۔ (بحوالہ فتح المعلم ص ۲۳۲ ج ۲)

ثانیاً، تفریط وہ ہے جو بلا عذر شرعی اور بلا رخصت نبوی ہو، جو چیز سنت سے ثابت ہو وہ تفریط میں شامل نہیں ہے۔ جیسا کہ خود حنفیہ کے نزدیک بھی حج کے موقعہ پر نمازیں جمع کرنا جائز ہے۔

کیا یہ گناہ کبیرہ ہے

فرماتے ہیں: امام محمد فرماتے ہیں کہ ہم سے ثقہ راویوں نے علاء بن الحارث سے انہوں..... سے روایت کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ساری دنیا کو یہ لکھ بھیجا اور ان کو ایک وقت میں دو نمازوں کا جمع کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ موطا امام محمد، حضرت فاروق اعظم کے اس حکم پر کسی نے انکار نہیں کیا گویا یہ مسئلہ امت میں اجماعی حیثیت رکھتا تھا لیکن نواب وحید الزمان غیر مقلد لکھتا ہے کہ دو نمازوں کو ایک وقت میں بلا عذر بھی جمع کر کے پڑھنا ہم اہل حدیثوں کی علامت ہے، سبحان اللہ، اس مذہب کی علامت ہی کبیرہ گناہوں سے بنتی ہیں۔ سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۸۷

الجواب: اولاً، رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام تابعین عظام، آئمہ اربعہ میں سے تین امام سفر میں نمازیں جمع کرتے رہے۔ جیسے مؤلف، ایک نظر، امام محمد کی ایک روایت کی بنا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب قرار دے رہا ہے۔ یہ وہی امام محمد ہے جو آئمہ محدثین کے نزدیک سنی الحفظ متروک اور غیر ثقہ ہے۔ جسے ان کے ساتھی قاضی ابو یوسف نے یہ کہا ہے کہ مجھ پر جھوٹ باندھتا ہے۔ (ابن عدی ص ۲۱۸۳ ج ۵ و لسان المیزان ص ۱۲۲ ج ۵)

پھر ایسے راوی نے جو سند بیان کی ہے وہ بھی قابل دید ہے کہ اخبرنا بذلك الثقات عن العلاء بن الحارث عن مکحول، یہ خبر دی ہے یہ کون سے ثقہ راوی تھے جن کا نام لینا امام محمد نے پسند نہیں کیا، الغرض یہ روایت من گھڑت اور باطل ہے۔

ثانیاً، اگر کسی عذر شرعی کی وجہ سے نمازیں جمع کرنا گناہ کبیرہ ہے تو پوری دنیا کے حنفی بھی اس کے مرتکب ہیں۔ کیونکہ حج کے موقعہ پر یہ بھی جمع بین الصلا تین کرتے ہیں۔

ثالثاً، پیر جی کی عبارت میں جہاں نقاط ہیں یہ ہم نے لگائے ہیں، اصل کتاب ایک نظر میں یہاں پر بیاض

ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ پیر جی نے کتابت کے بعد یا پہلی اشاعت کے بعد کسی ایڈیشن میں کھول کا نام کاٹ دیا ہے اس کے کاٹنے کی وجہ کیا تھی یہ بھی قارئین کرام کے لئے دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے فاتحہ خلف الامام پڑھنے کے بارے حدیث آتی ہے اور اس کی سند میں امام کھول ہیں، (ابو داؤد مع عون ص ۳۰۴ ج ۱ وغیرہ)۔

اس حدیث سے انکار بوجہ کھول کرتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے، (احسن الکلام ص ۹۶ ج ۲)
اس جرح کے جواب تو یہ موقعہ نہیں بازوق حضرت، (توضیح الکلام ص ۳۲۳ ج ۱) کی مراجعت کریں سر دست ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ پیر جی نے یہ بیاض بدیانتی سے کیا ہے تاکہ یہ معلوم نہ ہو سکے کہ اس کی سند میں ایک ایسا راوی ہے جو دیوبند کی کوئی جرح میں ضعیف ہے۔

راجا۔ یہ روایت کھول نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے اور امام ابو زرہ فرماتے ہیں کہ کھول کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت مرسل ہے، (بحوالہ مراسیل ابن ابی حاتم ص ۲۱۳ تہذیب ص ۲۹۲ ج ۱۰)
جس روایت میں ایک راوی سنی الحفظ ہو، بیان بھی مبہم راوی سے کرتا ہو، دوسرا راوی خود فریق مخالف کے نزدیک ناقابل حجت ہو، پھر اس کا طریق بھی مرسل ہو، علاوہ ازیں وہ صحیح و صریح مرفوع احادیث کے معارض و مخالف بھی ہو، اس کے باطل و مردود ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ مگر قربان جانی پیر جی کی فتاہت پر کہ ایسی من گھڑت اور باطل روایت کو بنیاد بنا کر اسی فی صدامت مرحومہ پر گناہ کبیرہ، کافتویٰ صادر کر رہے ہیں۔ شرم ہے نہ حیا۔

مرد و عورت کی نماز کا امتیاز

حضرت حکیم صاحب نے سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۲۱۲ پر دلائل و براہین سے ثابت کیا تھا کہ مرد و عورت کی نماز کا کوئی فرق نہیں، پھر احادیث کا فقہ حنفی سے تقابل کرتے ہوئے بتایا تھا کہ فقہ کا یہ مسئلہ غلط ہے، پیر جی نے اس کا جواب بھی تحریر کیا ہے، پہلے تو ادھر ادھر کی فضول بھرتی کی ہے آخر دلائل نقل کرتے ہیں جن کی حقیقت حسب ذیل ہے۔

پہلی دلیل

فرماتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ دو عورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا جب تم سجدہ کرو تو اپنا گوشت (جسم) زمین کے ساتھ چمنا دو کیونکہ عورت اس (نماز) میں مرد کی مثل نہیں، (رواد ابو داؤد فی مراسیلہ)

سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۸۹ و ۹۰

الجواب: اولاً، یہ روایت مرسل ہے کیونکہ نبی ﷺ سے بیان کرنے والے راوی یزید بن ابی حبیب ہیں۔
مرا سیل ابو داؤد (ص ۸) اور یہ صغیر تابعی ہیں، تقریب۔ اور مرسل روایت آئمہ محدثین کے نزدیک ضعیف روایت کی
ایک قسم ہے۔ امام مسلم فرماتے ہیں۔

والمُرسل من الروایات فی اهل قولنا و قول اهل العلم بالاخبار لیس بحجة
یعنی مرسل روایات ہمارے اور احادیث کا علم رکھنے والوں کے نزدیک حجت نہیں ہے۔

(مقدمہ صحیح مسلم ص ۲۲)

اس پر مزید تفصیل کے لئے، دین الحق ص ۶۵ ج ۱ کی مراجعت کریں۔

ثانیاً۔ اس کی سند میں ایک راوی سالم بن غیلان، ہے (بیہقی ص ۲۲۳ ج ۲) یہ مختلف فیہ ہے بعض نے
اسے لا باس بہ کہا ہے، امام دارقطنی نے متروک قرار دیا ہے، میزان ص ۱۱۳ ج ۲ خلاصہ کلام یہ کہ یہ روایت بوجہ مرسل
ضعیف ہے۔

دوسری دلیل

فرماتے ہیں کہ:

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب عورت نماز میں بیٹھے تو اپنی ایک ران دوسری ران پر رکھے پھر جب سجدہ
کرے تو اپنے پیٹ کو اپنے رانوں پر رکھے اور جتنا زیادہ ستر ہو سکے کرے، اللہ تعالیٰ فرشتوں کو فرماتے ہیں گواہ رہو
میں نے اس عورت کو بخش دیا ہے۔

سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۹۰

الجواب: اولاً، اس کی سند میں ابو مطیع بلخی (حکم بن عبداللہ) راوی ہے۔ (بیہقی ص ۲۲۳ ج ۲ و ابن
عدی ص ۶۳۱ ج ۲) امام بخاری، امام یحییٰ بن معین، امام نسائی نے ضعیف قرار دیا ہے، امام احمد فرماتے ہیں کسی کے
لائق نہیں اس سے روایت کرے، امام ابن حبان فرماتے ہیں مرجیہ کا سر کردہ تھا، اور سنت سے بغض رکھتا تھا، امام ابو
حاتم فرماتے ہیں کذاب ہے، ابن سعد فرماتے ہیں ضعیف اور مرجی ہے جو زقانی فرماتے ہیں احادیث وضع کرتا تھا۔
(میزان ص ۵۷۴ ج ۱ و لسان ص ۳۳۵ ج ۲) علامہ محمد طاہر خفی فرماتے ہیں، کذاب ہے۔

قانون الموضوعات والضعفاء ص ۲۵۱

الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

تیسری دلیل

فرماتے ہیں:

آپ ﷺ نے آخری عمر میں حضرت وائل کو جب نماز سکھائی تو حکم دیا کہ تم اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھاؤ اور عورت چھاتیوں تک، (رواہ الطبرانی)۔

سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۹۱

الجواب: اس کی سند میں میمونہ بنت جحر اور ام یحییٰ بنت عبد الجبار، دو راویہ ہیں، (طبرانی کبیر ص ۱۶-۲۲) یہ دونوں ہی مجہول ہیں، علامہ سیثی فرماتے ہیں کہ ولم اعرفها انہیں میں نہیں جانتا، (مجمع الزوائد ص ۱۰۳ ج ۲ و ص ۳۷۴ ج ۹) الغرض یہ روایت ان دو مجہول راویہ کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔ افسوس آپ کے معتمد مفتی صاحب نے اپنے فتویٰ میں اسے مجمع الزوائد سے نقل تو کیا مگر جرح کو بلا ذکر ہضم کر کے، انا للہ وانا الیہ راجعون

چوتھی دلیل

فرماتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر سے پوچھا گیا کہ عورتیں عہد رسالت میں نماز کیسے پڑھتی تھیں فرمایا۔ وہ چارزانو بیٹھتی تھیں، پھر انہیں حکم دیا گیا کہ خوب سمٹ کر بیٹھیں۔ (جامع المسانید ص ۴۰۰ ج ۱) سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۹۱۔

الجواب: اولاً، اس کی سند میں ابو حنیفہ ضعیف ہیں (میزان ص ۲۶۵ ج ۴) سفیان ثوری مدلس ہیں (میزان ص ۱۶۹ ج ۲) اور روایت بھی معتن ہے تیسرا راوی ابراہیم بن مہدی ہے۔ اگر یہ اہلی ہے تو کذاب ہے امام ازدی فرماتے ہیں وضع احادیث میں مشہور ہے اس سے روایت لینا جائز نہیں (تہذیب ص ۱۴۸ ج ۱) ثانیاً۔ جامع المسانید میں اسے مسند ابو محمد الحارثی سے نقل کیا گیا ہے یہ کذاب ہے امام ابن جوزی، ابوسعید اور احمد سلیمان فرماتے ہیں احادیث کو وضع کرتا تھا، ان کے علاوہ متعدد اہل علم نے ضعیف و متروک کہا ہے۔ (لسان المیزان ص ۳۴۹ ج ۳) الغرض یہ روایت ہر لحاظ سے باطل و مردود ہے۔

پانچویں دلیل

فرماتے ہیں۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ عورت جب سجدہ کرے تو اسکو سمٹ کر سجدہ کرنا چاہئے۔ اور سارے جسم کو ملا کر سجدہ کرنا چاہئے۔

وجہ استدلال میں فرماتے ہیں دیکھئے اس طرح سجدہ کرنا مرد کے لئے بالاتفاق مکروہ ہے مگر عورت کے ستر کا اہتمام اسی میں زائد تھا اس لئے یہ حکم دیا گیا۔ سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۹۲

الجواب: اس کی سند میں الحارث الاعور راوی ہے۔ (بیہقی ص ۱۲۲ ص ۲۲ ج ۲ و مصنف ابن ابی شیبہ

ص ۲۶۹ ج ۱) یہ خبیث العقیدہ رافضی تھا۔

امام شعی، امام علی بن مدینی وغیرہ نے کذاب کہا ہے۔ امام جریر نے مردود قرار دیا ہے۔ ابن حبان فرماتے ہیں۔ غالی شیعہ اور وابی الحدیث ہے، (تہذیب ص ۱۲۶ ج ۲)۔

دوسرا راوی عمرو بن عبد اللہ ابواسحاق ہے جو مدلیس میں معروف ہے، (طبقات المدلیسن ص ۴۲)، اور روایت میں بھی معنعن ہے، جس روایت میں ایک راوی کذاب ہو دوسرا زبردست مدلس ہو، اس کے باطل ہونے میں کیا شک ہے۔

رسول اللہ ﷺ پر افتراء

فرماتے ہیں:

اسی طرح آئمہ اربعہ کا اجماع اس پر ہے کہ عورت سینے پر ہاتھ بندھے اور اس اجماع کی بنیاد وہی قاعدہ ہے جو حدیث میں آگیا لانه استرلھا کہ اس میں ستر کا زیادہ اہتمام ہے۔ سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۹۲۔

تبصرہ

(۱) اس نالائق کو اتنا بھی علم نہیں کہ آئمہ اربعہ کے اتفاق کا نام اجماع نہیں بلکہ پوری امت مرحومہ کے اتحاد کا نام اجماع ہے۔ ویسے آئمہ اربعہ کا اتحاد باور کرنا بھی مؤلف کا خطبہ ہے۔

ثانیاً۔ جو الفاظ لانه استرلھا، تحریر کر کے حدیث قرار دیا ہے یہ بدترین جھوٹ ہے کسی حدیث میں یہ الفاظ مروی نہیں۔ جو اس کا مدعی ہے وہ کتب حدیث سے اس کی سند بیان کرے ویسے ہمارا برادرانہ مشورہ ہے کہ اس سے تو بکر کے تجدد ایمان کر لیں۔ واضح رہے کہ فقہاء احناف نے مرد و عورت کے ہاتھ باندھنے کی جگہ کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ عورت سینہ پر باندھے، لانه استرلھا، دیکھئے (البحر الرائق ص ۳۰۳ ج ۱) و فتاویٰ شامی ص ۴۸۷ ج ۱ و حلبی کبیرہ ص ۳۰۱ و نور الابضاح ص ۲۵۹ و بنایۃ و طحاوی بحوالہ السعایہ ص ۱۵۶ ج ۲ و شرح نفاہیہ ص ۷۳ ج ۱ و نماز مسنون ص ۳۲۰ وغیرہم) مگر انفسوس پیر جی نے سید کہلا کر فقہاء احناف کے قول کو نبی مکرم حضرت محمد ﷺ کا فرمان قرار دیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مسائل وتر

حضرت حکیم صاحب نے سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۲۱۴ پر ایک وتر صحیح و صریح احادیث سے ثابت کر کے پھر فقہاء احناف کا اختلاف بیان کیا تھا، پیر صاحب نے اس مسئلہ کا جواب بھی تحریر کیا ہے اور درمیان میں وتر کے کئی اور مسائل کو بھی زیر بحث لایا ہے مثلاً وجوب وتر، رکعات وتر، اور اس کے پڑھنے کا طریقہ، مگر ایک رکعت وتر کی احادیث کا جواب نہیں دیا۔ دراصل پیر جی مسئلہ کی نوعیت سے کما حقہ واقف ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ خطا بحث کر کے اپنے

قارئین کرام کو مطمئن کرنا چاہتے ہیں بہر حال آئیے ترتیب وار پیر صاحب کے دلائل کا حال ملاحظہ کریں تاکہ حق واضح ہو جائے۔

وجوب وتر کے دلائل

فرماتے ہیں

آنحضرت ﷺ نے فرمایا، ان الله امرکم بصلوة هی خیر لکم من حمر النعم وهی الوتر فجعلها لکم فیما بین صلوة العشاء الی صلو الفجر، (مستدرک حاکم ص ۳۰۶ ج ۱)

حاکم و ڈھسی نے شرط شیخین پر صحیح کہا ہے، اللہ تعالیٰ نے تم کو ایک زائد نماز عطا کی ہے جو کہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔ اور وہ نماز وتر ہے۔ پس اس نے تمہارے لئے اسے عشاء اور فجر کی نماز کے درمیان رکھا ہے۔

(۱) یہ حدیث حضرت خارجہ بن حزانہ حاکم (۲) حضرت ابوسعید خدری طبرانی (۳) حضرت عمرو بن العاص

(۴) حضرت عبداللہ بن عباس دارقطنی (۵) حضرت عمرو بن شعیب دارقطنی (۶) حضرت عقبہ بن عامر طبرانی (۷)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی خلائیات بیہقی (۸) حضرت عبداللہ بن عمر، دارقطنی فی غرائب مالک سے مروی ہے۔ اس

لے قاضی ابوزید فرماتے ہیں، (وہو حدیث مشہور عمدة القاری ص ۴۱۳ ج ۳)، اس مشہور حدیث سے وتر

کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ زیادتی اس جنس میں ہوتی ہے مثلاً کہا جائے کہ اس سکول میں ایک استاد بڑھا دیا

گیا تو وہ استاد ہی شمار ہوگا اسی طرح فرائض میں ایک نماز کا بڑھانا اس کے فرض ہونے کی دلیل ہے، لیکن اس کا ثبوت

فرائض کی طرح متواتر نہیں اس لئے اس کو واجب کہا گیا، سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۰۴ تا ۱۰۵،

الجواب: اولاً، آپ نے جس دلیل سے وتر کا وجوب ثابت کیا ہے اس سے تو اس کا فرض ہونا ثابت ہوتا ہے

افسوس آپ نے اس بات کا اقرار کر کے پھر بہانے سے انکار کر دیا ہے۔

ثانیاً۔ ان اللہ امرکم سے آپ نے وجوب ثابت کیا ہے کہ زیادتی جنس میں ہوتی ہے، حالانکہ یہ آپ کا محض

دعویٰ ہے جو بلا دلیل ہے۔ حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ۔

ان الله عزوجل زادکم صلوة الی صلوتکم ہی خیر لکم من حمر النعم الا وهی

الركعتان قبل صلوة الفجر۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو ایک زائد نماز عطا کی ہے، جو تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے۔ آگاہ رہو وہ

نماز فجر سے پہلے کی دو رکعت ہیں۔ (بیہقی ص ۴۶۹ ج ۲)

علامہ زبیلی حنفی نے، نصب الراية ص ۱۱۲ ج ۲ میں اور علامہ ظفر احمد تھانوی نے، (اعلاء السنن ص ۸ ج ۶)

میں اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

آپ نے جس طرح وتر کو واجب ثابت کیا ہے اس سے توضیح کی سنتیں بھی واجب ثابت ہوتی ہیں حالانکہ حنفی بھی ان کے وجوب کے قائل نہیں۔

دوسری دلیل

فرماتے ہیں:

خود رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے، الوتر حق واجب علی کل مسلم، (رواہ ابن حبان و صححہ، فتح الباری ص ۴۰۰ ج ۲) وتر لازم اور واجب ہے۔ ہر مسلمان پر سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۰۵

الجواب: اولاً، آپ نے غلط بیانی کی ہے آپ کے درج کردہ الفاظ فتح الباری میں قطعاً نہیں بلکہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری ص ۳۸۵ ج ۲ باب ماجاء فی الوتر، میں حضرت ابویوب رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ، الوتر حق کے ذکر کئے ہیں، آگے واجب کا لفظ نہیں۔ اور امام ابن حبان نے بھی (صحیح ابن حبان رقم الحدیث ۲۳۰۳، ۲۳۰۲) میں بھی واجب کا لفظ نہیں ہے۔

ثانیاً۔ اس حدیث کے پورے الفاظ وجوب وتر کی نفی کرتے ہیں مکمل حدیث اس طرح ہے کہ

الوتر حق علی مسلم من احب ان یوتر بخمس فلیفعل ومن احب ان یوتر بثلاث فلیفعل ومن احب ان یوتر بواحد فلیفعل

یعنی وتر ہر مسلمان پر لازم ہیں۔ جو پانچ پڑھنا پسند کرتا ہے وہ پانچ ہی پڑھے، جو تین پڑھنا پسند کرتا ہے وہ تین ہی ادا کرے۔ اور جو ایک رکعت وتر پڑھنا چاہتا ہے وہ ایک پڑھے۔

(ابو دائود ص ۲۰۱ ج ۱ و نسائی ص ۲۰۲ ج ۱ و ابن ماجہ ص ۸۳ و ابن حبان ص ۶۳ ج ۵ و مستدرک حاکم ص ۳۰۳ ج ۱ و مسند احمد ص ۴۱۸ ج ۵ و دارقطنی ص ۲۲ ج ۲ و طحاوی ص ۲۰۰ ج ۱ و بیہقی ص ۲۳ ج ۳)

یہ حدیث اپنے معنی و مفہوم میں بالکل واضح ہے کہ وتر واجب نہیں، کیونکہ وجوب میں کمی بیشی نہیں ہوتی جبکہ اس حدیث میں ایک مسلمان کے دلی لگاؤ کی وجہ سے کمی بیشی کی اجازت ہے۔

ثالثاً۔ رہا حق کے لفظ سے وجوب ثابت کرنا تو یہ سینہ زوری ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

علی کل مسلم حق ان یتغسل فی کل سبعة ايام یوم، یعنی ہر مسلمان پر جمعہ کا غسل حق (لازم) ہے، (بخاری ص ۱۲۳ ج ۱ و مسلم ص ۴۸۰ ج ۱) ان الفاظ کا مفاد تو یہ ہے کہ غسل جمعہ واجب ہے بلکہ حدیث صحیح

صریح متفق علیہ میں یہ لفظ بھی موجود ہے۔ حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔
 غسل يوم الجمعة واجب على كل محتلم، یعنی ہر بالغ (مسلمان) پر جمعہ (کے روز) غسل کرنا واجب ہے۔ (بخاری ص ۱۲۰ و ۱۲۱ ج ۱ او مسلم ص ۲۸۰ ج ۱)
 دیکھئے حق کے ساتھ واجب کا لفظ بھی موجود ہے مگر تمام خفی غسل جمعہ کو واجب نہیں سنت غیر مؤکدہ قرار دیتے ہیں اور اس کا معنی ثابت و لازم کرتے ہیں (مرفاۃ ص ۹۲ ج ۲)
 ہٹ دھرمی دیکھتے جانا کہ جس حدیث میں حق اور واجب کا لفظ ہے اسے تو واجب تسلیم نہیں کرتے اور جس حدیث میں واجب کا لفظ نہیں۔ اس میں اپنی طرف سے بدیانتی کرتے ہوئے واجب کا اضافہ کرتے ہوئے دلیل بنا لیتے ہیں۔ فانا لله وانا اليه راجعون۔

تیسری دلیل

فرماتے ہیں:

حضرت بریرہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے الوتر حق (امر ثابت و لازم) ہے لہذا جو تر نہ پڑھے وہ ہمارا نہیں، وتر حق (لازم) ہے جو تر نہ پڑھے وہ ہمارا نہیں، وتر حق (لازم) ہے جو تر نہ پڑھے وہ ہمارا نہیں اس کو حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے، ص ۳۰۶ ج ۱) سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۰۵
 الجواب: اولاً، امام حاکم نے تو صحیح کہا ہے مگر علامہ ذہبی نے اس کی تردید کی ہے۔ (تلخیص مستدرک ص ۳۰۵ ج ۱) میں فرماتے ہیں۔ ابو یوسف عبید اللہ بن عبد اللہ کو امام بخاری نے کہا ہے کہ اس کے پاس منکر روایات ہیں۔ لہذا علامہ ذہبی کی طرف تصحیح منسوب کرنا آپ کا سولہ آئے جھوٹ اور سونی صد فراڈ ہے۔

ثانیاً۔ اس کی سند میں ابو یوسف عبید اللہ بن عبد اللہ عتسکی راوی ہے۔ (ابو دائود ص ۲۰۱ ج ۱ و مستدرک حاکم ص ۳۰۵ ج ۱ او بیہقی ص ۲۷۰ ج ۲ و مسند احمد ص ۳۵۷ ج ۵)

امام عقلی فرماتے ہیں کہ اس کی روایات میں اس کا کوئی بھی متابع نہیں، (الضعفاء الكبير ص ۱۳۱ ج ۳)، امام ابن حبان فرماتے ہیں ثقات سے مغلوب روایات بیان کرنے میں منفرد ہے، (محرر حین ص ۶۲ ج ۲)، امام بیہقی فرماتے ہیں اس کی روایات سے احتجاج نہ کیا جائے امام نسائی ضعیف اور امام بخاری منکر الحدیث کہتے ہیں، (تہذیب ص ۲۷ ج ۷ و میزان ص ۱۱ ج ۳) علامہ البانی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (ارواء الغلیل ص ۱۲۶ ج ۲) (۳۱۷)

چوتھی دلیل

فرماتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، الوتر واجب علی کل مسلم، (رواہ البزار)، یعنی وتر ہر مسلمان پر واجب ہے۔

سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۰۵
الجواب: اس کی سند میں جابر الجعفی راوی ہے، (نصب الرایۃ ص ۱۱۳ ج ۲ و درایہ ص ۱۹۰ ج ۱) اور یہ کذاب ہے امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں۔

میں نے جابر جعفی سے بڑا کوئی جھوٹا نہیں دیکھا، اس کے علاوہ متعدد آئمہ کرام نے اسے کذاب و متروک کہا ہے۔ خبیث العقیدہ تھا، غالی رافضی اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی رجعت کا قائل تھا، (میزان ص ۳۸۰ ج ۱)

تین رکعت وتر کا ثبوت

دلیل اول

فرماتے ہیں کہ:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مغرب کی نماز دن کے وتر ہیں۔ اسی طرح تم رات کی نماز کو وتر بناؤ، ابن ابی شیبہ، احمد، علامہ عراقی فرماتے ہیں اس کی سند صحیح ہے۔ (زرقانی شرح موطا ص ۲۳۳ ج ۱) سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۰۵۔

الجواب: اولاً، آپ نے حدیث کے الفاظ میں معنوی تحریف کی ہے، حدیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس کا معنی، اس طرح ہو بلکہ الفاظ ہیں۔ فاوتر و صلاة اللیل، رات کی نماز کو طاق بناؤ، (طبرانی صغیر ص ۲۳۱ ج ۲ رقم الحدیث ۱۰۸۱ و مسند احمد ص ۳۰ و ۴۱ ج ۲) اور اس سے تہجد کی نماز مراد ہے۔ علامہ فقہ حنفی مرحوم فرماتے ہیں والمفہوم من احادیث الوتر ان جمیع صلاة اللیل وتر۔

یعنی وتر کی احادیث کا مفہوم یہ ہے کہ رات (تہجد) کی نماز طاق ہے۔ (مجمع بحار الانوار ص ۱۱ ج ۵) آئمہ لغت، اوتر و اکا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

امر بصلاة الوتر، هو ان یصلی مثنی مثنی فی آخر ہار کعة مفردة، نماز وتر کا حکم دیا ہے اور وہ اس طرح کہ نمازی دو دو رکعت پڑھے پھر آخر میں ایک رکعت اکیلی ادا کرے۔ (لسان العرب ص ۲۷۴ ج ۵ و تاج العروس ص ۵۹۸ ج ۳)۔

الغرض مذکورہ حدیث میں ایک رکعت وتر مراد ہے جو تہجد کی نماز کو طاق کر دیتا ہے۔
ثانیاً۔ آپ نے مذکورہ الفاظ کو ابن ابی شیبہ کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔ حالانکہ (مصنف ص ۲۸۲ ج ۲)

میں صلوٰۃ المغرب و تر النہار کے الفاظ ہی ہیں، اگلے الفاظ نہیں۔ غالباً آپ نے کتاب کو اصل مراجع دیکھ کر تحریر نہیں کیا بلکہ رسائل سے مرتب کیا ہے۔

ثالثاً۔ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ مقصود قطعاً نہیں کہ

وتر نماز مغرب کی طرح ہیں جیسا کہ پیر صاحب، اسی طرح لکھ کر تاثر دے رہے ہیں۔ کیونکہ حدیث میں وضاحت ہے کہ وتر کو نماز مغرب کی طرح ادا نہ کرو، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

لا توتروا بثلاث تشبهوا بصلاة المغرب.

تین وتر مغرب کی نماز کے مشابہ ادا نہ کرو۔ (مستدرک حاکم ص ۳۰۴ ج ۱ و دارقطنی ص ۲۵ و ۲۷ ج ۲ و بیہقی ص ۳ ج ۳ و ابن حبان رقم الحدیث ۲۳۲۰)

دوسری دلیل

فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ وتر مغرب کی نماز کی طرح ہیں۔ موطا امام محمد

سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۰۶

الجواب: اس کی سند میں اسماعیل بن ابراہیم الجلی راوی ہیں، (موطا امام محمد ص ۱۴۶) امام ابن معین فرماتے ہیں ضعیف ہے امام بخاری فرماتے ہیں اس کی حدیث میں نظر ہے، امام نسائی، ابو حاتم، ابن جارد و ضعیف کہتے ہیں۔ ابن حبان فرماتے ہیں، فاش اغلاط کرتا ہے۔ (تہذیب ص ۲۳۳ ج ۱)

مولانا عبدالحی لکھنوی نے (التعلیق الممجد ص ۱۴۶) میں اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

تیسری دلیل

فرماتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ رات کے وتر تین ہیں۔ جیسے دن کے وتر یعنی نماز مغرب اس کو دارقطنی نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۰۶

الجواب: اس کی سند میں یحییٰ بن زکریا راوی ہے۔ (دارقطنی ص ۲۸ ج ۲)

امام ابن عدی اور ابن جوزی نے کذاب کہا ہے۔ علامہ ذہبی فرماتے ہیں۔

ولا ريب في وضع الحديث، یعنی اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ احادیث کو وضع کرتا تھا (میزان ص ۳۷۵ ج ۴) اس کی سند میں دوسرا راوی، سلیمان بن مہران (الاعمش) راوی ہے۔ جو مدلس ہے، (نقریب ص ۱۳۶) اور روایت بھی معصن ہے۔ امام بیہقی (السنن الکبریٰ ص ۳۱ ج ۳) امام دارقطنی، ابن جوزی، (العلل

المتناہیہ (ص ۴۵۵ ج ۱) اور حافظ ابن حجر نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے (التلخیص الحبر ص ۱۵ ج ۲) کسی محدث نے بھی اسے حسن قرار نہیں دیا یہ آپ کی زبانی ہے۔ شاہ جی جس روایت کی سند میں ایک راوی کذاب ہو اور دوسرا مدلس ہو اس روایت کے ضعیف ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے؟

چوتھی دلیل

فرماتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وتر کی تین رکعت ہیں جیسے نماز مغرب کی تین رکعت ہیں۔ طبرانی کبیر، سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۰۶

الجواب: اولاً، یہ روایت (طبرانی کبیر) میں نہیں بلکہ، (طبرانی الاوسط ص ۸۳ ج ۸ رقم الحدیث ۷۱۶۶) میں ہے۔

ثانیاً۔ اس کی سند میں اسماعیل بن ابراہیم بصری ثم کی راوی ہے، امام ابو زرہ کہتے ہیں ضعیف ہے۔ امام احمد منکر الحدیث قرار دیتے ہیں امام نسائی کا کہنا ہے متروک الحدیث ہے (میزان ص ۲۳۸ ج ۱) حافظ ابن حجر نے ضعیف قرار دیا ہے۔ تقریب اور اس میں دوسرا راوی ابوالحمر البکر اوی ہے۔ علامہ بیہقی فرماتے ہیں اس میں کلام کثیر ہے۔ (مجمع الزوائد ص ۲۳۵ ج ۲) اسے امام بیہقی اور نسائی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (میزان ص ۵۷۸ ج ۲) حافظ ابن حجر نے بھی ضعیف قرار دیا ہے۔ (تقریب ص ۲۰۶)

پانچویں دلیل

فرماتے ہیں:

حضرت ابو خالدہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوالعالیہ سے وتر کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت محمد ﷺ کے تمام صحابہ نے ہمیں تعلیم دی ہے کہ وتر کی نماز مغرب کی نماز کی طرح پڑھی جاتی ہے۔ ما سوا اس کے کہ ہم اس کی تیسری رکعت میں بھی قرات کرتے ہیں۔ پس یہ رات کا وتر ہے اور مغرب کی نماز دن کا وتر ہے۔ (طحاوی ص ۱۴۳ ج ۱) سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۰۶۔

الجواب: اولاً، روایت میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس کا یہ معنی ہو کہ تمام صحابہ نے یہ تعلیم دی یہ اس نالائق کی زبانی اور خط بے ربط ہے۔ ابوالعالیہ کا تو جلیل القدر اور خلیفہ راشد حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی سماع ثابت نہیں جس کا کہ

امام شعبہ نے صراحت کی ہے۔ (مراسیل ابن ابی حاتم ص ۵۸ و مقدمہ الجرح والتعديل ص ۱۳۱)

ثانیاً۔ مؤلف بیان کرتے ہیں کہ ابو خالدہ نے ابوالعالیہ سے سوال کیا تھا اسی طرح علامہ زیلعی نے (نصب الراية ص ۱۲۱ ج ۲) میں علامہ نیموی نے (آثار السنن ص ۲۰۴) میں اور مولانا ظفر احمد تھانوی نے (اعلاء

السنن ص ۴۵ ج ۶) میں ابو خالدہ ہی ذکر کیا ہے۔
 ان کی بحوالہ ثقات بیان کی جائے، واضح رہے کہ طحاوی نے (شرح معانی الآثار ص ۲۰۲ ج ۱) میں
 ابو خالدہ، ذکر کیا ہے۔ جو غالباً تصحیف ہے۔ واللہ اعلم۔
 ثالث۔ صحیح صریح مرفوع احادیث سے ایک اور تین سے زیادہ وتر ثابت ہیں اور موقوف و مرفوع کا تعارض ہو تو
 موقوف ناقابل حجت ہوتی ہے۔ تفصیل دین الحق ص ۴۴۰ ج ۱ میں دیکھئے۔

چھٹی دلیل

اس دلیل کے تحت ہم جی نے متعدد احادیث کی طرف اشارہ کیا ہے کہ نبی ﷺ تین وتر میں تین سورتیں پڑھا
 کرتے تھے، سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۰۶
 الجواب: اولاً، ان احادیث کا منشاء واضح ہے کہ نبی ﷺ جب تین وتر پڑھتے تو پہلی رکعت میں سج اسم ربک
 الاعلیٰ، دوسری رکعت میں قل یا ایہا الکفر، اور تیسری رکعت میں قل ھو اللہ، تلاوت کرتے تھے۔
 ان احادیث کا یہ مقصد قطعاً نہیں کہ وتر فقط تین ہی ہیں اس سے کم و بیش نہیں کیونکہ راوی حدیث نے مننون
 قرآن کو بیان کیا ہے۔ رکعات کا بیان کرنا مقصود نہیں، جیسا کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ مغرب کی نماز سورہ
 طور تلاوت کرتے تھے (بخاری رقم الحدیث ۷۶۵) دوسری حدیث میں ہے۔ مرسلات عرفا، تلاوت کرتے،
 بخاری رقم الحدیث ۷۶۳)

تو کیا ان احادیث کا منشاء یہ ہے کہ مغرب کی نماز ایک رکعت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ
 ﷺ نے مغرب کی دونوں رکعتوں میں سورہ الاعراف تلاوت کی، (نسائی ص ۱۲۰ ج ۱) ویبھی ج ۲) تو کیا اس
 حدیث سے یہ استدلال درست ہے کہ نماز مغرب کی دو رکعت ہیں۔

ثانیاً۔ نہایت ہی افسوس کی بات ہے کہ آپ ان احادیث کو وتر کی رکعت میں تسلیم کرتے ہیں مگر قرآن کی باری
 ان کو بھول جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مکروہ ہیں (ہدایہ مع فتح القدیر ص ۲۹۳ ج ۱) والبحر الرائق ص
 ۴۳۳ ج ۲ و فتاویٰ شامی ص ۴۴۲ ج ۱) انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نماز وتر کی دوسری رکعت پر سلام پھیرنا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صلاة اللیل مثنی مثنی فاذا خشی
 احدکم الصبح صلی رکعة واحدة تو تر له ما قد صلی، یعنی رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔ جب تم میں
 سے کسی کو طلوع فجر کا اندیشہ ہو تو وہ ایک رکعت پڑھے یہ رکعت اس کی پہلی نماز کو طاق کر دے گی۔ (بخاری ۴۴۰،

(مسلم ۱۷۲۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ نبی مکرم ﷺ گیارہ رکعات نماز ادا فرماتے ہیں ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے۔ ویوتر بواحدة اور وتر ایک رکعت پڑھتے، (مسلم رقم الحدیث ۱۷۱۸) یہی حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ (ابو دائود رقم الحدیث ۱۳۵۳ و ۱۳۵۵)

ان دلائل سے ثابت ہوا کہ وٹروں کی دو رکعت پر سلام پھیرنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ بلکہ امام مروزی فرماتے ہیں فصل والی احادیث زیادہ ثابت ہیں اور بہت طرق سے مروی ہیں۔ (قیام اللیل ص ۲۰۴) امام حاکم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے تیرا گیارہ نو، سات، پانچ، تین اور ایک وتر پڑھنا بھی ثابت ہے۔ مگر صحیح ترین آپ کا ایک وتر پڑھنا ہے۔ (مستدرک ص ۳۰۶ ج ۱)۔

ان حقائق کے برعکس پیر صاحب فرماتے ہیں کہ ابتدائے اسلام میں نماز میں سلام کلام کی بھی گنجائش تھی اور وتر نفل تھے۔ اس لئے بعض اوقات آنحضرت ﷺ تین وٹروں میں دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیتے اور ایک وتر علیحدہ پڑھ لیتے، دیکھنے والے اس کو دو طرح روایت کر دیتے بعض صرف آخری رکعت کا خیال کر کے اسے ایک رکعت ہی روایت کر دیتے اور بعض یوں بیان کر دیتے کہ تین دو سلاموں سے ادا فرمائے، لیکن جیسے باقی نمازوں میں سلام کلام جائز نہیں رہا ایسے ہی وتر کے درمیان سلام کلام جائز نہیں رہا۔

سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۰۷۔

الجواب: اولاً، پیر جی نے ذومعنی لفظ سلام استعمال کر کے مغالطہ دیا ہے پہلے تو سلام کلام کا لفظ لکھ کر یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ نماز میں اسلام علیکم کا جواب وعلیکم السلام کہنا جائز تھا، پھر سلام کلام سے یہ مغالطہ دیا کہ ابتداء میں نماز میں دو رکعت وتر پر سلام پھیرا جاتا تھا، جو کلام کی طرح منع کر دیا گیا۔ یہ ساری تقریر مغالطہ پر مبنی ہے۔ اور دعویٰ پر دعویٰ بلا دلیل ہے۔ ہم پیر جی کو چیلنج دیتے ہیں کہ وہ اس بات کا ثبوت دیں کہ کلام کی طرح دو رکعت وتر پر سلام پھیرنا بھی منسوخ ہو گیا تھا۔ مجھے میری زندگی کے مالک کی قسم ہے کہ اگر پیر مشتاق علی ساری زندگی بھی محنت کرے تو تب بھی اس بات کو ثابت نہیں کر سکتا۔

ثانیاً۔ اگر پیر صاحب جی یہ کہہ دیں کہ سلام سے میری سلام تحیہ ہے تو تب بھی جھوٹ ہے۔

دلیل اول

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ وتر کی پہلی دو رکعتوں میں سلام نہیں پھیرتے تھے۔ سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۰۷۔

الجواب: اولاً، اس کی سند میں قنادة راوی ہے (موطا امام محمد ص ۱۴۶ ونسائی ص ۲۰۱ ج ۱ و مستدرک ص ۳۰۴ ج ۱ و دارقطنی ص ۳۲ ج ۲ و طحاوی فی شرح معانی الآثار ص ۱۹۳ ج ۱) اور قنادة مدلس ہیں۔ حافظ ابن حجر نے طبقات المدلیسن میں علامہ ذہبی نے (میزان ص ۳۸۵ ج ۳) میں علامہ خذرجی نے (خلاصہ ص ۳۵۰) میں مدلس قرار دیا ہے۔

ایسا ہی علامہ زیلعی حنفی نے (نصب الراية ص ۱۵۵ و ۱۵۹ ج ۳) میں علامہ ماردینی حنفی نے (الحوہم النقی ص ۲۹۸ ج ۲ و ص ۱۲۶ ج ۴ و ص ۲۳۷ ج ۴ و ص ۷ ج ۴ و ص ۲۰۹ ج ۱) میں علامہ بنوری دیوبندی نے (معارف السنن ص ۶۷ ج ۳) میں علامہ عینی حنفی نے (عمدة القاری ص ۲۶۱ ج ۱) میں قنادة کو مدلس قرار دیا ہے۔ اور زیر بحث روایت میں تحدیث کی صراحت نہیں بلکہ مععن مروی ہے۔ لہذا اصول حدیث کی رو سے یہ روایت ضعیف ہے۔

ثانیاً۔ یہ روایت سنداً ضعیف ہونے کے علاوہ شاذ بھی ہے۔ تفصیل کے لئے (ارواء الغلیل ص ۱۵۰ ج ۲) کی مراجعت کریں۔

دوسری دلیل

فرماتے ہیں:

حضرت مسعود بن خرمہ فرماتے ہیں حضرت عمرؓ نے ہمیں تین رکعتیں وتر پڑھائے جن میں صرف تیسری رکعت پر سلام پھیرا (طحاوی ص ۲۰۲ ج ۱ و مصنف عبدالرزاق ص ۲۰ ج ۳ و ابن ابی شیبہ ص ۲۹۳ ج ۲) سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۰۸۔

الجواب: اولاً، تین و تروں کو ایک سلام سے ادا کرنے کے جواز میں اختلاف نہیں بلکہ اختلاف فصل کرنے پر ہے۔ پیرجی نے یا تو عدم علم سے مغالطہ کھایا ہے یا پھر بددیانتی سے مغالطہ دیا ہے۔

ثانیاً۔ راوی مسعود بن خرمہ نہیں بلکہ مسور بن خرمہ ہیں۔ اور مصنف عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ کی سند بھی الگ ہے۔

ثالثاً۔ عبدالرازق اور ابن ابی شیبہ میں صرف تین وتر کا بیان ہے، پڑھنے کی کیفیت بیان نہیں ہوئی۔ یہ پیرجی کا اپنی طرف سے اضافہ ہے ہاں البتہ (طحاوی ص ۲۰۲ ج ۱) کی روایت میں، لم یسلم الا فی اخرهن کے الفاظ موجود ہیں۔ لیکن اس روایت سے دوسری رکعت پر سلام پھیرنے کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔ اور ایک سلام کے جواز کا ثبوت ضرور ملتا ہے اور یہ ہمارے مخالف نہیں۔

رابعاً۔ روایت مذکورہ میں اس بات کا ذکر ہے کہ یہ واقعہ اس رات کا ہے جس رات کو خلیفہ راشد حضرت ابو بکر

صدیق رضی اللہ عنہ کو دفن کیا گیا تھا اور دفن سے فارغ ہو کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وتر کی امامت کروائی، دفن ابا بکر لیلہ فقال عمر انی لم اوتر فقام و صففنا وراءه فصلی بنا ثلث رکعات، (طحاوی ص ۲۰۲ ج ۱) اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی وفات کب ہوئی؟ اہل سیر کا اتفاق ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی وفات ۲۱ جمادی الثانی ۱۳ھ میں شب کو ہوئی اکمال فی اسماء الرجال ملحقہ مشکوٰۃ ص ۵۸۷ و تاریخ اسلام ص ۳۸۸ ج ۱ مؤلفہ شاہ معین الدین ندوی (تہذیب ص ۳۱۶ ج ۵)

جب آپ نے اتنی بات کو بخوبی سمجھ لیا کہ خلیفہ راشد کا انتقال جمادی الثانی میں ہوا تھا تو ظاہر ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جو دفن کی رات نماز وتر کی جماعت کروائی تھی وہ بھی اسی مہینہ میں تھی۔ اور یہ چیز فقہ حنفی کے خلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک رمضان کے علاوہ وتر کی جماعت جائز نہیں۔ (مراقی الفلاح ص ۲۱۱ و خیر الفتاوی ص ۵۱۶ ج ۲)

پیر جی نے اس اعتراض سے جان چھڑانے کی غرض سے تقلیدی ہاتھ کی صفائی دکھاتے ہوئے مخالف حصہ کو نقل ہی نہیں کیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

تیسری دلیل

یہ بات پہلے ذکر ہو چکی ہے کہ دور فاروقی، دور عثمانی، اور مرتضوی میں جیسے بیس رکعت تراویح پر اجماع ہوا اسی طرح تین وتر پر بھی اجماع ہوا۔ حضرت ابی بن کعب امام التراویح تین وتر پڑھا کرتے اور دوسری رکعت پر سلام نہیں پھیرتے تھے۔ (مصنف عبدالرزاق ص ۲۶ ج ۳)۔

سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۰۸۔

الجواب: اولاً، بیس رکعت تراویح پر دعویٰ اجماع خالص جھوٹ اور سو فی صد غلط بیانی ہے۔ اس سلسلہ میں جتنی روایات آتی ہیں ان کی حقیقت تو رافق نے دین الحق میں عرض کر دی ہے۔ قارئین کرام وہاں سے ہی ملاحظہ کریں۔ اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں آٹھ رکعت نماز تراویح پڑھی جاتی تھی۔ اور آپ نے ابی بن کعب اور نسیم داری کو آٹھ رکعات پڑھانے کا ہی حکم دیا تھا۔ (موطا امام مالک ص ۹۸)۔

ثانیاً۔ پیر جی کی پیش کردہ روایت میں رمضان المبارک میں نماز وتر کی جماعت کرانے کا ذکر نہیں۔ صرف اتنا ہی ہے کہ ابی بن کعب تین وتر ایک سلام سے پڑھا کرتے تھے۔

ثالثاً۔ اس بات کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے نقل کرنے والے، حسن بصری ہیں اور یہ چیز دلیل سے ثابت کی جائے کہ حسن بصری کی ابی بن کعب سے ملاقات اور سماع ہے۔ علاوہ ازیں اس کی سند میں قنادہ ہیں ان کی تدلیس کی

صراحت پہلے بحوالہ گزر چکی ہے۔ اور زیر بحث روایت میں تحدیث نہیں بلکہ صیغہ عن سے مروی ہے۔ اصول حدیث کی رو سے یہ روایت ضعیف ہے۔

چوتھی دلیل

فرماتے ہیں:

حضرت ابواسحاق فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے (ہزاروں) اصحاب (تین و تر پڑھتے تھے) اور دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے۔
سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۰۸۔

الجواب: اولاً، پیر جی نے بریکٹ میں جو اپنی طرف سے اضافہ کیا ہے یہ ان کی سینہ زوری ہے۔ ایسا ہی اور دو رکعتوں کے بعد کے الفاظ جو بغیر بریکٹ کے ہیں یہ بھی پیر صاحب نے اپنی طرف سے روایت میں داخل کئے، روایت کے الفاظ لا یسلمون فی رکعتی الوتر (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۰۵ ج ۲) ہیں۔ کتنی رکعات و تر پڑھتے تو درمیان میں سلام نہیں پھیرتے تھے۔ روایت میں اس کا ذکر نہیں۔ اور پیر صاحب کا اپنی طرف سے متن روایت میں اور دو رکعتوں کے بعد کے الفاظ داخل کرنا بہر حال غلط بیانی ہے۔

ثانیاً۔ یہ تابعین کے اقوال ہیں، جو دین میں حجت نہیں، امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ جب ہمیں کوئی صحیح الاسناد حدیث مل جاتی ہے تو اسی کو لیتے ہیں اور جب صحابہ کے اقوال و آثار ملتے ہیں تو ان میں سے کسی ایک کے قول کو منتخب کر لیتے ہیں۔ اور ان کے دائرہ سے نہیں نکلتے، ہاں البتہ جب اذاجاء عن التابعین زاحمنا ہم، تابعین کا قول آتا ہے تو اس سے ہم مزاحمت کرتے ہیں، (الجواهر المضیہ ص ۲۵۰ ج ۲ و مقدمہ انوار الباری ص ۶۵ ج ۱)

لیکن کتنے ہی ستم کی بات ہے کہ پیر جی اپنے امام کے نظریہ سے بغاوت کرتے ہوئے تابعین کے اقوال بھی خصم پر حجت کے لیے نقل کر رہے ہیں۔

پانچویں دلیل

فرماتے ہیں:

حضرت ابوالزناد فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ کے ساتوں فقہاء اس پر متفق تھے کہ وتر تین رکعتیں ہیں۔ اور سلام صرف تیسری رکعت کے بعد ہے اور اسی پر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فیصلہ دیا (طحاوی ص ۲۰۳ ج ۱) سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۰۸۔

الجواب: اولاً، پہلی بات تو وہی ہے جو چوتھی دلیل میں ثانیاً کے تحت گزر چکی ہے۔

ثانیاً۔ اس کی سند میں عبدالرحمن بن ابی الزناد، راوی ہے۔ امام ابن معین، علی بن مدینی، عمرو بن علی ساجی، وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ امام صالح فرماتے ہیں کہ اپنے والد سے ایسی روایات نقل کرتا ہے جو کسی اور نے نقل نہیں کی، امام مالک نے فقہاء سبعہ کے متعلق اس نے جو کتاب اپنے والد سے روایت کی ہے۔ اس بنا پر اس پر جرح کی ہے۔ علاوہ ازیں یہ مختلط بھی تھا۔ (تہذیب ص ۱۵۶ ج ۶)

دوسرا راوی (عبدالرحمن) کا شاگرد خالد نزار ہے اس کی کسی محدث نے توثیق نہیں کی صرف ابن حبان نے کتاب الثقات میں اسے ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی وضاحت کی ہے کہ یغرب و یخطی، (تہذیب ص ۱۲۳ ج ۳) ثالثاً۔ وتر کے درمیان سلام پھیرنے کے قائلین میں ابن عمر رضی اللہ عنہ، عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، سعد بن مالک رضی اللہ عنہ، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ، معاویہ رضی اللہ عنہ، ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، معاذ قاری رضی اللہ عنہ۔ آئمہ کبار میں سے۔ سعید بن مسیب، عطاء بن ابی رباح مالک، اوزاعی شافعی، احمد اسحاق ابو ثور (التمہید ۲۵۰ ج ۲)

چھٹی دلیل

فرماتے ہیں:

حضرت امام حسن بصری فرماتے ہیں کہ سب مسلمانوں کا اجماع ہے کہ وتر تین رکعتیں ہیں جس کے صرف آخر میں سلام پھیرا جاتا ہے، سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۰۸۔
الجواب: اولاً، وُتروں کے درمیان سلام نہ پھیرنے پر دعویٰ اجماع کذب وافتراء اور جھوٹ کا پلندہ ہے۔ مؤلف وضاحت کرے کہ اوپر چوتھی دلیل کے جواب میں ثالث کے تحت جن لوگوں سے سلام پھیرنا ثابت کیا گیا ہے یہ مسلمان تھے کہ نہیں؟

ثانیاً۔ امام حسن بصری سے اس قول کو نقل کرنے والا عمرو (بن عبید) ہے (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۹۴ ج ۲) اور یہ کذاب و دجال ہے، امام ابن معین فرماتے ہیں کہ اس کی روایت نکھی ہی نہ جائے۔ امام نسائی نے متروک الحدیث کہا ہے۔ امام یونس امام ایوب فرماتے ہیں جھوٹ بولتا ہے، امام حمید فرماتے ہیں حسن بصری کی طرف کذب وافتراء اور جھوٹ منسوب کرتا تھا امام ابن حبان فرماتے خبیث صحابہ کرام کو گالیاں دیا کرتا تھا اور جھوٹی روایات وضع کرتا تھا۔ (میزان ص ۳۷۴ ج ۳ و تہذیب ص ۷۰ ج ۸)۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں

داعیۃ الی بدعۃ اہل جماعۃ، یعنی بدعتی مسلک کا ترجمان تھا ایک جماعت محدثین نے اسے متہم بالکذب قرار دیا ہے۔ (تقریب ص ۲۶۰)

خلاصہ کلام یہ کہ یہ روایت من گھڑت اور باطل ہے۔

فرمان نبوی علیہ التحیۃ والسلام سے مذاق

فرماتے ہیں: دورِ کث کے بعد سلام پھیرنے پر عمل تو کیا جاری رہتا صرف حدیث ہی بیان کئی تو شاگردین کہنے لگا کہ میں ڈرتا ہوں کہ لوگ اس طریقے کو دم کئی نماز کہیں۔ سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۰۸۔

الجواب: اولاً، پیر جی نے بددیانتی کرتے ہوئے پوری روایت درج نہیں کی۔ اور جتنا حصہ نقل کیا ہے اس میں بھی تقلیدی ہاتھ کی صفائی دکھا گئے ہیں۔ آئیے پورا متن ملاحظہ کریں مطلب بن عبد اللہ مخدومی بیان کرتے ہیں۔

ان رجلا سال ابن عمرہ عن الوتر فامرہ ان يفصل ، فقال الرجل ، انى اخاف ان يقول الناس هى البتيرا ، فقال ابن عمر ترید سنة الله وسنة رسوله ﷺ هذه سنة الله وسنة رسوله ﷺ۔

یعنی ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نماز وتر کے متعلق سوال کیا تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے درمیان میں سلام پھیرنے کا حکم دیا تو اس شخص نے کہا کہ مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں لوگ یہ نہ کہیں کہ قطع کی ہوئی (نماز) اس پر سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ تیرا ارادہ تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم معلوم کرنا ہے اور یہ (درمیان میں سلام پھیرنا) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا راستہ ہے۔

(شرح معانی الآثار ص ۱۹۲ ج ۱)۔

قارئین کرام مذکورہ اثر کے الفاظ پر غور کیجئے کہ سائل کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا راستہ ہے۔ ظاہر ہے کہ ان الفاظ سے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے سائل کو مطمئن کیا ہے۔ اور اس کا مقصود یہ ہے کہ عوام الناس کے لعن طعن کی کوئی اہمیت نہیں۔ پیر جی اسے بوجہ ہضم کر گئے۔ پھر مزید تقلیدی ہاتھ کی صفائی ملاحظہ کریں کہ کہتے ہیں کہ صرف حدیث بیان کرنے پر مذکورہ اعتراض ہوا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حالانکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حدیث بیان ہی نہیں کی، بلکہ سائل کے سوال کا جواب دیا ہے۔ افسوس پندرہویں صدی میں ایسے فاضل بھی مصنف بن بیٹھے ہیں جو، جلا، اور فامرہ کا معنی بھی نہیں جانتے مزید وکھ اور ستم کی بات دیکھئے سید کہلا کر روایت کا مفہوم ہی بگاڑ دیتے ہیں۔ یہ عادت مومن نہیں بلکہ طریق عمر بن ہشام ہے۔

ثانیاً۔ امام ابو حاتم فرماتے ہیں مطلب کی ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت مرسل ہے۔ (تہذیب ص ۱۰۹ ج ۱)۔ الغرض یہ روایت اصول حدیث کی رو سے ضعیف ہے۔

وتروں میں درمیانی تشہد

وتروں کے درمیان تشہد رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں، بلکہ احادیث سے تشہد کی نفی ثابت ہے۔ ام المومنین صدیقہ کائنات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رات کی نماز تیرہ رکعات پڑھتے تھے ان میں پانچ رکعت وتر ہوتے تھے۔ لا تجلس فی شیء الا فی اخرھا، یعنی ان پانچ وتروں میں نہ بیٹھتے تھے کسی رکعت میں (تشہد کے لئے) مگر اس کے آخر میں (مسلم) (۱۷۲۰) و ابو عوانہ ص ۳۲۵ ج ۲ و ابوداؤد (۳۳۸) و مسند احمد ص ۵۰ و ۶۳ و ۱۲۳ ج ۶ و ابن خزیمہ ص ۶۷ و ۷۰ و ۷۱ و حاکم ص ۳۰۵ ج ۱ و بیہقی ص ۵۰۰ و ۵۰۱ ج ۲ و ترمذی (۳۵۹)۔

یہ حدیث کسی حاشیہ آرائی کی محتاج نہیں بلکہ اپنی تفسیر آپ ہے کہ نبی ﷺ وتروں میں درمیانی تشہد نہ بیٹھتے تھے۔

اس کے برعکس پیر جی نے یہ روایت نقل کی ہے کہ ہر دو رکعت پر التحیات ہے (مسلم ص ۱۹۳ ج ۱) ایک نظر

ص ۱۰۹

اس طرح کی جتنی روایات ہیں ان کے متعلق عرض ہے کہ عام اور خاص کے درمیان تعارض نہیں ہوتا۔ ہم نے جو حدیث پیش کی ہے وہ خاص نماز وتر کے متعلق ہے جبکہ آپ کی پیش کردہ حدیث وتر کے بارے میں نہیں، لہذا مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔

ضعیف و موضوع روایات

(۱) فرماتے ہیں۔ فضل بن عباس فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نماز دو دو رکعت ہے۔ اور ہر دو رکعت کے بعد التحیات (ترمذی ص ۵۰ ج ۱)

سبیل الرسول ﷺ پر ایک نظر ص ۱۰۹

اس کی سند میں عبد اللہ بن نافع العمیاء راوی ہے۔ (ترمذی (۳۸۵) و ابوداؤد (۱۲۹۶) و مسند احمد ص ۲۱۱ ج ۱ و ص ۱۶۷ ج ۲ و بیہقی ص ۳۸۸ ج ۲) و ابن خزیمہ (۱۲۱۲) و دارقطنی ص ۳۱۸ ج ۱) وغیرہ۔ اور یہ محتاج عدالت ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ مجہول ہے۔ تقریب ص ۱۹۱) راوی کی جہالت کے علاوہ اس کی سند میں اضطراب بھی ہے، علامہ ماردینی حنفی فرماتے ہیں۔ اسنادہ مضطرب ضعیف لا یحتج بمثلہ، یعنی سند مضطرب اور ضعیف ہے اور ایسی روایات سے احتجاج نہیں کیا جاتا۔ (الحوہر النقی ص ۳۸۸ ج ۲)

امام عقیلی (الضعفاء الکبیر ص ۳۱۱ ج ۲) امام بخاری ترمذی اور علامہ البانی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا۔

ہے۔ (ضعیف ترمذی ۶۰)۔

(۲) فرماتے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک رات میں نے اپنی والدہ کو (جو آنحضرت ﷺ کی خادمہ تھیں) جناب رسول اللہ ﷺ کے گھر خاص اس مقصد کے لئے بھیجا تا کہ وہ دیکھیں کہ آنحضرت ﷺ نماز وتر کس طرح ادا فرماتے ہیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جب وتر ادا فرمائے تو پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھی۔ دوسری رکعت میں قل یا ایہا الکفرون، پڑھی۔ اس کے بعد قعدہ اولیٰ کیا اس کے بعد کھڑے ہوئے اور ان دو رکعتوں کو سلام کے ساتھ تیسری رکعت سے جدا نہیں فرمایا، اس کے بعد تیسری رکعت میں (فاتحہ کے بعد) قل هو اللہ احد پڑھی۔ یہاں تک کہ جب اس سے فارغ ہوئے تو اللہ اکبر کہا اس کے بعد قنوت پڑھی اور پھر رکوع فرمایا رواہ ابن عبدالبر فی الاستیعاب۔

سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۱۰ و ۱۱۱

اس کی سند میں ابان بن ابی عیاش راوی ہے (الاستیعاب ص ۳۵۰ و ۳۵۱ ج ۴)، اسے امام احمد امام یحییٰ بن معین، امام نسائی، امام دارقطنی، امام ابو حاتم، امام ابن سعد وغیرہ نے متروک الحدیث قرار دیا ہے، ساجی فرماتے ہیں، ساقط اعتبار سے گرا ہوا ہے، امام شعبہ فرماتے ہیں کہ اس سے روایت کرنا میرے نزدیک زنا کرنے اور گدھے کا پیشاب پینے سے بدتر ہے۔ (میزان الاعتدال ص ۱۰ ج ۱ و تہذیب ص ۸۶ ج ۱ و ابن عدی ص ۳۲ ج ۱) دوسرا راوی اس کی سند میں ابان کا شاگرد حفص بن سلیمان ہے۔ اسے امام احمد، امام ابو حاتم، امام مسلم، امام نسائی، نے متروک الحدیث کہا ہے۔ امام ابن خراش اور ابن معین نے کذاب اور محدث ابو احمد نے ذاہب الحدیث کہا ہے امام علی بن مدینی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں محدثین نے اسے ترک کر دیا تھا۔

صالح بن محمد فرماتے ہیں اس کی تمام روایات مناکیر ہیں ساجی کہتے ہیں باطل ہیں۔

(میزان ص ۵۵۸ ج ۱ و تہذیب ص ۳۳۵ ج ۲) الغرض یہ روایت باطل ومن گھڑت ہیں۔

(۳) فرماتے ہیں۔ حسن بصری سے جب کہا گیا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے تھے تو حسن بصری نے فرمایا کہ ان کے والد حضرت عمر بڑے فقیہ تھے وہ دوسری رکعت پر سلام پھیرتے بغیر تکبیر سے اٹھتے تھے۔ (مستدرک ص ۳۰۴ ج ۱) سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۱۳۔

یہ روایت مرسل ہے حسن بصری کا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت کے زمانہ میں حسن بصری دو سال کا دودھ پیتا بچہ تھا۔ (تہذیب ص ۲۳۱ ج ۲) الغرض یہ روایت مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(۴) حضرت ابویوب الانصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث ایک وتر کے متعلق فرماتے ہیں کہ (نسائی ص ۲۳۹ ج ۱)

پر یہ بھی ہے کہ جو چاہے ایک وتر پڑھ لے اور جو چاہے اشارہ کر لے۔ یہ جملہ غیر مقلدین ہرگز بیان نہیں کرتے۔

کیونکہ اس سے تو ایک وتر سے بھی چھٹی ملتی ہے۔ سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۱۲۔

الف۔ ہماری طرف سے جو روایت بطور دلیل نقل کی جاتی ہے وہ حضرت ابویوب الانصاری رضی اللہ عنہ کی روایت سے فرمان نبوی علیہ التحیۃ والسلام ہے جبکہ آپ کی بیان کردہ روایت مرفوع نہیں موقوف ہے اسے مرفوع قرار دے کر ہمیں مطعون کرنا آپ کی زیادتی ہے اور رسول اللہ ﷺ پر افتر ابھی۔

ب۔ اس کی سند میں سفیان ثوری ہیں جو مدلس ہیں، علامہ ذہبی فرماتے ہیں، یدلس عن الضعفاء یعنی ضعیف راویوں سے تدلیس کرتے ہیں۔ (میزان الاعتدال ص ۱۶۹ ج ۲)، اور زیر بحث روایت معنعن ہے اور مدلس کی روایت تحدیث کی صراحت کے بغیر ضعیف ہوتی ہے۔

ت۔ اثر کے آخری الفاظ ومن شاء او ما ایماء کے ہیں۔ (نسائی رقم الحدیث ۱۷۱۳) اس کا مفہوم پیر جی نے یہ بیان کیا ہے کہ نماز وتر سے چھٹی ہوگئی۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔

ان الفاظ کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ نماز وتر سواری پر اشارے سے پڑھے جاسکتے ہیں اس کی تفسیر سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے کہ نبی ﷺ وتر سواری پر پڑھ لیا کرتے تھے، یومئ ايماء، رکوع وجود اشارہ سے کرتے تھے، (بخاری رقم الحدیث ۱۰۰۰) اس کے برعکس پیر جی نے جو مفہوم بیان کیا ہے وہ غلط ہونے کے علاوہ ان کے نالائق ہونے کی بھی دلیل ہے۔

(۵) فرماتے ہیں:

آخر میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ایک رکعت وتر کے اتنے مخالف ہو گئے تھے کہ ایک رکعت وتر پڑھنے والے کو الحمار (گدھا) فرمایا۔ (طحاوی ص ۱۹۹ ج ۱) افسوس ہے کہ غیر مقلدین حضرت عبد اللہ بن عباس کی ایک (وتر والی) روایت جو پہلے دور کی ہے وہ تو پیش کرتے ہیں لیکن آخری دور کی روایات کو چھپا جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ کتمان حق یا تو یہود کا طریقہ تھا یا پھر ان سے شیعہ نے لیا، یا اب غیر مقلدین کا اوڑھنا بچھونا بن گیا ہے۔ سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۱۵۔

الف، حق کو چھپانا تو یہود و شیعہ کا شعار ہے، مگر پیر جی آپ حنفی ہو کر اس کے مرتکب کیوں ہوئے ہیں؟ آخر آپ نے یہ کیوں صراحت نہ کی کہ مذکورہ من گھڑت اور باطل روایت میں گدھا کس کو کہا گیا ہے؟ کاش آپ نے وضاحت کی ہوتی کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تو سمجھ دار طبقہ آپ اور آپ کی دلیل تین حرف بھیج کر الگ ہو جاتے۔

ب۔ طحاوی نے جو اس کے لئے سند بیان کی ہے اس کا پہلا راوی ہی متروک ہے سننے اس کی سند میں مالک بن یحییٰ ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں اس کی روایات میں نظر ہے ابن قطان فرماتے ہیں مجہول ہے، ابن حبان فرماتے ہیں سخت منکر الحدیث ہے اس کی روایات سے احتجاج کرنا درست نہیں یہ ثقات سے بے اصل روایات نقل کرتا ہے۔ (لسان المیزان ص ۷۵ ج ۵ و میزان ص ۳۲۹ ج ۳) اور آپ کے محدث کبیر نے اس حقیقت پر پردہ

ڈالنے کے لئے لکھ دیا ہے کہ اس کا ترجمہ راقم کو نہیں ملا۔ (اعلاء السنن ص ۵۷ ج ۶)

(۶) فرماتے ہیں:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بتیراء سے منع فرمایا ہے، یعنی اس سے کہ آدمی ایک رکعت وتر پڑھے۔ سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۱۵
الف۔ امام ابن عبدالبر نے آگے اس پر جرح بھی کی تھی کہ

فی سندہ عثمان بن محمد بن ربيعہ قال العقيلي الغالب على حديثه الوهم،
یعنی اس کی سند میں عثمان بن محمد راوی ہے اور عقیل نے کہا ہے کہ اس کی روایت میں وہم غالب ہے۔
التمهيد لمافی الموطا من المعانی والا سانيد ص ۲۵۴ ج ۱۳ (والجوهر النقی ص

۲۷ ج ۳)

امام ابن قطان نے اس روایت کو شاذ اور دارقطنی نے عثمان کو ضعیف کہا ہے، (لسان ص ۱۵۲ ج ۴ و میزان

ص ۵۳ ج ۳)

ب۔ بتیراء کا معنی ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ مروی ہے کہ آدمی ایک رکعت کو صحیح طریقہ سے ادا کرے جبکہ دوسری کو غلط ادا کرے۔ (السنن الکبری للبیہقی ص ۲۶ ج ۳)۔

آئمہ لغت نے بھی یہ معنی بیان کیا ہے، (لسان العرب ص ۳۷ ج ۴ و تاج العروس ص ۲۴ ج ۳ و مجمع بحار الانوار ص ۱۴۸ ج ۱)

(۷) آپ نے جو محمد بن کعب قرظی صغیر تابعی سے مرفوع روایت بتیراء کی ممانعت پر نقل کی ہے۔ ایک نظر

ص ۱۱۵

(الف) اس پر آپ نے (نصب الرایۃ ص ۳۰۳) کا حوالہ پر قلم کیا ہے۔ حالانکہ بتیراء کی روایت ص ۱۲۰ ج ۲ پر ہے۔ لیکن آپ کی درج کردہ روایت راقم کو نہیں ملی، یہ آپ نے کسی پر اندھا اعتماد کیا ہے غالباً، (اعلاء السنن ص ۶۵ ج ۶) آپ کا ماخذ ہے۔

(ب) اس کی سند تو راقم کو بوجہ نہیں مل سکی ہاں البتہ یہ مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ علامہ عراقی اور دودی نے کہا ہے کہ یہ مرسل ہونے کے علاوہ سنداً بھی ضعیف ہے۔ (اعلاء السنن ص ۶۵ ج ۶)۔

(۸) فرماتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود نے صراحتہً مکمل کر فرمایا ما اجزات رکعة واحدة قط۔ (موطا امام محمد ص ۱۵) وتر کی ایک رکعت کبھی بھی کافی نہیں ہو سکتی۔

سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۱۶۔

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس قول کو نقل کرنے والا حصین بن ابراہیم راوی ہے اس کی عدالت وثقات ثابت کی جائے اگر آپ یہ ثابت نہ کر سکے، یقیناً ثابت نہیں کر سکیں گے تو یہ اصول حدیث کی رو سے مجہول قرار پائے گا۔ اور مجہول کی روایت ضعیف ہوتی ہے۔

(۹) فرماتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اھون ما یكون الوتر ثلاث رکعات مؤطا امام محمد ص ۵۰ کم از کم وتر کی رکعتیں تین ہیں۔ سَمِیلُ الرُّسُولِ پر ایک نظر ص ۱۱۶۔

الف۔ یہ روایت آپ کے بھی مخالف ہے کیونکہ انہوں نے کم از کم کی تعداد بیان کی ہے جس سے لازم آتا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ تین سے زیادہ رکعات وتر کے قائل تھے، جبکہ احناف کے نزدیک تین سے زیادہ وتر ادا کرنے ناجائز ہیں۔

فما كان جوابكم فهو جوابنا

(ب) اس کی سند میں ابی حمزہ راوی ہے اس کی عدالت وثقات بیان کی جائے، مگر کوئی حنفی اس قرض کو اتارنے کی ہمت نہیں کرے گا۔ انشاء اللہ، کیونکہ یہ مجہول ہے۔

(ت) اس کی سند میں ابراہیم نخعی ہے جو مدلس ہے (طبقات المدلسین ص ۲۸)۔

اور روایت بھی معصن ہے جس کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے۔

(۱۰) فرماتے ہیں:

حضرت سعد نے ایک وتر پڑھا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایک رکعت وتر ہرگز جائز نہیں۔ وعاب ذلک علی سعد، اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے اس فعل کو معیوب قرار دیا۔ طحاوی سَمِیلُ الرُّسُولِ پر ایک نظر ص ۱۱۶۔
(الف) سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس بات کو نقل کرنے والا، ابراہیم نخعی ہے (طحاوی ص ۲۰۳ ج ۱)، اور ابراہیم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرسل روایت کرتا ہے۔ علامہ ذہبی فرماتے ہیں۔

استقر الامر علی ان ابراهیم حجة وانه اذا ارسل عند ابن مسعود وغيره فليس ذلك بحجة۔

یعنی معاملہ یہ ہے کہ ابراہیم حجت تو ہے مگر جب ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرسل روایت کرے تو تب حجت نہیں۔ میزان ص ۵۷ ج ۱۔

(ب) اس سے نیچے کی سند ثاماد بن حماد، ہے ان دونوں کی وضاحت کی جائے کہ یہ کون ہیں پھر ان کی عدالت وثقات بحوالہ بیان کی جائے جہاں تک ہم نے کتب رجال کو دیکھ کر نتیجہ نکالا ہے وہ یہ ہے کہ استاد حماد بن ابی سلیمان ہے اور شاگرد حماد بن سلمہ بصری ہے۔ اور علامہ بیہقی فرماتے ہیں کہ

ولا يقبل من حديث حماد (بن ابی سلیمان) الا ما رواه عنه القدماء شعبه وسفيان

الثوری والد ستوانی ومن عدا هولاء روا عنه بعد الاختلاط.

یعنی حماد بن ابی سلیمان کی کوئی بھی روایت قبول نہ کی جائے گی مگر وہی جو اس کے قدیم شاگرد امام شعبہ امام سفیان ثوری اور دستوائی روایت کرتے ہوں ان کے علاوہ جنہوں نے بھی روایت حماد سے کی ہے۔ اس نے حافظہ بگڑنے کے بعد کی ہے۔

(مجمع الزوائد ص ۱۲۴ ج ۱ باب فی طلب العلم)۔

جبکہ زیر بحث روایت، حماد بن سلمہ بصری ان سے نقل کر رہے ہیں جس سے ثابت ہوا کہ یہ روایت مختلط ہونے کے بعد کی ہے۔ اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ جب راوی عنہ نے حالت اختلاط میں سماع کیا ہو تو وہ روایت ضعیف ہوتی ہے۔ الغرض یہ روایت مرسل ہونے کے علاوہ سداً ضعیف بھی ہے۔

اس کے بعد پیر جی نے چند آثار صحابہ کرام ایک دتر کے متعلق بیان کر کے ان کے جوابات بھی دیئے ہیں ان کا جواب الجواب تحریر کرنے کی ہم چنداں ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

جلسہ استراحت

حضرت حکیم صاحب نے سبیل الرسول ص ۲۱۵ پر جلسہ استراحت کا حدیث نبوی علیہ التحیۃ والسلام سے ثبوت دینے کے بعد فقہ کا اختلاف بھی بیان کیا تھا، پیر صاحب نے اس حدیث پر نظر عنایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ

اس حدیث کو نقل کرنے میں ایک زبردست خیانت کی ہے۔ اس حدیث کے راوی نے بتایا کہ ایک بوڑھے بزرگ نماز میں جلسہ استراحت کرتے تھے۔ لم اُرهم یفعلونہ میں نے اور کسی کو یہ کرتے نہیں دیکھا، (بخاری ص ۱۱۳) ظاہر ہے کہ بوڑھے بوڑھے کی وجہ سے ایسا کرتے تھے۔ سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۱۹ و ۱۲۰۔

الجواب: اولاً، آپ نے غلط بیانی کرتے ہوئے کہا ہے کہ ایک بوڑھے بزرگ نماز میں جلسہ استراحت کرتے تھے، حالانکہ روایت میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس کا یہ معنی ہو۔ سنئے حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ ابو قلابہ تابعی فرماتے ہیں کہ:

حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ نے اپنے دوستوں سے کہا کہ میں آپ کو رسول اللہ ﷺ کی نماز نہ سکھاؤں، پھر انہوں نے نماز پڑھ کر دکھائی..... فصلی صلوٰۃ عمرو بن سلمۃ شیخنا، انہوں نے ہمارے شیخ عمرو بن سلمہ کی طرح نماز پڑھی۔

(بخاری باب المکث بین السجدتین، الحدیث ۸۱۸)

دوسری حدیث میں آتا ہے کہ ایوب راوی نے ابو قلابہ (اپنے استاد) سے پوچھا کہ مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی نماز کیسی تھی تو انہوں نے کہا کہ مثل صلوٰۃ شیخنا ہمارے شیخ عمرو بن سلمہ کی طرح، (بخاری الحدیث ۸۲۴)،

مگر آپ نے شرم و حیا کو بلائے طاق رکھ کر، شیخنا کا معنی بوڑھا کر دیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ثانیاً۔ جلسہ استراحت کو رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے اس بات کو حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے مگر آپ کہتے ہیں کہ یہ عذر پر محمول ہے۔ یہی بات صاحب حدایہ نے بھی کہی ہے اس کی تردید کرتے ہوئے علامہ ابن نجیم حنفی کنز الدقائق، کی شرح میں فرماتے ہیں۔

ان هذا الحمل يحتاج الى دليل وقد قال عليه الصلاة والسلام لما لك بن الحویرث لما اراد ان يفارقه صلوا كما رايتموني اصلى، ولم يفصل فكان الحديث حجة للشافعى

یعنی عذر پر محمول کرنا، دلیل کا محتاج ہے۔ اور مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ نے جب رسول اللہ ﷺ سے واپس آنے کا ارادہ کیا تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے انہیں کہا کہ نماز اس طرح پڑھنا جس طرح مجھے پڑھتے دیکھا ہے۔ اور نبی مکرم ﷺ نے (نماز کے کسی مسئلہ میں) فرق نہیں کیا لہذا یہ حدیث امام شافعی کی (قوی) دلیل ہے۔ (البحر الرائق ص ۳۲۲ ج ۱)۔

ثالثاً۔ رہا آپ کا صاحب حدایہ سے یہ نقل کرنا کہ یہ آرام کا قعدہ ہے اور نماز آرام کے لئے نہیں بنائی گئی۔ سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۲۰۔ یہ سب جھوٹے بہانے اور طفل تلی ہے آپ کسی دلیل سے ثابت کریں کہ یہ قعدہ آرام کے لئے تھا۔ محض دعویٰ سے بات ثابت نہیں ہوتی۔ مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی مرحوم فرماتے ہیں۔

لكن السكوت عنه اولی فان الصلاة وان كانت مشقة لكنها ليست مشقة محضة بل مع الراحة ولذا وضعت الجلسات فيها كجلست التشهد والجلسة بين السجدين فلو وضعت هذه الجلسة ايضاً لاستراحة لم يكن فيه باس لا سيما اذا ثبت فعلها عن صاحب الشرع فالاولی ان يتكلم في امثال هذا المقام بالمنقولات تكلمنا بالمعقولات.

لیکن اس قول سے خاموشی بہتر ہے کیونکہ نماز اگرچہ عمل مشقت ہے۔ لیکن یہ محض مشقت نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ راحت بھی ہے۔ اسی لئے اس میں اور بھی بیٹھنے کے مقامات ہیں۔ جیسے تشهد میں بیٹھنا اور دو ہجدوں کے درمیان بیٹھنا، لہذا اگر یہ بیٹھنا بھی استراحت کے لئے ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، بالخصوص جبکہ اس کا عمل نبی ﷺ سے ثابت ہے۔ اس لیے ایسے مقامات پر بہتر یہ ہے کہ منقولات کے اعتبار سے بات کی جائے۔ جیسے ہم نے کی ہے۔ اور معقولات یعنی محض عقل کا سہارا لے کر بات نہیں کرنی چاہئے۔ (السعایہ ص ۲۱۲ ج ۱)۔

اب آئیے شاہ صاحب کے بیان کردہ دلائل کی حقیقت ملاحظہ کریں۔

پہلی دلیل

فرماتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مشہور مسنی الصلوٰۃ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نماز سکھاتے ہوئے فرمایا کہ دوسرے سجدہ کے بعد سیدھا کھڑا ہو جا۔ (بخاری ص ۹۲۳ و ۹۸۹ ج ۲)۔

یہ صاف حکم ہے کہ جلسہ استراحت کی بجائے سیدھے کھڑے ہونا چاہئے۔ نوٹ (بخاری ص ۱۰۵ ج ۱) پر جالسا، کا لفظ ہے مگر یہ راوی کا وہم ہے، (فتح الباری)

سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۲۱۔

الجواب: اولاً، حافظ ابن حجر نے جالسا کے لفظ (جس سے جلسہ استراحت ثابت ہوتا ہے راوی کا وہم قرار نہیں دیا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث مسنی الصلوٰۃ، بخاری کے پانچ مقامات پر ہے۔ (بخاری رقم الحدیث ۵۷۷ و ۹۳۷ و ۲۵۱ و ۲۵۲ و ۲۶۶) ان تمام مقامات کو فتح الباری سے دیکھ لیا گیا ہے۔ مگر کسی جگہ بھی حافظ ابن حجر نے اس کو راوی کا وہم قرار نہیں دیا غالباً آپ نے محض سنی سنائی بات لکھ دی ہے، فتح الباری کی مراجعت نہیں کی۔

ثانیاً۔ دوسرے سجدہ کے بعد سیدھا کھڑا ہونا، جلسہ استراحت کے منافی نہیں، ہم کب کہتے ہیں کہ الٹا کھڑا ہونا چاہئے۔ ہم بھی سیدھا ہی کھڑے ہوتے ہیں۔

قیاس فاسد

فرماتے ہیں:

محدث کبیر امام طحاوی فرماتے ہیں کہ نماز قوی اور بدنی عبادت کا مجموعہ ہے۔ اس میں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف انتقال ہو تو ساتھ ذکر ہوتا ہے۔ مثلاً قیام سے رکوع کو جائیں تو تکبیر رکوع سے قومہ کی طرف انھیں تو تسبیح، اسی طرح سجدوں میں جھکنے اور اٹھنے کے ساتھ تکبیریں ہیں لیکن اس جلسہ کے لئے شریعت نے کوئی تکبیر مقرر نہیں کی ورنہ چار رکعت میں ۲۲ تکبیریں ہوتیں تو نماز میں ایسا فعل جو ذکر سے خالی ہو وہ عبادت اور افعال نماز قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ اقم الصلوٰۃ للذکر کے خلاف ہے۔ (طحاوی ص ۲۳۳ ج ۲)

سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۲۱ و ۱۲۲

الجواب: اولاً، طحاوی کو محدث کبیر قرار دینا آپ کی زیادتی ہے۔ بلاشبہ وہ حدیث سے واقف تھے مگر جو منصب آپ ان کو دے رہے ہیں اس کے وہ قابل نہ تھے، امام ابن تیمیہؒ طحاوی پر نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

لم تکن معرفة بالاسناد كمعرفة اهل العلم .

یعنی طحاوی کو محمد ثین کی طرح علم حدیث کی معرفت نہ تھی۔ (منہاج السنۃ ص ۱۹۴ ج ۴)۔
ثانیاً۔ تکبیر انتقال سے آپ کی کیا مراد ہے۔ کیونکہ جلسہ استراحت تو اتنا معمولی ہوتا ہے کہ تکبیر کے درمیان ہی ختم ہو جاتا ہے۔

ثالثاً۔ آپ کا قیاس تو اپنے مذہب کے بھی خلاف ہے۔ آپ کے نزدیک آخری دو رکعت میں قیام کے وقت قرآن ہی نہیں۔ تو کیا آپ کے ہاں قیام بھی عبادت سے خارج اور افعال نماز سے نہیں۔

دوسری دلیل

فرماتے ہیں کہ:

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے پاؤں پر سیدھے کھڑے ہوتے تھے، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس کا راوی خالد بن ایاس ضعیف ہے اور اس پر اہل علم کا عمل ہے یعنی مؤید بالعمل ہونے کی وجہ سے ضعف معزز نہیں۔

سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۲۲۔

الجواب: اولاً، امام ترمذی نے یہ بات قطعاً نہیں کہی مؤید بالعمل ہونے کی وجہ سے ضعف معزز نہیں۔ یہ آپ کی زیادتی ہے اہل علم جانتے ہیں کہ امام ترمذی مذاہب بھی بیان کرتے ہیں انہوں نے یہاں بھی مؤقف کی ہی صراحت کی ہے تاکہ صحت حدیث کے لئے اسے بطور دلیل بیان کیا ہے۔

ثانیاً۔ خالد کے ضعیف ہونے پر تمام آئمہ جرح و تعدیل کا اتفاق ہے، جیسا کہ امام عبد البر نے صراحت کی ہے۔ امام احمد، امام نسائی نے متروک اور ابو حاتم امام بخاری نے منکر الحدیث کہا ہے امام ابن حبان فرماتے ہیں کہ ثقات سے موضوع روایات نقل کرتا ہے۔ (تہذیب ص ۸۱ ج ۳) علامہ زبیلی حنفی نے (نصب الراية ص ۳۸۹ ج ۱) میں ابن حاتم نے (فتح القدیر ص ۲۶۸ ج ۱) مولانا عثمانی نے (درس ترمذی ص ۵۷ ج ۲) میں اس روایت کے ضعف کو بیان کیا ہے۔

تیسری دلیل

فرماتے ہیں کہ:

حکیم صاحب حدیث ابو حمید کو دس صحابہ کی تائید کے ساتھ رفع الیدین میں تو بڑے زور شور سے پیش کرتے ہیں۔ مگر شاید جلسہ استراحت کے بارہ میں ان کو یہ لفظ نظر نہیں آتا کہ آنحضرت ﷺ دوسرے جگہ سے اٹھتے اور بیٹھتے نہیں۔ (طحاوی ص ۴۴۴ ج ۲) سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۲۲۔

الجواب: اولاً، مؤلف سبیل الرسول نے حضرت ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی روایت کو سبیل الرسول میں بیان ہی

نہیں کیا، یہ پیر جی کا بہتان ہے ہاں انہوں نے صلوٰۃ الرسول میں اسے نقل کیا ہے مگر صرف رفع الیدین کے اثبات پر ہی نہیں بلکہ جلسہ استراحت پر بھی نقل کیا ہے۔ صلوٰۃ الرسل ص ۴۴۳ (تحققہ نسخہ) لہذا آپ کا یہ سفید جھوٹ ہے کہ حکیم صاحب جلسہ استراحت کے بارہ میں انہیں یہ لفظ نظر نہیں آتا۔

ثانیاً۔ حضرت ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث جو دس صحابہ کی تصدیق شدہ ہے۔ اس میں جلسہ استراحت کا ذکر ہے۔ (ابو داؤد، رقم الحدیث ۳۰ و ۹۶۳ و ترمذی رقم الحدیث ۳۰۵)۔

اور آپ نے جو روایت نقل کی ہے، اس کی سند میں عیسیٰ بن عبداللہ بن مالک راوی ہے۔ امام علی بن مدینی فرماتے ہیں کہ یہ مجہول ہے۔ (تہذیب ص ۲۱۷ ج ۸)

کسی محدث نے اس کی توثیق بیان نہیں کی صرف ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے اور ابن حبان کا تساہل مشہور و معروف ہے علامہ البانی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ضعیف ابوداؤد ص ۹۴۔

چوتھی

فرماتے ہیں:

حضرت ابو مالک اشعری نے اپنے سارے قبیلہ کو اکٹھا کر کے رسول اقدس ﷺ والی نماز سکھائی نہ تو اس میں پہلی تکبیر کے بعد کسی جگہ رفع یدین کیا اور نہ ہی جلسہ استراحت کیا، (مسند احمد)۔ سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۲۲۔
الجواب: اولاً، اس کی سند میں شہر بن حوشب ہیں جو کثیر الارسال اور اوہام ہیں (تقریب ص ۱۴۷)
اس سے نیچے کاراوی عبد الحمید بن بھرام فزاری ہے (مسند احمد ص ۳۴۳ ج ۵) امام احمد فرماتے ہیں کہ یہ شہر سے مقارب روایات نقل کرتا ہے۔ (تہذیب ص ۱۰۰ ج ۶)

ثانیاً۔ جلسہ استراحت کے متعلق یہ روایت صریح نہیں کیونکہ حضرت ابو مالک الاشعری رضی اللہ عنہ کا مقصود تکبیرات، رکوع و سجود کو بتانا تھا، (اور راوی حدیث نے انہیں چیزوں کو ملحوظ رکھا) اختتام نماز پر ابو مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

احفظوا تکبیری و تعلموا رکوعی و سجودی فانھا صلاۃ رسول اللہ ﷺ

یعنی میری تکبیرات نماز کو یاد کرو، اور مجھ سے رکوع و سجود کو دیکھ لو، یہ نبی ﷺ کی نماز ہے۔

پانچویں دلیل

فرماتے ہیں کہ:

امام شعبی (جنہوں نے پانچ سو صحابہ کرام کی زیارت کی) فرماتے ہیں کہ حضرت عمر، حضرت علی اور آنحضرت ﷺ کے صحابہ نماز میں اپنے قدموں پر سیدھے کھڑے ہوتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ نصب الراية ص ۳۸۹ ج ۱)
ایک نظر ص ۱۲۲۔

الجواب: اس کی سند میں پہلا راوی، عیسیٰ بن میرہ ہے، (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۹۴ ج ۱)، امام بخاری فرماتے ہیں کہ علی بن مدینی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ امام یحییٰ بن سعید نے منکر الحدیث قرار دیا ہے۔ ابن معین فرماتے ہیں یہ محض ہے اس کی روایات لکھی ہی نہ جائیں۔ امام عمرو بن علی امام ابو داؤد امام نسائی، امام دارقطنی نے متروک الحدیث کہا ہے۔ ابو حاتم فرماتے ہیں قوی نہیں مضطرب الحدیث ہے۔ امام ابن حبان فرماتے ہیں سنی الحفظ ہے۔ (تہذیب ص ۲۲۵ ج ۸)

حافظ ابن حجر نے متروک کہا ہے، (تقریب ص ۲۷۲) اور اس کا شاگرد ابو خالد الاحمر راوی ہے جو گو صدوق ہے مگر غلطیاں کرتا ہے۔ (تقریب ص ۱۳۳)، الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے۔

چھٹی دلیل

فرماتے ہیں:

حضرت نعمان بن ابی عباس (درست ابی عیاش ہے) فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کے بہت سے صحابہ کو پایادہ جب نماز میں پہلی اور تیسری رکعت کے بعد کھڑے ہوتے تو ایسے کھڑے ہوتے گویا بیٹھے ہی نہیں۔ سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۲۲۔

الجواب: اس کی سند میں ابو خالد الاحمر ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۹۵ ج ۱)، اس کے متعلق اوپر گزر چکا ہے کہ غلطیاں کرتا ہے۔ اور اس میں دوسرا راوی محمد بن عجلان ہے۔ اور یہ مدلس ہے۔ (طبقات المدلسین ص ۲۴) اور سند میں تحدیث کی صراحت نہیں بلکہ معنعن ہے۔ لہذا ضعیف ہے۔

ساتویں دلیل

فرماتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی نماز میں جلسہ استراحت نہیں کیا کرتے تھے۔ (مصنف عبدالرزاق ص ۱۷۹ ج ۲)۔

الجواب: اولاً، ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی جس روایت کی طرف ہیر جی نے اشارہ کیا ہے۔ یہ ضعیف ہے۔ کیونکہ اس میں، محمد بن عبدالرحمن ابن ابی لیلیٰ راوی سنی الحفظ ہے۔ (تقریب ص ۳۰۸) مگر یہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح سند سے بھی مروی ہے۔ کیونکہ ابن ابی لیلیٰ کا ثقہ متابع عبدہ بن ابی لبابہ راوی ہے۔ (طبرانی کبیر ص ۲۶۶ ج ۹ رقم الحدیث ۹۳۲۷) مگر یہ جلسہ استراحت کے مسنون ہونے کی نفی نہیں بلکہ وجوب کی نفی ہے۔ ویسے بھی یہ موقوف ہے اور موقوف جب مرفوع کے مخالف ہو تو بحت نہیں ہوتی۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ابن مسعود کا اثر تو صحیح ہے لیکن ومتابعہ السنۃ اولیٰ، مگر نبی ﷺ کی سنت پیروی کے لحاظ سے اولیٰ ہے۔ (السنن الکبریٰ ص ۱۲۶)

ج ۲۔

ثانیاً۔ ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی اثر کی سند میں، الاعمش راوی ہے۔ اور یہ مدلس ہے۔ (طبقات المدلسین ص ۳۳) اور سند میں تحدیث کی صراحت نہیں بلکہ معتنن ہے۔ لہذا ضعیف ہے۔

آٹھویں دلیل

فرماتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن زبیر نماز میں جلسہ استراحت نہیں فرماتے تھے ابن ابی شیبہ ص ۱۶۳ ج ۱، سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۲۳

الجواب: اس کی سند میں هشام بن عروہ ہیں (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۳۹۳ ج ۱) میں کتابت کی غلطی سے ابن عروہ ہے اور یہ مدلس ہیں، (تقریب ص ۳۶۳ و طبقات المدلسین ص ۲۶) اور زیر بحث روایت میں تحدیث کی صراحت نہیں لہذا ضعیف ہے۔

نویں دلیل

فرماتے ہیں:

ان کے علاوہ حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ بھی جلسہ استراحت نہیں کرتے تھے۔ (بیہقی نصب الراية ص ۳۸۹ ج ۱) سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۲۳۔

الجواب: اس کی سند میں عطیہ العوفی ہے جو کثرت سے خطائیں کرتا ہے، مذہباً شیعہ ہے روایت میں تدلیس کرتا ہے۔ تقریب ص ۲۴۰) امام بیہقی نے یہ روایت بیان کر کے عطیہ کو مجروح قرار دیا ہے۔ (السنن الکبریٰ ص ۱۲۶ ج ۲)

خلاصہ کلام

جلسہ استراحت نہ کرنے پر کوئی بھی صحیح یا حسن حدیث مروی نہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے صرف ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نہ کرنا ثابت ہے باقی تمام آثار معلول ہیں۔ اس کے برعکس جلسہ استراحت کرنے پر احادیث صحیحہ موجود ہیں۔ صحابہ کرام کے آثار بھی منقول ہیں۔ لہذا دلیل کے اعتبار سے وہ صحیح ہے جو نبی مکرم حضرت محمد ﷺ سے ثابت ہے۔ اس کے بعد پیرو جی نے نہایت فضول بحث کی ہے۔ حضرت حکیم صاحب کو جاہل، حق پوش، طریق یہود پر گامزن وغیرہ الفاظ خبیثہ سے مخاطب کیا ہے۔ ایسی چیزوں کا جواب ہمارے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ نہیں دیا کرتے تھے اور ہم بھی اس پر بحکم قرآن خاموشی ہی بہتر سمجھتے ہیں۔ گالیاں کا شمار دلائل میں نہیں بلکہ کبیہ ظرفی میں ہوتا ہے۔ یہ چیزیں یقیناً حکیم صاحب کے لئے کفارہ سیات اور نجات اخروی کا سبب ہیں۔

تیمم کا مسئلہ

حضرت حکیم صاحب نے سبیل الرسول ص ۲۱۶ پر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی صحیح صریح حدیث بخاری و مسلم سے نقل کی تھی کہ تیمم میں ایک ضرب ہے۔ پھر اس صحیح حدیث کی مخالفت فقہ سے بیان کی تھی۔ اس کا جواب بھی پیر صاحب نے دیا ہے۔ اور عنوان ”نقل حدیث میں فریب“ کا باندھ کر فرماتے ہیں کہ حکیم صاحب نے حضرت عمار بن یاسر کی حدیث کا کلو نقل کیا ہے۔ حالانکہ اس کے تمام طرق حکیم صاحب کو پیش کر کے اس اضطراب کو ختم کرنا چاہئے تھا۔

(۱) ایک ضرب سے تیمم کرے اور چہرے اور ہتھیلیوں پر ہاتھ پھیرے۔ (بخاری ص ۴۸ ج ۱ و مسلم ص ۱۱۶ ج ۱)۔

(ب) تیمم دو ضرب سے کرنا، ایک ضرب چہرے کے لئے دوسری دونوں ہاتھوں سے کندھوں اور بغلوں تک کے لئے، (ابوداؤد ص ۵۱ ج ۱ انسائی ص ۶۰ ج ۱ طحاوی ص ۶۶ ج ۱ مسند احمد ص ۲۶۳ ج ۱)۔

(ج) تیمم دو ضرب ہے۔ ایک ضرب چہرے کے لئے دوسری ضرب دونوں ہاتھوں کہنیوں تک، (رواہ البزار فی مسندہ و نصب الراية ص ۱۵۳ ج ۱ اقبال الحافظ ابن حجر باسناد حسن الدرایہ ص ۳۶ ج ۱)

حکیم صاحب کا فرض تھا کہ وہ پہلے اس حدیث کے مکمل طرق نقل کرتے پھر ایک طریق کو قبول اور دوطریقوں کو رد کرنے کی وجہ کسی حدیث صحیح سے بیان کرتے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہو کہ فلاں طریق قبول کر لینا کہ وہ صحیح ہے اور فلاں دوطریق حدیثوں کے رد کر دینا کہ وہ ضعیف ہیں۔

سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۲۵۔

الجواب: اولاً، معلوم نہیں پیر جی جوانی میں علم کو پڑھ کر بھول کیوں گئے ہیں سنئے خبر کی تحقیق کرنے کا حکم ہے۔ ”القرآن“ اور تحقیق کے بعد جو خبر صحیح ہوگی وہ اللہ و رسول ﷺ کا حکم ہوگا اور جو ثابت نہ ہوگی وہ اللہ و رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نہ ہوگا۔ ہم کہتے ہیں کہ تم ثابت کرو کہ رسول اللہ ﷺ کے حضور دو ضرب والی حدیث پیش کی گئی اور نبی ﷺ نے اس کی تردید نہ کی۔

ثانیاً۔ طرق حدیث کو بیان نہ کرنا، فریب نہیں ہے یہ آپ کی زیادتی ہے۔ بالخصوص ضعیف طرق کی نشان دہی نہ کرنا، عدم ذکر میں تو اس کا شمار ہوتا ہے مگر فریب کا نام صرف آپ نے دیا ہے۔

ثالثاً۔ آپ نے جو حدیث ”ب“ کے تحت بیان کی ہے یہ جناب کا کھلا افتراء اور رسول اللہ ﷺ پر بہتان ہے ہم آپ کو چیلنج کرتے ہیں کہ مذکورہ الفاظ سے اگر آپ یہ حدیث ان کتب ثابت کر دیں تو آپ کو بطور انعام یہ کتب دی جائیں گی، انشاء اللہ مگر یاد رکھو پیر مشتاق تو کجا پوری دنیا کے خفی اگلے پچھلے اکٹھے ہو جائیں تب بھی اس کو ثابت نہیں

کر سکتے۔

اب حدیث کے اصلی الفاظ ملاحظہ کریں۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے یتیم کے متعلق سوال کیا تو آپ علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا کہ

ضربة واحدة للوجه والكفين، یتیم ایک ضرب ہے چہرہ اور ہتھیلوں کے لئے۔ (ابوداؤد (۳۷۷) و مسند احمد ص ۲۶۳ ج ۴) علامہ البانی نے (ارواء الغلیل (۱۶۱) میں اس کی مفصل تخریج کی ہے۔ اور علامہ زیلعی حنفی نے (نصب الراية ص ۱۵۵ ج ۱) میں یہی الفاظ بیان کئے ہیں اور ایک ضرب کے دلائل میں اسے نقل کیا ہے۔ مگر پیر جی نے تقلیدی ہاتھ کی صفائی دکھاتے ہوئے ایک ضرب سے دو ضربیں بنالیں اور مزید بددیانتی کرتے ہوئے نسائی اور طحاوی کا حوالہ بھی بغیۃ المصنی ص ۱۵۵ ج ۱ سے دیکھ کر بیان کر دیا اور اصل کتب کی مراجعت کی تو فنی نہ ملی، مراجعت کے بغیر بھی پیر جی نے نالائق و جاہل ہونے کی وجہ سے مغالطہ کھایا یا پھر مغالطہ دیا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ علامہ زیلعی نے پہلے دو ضرب کے دلائل بیان کئے ہیں پھر ایک ضرب کی احادیث نقل کی ہیں اور آخر میں تیمم الی المناکب کی روایات کو پیش کیا ہے۔ پیر جی نے اس پر یہ اضافہ فرمایا کہ ایک ضرب اور تیمم الی المناکب، والی احادیث کو دو ضرب والی قرار دے کر حدیث میں اضطراب کا دعویٰ کر دیا ہے۔

اگر نصرۃ العلوم میں ایسے لائق و فائق لوگ ہی جنم لیتے ہیں تو پھر یہ مدرسہ نصرۃ العلوم کی بجائے نصرۃ الجھول کہلانے کا مستحق ہے۔

رابعاً۔ آپ نے جو مسند ہزار سے دو ضرب والی روایت نقل کی ہے اور ساتھ ہی کہا ہے کہ حافظ ابن حجر نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ بلاشبہ حافظ صاحب نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ (الدرایہ ص ۶۸ ج ۱) مگر سند کے حسن یا صحیح ہونے سے متن کا حسن یا صحیح ہونا لازم نہیں آتا، علامہ زیلعی حنفی فرماتے ہیں۔

صحة الاسناد يتوقف على ثقة الرجال و لو فرض ثقة الرجال لم يلزم منه صحة

الحديث

صحت اسناد رجال کے ثقہ ہونے پر موقوف ہے اور اگر راویوں کی توثیق تسلیم کی جائے تو اس سے حدیث کی صحت لازم نہیں آتی، (نصب الراية ص ۳۷۷ ج ۱) یہی بات علامہ بخاری نے (معارف السنن ص ۳۷۵ ج ۲) میں کہی ہے۔ اگر اب بھی آپ کی تسلی نہیں ہوئی تو اپنے استاذ محترم کا ایک حوالہ سن لیجئے۔

فرماتے ہیں:

امام حاکم، سیوطی اور علامہ جزائری اس کی تصریح کرتے ہیں کہ بسا اوقات ثقہ راوی کی حدیث بھی معطل ہو سکتی ہے، احسن الکلام ص ۷۰ ج ۲ ممکن ہے کہ پیر جی جلدی میں یہ کہہ دیں کہ

آخر اس میں کوئی علت ہے جس کی وجہ سے متن صحیح نہیں تو ہم عرض کرتے ہیں اس کی سند میں محمد بن اسحاق ہے۔ (نصب الراية ص ۱۵۳ ج ۱)۔

اور یہ ضعیف و مجہول اور ان سے بھی بدتر لوگوں سے تدلیس کرنے میں مشہور ہیں۔ (طبقات المدلسین ص ۵۱) اور یہاں سماع کی تصریح نہیں بلکہ معنعن ہے۔ اور مدلس کی روایت تصریح سماع کے بغیر ضعیف ہوتی ہے۔ خامساً۔ ممکن ہے کہ پیر جی یہ کہہ دیں کہ ”ب“ کے تحت میں نے جو روایت بیان کی ہے وہ میرا افترا نہیں بلکہ واقعی (ابوداؤد ۳۱۸) میں ہے جواباً عرض ہے کہ پیر جی نے مرفوع حدیث میں تعارض کے لئے اس روایت کو پیش کیا ہے اور (ابوداؤد ۳۱۸) میں مروی حدیث مرفوع نہیں بلکہ تیمم کا حکم نازل ہونے سے پہلے صحابہ کا اپنا اجتہاد ہے۔ خود پیر جی امام طحاوی سے نقل کرتے ہیں۔

جس حدیث میں کندھوں تک مسح کا ذکر ہے وہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نہیں بلکہ نزول آیت سے پہلے صحابہ کی اپنی اپنی رائے تھی۔

سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۲۵۔

اور اسی روایت میں دوضربوں کا ذکر ہے جس سے یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ پیر جی نے جان بوجھ کر نبی ﷺ پر افترا کیا ہے۔

پہلی دلیل

فرماتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تیمم دوضربوں سے ہے۔ ایک ضرب چہرہ کے لئے دوسری دونوں ہاتھوں کے لئے کہیںوں تک۔

سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۲۷۔

الجواب: اولاً، اس کی سند میں علی بن ظہیران راوی ہے۔ (مستدرک حاکم ص ۱۷۹ ج ۱) و سنن دارقطنی ص ۱۸۰ ج ۱) اسے امام ابو حاتم نے متروک الحدیث اور امام یحییٰ بن معین نے کذاب و خبیث کہا ہے۔ (میزان ص ۱۳۲ ج ۳) امام ابن نمیر فرماتے ہیں اس کی تمام روایات خطا ہیں۔ ابوداؤد بیہیض محض اور نسائی متروک اور امام ابوزرعہ و اہی الحدیث کہتے ہیں، (نصب الراية ص ۱۵۰ ج ۱) امام دارقطنی، ابن عدی بیہقی وغیرہ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

ثانیاً۔ اگر کہا جائے کہ امام حاکم نے (مستدرک ص ۱۸۰ ج ۱) دوسری سند سے بھی اسے روایت کیا ہے تو جواباً عرض ہے کہ اس کی سند میں سلیمان بن ابی داؤد الحمدانی ہے۔ اسے امام بخاری نے منکر الحدیث کہا ہے۔ (میزان

(ص ۲۰۶ ج ۲)

امام ابو زرہ نے اس روایت کو باطل کیا ہے۔ (تلخیص الحبیر ص ۱۵۲ ج ۱ و علل الحدیث ص

(۱۵۳ ج ۱)۔

ثالث۔ رہا پیر جی کا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فتویٰ نقل کرنا تو اس سلسلہ میں ہم متعدد بار عرض کر چکے ہیں کہ مرفوع احادیث کے بالمقابل اقوال صحابہ حجت نہیں ہوتے۔ پیر جی کی تسلی کے لئے ان کے مرشد اور استاذ محترم کا ایک حوالہ نقل کرتے ہیں۔ مولانا سرفراز خاں صفدر فرماتے ہیں۔

حضرت عبادہ بن الصامت نے صحیح سمجھا یا غلط بہر حال یہ بالکل صحیح بات ہے کہ حضرت عبادہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے اور ان کی یہی تحقیق اور یہی مسلک و مذہب تھا مگر فہم صحابی اور موقوف صحابی حجت نہیں ہے۔ (احسن الکلام ص ۱۵۶ ج ۲)۔

دوسری دلیل

فرماتے ہیں:

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ نبی اقدس ﷺ نے فرمایا تیمم دو ضربوں سے ہے۔ ایک ضرب چہرے کے لئے اور دوسری دونوں بازوؤں کے لئے کہیں تک حاکم اور ذہبی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۲۸۔

الجواب: اولاً، اس کی سند میں ابوالثریر راوی ہے۔ (مستدرک حاکم ص ۱۸۰ ج ۱) و دارقطنی ص ۱۸۱ ج ۱) اور یہ مدلس ہیں۔ مشہور بالتدلیس، یعنی تدلیس کرنے میں معروف ہے۔ (طبقات المدلسین ص ۴۵ تقریب ص ۳۱۸) میں صدوق ہے مگر تدلیس کرتا ہے۔ حافظ صلاح الدین کی کلیدی نے جامع التحصیل ص ۱۲۶ میں علامہ ذہبی نے (تذکرہ ۱۲۷، ج ۱) و میزان ص ۳۷ ج ۲) میں علامہ مارون بن حنفی نے (الجوہر النقی ص ۲۳۸ ج ۷) میں، علامہ زبیلی حنفی نے (نصب الراية ص ۲۷۷ ج ۲) میں علامہ کوثری حنفی (الاشفاق علی احکام الطلاق ص ۲۲) میں مولانا ظفر احمد تھانوی نے (قواعد فی علوم الحدیث ص ۴۶۳) میں ابوالثریر کو مدلس قرار دیا ہے۔ اور زیر بحث روایت میں تحدیث کی صراحت نہیں بلکہ متعین ہے جس کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے۔

ثانیاً۔ پیر جی جو (طحاوی ص ۸۱ ج ۱) سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے اس میں بھی ابوالثریر ہے اور تحدیث کی صراحت نہیں خلاصہ کلام یہ کہ موقوف و مرفوع دونوں ہی بوجہ تدلیس ابوزیر ضعیف ہے۔

تیسری دلیل

فرماتے ہیں:

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جن کے ہارگم ہونے کی وجہ سے اسی موقعہ پر آیت تیم نازل ہوئی فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تیم دو ضربوں سے ہے۔ ایک چہرے کے لئے دوسری کہنیوں تک ہاتھوں کے لئے۔ رواہ البزار فی مسندہ زیلیعی ص ۱۵۱ ج ۱) سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۲۸۔

الجواب: زیلیعی نے آگے لکھا ہے۔ امام بزار فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی سند سے ہی مروی ہے (اور سند میں راوی) حدیث اہل بصرہ سے ہے اور زبیر بن حدیث کا بھائی ہے۔ ابن عدی نے بھی الکامل میں اسے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ امام بخاری نے کہا ہے کہ حدیث میں نظر ہے ابن عدی فرماتے ہیں کہ مجھے اس کا حال معلوم نہیں۔ اور میں اس کی روایت پر اعتماد نہیں کرتا۔ (نصب الراية ص ۱۵۱ ج ۱)، اس عبارت کو پیر جی ہضم کر گئے ہیں۔ سنئے اس روایت کو امام ابو حاتم نے منکر کہا ہے۔ (التلخیص الحبیر ص ۱۵۳ ج ۱) حافظ ابن حجر نے (الدراہ ص ۶۸ ج ۱) میں اور علامہ بیہقی نے مجمع الزوائد ص ۲۶۸ ج ۱ میں ضعیف قرار دیا ہے۔

چوتھی دلیل

فرماتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ بیت الخلاء سے نکلے ایک راہ گیر نے آپ کو سلام کیا آپ ﷺ نے دو ضربوں سے تیم کر کے اس آدمی کو سلام کا جواب دیا۔ جب کہ وہ گلی کے موڑ سے چھپنے والا تھا۔ (ابو داؤد ص ۵۳ ج ۱ طحاوی ص ۶۳ ج ۱ دارقطنی ص ۶۵ ج ۱ وطیالسی ص ۲۵۳ ج ۱) بیہقی ص ۲۰۶۔ اگر ایک ضرب سے تیم کی گنجائش ہوتی تو آنحضرت ﷺ اس جلدی کے موقع پر ضرور اختصار سے کام لیتے۔ اذلیس فلیس۔

سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۲۹۔

الجواب: (۱) اس کی سند میں محمد بن ثابت راوی ہے۔ حافظ ابن حجر نے اسے مقبول کہا ہے (تقریب ص ۲۹۲) یعنی متابعت کی صورت ورنہ لین الحدیث ہے۔ جیسا کہ مقدمہ تقریب میں صراحت ہے اور یہاں اس کی کسی نے متابعت نہیں کی امام ابو داؤد و دیگرہ روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

سمعت احمد بن حنبل یقول روی محمد بن ثابت حدیث منکراً فی التیمم قال ابن داسہ قال ابو داؤد لم یتابع محمد بن ثابت فی هذه القصة علی ضربتین عن النبی ﷺ

ورویہ فعل ابن عمر

میں نے امام احمد بن حنبل سے سنا کہ محمد بن ثابت نے تیم کے متعلق منکر روایت بیان کی ہے، ابن داسہ کہتے ہیں کہ اس قصہ میں نبی ﷺ سے دو ضربیں بیان کرنے میں محمد بن ثابت کی کسی نے متابعت نہیں کی۔ ہاں البتہ فعل

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ مروی ہے (ابوداؤد مع عون المعبود ص ۱۲۹ ج ۱) امام بخاری نے بھی اس روایت کو منکر کہا ہے۔ علامہ خطابی فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح نہیں، حافظ ابن حجر نے (الدراہ ص ۶۷ ج ۱) میں اور علامہ البانی نے (ضعیف ابوداؤد ص ۳۷) میں اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

ثانیاً۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ نافع کے حفاظ شاگرد ابوب اور عبید اللہ وغیرہ اس کو ابن عمر کا فعل بیان کرتے اور یہی امام ابوداؤد کی رائے ہے۔ (تلخیص الحبر ص ۱۵۱ ج ۱)۔
ثالثاً۔ یہ حدیث تو حنفیہ کے خلاف ہے امام ابن حزم فرماتے ہیں۔

محمد بن ثابت العبدی ضعیف لا یحتج بحديثه، ثم لو صح لكان حجة عليهم لان فيهم التيمم في الحضرة للصحيح. والتيمم لرد السلام وترك رد السلام على غير طهارة، وهم لا يقولون بشيء من هذه كله.

یعنی محمد بن ثابت عبدی ضعیف ہے۔ اس کی روایت سے احتجاج نہیں کیا جاسکتا پھر اگر صحیح بھی ہو تو تب ان پر یہ حجت ہے کیونکہ اس میں حضور اور سلام کے جواب کے لئے تیمم کرنا ثابت ہوتا ہے اور بغیر طہارت کے سلام کے جواب کو ترک کرنا بھی، حالانکہ یہ ان چیزوں میں سے کسی کے بھی قائل نہیں۔

(المحلی بالانار ص ۳۷۰ ج ۱ مسالۃ نمبر ۲۵۰)، بلاشبہ حنفیہ کا یہی موقف ہے کہ سلام کا جواب دینے کی غرض تیمم جائز نہیں۔ دیکھئے البحر الرائق ص ۱۵۰ ج ۱۔

پانچویں دلیل

فرماتے ہیں:

حضرت اسلم رضی اللہ عنہ بھی اس سفر میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے جس میں آیت تیمم نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے حضرت اسلم کو حکم دیا اے اسلم کھڑا ہو اور پاک مٹی سے تیمم کر ایک ضرب اپنے چہرے کے لئے اور دوسری ضرب اپنے بازوؤں کے لئے اندر باہر دونوں طرف۔

(اخرجه الطبرانی والدارقطنی والبيهقي زيعلى ص ۱۵۳ ج ۱) سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۲۹۔

الجواب: اس کی سند میں ربیع بن بدر، راوی ہے (طحاوی ص ۱۸ ج ۱ و بیہقی ص ۲۰۸ ج ۱ و دارقطنی ص ۱۷۹ ج ۱ و طبرانی کبیر ص ۱۹۸ ج ۱) اسے امام ابن معین قبیہ، ابوداؤد، نے ضعیف کہا ہے۔ امام نسائی، یعقوب بن سفیان، ابن خراش نے متروک الحدیث کہا ہے۔ جوزجانی نے داعی الحدیث اور ابو حاتم نے ذاہب الحدیث قرار دیا ہے۔ امام حاکم اور ابن حبان فرماتے ہیں کہ سند میں گڑبڑ کرتا تھا۔ ثقات سے مغلوب روایات اور ضعفاء سے من گھڑت روایات نقل کرتا ہے امام دارقطنی اور ازدی نے متروک کہا ہے۔

(تہذیب ص ۲۳۰ ج ۳) بیہقی نے (مجمع الزوائد ص ۲۶۲ ج ۱) میں حافظ ابن حجر نے (التلخیص الحیر ص ۱۵۳ ج ۱) امام بیہقی نے السنن میں اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

چھٹی دلیل

فرماتے ہیں:

حضرت ابو جہم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے دیوار پر ہاتھ مار کر پہلے چہرے مبارک پر مسح فرمایا پھر دوسری ضرب کے بعد اپنے ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح فرمایا کہ میرے سلام کا جواب دیا۔ (دارقطنی ص ۶۵ ج ۱)۔ سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۲۹۔

الجواب: اولاً، یہ حدیث حنفیہ کے خلاف ہے، تفصیل چوتھی کے تحت ثالثا کے عنوان سے گزر چکی ہے۔

ثانیاً۔ حضرت ابو جہم رضی اللہ عنہ کی روایت، (بخاری کتاب التیمم باب التیمم فی الحضرة الحدیث ۳۳۷ و مسلم رقم الحدیث ۸۲۲) میں موجود ہے اور اس میں ایک ضرب کا بیان ہے۔ اور ذریعہ الی المرفقین (ہاتھوں کا کہنیوں تک) کی بجائے وید یہ (اور ہاتھوں پر مسح کیا) کے الفاظ ہیں اور یہی روایت صحیح ہے۔

ثالثاً۔ (سنن دارقطنی ص ۱۷۷ ج ۱) کی روایت میں ابو عصمہ نوح بن ابی مریم راوی دجال و کذاب ہے جو وضع احادیث میں معروف اور عند المحدثین متروک ہے۔ (تہذیب ص ۲۸۷ ج ۱۰)، اس سے نیچے دو راوی ہیں۔ ابو معاذ، اور محمد بن خلف اس کی علالت و ثقات بحوالہ بیان کی جائے، واضح رہے کہ کتب رجال سے ان کا حال معلوم نہیں ہو سکا، حافظ ابن حجر نے (الدراہ ص ۶۷) میں اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ مولانا ظفر احمد تھانوی دیوبندی فرماتے ہیں کہ منقطع ہے کیونکہ الاعرج اور ابو جہم کے درمیان راوی عمیر ساقط ہے۔ (اعلاء السنن ص ۳۳۲ ج ۱)۔

رابعاً۔ روایت مذکورہ کے راوی ابو جہم نہیں جیسا کہ بیہقی نے تحریر کیا ہے بلکہ سیدنا ابو جہم رضی اللہ عنہ جو انصاری تھے اور سیدنا ابو جہم رضی اللہ عنہ دیگر صحابی تھے جو قریشی تھے دیکھئے۔ (فتح الباری ص ۳۵۱ ج ۱) وفتح الملہم ص ۲۹۷ ج ۱)۔

ساتویں دلیل

فرماتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کچھ جنگل کے رہنے والے لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے..... تو آپ نے ان کو تیمم کا طریقہ خود اس طرح سکھایا کہ زمین پر ایک ضرب لگا کر چہرہ مبارک کا مسح فرمایا پھر زمین پر دوسری ضرب لگا کر اپنے ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح فرمایا۔ (بیہقی ص ۲۰۶ ج ۱) سبیل الرسول پر ایک نظر ص

الجواب: اولاً، پیر جی یہاں نہایت ہی دیدہ دلیری کا مظاہرہ ہے وہ یہ کہ اپنی طرف سے حدیث وضع کر دی ہے، سنئے جو آپ پیش کر رہے ہیں یہ قطعاً بیہقی میں نہیں یہ آپ کا رسول کرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر کھلا افترا اور بہتان ہے رب محمد (ﷺ) کی قسم پیر مشتاق علی نے اپنی طرف سے روایت بنا کر رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کی ہے۔ اس جرم کی جتنی بھی مذمت کی جائے وہ کم ہے اس کے اس فعل شنیع سے معلوم ہوتا ہے کہ پیر مشتاق کو اللہ و رسول (ﷺ) کا پاس و لحاظ قطعاً نہیں یہ حقیقت کی وکالت میں سب کچھ کرنے کو تیار ہے۔ پیر جی اور ان کے گرد و ماسٹر امین نے بار بار لکھا ہے کہ صادق یہود کے راستہ پر چلا ہے ہم یہاں پر یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ بتائیں یہودیوں کے نقش قدم پر کون چلا ہے؟ رسول اللہ ﷺ پر افترا کرنا یہود کا شیوہ ہے یا اہل ایمان کا؟ وضاحت کیجئے۔

اب آئیے حدیث کے اصل الفاظ ملاحظہ کریں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس اعرابی آئے اور کہنے لگے ہم صحرا میں چار مہینے قیام کرتے ہیں اور پانی نہیں ملتا۔ اور ہم میں حائضہ، جنسی، اور نفاس (والی عورتیں) ہوتی ہیں تو پھر ہم کیا کریں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ علیک بالتراہ یعنی التیمیم کر لیا کرو، (السنن الکبریٰ للبیہقی ص ۲۱۶ ج ۱)، حدیث کے الفاظ صرف اس قدر ہی ہیں، یہی روایت امام احمد نے (مسند ص ۲۷۸ و ۳۵۲ ج ۲) میں امام (طبرانی معجم الاوسط ص ۲۳ ج ۳ رقم الحدیث ۲۰۳۲ و ابو یعلیٰ ص ۳۳۳ ج ۵ رقم الحدیث ۵۸۳۳ و عبد الرزاق ص ۲۳۶ ج ۱ رقم الحدیث ۹۱۱) میں موجود ہے۔ مگر کسی ایک میں بھی پیر جی کے نقل کردہ الفاظ موجود نہیں ہیں۔

ہاں البتہ یہ حدیث دو سندوں سے مروی ہے۔ الشیخ بن الصباح اور عبد اللہ بن لہیعہ کے طریق سے اور ان کے الفاظ میں قدرے فرق ہے۔ بعض میں علیکم بالارض اور بعض میں علیک بالتراہ اور بعض میں علیک بالارض وغیرہ کیے الفاظ ہیں۔

علامہ علی متقی حنفی نے (کنز العمال ص ۲۵۸ ج ۹ رقم الحدیث ۲۷۵۶۶ و ص ۱۷۵ ج ۹ رقم الحدیث ۲۶۶۹۳ مطبوعہ نشر السنہ) میں علامہ بیہقی نے (مجمع الزوائد ص ۲۶۱ ج ۱ و فی نسخہ الاخریٰ ص ۲۶۶ ج ۱) میں اور مولانا عبدالحی لکھنوی حنفی نے (السعایہ ص ۴۸۸ ج ۱) میں مذکورہ کتب میں سے بعض کا حوالہ دے کر یہ حدیث نقل کی ہے مگر کسی میں بھی پیر جی کا اضافہ موجود نہیں ہے۔

ثانیاً۔ ممکن ہے کہ پیر یہ جھوٹا بہانہ کرے کہ زبیلی نے (نصب الراية ۱۵۶ ج ۱) میں اور حافظ ابن حجر نے (الدراية ص ۶۸ ج ۱) میں میرے بیان کردہ الفاظ بیان کئے ہیں۔ جواباً عرض ہے کہ پیر نے نصب الراية کا حوالہ ہی نہیں دیا بلکہ براہ راست بیہقی سے بقید صفحات نقل کیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ گپ اور افترا سب سے پہلے حقیقت کی

وکالت میں ابن ہمام نے ہدایہ کی شرح، (فتح القدیر ص ۱۱۲ ج ۱) میں ماری ہے اور علامہ زیلعی کو غالباً وہاں سے ہی غلطی لگی ہے اور حافظ ابن حجر نے مستقل ہدایہ کی احادیث کی تخریج نہیں کی بلکہ زیلعی کی تخریج کی تخلص کی ہے مولانا سرفراز خاں صفدر فرماتے ہیں۔

علاوہ ازیں مؤلف نتائج التقليد اور اس کے جملہ مصدقین حضرات کو معلوم ہونا چاہئے کہ حافظ ابن حجر نے مستقل طور پر احادیث ہدایہ کی تخریج نہیں کی جیسا کہ مؤلف اور اس کے حواریوں نے غلط سمجھ رکھا ہے۔ بلکہ حافظ موصوف نے زیلعی کی تخریج ہدایہ کی تخلص کی ہے۔ اور اس کا نام الدراریہ رکھا ہے اور ص ۲ میں انہوں نے اس کی تخریج کی ہے۔ اور مقدمہ (تحفة الاحوذی ص ۱۳۸) میں بھی اس کی تخریج موجود ہے۔ مقام ابی حنیفہ ص ۲۶۰۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس افتراء سے حافظ ابن حجر کا دامن صاف ہے بلکہ اس کو گھڑنے والے پیر جی کے اکابر ہیں اور انہیں کی اندھی تقلید میں پیر مشتاق نے رسول اللہ ﷺ پر افتراء کیا ہے۔

ثانیاً۔ یہ روایت علیکم بالارض بھی ضعیف ہے۔ ایک سند میں المثنیٰ بن الصباح راوی ہے جو غلط اور ضعیف ہے، (تقریب ص ۳۲۸) دوسری سند میں، عبد اللہ بن لھیعہ ہے اور یہ بھی ضعیف ہے۔ (تقریب ص ۱۸۶)

آٹھویں دلیل

فرماتے ہیں:

حضرت علی نے تیمم کا طریقہ یوں بیان فرمایا کہ ایک ضرب چہرے کے لئے اور ایک ضرب دونوں ہاتھوں کے لئے کہیں تک، (کنز العمال حدیث نمبر ۲۹۳۲) بحوالہ عب، نوٹ عبدالرزاق کے مطبوعہ نسخہ میں رسخین ہے اور کنز العمال کے نسخہ میں مرفقین ہے۔ اب مرفقین تک مسح کرنے میں رسخین بھی یقیناً شامل ہو جاتے ہیں۔ سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۳۰۔

الجواب: اولاً، عربی زبان میں رسخین ہاتھوں کے گٹھ کو کہتے ہیں اثر کے الفاظ یہ ہیں۔ الی الرسخین یعنی گٹھوں تک مسح کیا پیر جی اصل کتاب کی بجائے کنز العمال سے (الی الرسخین) کہیں تک مسح کیا کے الفاظ نقل کرتے ہیں۔ پھر ان کی موافقت ثابت کرتے ہیں۔ جو غلط بیانی ہی نہیں بلکہ ان کے جاہل ہونے کی دلیل ہے۔ کیونکہ حرف الی انتہاء کے لئے آتا ہے۔ اور الی الرسخین کا مطلب یہ ہے کہ تیمم میں مسح صرف ہاتھوں کے گٹھوں تک ہی کیا۔

ثانیاً۔ مصنف عبدالرزاق اصل ہے اور کنز العمال اصل نہیں۔ اختلاف ہو تو اصل کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ اور اسی پر ہی اعتماد ہوتا۔ اور ناقل کی بھول اور سہو تصور کیا جاتا ہے۔ جیسے کسی کتاب میں قرآن کی آیت یا حدیث نبوی غلط نقل ہو تو اس پر اعتبار نہیں بلکہ مصحف قرآن اور کتب حدیث پر اعتبار کیا جاتا ہے مگر پیر مشتاق اتنا فضول ہے

کہ اصل کی بجائے نقل پر اعتماد کرتا ہے۔ پھر نقل کی (کنز) سے بھی دیکھ کر نہیں بلکہ مصنف عبدالرزاق کے حاشیہ سے نقل کرتا ہے مگر نام نہیں لیتا۔ پیر جی پرواضح ہو کہ (کنز العمال ص ۲۵۶ ج ۹ رقم الحدیث ۲۷۵۴۸) میں یہ اثر منقول ہے۔ اور ابی البختری کی بجائے ابی الجحری ہے جو یقیناً ابی الرقیقین کی طرح تصحیف ہے۔

ثالثاً۔ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے نقل کرنے والا راوی ابی البختری ہے (مصنف عبدالرزاق ص ۲۱۳ ج ۱ رقم الحدیث ۸۲۳) امام شعبی امام ابو حاتم اور امام ابو زرعہ فرماتے ہیں کہ ابی البختری نے سیدنا علی مرتضیٰ کو دیکھا تک نہیں۔ (مراسیل ابن ابی حاتم ص ۷۶) اور یہی بات امام ابن معین کہتے ہیں، (تہذیب ص ۶۵ ج ۴)، الغرض یہ روایت مرسل ہے جس کی وجہ سے ضعیف ہے۔

رابعاً۔ یہ مسلمہ اصول ہے کہ مرفوع کے بالمقابل موقوف حجت نہیں ہوتی۔ لہذا ایک ضرب کی مرفوع احادیث سے اس کا معارضہ نہیں کیا جاسکتا۔

نویں دلیل

فرماتے ہیں:

حضرت حسن بصری بھی تیمم کا یہی طریقہ سکھایا کرتے تھے کہ ایک ضرب چہرے کے لئے اور دوسری ضرب دونوں ہاتھوں کے لئے کہنیوں تک۔ (عبدالرزاق ص ۲۱۲ ج ۱۔ و طحاوی ص ۸۱ ج ۱) سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۳۰۔

الجواب: اولاً، امام حسن بصری صغیر تابعی ہیں اور امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ جب تابعین کا کوئی قول آتا ہے تو اس سے ہم مزاحمت کرتے ہیں (مقدمہ انوار الباری ص ۶۵ ج ۱ والحوار المضیہ ص ۲۵۰ ج ۲)۔ بلاشبہ یہ ہمارے اسلاف تھے جو اپنے وقت میں دین کے خادم اور ملت اسلامیہ کے مجاہد تھے۔ مگر دین میں بات صرف اللہ اور رسول کی حجت ہے ہم کسی بصری کو کوئی پر ایمان نہیں لائے۔

ثانیاً۔ عبدالرزاق کی سند میں ثوری اور طحاوی کی سند میں قتادہ مدلس ہیں ان کی تدلیس کی صراحت بحوالہ پہلے عرض کر دی گئی ہے۔ جبکہ زیر بحث روایت کی سند میں تحدیث کی صراحت نہیں جس کی وجہ سے ضعیف ہے۔

خلاصہ کلام

یہ کہ پیر جی نے اپنے موقف پر نو دلائل بیان کئے ہیں جس میں سات مرفوع احادیث ہیں جو تمام کی تمام ضعیف۔ ہیں علاوہ ازیں پیر جی نے ان سات میں سے ایک کو خود وضع کیا ہے، آٹھویں دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے جو سنداً ضعیف ہونے کے علاوہ پیر جی کے فقہی مسلک و مذہب کے خلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک تیمم کہنیوں تک ہے جبکہ اثر میں تیمم گھٹوں تک ہے، آخری دلیل ایک تابعی کا قول ہے جو سنداً بھی ضعیف ہے تفصیل گزر چکی

ہے۔

پگڑی پر مسح

حضرت حکیم صاحب نے سبیل الرسول میں حدیث اور فقہ حنفیہ کا اختلاف ثابت کرتے ہوئے پگڑی پر مسح کرنے کی صحیح و صریح حدیث بیان کی تھی، پھر حدایہ سے نقل کیا اور کہا۔ حضور انور ﷺ تو پگڑی پر مسح کریں لیکن فقہ کا فتویٰ کہ پگڑی پر مسح جائز نہیں! یہ بلا دلیل لاجبور کہنے والے کون ہیں؟ ص ۱۱۔

اس پر پیر مشتاق علی صاحب فرماتے ہیں۔

یہ مسئلہ ظفر المبین ص ۷۳ حصہ اول سے سرقہ کیا ہے۔ اس کا جواب بھی فتح المبین میں دیکھیں ہم یہاں پر مختصر ہی نقل کرتے ہیں، حکیم صاحب نے جو حدیث بیان کی ہے وہ بالکل ہمارے خلاف نہیں کیونکہ اس حدیث میں صرف پگڑی کے مسح کا ذکر نہیں بلکہ ساتھ ناصیہ کا ذکر بھی ہے۔ اور ناصیہ کا ترجمہ خود حکیم صاحب نے پیشانی کے اوپر کے بالوں کیا ہے ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ اگر سر کے چوتھائی حصہ کا مسح کر لیا، اور بقیہ پورے سر کا مسح پگڑی پر کر لیا تو اس طرح کرنا جائز ہے کیونکہ فرض تو ناصیہ پر کرنے سے پورا ہو گیا کیونکہ وضو میں چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے۔ اور وضو ہو جائے گا۔ سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۳۲۔

تبصرہ

اولاً، پیر صاحب کا یہ دعویٰ کہ یہ مسئلہ ظفر المبین سے سرقہ ہے رجماً بالغیب ہے ان کے پاس آخر کیا ثبوت ہے جس کا یہ اظہار کر رہے ہیں۔

ثانیاً۔ فتح المبین کا شانی جواب مولانا محمد ابوالحسن سیالکوٹی مرحوم نے الکلام المتین فی اظہار تلبیسات المقلدین کے نام سے تحریر کیا۔ جو مطبع صدیقی لاہور سے ۱۳۰۳ھ کو سات صفحات پر بڑی تقطیع پر شائع ہوا۔ اس کے علاوہ بھی دو جواب شائع ہوئے۔ اور ان کا جواب آج تک نظر سے نہیں گزرا شاید پیر جی کو ان حقائق کا علم نہیں یا جان بوجھ کر اس سے چشم پوشی کر رہے ہیں۔

ثانیاً۔ محترم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ہمارے خلاف نہیں کیونکہ ناصیہ کا ساتھ ذکر ہے اور ہمارے نزدیک بھی اگر سر کے چوتھائی حصہ کا مسح کر لیا جائے تو پھر پگڑی پر مسح جائز ہے۔ حالانکہ ناصیہ کا معنی چوتھائی نہیں بلکہ پیشانی ہوتا ہے۔ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جتنا حصہ سر کا کھلا تھا اس پر مسح کیا اور باقی عمامہ پر پورا کر لیا۔ احادیث میں پورا مسح عمامہ پر کرنا بھی ثابت ہے۔ حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

رأیت النبی ﷺ یمسح علی عمامتہ وخفیہ

میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ پگڑی اور موزوں پر مسح فرمایا کرتے تھے۔ (بخاری رقم الحدیث

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

ان رسول اللہ ﷺ مسح علی الخفين والعمار

رسول اللہ ﷺ موزوں اور خمار پر مسح کرتے تھے۔ (مسلم حدیث ۶۳۷) عربی زبان میں عمامہ کو خمار کہتے ہیں۔ (مجمع بحار الانوار ص ۱۱۲ ج ۲)

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ پوری پگڑی پر مسح کرنا بھی رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے خلاصہ کلام یہ کہ مسح کی تین صورتیں حدیث سے ثابت ہیں (۱) پورے سر کا مسح (۲) پیشانی اور عمامہ پر مسح (ث) پورے عمامہ پر مسح کرنا۔ اب آئیے ان دلائل کی طرف جو پیر صاحب نے عمامہ پر مسح نہ کرنے کے درج کئے ہیں۔

پہلی دلیل

فرماتے ہیں۔ سورہ المائدہ آیت ۶ میں اللہ تعالیٰ نے سر پر مسح کرنے کا حکم دیا ہے۔ سبیل الرسول پر ایک نظر ص

۱۳۳

الجواب: اولاً، قرآن میں بروء سکم کا لفظ ہے، اور یہ پورے سر پر بولا جاتا ہے اور قرآن کریم میں ارشاد ربانی کا مقصود بھی یہی ہے کہ پورے سر کا مسح کیا جائے، حالانکہ احناف کے نزدیک سر کے چوتھائی حصہ کا مسح فرض ہے۔ آپ نے کس حدیث اور لغت کی بنا پر، اس کا معنی سر کا چوتھائی حصہ کیا ہے۔ دلیل دو، جو آپ پوری زندگی محنت کر کے بھی نہیں دے سکتے ثابت ہوا کہ آپ کا موقف قرآن کے خلاف ہے۔

ثانیاً۔ رؤس سر کو کہتے ہیں حالانکہ بالاتفاق بالوں پر مسح جائز ہے۔ اس لئے کہ بالوں کا حکم سر کا ہے۔ ایسے ہی پگڑی پر مسح کرنا بھی سر کا مسح کرنا ہی ہے

ثالثاً۔ نبی ﷺ حکم ربانی کے مفسر تھے اور جو تفسیر انہوں نے اپنے عمل سے بیان کی ہے اسے آپ کے فضول اعتراض رد نہیں کر سکتے۔

دوسری دلیل

فرماتے ہیں کہ:

امام مالک نے ہمیں خبر دی کہ مجھے جابر بن عبد اللہ سے یہ روایت پہنچی ہے کہ ان سے عمامہ کے بارہ میں سوال کیا گیا انہوں نے کہا عمامہ کا مسح نہ کرے جب تک سر کے بالوں کا پانی سے مسح نہ کرے۔ سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۳۳

اس کے بعد انہوں نے صفیہ بنت عبیدہ (تابعیہ) کا قول بھی نقل کیا ہے کہ وہ اوزہنی اتار کر سر کا مسح کرتی

تھیں۔ ایضاً۔

الجواب: اولاً، پہلے متعدد بار میں عرض کر چکا ہوں کہ مرفوع کے بالمقابل کسی صحابی کا قول یا تابعی کا عمل حجت شرعی نہیں مولوی غلام رسول صاحب سعید خفی بریلوی فرماتے ہیں کہ یاد رکھئے کہ جب کوئی مسئلہ حدیث سے ثابت ہوا اور اس کے معارض اور مخالف کتاب وسنت میں کوئی قطعی دلیل نہ ہو تو ایسی صورت میں اس حدیث پر عمل کرنا ہی صحیح دین ہے۔ اور کوئی شخص اپنی جگہ پر کتنا ہی بڑا بزرگ اور عالم دین کیوں نہ ہو لیکن جب وہ حدیث صریح کے خلاف کوئی بات محض اپنی رائے سے بلا دلیل کہتا ہو۔ تو صحیح اور صریح حدیث کے مقابلہ میں اس کی ذاتی رائے کو چھوڑ دینا ہی ہدایت اور راہ استقامت ہے۔ بعد کا کوئی شخص علم و فضل میں کتنا ہی فائق کیوں نہ ہو، صحابہ سے نہیں بڑھ سکتا۔ اور جب اصول یہ ہے کہ قول صحابی بھی اگر حدیث رسول کے معارض ہو تو حدیث کے مقابلہ میں اس قول کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ (ذکر بالجہر ص ۱۰۵)۔

علامہ ابن حمام خفی ہدایہ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ

ان قول الصحابی حجة فيجب تقليده عندنا اذا لم ينه شيء آخر من السنة
یعنی ہمارے نزدیک صحابی کا قول حجت ہے جب تک سنت سے کوئی چیز اس کی نفی نہ کرے فتح القدیر ص ۲۳۷۔

ملا علی القاری نے (مرقاۃ ص ۲۶۹ ج ۳) میں مولانا ظفر احمد تھانوی نے (اعلاء السنن ص ۱۲۶ ج ۱) و ص ۱۳۰ ج ۱ و ص ۱۳۸ ج ۱) میں مولانا عبدالحی کھنوی نے (امام الکلام ص ۲۲۲ و ظفر الامانی ص ۱۸۰) میں مولانا اشرف علی تھانوی نے احیاء السنن ص ۳۹ میں مولانا سرفراز خاں صفدر نے (حکم الذکر بالجہر ص ۱۰۵) میں بھی یہ اصول بیان کیا ہے۔

ثانیاً۔ احناف کے ہاں یہ بھی مسلمہ اصول ہے کہ جس مسئلہ میں صحابہ کے اقوال مختلف ہوں تو ایسے مسئلہ میں صحابہ کا قول حجت نہیں ہوتا۔ صاحب توضیح فرماتے۔

فصل فی تقلید الصحابی رضی اللہ عنہ، یجب اجماعاً فیما شاع فسکتوا مسلمین ولا یجب اجماعاً فیما ثبت الخلاف بینہم۔

یعنی صحابہ کے ان اقوال کی پیروی واجب ہے جو ان کے مابین مشہور و معروف ہوں اور انہوں نے اسے تسلیم کیا ہو، اور جن مسائل میں ان کے درمیان اختلاف ہو تو اجماع کے ساتھ ان کی پیروی ضروری نہیں، (توضیح ص ۳۲۲) طبع نول کشور۔ یہ بات درست ہے کہ اس مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلاف تھا۔

ثالثاً۔ آپ نے صرف ایک صحابی جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے متعلق موطا امام محمد سے بغیر سند کے نقل کیا ہے۔ معلوم نہیں اس کی سند ہے بھی یا نہیں؟ پھر اگر ہے تو صحیح یا حسن یا ضعیف یا اس سے بھی گری ہوئی۔ اس کے برعکس ہم

آپ کو متعدد صحابہ کرام سے دکھاتے ہیں کہ وہ عمامہ پر مسح کے قائل تھے۔ اور ان کے عمل کی صحیح و حسن اسناد موجود ہیں۔

- ۱ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
- ۲ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ
- ۳ حضرت علی مرضی اللہ عنہ
- ۴ حضرت بلال رضی اللہ عنہ
- ۵ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا
- ۶ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ
- ۷ حضرت ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ
- ۸ حضرت ابی املہ بابلی رضی اللہ عنہ
- ۹ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ

(مصنف عبدالرزاق ص ۱۸۷ ج ۱، و مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۲ ج ۱ والمحلّی بالانثار ص

۳۰۵ ج ۱ مسالہ نمبر ۲۰۱)۔

دعویٰ نسخ

فرماتے ہیں کہ امام محمد کہتے ہیں کہ پگڑی اور اوڑھنی پر مسح نہ کیا جائے ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ ابتداء میں عمامہ پر مسح تھا پھر ترک کر دیا گیا۔

سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۳۲۔

الجواب: اولاً، اس دعویٰ سے یہ بات تو ثابت ہوئی کہ پگڑی پر مسح کرنا اسلام میں ثابت ہے۔ اب اس کے منسوخ ہونے کی دلیل بیان کریں، اور جو آپ نے بیان کی ہے وہ تو خود دلیل کی محتاج ہے۔ امام محمد سے آگے کی سند صحیح نقل کیجئے اور امام محمد کا کوئی ثقہ متابع بھی بیان کیجئے کیونکہ امام محمد سنی الحفظ ہیں۔

ثانیاً۔ قرآن و حدیث میں سے کسی ایک کا حکم یا دونوں کا، منسوخ قرار دینے کے لئے نص کی ضرورت ہوتی ہے۔ محض کسی کے کہہ دینے سے کوئی شرعی مسئلہ منسوخ نہیں ہوتا۔

شراب کا سرکہ بنانا

حضرت حکیم صاحب نے شراب کا سرکہ بنانے کی ممانعت پر صحیح صریح حدیث نقل کر کے پھر فقہ حنفی سے اس کا جواز نقل کرتے ہوئے کہا تھا کہ

رسول اللہ ﷺ فتویٰ دیں کہ شراب کا سرکہ بنانا ہرگز جائز نہیں لیکن حنفی مذہب کا فتویٰ ہے کہ شراب کا سرکہ بنانا

جائز ہے۔ اب آپ فیصلہ کریں کہ حدیث کی مخالفت کا کیا انجام ہو سکتا ہے؟ سبیل الرسول ص ۲۱۸۔
اس پر تبصرہ کرتے ہوئے پیر جی فرماتے ہیں۔

یہ مسئلہ (ظفر المبین حصہ اول ص ۶۷ و ۲۳۰) سے سرقد کیا گیا ہے اور اس کا جواب بھی اسی زمانہ میں (فتح المبین ص ۶۳) میں دیا گیا ہے ہم وہ یہاں پر نقل کرتے ہیں کہا علامہ یعنی نے شرح (کنز الدقائق ص ۳۵) مطبوعہ دہلی میں کہ ہماری دلیل قول اللہ تعالیٰ کا ہے کہ حلال کی گئیں واسطے تمہارے پاک چیزیں اور تحقیق میں شراب کا متغیر ہو گیا ہے اور سرکہ بالطبع پاک ہوتا ہے۔ تو حلال ہوگا اور دوسری دلیل قول علیہ السلام کا اچھا نان خورش سرکہ ہے روایت کیا اس کو مسلم نے اور یہ مطلق ہے پس شامل ہوگا اس کی تمام صورتوں کو اور مراد نبی سے جو کہ حدیث میں وارد ہے۔ یہ ہے کہ شراب کا استعمال سرکہ کا سا ہو بایں طور کہ اس سے نفع مثل سرکہ کے لیا جائے مثلاً نان خورش بنانے وغیرہ کے اگر کہے تو کہ روایت کی ابو داؤد اور امام احمد نے انس سے کہ ابو طلحہ نے سوال کیا نبی ﷺ سے یتیم شراب کے وارث ہو گئے ہیں۔ فرمایا بتا دو اس کو، عرض کیا گیا سرکہ اسکا نہ بنالیں فرمایا نہیں۔ (یعنی) کہتا ہوں روایتیں آپس میں مختلف آئی ہیں ایک روایت میں آیا ہے کہ فرمایا آپ نے سرکہ بنا لو اس کا پس حجت نہیں ہو سکتی اور اگر ثابت ہو جیسا کہ کہا انہوں نے حمل کیا جائے گا اس پر کہ ممانعت ابتدائے اسلام میں تھی جس وقت کہ آنحضرت ﷺ بابت خمر کے مبالغہ فرماتے تھے واسطے زجران کے اور واسطے چھوڑ دینے عادت مالوفہ کے کیا نہیں جانتا تو کہ آنحضرت ﷺ نے حکم فرمایا منکے توڑنے کا اگر چہ اب جائز نہیں اسی طرح سرکہ بنانے کو سمجھنا چاہئے اور شرح مسلم میں لکھا ہے کہ یہ مذہب اوزاعی اور لیث کا ہے اور امام مالک سے بھی ایک روایت میں یہ آیا ہے۔ سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۳۶۔

پیر جی پر واضح رہے کہ اس جواب کا جواب الجواب اسی زمانہ میں مولانا ابوالحسن مرحوم سیالکوٹی نے لکھا تھا۔ ہم بھی اسے یہاں نقل کرتے ہیں، فرماتے ہیں۔

اقول: جواب اس کا کئی وجہ سے ہے۔ اولاً، یہ کہ اس سرکہ کا پاک ہونا مسلم نہیں ہے، بلکہ سرکہ جو کہ شراب سے بنتا ہے۔ وہ ویسے ہی نجس و ناپاک ہے چنانچہ امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ یہ دلیل ہے شافعی اور جمہور علماء کی کہ نہیں جائز سرکہ بنانا شراب کا اور نہیں پاک ہوتا ساتھ سرکہ بنانے کے اور اس طرح لکھا ہے امام شوکانی نے بھی پس جبکہ وہ پاک نہ ہو تو حلال نہ ہوا۔

ثانیاً۔ اصول فقہ میں قاعدہ مقرر ہو چکا ہے کہ جب حلال اور حرام جمع ہو جاویں تو ترجیح حرام کو ہوتی ہے پس اب جب میح اور محرم ایک جگہ میں جمع ہو تو ترجیح محرم کو دی جاوے گی اور اسی میں احتیاط بھی ہے۔ پس سرکہ بنانا جائز نہ ہوگا

ثالثاً۔ اگر بالفرض تغیر عین سے اس کا پاک ہونا تسلیم بھی کیا جائے تو پاک ہونا محض اس کے حلال ہونے کو مستلزم

نہیں ہے جیسا کہ خاک پاک ہے۔ اور حلال نہیں ہے۔

رابعاً۔ اور آیت عام ہے حدیث خاص ہے۔ پس یہ حدیث اس آیت کی تخصیص ہو جاوے گی ساتھ انہی چار وجوہ مذکورہ کے جو مسئلہ نہم میں گزریں اور یہی جواب ہے اس حدیث کا کہ اچھانان خورش سرکہ ہے۔ اور حدیث نبی کی تاویل کرنا کہ شراب سے نفع مثل سرکہ کے نہ اٹھاؤ۔ باطل ہے۔ (۱) یہ حدیث کے خلاف ہے (۲) جو حدیث عینی نے نقل کی ہے کہ فرمایا آپ نے سرکہ بنا لو اس سے بھی یہی مراد ہوگی کہ مثل سرکہ کے اس سے نفع اٹھاؤ، پس اس سے شراب کا حلال ہونا لازم آوے گا۔ حالانکہ شراب بالا جماع حرام ہے (۳) یہ حدیث جواز تغلیل کی ضعیف ہے۔ اعتبار کے قابل نہیں ہے۔ اگر بالفرض ثابت بھی ہو تو حدیث مسلم کو اس پر ترجیح دی جاوے گی ساتھ ان چار وجوہوں کے جو سابقاً بیان ہوئیں۔

خامساً۔ احتمال ہے کہ وہی سرکہ بنانا مراد ہو جو کہ خود بخود آپ ہی بنفہ سرکہ ہو جاوے اس لئے کہ وہ سرکہ بالا جماع حلال ہے۔ اور دعویٰ نسخ مردود ہے ساتھ ان تین وجوہوں کے جو مسئلہ نہم میں بیان ہو چکی ہیں الکلام المتین ص ۴۳۵۔

کتے کی خرید و فروخت

حضرت حکیم صاحب نے سبیل الرسول میں کتے کی خرید و فروخت کرنے کی ممانعت پر صحیح بخاری و مسلم کی حدیث نقل کی تھی۔ پھر فقہ سے اس کا جواز نقل کرتے ہوئے کہا تھا۔
حنفی بھی ایسا تقلید جادہ کو چھوڑ دو اور دلیل (حدیث) کی روشنی میں کتے کی خرید و فروخت کو ناجائز مان لو کہ اتباع رسول اللہ ﷺ کی قرآن میں تاکید آئی ہے۔ سبیل الرسول ص ۲۱۹۔

اس نصیحت کو قبول کرنے کی بجائے پیر جی رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ بھی ظفر المسین سے سرقہ کیا ہے اس کا مفصل جواب، فتح المسین میں موجود ہے، جو ہم یہاں مختصر نقل کرتے ہیں پھر پیر جی غلط بحث کرتے ہوئے درمیان نفس مسئلہ سے ہٹ کر ادھر ادھر کی باتوں میں الجھاتے ہیں کہ کتے کا شکار ہے۔ شکاری اور ریوڑ کا کتا رکھنا جائز ہے آخر نفس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے دلائل کتے کو فروخت کرنے پر نقل کرتے ہیں۔ آپ بھی ملاحظہ کریں۔

پہلی دلیل

فرماتے ہیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے شکاری کتے کی قیمت سے منع نہیں فرمایا۔

(نسائی ص ۹۵ از بیہقی ص ۱۱ ج ۶)۔

سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۳۸۔

الجواب: اولاً، فتح المسین کی دفاعی پوزیشن کو خوب کھلی اسی زمانہ میں مولانا ابوالحسن نے (الکلام المتین ص

۳۹۰ تا ۳۷۳) میں کھول دی تھی کاش پیر صاحب نے اسے بھی ملاحظہ کیا ہوتا۔

ثانیاً۔ انام مسلم نے صحیح مسلم ص ۲۰ ج ۲ میں اس حدیث کو روایت کیا ہے مگر اس میں شکاری کتے کی قید نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ امام نسائی نے (السنن ص ۸۸ ج ۲ کتاب الصيد باب الرخصة فی ثمن کلب الصيد الحدیث ۴۳۰۰) میں اسے روایت کرنے کے بعد کہا ہے کہ لم یصحح، یعنی یہ صحیح نہیں، مگر پیر صاحب اتنے نالائق ہیں کہ فرماتے ہیں کہ عدم صحت سند مضمون حدیث کی عدم صحت کو مستلزم نہیں ہوتا۔ سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۳۹۔

حالانکہ جب کوئی محدث مطلق، لم یصحح کا لفظ بولتا ہے تو اس سے ان کا مقصود ضعف بیان کرنا ہوتا ہے، پیر جی کے استاذ محترم جناب مولانا سرفراز خاں صفدر فرماتے ہیں کوئی محدث جب مطلق لم یصحح کہتا ہے تو اس کا مطلب اس کے بغیر اور کچھ نہیں ہوتا کہ یہ روایت ضعیف ہے راہ سنت ص ۲۳۰۔

علامہ ازیں پیر جی پر واضح رہے کہ امام نسائی نے محض لم یصحح ہی نہیں بلکہ مزید یہ بھی فرمایا کہ یہ حدیث منکر ہے (نسائی محتجب ص ۲۲۵ ج ۲ کتاب البیوع باب بیع الکلب الحدیث ۴۶۷۲ والسنن الکبریٰ للنسائی ص ۵۳ ج ۴ رقم الحدیث ۶۲۶۴) ثالثاً۔ اس کی سند میں ابوالزبیر راوی ہے۔ جو مدلس ہے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں مشہور بالتدلیس کہ تدلیس کرنے میں مشہور ہے۔ (طبقات المدلیسن ص ۱۰۸)۔

حافظ صلاح الدین کیلکوری نے (جامع التحصیل ص ۱۲۶) میں ڈھمی نے (میزان ص ۳۷ ج ۳) خزر جی نے (خلاصہ ص ۳۶۰) میں علامہ ماروینی نے (الحوہر النقی ص ۲۳۸ ج ۷) میں علامہ زبیلی نے (نصب الراية ص ۲۷۷ ج ۲) میں ابوزبیر کو مدلس قرار دیا ہے۔ جبکہ زبیر بحث روایت میں تحدیث کی صراحت نہیں بلکہ معتن ہے جس کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے۔

دوسری دلیل

فرماتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے شکاری کتے کی قیمت لینے کی اجازت دی ہے۔ (مسند احمد ص ۱۶۹)۔

الجواب: اولاً، اس کی سند میں ہشیم بن بشیر السلمی راوی ہیں (جامع المسانید ص ۱۰ ج ۲) اور یہ مدلس ہیں، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں تدلیس کرنے میں مشہور ہیں (طبقات ص ۴۷) علامہ ڈھمی فرماتے ہیں ان کا موقف تھا

عن کر کے تدلیس جائز ہے، (میزان ص ۳۰۷ ج ۳) امام عجل امام ابن سعد امام ابن مبارک امام حاکم امام ابن حبان وغیرہ نے تدلیس کہا ہے۔ (تہذیب ص ۶۳ تا ۶۴ ج ۱۱)۔

اور زیر بحث روایت میں سماع کی صراحت نہیں بلکہ معنعن ہے۔

اس سے نیچے امام ابو حنیفہؒ کی الحفظ ہیں اس سے نیچے کاراوی حسن بن زیاد ہے اسے امام یحییٰ بن معین امام ابو داؤد نے کذاب اور دارقطنی نے ضعیف و متروک کیا ہے، (میزان ۳۹۱ ج ۱) اس سے نیچے کاراوی محمد بن شجاع عجمی ہے۔ امام ابن عدی فرماتے ہیں احادیث وضع کرتا تھا، اور محدثین کی طرف منسوب کرتا تھا، ذکر یا ساجی کہتے ہیں کہ احادیث کا رد کرنے کی غرض سے احادیث گھڑا کرتا تھا۔ معترلی تھا قرآن کے مخلوق ہونے کا قائل تھا اس کا کہنا تھا کہ قرآن ایسے ہی ہے جیسا میں کلام کرتا ہوں۔ (میزان ص ۵۷۷ ج ۳) اس سے نیچے کاراوی محمد بن ابراہیم بن حبیش ہے امام دارقطنی فرماتے ہیں قوی نہیں، (میزان ص ۴۳۹ ج ۳) سند میں اس کے علاوہ بھی کئی ضعیف من گھڑت اور باطل ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔

ثانیاً۔ ممکن ہے کہ پیر صاحب یہ کہہ دیں کہ اس سند کے علاوہ بھی تین اسناد ہیں جو خوارزمی نے پیش کی ہیں، راقم عرض کرتا ہے کہ ان تمام میں ہشتم راوی کی تدلیس ہے اور کوئی ایک سند بھی کذاب راوی سے خالی نہیں۔

تیسری دلیل

فرماتے ہیں کہ:

ایک دفعہ ایک شخص نے کسی کے شکاری کتے کو قتل کر دیا تو حضرت عبداللہ بن عمرو العاص نے فیصلہ فرمایا کہ کتے کا قاتل اس کے مالک کو چالیس درہم ادا کرے، (بیہقی ص ۸ ج ۶ و طحاوی ص ۲۲۸ ج ۲) اگر شکاری کتے کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوتی تو مندرجہ بالا فیصلہ ہرگز نہ فرمایا جاتا، سبیل الرسولؐ پر ایک نظر ص ۱۳۰۔

الجواب: اولاً، اس کی سند میں ابن جریج راوی ہیں، (طحاوی ص ۲۵۱ ج ۲ و بیہقی ص ۸ ج ۶) اور یہ زبردست تدلیس ہیں، (تقریب ص ۲۱۹ و میزان ص ۶۵۹ ج ۲ و تہذیب ص ۴۰۵ ج ۶)، مولانا سرفراز خاں صفدر فرماتے ہیں امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ ابن جریج قبیح التعلیس تھے ان کی تدلیس سے پرہیز کرنا ضروری ہے (راہ سنت ص ۲۸۸ بحوالہ تہذیب ص ۴۰۵ ج ۶)، اور زیر بحث روایت میں تحدیث کی صراحت نہیں بلکہ صیغہ عن سے مروی ہے۔

ثانیاً۔ مرفوع کے بالمقابل قول صحابہ حجت نہیں ہوتا۔

ثالثاً مولوی حبیب احمد کیرانوی دیوبندی نے یہاں نہایت فضول بحث کی ہے کہ معاصر کا عن سماع پر محمول ہوتا ہے (اعلاء السنن ص ۴۴۰ ج ۱۳) اللہ اکبر، محترم معاصر کا عن تو سماع پر محمول ہوتا ہے مگر تدلیس کا عن سماع پر محمول

نہیں ہوتا۔ امام بخاری پر اعتراض کے شوق نے کیسا ضبط بے ربط دکھایا ہے۔

متنفل کے پیچھے مفترض کی اقتداء

حضرت حکیم صاحب نے سبیل الرسول ص ۲۲۰ میں متنفل کی اقتداء میں فرائض ادا کرنے پر حدیث بیان کر کے پھر فقہ حنفی سے اس کے خلاف قول نقل کیا تھا، پیر صاحب نے اس کے جواب سے پہلے حسب عادت کہا ہے کہ یہ نظر المہین سے سرقہ ہے پھر اس پر اعتراضات کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔

پہلا عذر

حکیم صاحب نے جو حدیث نقل کی ہے اس میں کسی نماز کا ذکر نہ تھا۔ مگر حکیم صاحب نے ترجمہ میں عشاء کا لفظ اپنے پاس سے بخاری و مسلم سے بڑھایا ہے۔

سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۳۰۔

الجواب: اولاً، حکیم صاحب نے عشاء کا لفظ بریکٹ میں تحریر کیا ہے اور بریکٹ کا لفظ بطور تفہیم لکھا جاتا ہے اسے بددیانتی کہنا ہی جھوٹ اور فریب ہے۔

ثانیاً۔ (بخاری ص ۹۷ ج ۱ رقم الحدیث ۵۰۷ و مسلم ص ۱۸۷ ج ۱ رقم الحدیث ۱۰۳۰) میں نماز عشاء کی صراحت ہے۔ لہذا پیر جی کا انکار محض ضد کی پیدائش ہے۔ پیر جی آپ نے حدیث کو پڑھا نہیں صرف آپ کو ایک سال دورہ پڑا تھا۔

دوسرا عذر

فرماتے ہیں کہ:

حضرت معاذ کس نیت سے پڑھتے اس کا کوئی ذکر نہیں کیونکہ نیت تو ایک باطنی امر ہے اس پر دوسرا مطلع نہیں ہو سکتا، جب تک نیت کرنے والا خود نہ بتائے۔ اس لئے یہ بات درست ہوگی کہ حضرت معاذ آنحضرت ﷺ کے ساتھ نقل کی نیت سے نماز پڑھتے ہوں تاکہ وہ آنحضرت ﷺ سے نماز کا طریقہ سیکھ سکیں اور آپ کے پیچھے نماز پڑھ کر برکت حاصل کر سکیں اور پھر اپنی قوم کے پاس جا کر فرض نماز پڑھاتے ہوں۔ جب اس بات کا احتمال ہے تو دوسرے حضرات کا استدلال درست نہ ہوگا۔ سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۳۱۔

الجواب: اولاً، یہاں ہوگی سے بات نہیں بنے گی کوئی وزنی دلیل پیش کیجئے محض احتمال دلیل نہیں۔

ثانیاً۔ اس وہم کا ازالہ حدیث کے حسب ذیل الفاظ کرتے ہیں کہ

کان معاذ بن جبل یصلی مع النبی ﷺ العشاء ثم یرجع الی قومہ فیصلی بہم العشاء وہی لہ نافلۃ۔

یعنی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھتے تھے پھر قوم کو جا کر عشاء کی نماز پڑھاتے اور یہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے لئے نفل ہوتے تھے۔

(مسند شافعی ص ۲۰۴ ج ۱ و مصنف عبدالرزاق ص ۸ ج ۲ و طحاوی ص ۲۷۹ ج ۱ و دارقطنی ص ۲۷۴ ج ۱ و بیہقی ص ۸۶ ج ۳)

حافظ ابن حجر نے فتح الباری ص ۱۵۶ ج ۲ میں اسے صحیح کہا ہے اور یہ اپنے معنی و مفہوم میں بالکل واضح ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی اقتداء میں فرائض ادا کرتے تھے اور قوم کو امامت کراتے وقت نوافل پڑھا کرتے تھے۔

تیسرا عذر

فرماتے ہیں:

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ

آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ سے فرمایا۔ یا معاذ بن جبل لا تکن فنانا اما ان تصلی معی واما ان تخفف علی قومک، (مسند احمد ص ۷۴ ج ۵) یا تو میرے ساتھ نماز پڑھو اور یا پھر اپنی قوم کے ساتھ ہلکی نماز پڑھو۔

اس کا معنی یہی ہے کہ یا تو تم فرض نماز میرے ساتھ پڑھو اور اپنی قوم کے لوگوں کے ساتھ فرض نہ پڑھو اور یا میرے ساتھ فرض نہ پڑھو تا کہ وہ تمہارا انتظار نہ کریں۔

سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۳۱ و ۱۳۲۔

الجواب: اولاً، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور قوم کے درمیان اختلاف کا سبب لمبی قراۃ تھی اسی وجہ سے صحابی نے نماز توڑ کر علیحدہ نماز ادا کی، اسی چیز کی ہی رسول اللہ ﷺ کے حضور شکایت کی گئی۔ لیکن حنفیت پر افسوس جو ہمیشہ فقہہ کا راگ آلاپتے رہتے ہیں۔ وہ ان تمام چیزوں کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ سوال گندم اور جواب چنے کے مصداق کہتے ہیں کہ شکایت تو لمبی قرات کی ہی ہوئی مگر نبی ﷺ نے منع امامت سے فرمایا تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پیر جی کی پیش کردہ روایت میں بھی یہ الفاظ ہیں۔

اما ان تصلی معی واما ان تخفف علی قومک۔

یا تو میرے ساتھ نماز پڑھ لیا کرو یا پھر اپنی قوم کو نماز ہلکی (تھوڑی قراۃ والی) پڑھایا کرو۔ مگر پیر جی کا اصرار ہے کہ اس حدیث میں امامت سے منع فرمایا ہے حالانکہ روایت میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس کا مقصود امامت سے منع کرنا

ثانیاً۔ یہ روایت مرسل ہے حافظ ابن حجر نے (فتح الباری ص ۱۵۴ ج ۲) میں امام ابن حزم (المحلی بالانثار ص ۱۳۸ ج ۳) میں اور حافظ دمشقی (مجمع الزوائد ص ۷۵ ج ۲) اور (نصب الراية ص ۳۰ ج ۲) کے خفی بخشی نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ یہ روایت مرسل و منقطع ہے۔

لیکن پیرمشتاق علی پر کوئی فقہ کی وکالت کا بھوت سوار ہے۔ کہ صحیح حدیث کی بجائے ضعیف روایت کو بنیاد بناتے ہیں پھر اس کے معنی میں تاویل کرتے ہوئے حقیقت کی گرتی ہوئی دیوار کو سہارا دینے کی فضول کوشش کرتے ہیں۔

جماعت کھڑی ہونے پر صبح کی سنتیں پڑھنا

حضرت حکیم صاحب نے سبیل الرسول ص ۲۲۴ میں صحیح حدیث پیش کی تھی کہ جماعت کے ہوتے ہوئے کوئی دوسری نماز نہیں ہوتی۔ پیرجی نے اس پر بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ادھر ادھر کی فضول بھرتی کے بعد فرماتے ہیں کہ:

یہاں عذر

اس حدیث کے موقوف و مرفوع ہونے میں اختلاف ہے۔ ایک نظر ص ۱۴۵۔

الجواب: اسے ایک جماعت محدثین مرفوع بیان کرتی ہے امام ترمذی فرماتے ہیں یہ مرفوع ہی صحیح ہے۔ (ترمذی مع تحفه ص ۳۲۳ ج ۱) اور یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ جب مرفوع و موقوف روایت بیان کی جائے تو اس کا مرفوع ہونا ہی درست ہوتا ہے۔ اس پر ہم نے محدثین کرام کے متعدد حوالے نقل کئے ہیں۔ تفصیل دین الحق ص ۴۶۵ ج ۱ میں دیکھئے یہاں پیرجی کے اطمینان قلب کے لئے ان کے استاد محترم مولانا سرفراز خاں صفدر صاحب کا حوالہ نقل کیا جاتا ہے مولانا فرماتے ہیں:

ہم بیان کر آئے ہیں کہ صحیح بلکہ خالص حق بات یہ ہے کہ جس پر فقہاء علماء اصول اور محقق محدثین متفق ہیں کہ جب کوئی حدیث مرفوع اور موقوف روایت کی گئی ہو، یا موصول اور مرسل بیان ہوئی ہو تو اس صورت میں حدیث مرفوع اور متصل ہی سمجھی جائے گی چاہے رفع اور وصل کرنے والے حفظ اور عدد میں زیادہ ہوں یا کم حدیث بہر حال مرفوع ہوگی۔ احسن الکلام ص ۲۸۲ ج ۱۔

دوسرا عذر

فرماتے ہیں کہ ان سب احادیث کو جمع کر لیا گیا ہے کہ مسجد کے باہر یا درمیان میں کوئی چیز حائل ہو تو ایک رکعت مل سکنے کی صورت میں فجر کی سنتیں ادا کر کے جماعت میں شامل ہو جائے۔ ایک نظر ص ۱۴۶۔

الجواب: اولاً، آپ نے احادیث کے درمیان تطبیق دی ہے مگر سوال ہے کہ کن احادیث میں تطبیق دی ہے

کیونکہ کسی روایت میں جماعت کے ہوتے ہوئے سنتیں ادا کرنے کی رخصت مروی نہیں ہے رہا آپ کی طرف سے پہنچنے کی روایت پیش کرنا تو یہ موضوع کے قریب ہے کیونکہ اس کی سند میں حجاج بن نصیر راوی ہے۔ (بیہقی ص ۳۸۳ ج ۲) یہ بالاتفاق آئمہ محدثین ضعیف ہے، امام بخاری فرماتے ہیں۔ سکتوا عنه، یہ اس قدر بدتر تھا کہ محدثین نے اس سے خاموشی اختیار کر لی، (میزان ص ۳۶۵ ج ۱) علاوہ ازیں یہ مخطوط بھی تھا لقمہ کو قبول کر لیتا تھا، تقریب دوسرا راوی عباد بن کثیر ہے جسے پیر جی نے الدلی قرار دیا ہے حالانکہ سند میں بصری ہے جو متروک الحدیث ہے امام احمد فرماتے ہیں جھوٹی روایات بیان کرتا ہے۔ (تقریب ص ۱۲۲ طبع دہلی ۲۹۰ھ)

ایسے راویوں کی روایت کو صحیح احادیث کے بالمقابل پیش کرنا ہی علمی خیانت ہے پھر پیر جی کا اس کو حسن قرار دینا کوتاہ علم کی بدترین مثال ہے۔ کیا کذاب راوی کی روایت بھی حسن ہوتی ہے۔ امام بیہقی نے اس روایت کرنے کے بعد لکھا ہے۔ هذه الزيادة لا اصل لها، یعنی اس زیادت کی کوئی اصل نہیں۔ (ص ۳۸۳ ج ۲) علامہ نیوی (جنہیں فریق ثانی امام شوکانی پر بھی فوقیت دیتے ہیں) خفی نے بھی اس جرح کو قبول کیا ہے۔ (آثار السنن ص ۲۲۶) مولانا تقی عثمانی فرماتے ہیں۔ یہ روایت نہایت ضعیف ہے۔ (درس ترمذی ص ۱۸۹ ج ۲)

ثانیاً۔ یہ ترجیح آپ کے عمل کے خلاف ہے تمام خفی مساجد میں سنت فجر جماعت سے متصل مسجد میں ادا کی جاتیں ہیں۔ لہذا پلہ چھوڑانے کے لئے یہ بہانا کافی نہیں۔ آپ صریحاً حدیث صحیح یا حسن بیان کریں جو آپ کے عمل کی دلیل ہو اور مذکورہ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میں عموم ہے جو سنت فجر کو بھی شامل ہے کہ جماعت کے ہوتے ہوئے پڑھنی ناجائز ہے، علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی فرماتے ہیں۔

ان حدیث الباب شامل لرحکتی الفجر کشمولہ لسانر الرواتب والنوافل
یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث فجر کی سنت (جو جماعت کے وقت نماز نہ پڑھنے کی ممانعت پر ہے) اس
نہی میں سنت فجر بھی داخل ہے جیسا کہ تمام باقی سنن ونوافل داخل ہیں۔ فتح الملہم ص ۲۷۱ ج ۲۔

تیسرا عذر

فرماتے ہیں:

عبداللہ بن عسینہ بخاری ص ۹۱ ج ۱ مسلم ص ۲۳۷ ج ۱ پر ہے کہ آنحضرت ﷺ حجرہ سے جماعت کے لئے مسجد میں آتے تھے آپ نے مسجد میں ہی کسی کو نماز پڑھتے دیکھا اور فرمایا۔ لا تجعلوا هذه مثل صلوة الظهر قبلها وبعدها اجعلوا بينهما فصلاً ص ۲۱۱ ج ۱ مسند احمد ص ۳۳۵ ج ۱ اور مسلم میں دوسری جگہ ہے فان رسول الله ﷺ امرنا ان لا نوصل صلوة بصلوة ص ۲۸۸ ج ۱، والعبرة لعموم اللفظ لا لخصوص المورد، ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ بالکل جماعت کے ساتھ وصل نہ ہو بلکہ فاصلہ پر پڑھی جائیں، عن عبداللہ بن

عمر قال سمعت رسول الله ﷺ يقول لا صلوة لمن دخل المسجد والامام قائم يصلى فلا ينفرد وحده بصلوة ولكن يدخل مع الامام فى الصلوة رواه الطبرانى فى الكبير وفيه يحيى بن عبد الله البابتى وهو ضعيف (مجمع الزوائد ص ۷۵ ج ۲) سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۳۷۔

الجواب: پیر جی کے اس خط بے ربط سے آپ کیا سمجھے ہیں یقیناً قارئین کرام اس میں تفہیم کی کمی محسوس کرتے ہوئے کہیں گے کہ پیر جی نے کتب حدیث کی ورق گردانی تو کی ہے مگر مسئلہ کی نوعیت کو سمجھ نہیں سکے۔ اب ترتیب وار پیر جی کی عبارت پر ہم تبصرہ کرتے ہیں تاکہ حق واضح ہو جائے۔ واللہ یهدی من یشاء۔

(۱) پیر جی نے سیدنا عبد اللہ بن محسنہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بخاری ص ۹۱ ج ۱ و مسلم ص ۲۴۷ ج ۱ سے نقل کی ہے اور حسب ذیل الفاظ بیان کئے ہیں۔

لا تجعلوا هذه مثل صلوة الظهر قبلها و بعدها.

حالانکہ یہ الفاظ بخاری و مسلم میں قطعاً نہیں بلکہ طحاوی نے (شرح معانی الآثار ص ۲۵۶ ج ۱) میں اور حاکم نے (مستدرک ص ۴۳۰ ج ۳) میں اور امام احمد نے (مسند ۳۴۵ ج ۵) میں روایت کئے ہیں اور ان کی سند میں یحییٰ بن ابی کثیر راوی ہے جو زبردست تدلیس کرتے ہیں، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں تدلیس کرتا ہے۔ تقریب وصفہ النسائی بالتدلیس، (طبقات ص ۳۶) امام نسائی نے ان کی تدلیس کی صراحت کی ہے۔ علامہ نیوی فرماتے ہیں یحییٰ بن کثیر بدلس یعنی یحییٰ تدلیس کرتا ہے (آثار السنن ص ۲۲۸) الغرض یہ روایت یحییٰ کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے کیونکہ سماع کی صراحت نہیں بلکہ معنعن ہے۔

(۲) فصل دوہوتے ہیں زمانی اور مکانی، یعنی وقت کے لحاظ سے فصل اور جگہ کے اعتبار سے فصل۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پیر صاحب نے کسی دلیل سے یہاں مکانی فصل مراد لیا ہے۔ کیونکہ دوسری احادیث میں اقامت کے بعد نماز سے منع فرمایا ہے جس سے فصل زمانی کی تعیین ہوتی ہے۔

(۳) ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت طبرانی کے درج کرنے کی وجہ پیر صاحب نے درج نہیں کی غالباً پیر جی نے اسے فصل مکانی کی دلیل کی غرض سے نقل کیا ہے پھر اس کے ضعیف ہونے کا اعتراف بھی کرتے ہیں کہ اس کی سند میں یحییٰ بن عبد اللہ البابتی راوی ضعیف ہے ایک نظر ص ۱۳۷ حالانکہ اس سند میں ایک دوسرا راوی ایوب بن نصیب بھی ہے، (طبرانی کبیر ص ۳۴۰ ج ۱۲ رقم الحدیث ۱۳۶۱۴) اسے امام ابو حاتم نے ضعیف اور ازدی نے متروک کہا ہے۔ اور امام ابو زرعہ نے منکر الحدیث قرار دیا ہے۔ (نسان المیزان ص ۴۹۰ ج ۱)۔ صحیح احادیث جن میں فصل مکانی کی تعیین ہوتی ہے ان کو ترک کر کے ایک ضعیف روایت کو پیش کرنا دیانت کے خلاف ہے۔ امام طحاوی نے بھی یہی کہا تھا جس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا عبدالحی لکھنوی مرحوم فرماتے ہیں۔

بل سیاق بعض الروایات يخالفه، یعنی بعض احادیث اس تاویل کے بالکل خلاف ہیں۔ (التعلیق الممجد

ص ۸۶) یہاں تفصیل کی تو گنجائش نہیں اہل علم حضرات مولانا محمد شمس الحق محدث عظیم آبادی کی تالیف، اعلام اہل العصر کا مطالعہ کریں صرف ایک دلیل نقل کی جاتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دخل رجل المسجد ورسول اللہ ﷺ فی صلاة الغداة فصلى ركعتين فی جانب المسجد ثم دخل رسول اللہ قال یا فلان بای الصلاتین اعتددت ابصلاحک و حدک ام بصلاحک معنا؟۔

یعنی ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور رسول اللہ ﷺ صبح کی جماعت کروارہے تھے تو آنے والے شخص نے مسجد کے ایک گوشہ میں دو رکعت صبح کی سنت پڑھیں پھر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز میں شریک ہوا (جب آپ علیہ السلام نے سلام پھیرا) تو فرمایا کہ اے فلا نے تو نے نماز کس کو شمار کیا ہے؟ وہ جو ہمارے ساتھ ادا کی ہے یا جو اکیلے پڑھی ہے۔ (مسلم ص ۲۴۷ ج ۱ و ابوداؤد ص ۱۸۰ ج ۱ انسائی ص ۱۰۱ ج ۱ و ابن ماجہ ص ۸۲ و بیہقی ص ۲۸۲ ج ۲ و مسند احمد ص ۸۲ ج ۵ و المحلی بالانار ص ۱۵۰ ج ۲ و طحاوی ص ۲۵۶ ج ۱ و عبدالرزاق ص ۴۴۰ ج ۲ و ابن خزیمہ ص ۱۷۰ ج ۲ و اللفظ للمسلم)۔

اس صحیح حدیث سے فصل زمانی کی تعیین ہوتی ہے کیونکہ صحابی نے مسجد کے گوشہ میں نماز ادا کی ہے اس صحیح و صریح حدیث کے جواب میں پیر جی فرماتے ہیں جماعت سے متصل پر محمول ہوگی۔ ایک نظر ص ۱۴۸۔
صریح حدیث کے بالقابل ہوگی سے بات نہیں بنے گی۔ دلیل دیجئے۔

عبداللہ بن عمرؓ کا عمل

فرماتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے باہر سنتیں پڑھ لیتے تھے۔ اور مسجد میں آکر جماعت میں مل جاتے تھے۔ (آثار السنن ص ۳۱ و ۳۲ و ۳۳ ج ۲) ایک نظر ص ۱۷۷۔

الجواب: اولاً، (آثار السنن ص ۲۲۸) میں ابن عمرؓ کے اثر کو علامہ نیوی نے دو سندوں سے بیان کیا ہے پہلی محمد بن کعب کے طریق سے دوسری زید بن اسلم کے طریق سے، زید بن اسلم والے اثر کے متعلق علامہ نیوی فرماتے ہیں اس کی سند میں یحییٰ بن ابی کثیر راوی مدلس ہے (آثار السنن ص ۲۲۸)

یحییٰ کی تدیس کی صراحت بحوالہ پہلے عرض کر دی گئی ہے جبکہ زیر بحث سند میں تحدیث کی صراحت نہیں متعین ہے جس کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے۔ جبکہ محمد بن کعب کی سند میں عبداللہ بن صالح کاتب الیث ہے (طحاوی ص ۲۵۸ ج ۱) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔ صدوق کثیر الغلط ثبت فی کتابہ و کانت فیہ غفلة یعنی سچا تو ہے مگر کثرت سے غلطیاں کرتا ہے کتاب میں ثبت ہے مگر اس میں غفلت پائی جاتی ہے۔ تقریب ص ۱۷۷۔

الغرض یہ روایت بھی مجروح ہے۔

ٹایا۔ اس کے برعکس ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح سند سے مروی ہے کہ آپ اس سے منع فرماتے تھے آپ کے بیٹے نافع فرماتے ہیں۔

ان ابن عمر راى رجلا يصلى والمؤذن يقيم فقال ابن عمر اتصلى الصبح اربعاً.
سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک آدمی کو دیکھا جو نماز پڑھ رہا تھا جبکہ مؤذن امامت کہہ رہا تھا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تو صبح کی چار رکعت نماز پڑھے گا۔ (المحلی بالانار ص ۱۵۳ ج ۲)

ایک حدیث سے استدلال

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

خرج النبی ﷺ حین اقیمت الصلاة فرأى ناسا يصلون ركعتين بالعجلة فقال:
اصلاحان معاً؟ فنهی ان یصلی فی المسجد اذا اقیمت الصلاة.

نبی ﷺ گھر سے باہر تشریف لائے جب جماعت کھڑی ہو چکی تھی اور آپ علیہ التحیۃ والسلام نے دیکھا کہ لوگ جلدی جلدی دو رکعت ادا کر رہے ہیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کیا یہ دو رکعت ہمارے ساتھ ہیں؟ اور آپ نے جماعت کے ہوتے ہوئے مسجد میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا، (صحیح ابن خزیمہ ص ۱۷۰ ج ۲ رقم الحدیث ۱۱۲۶)

پیر جی نے اس حدیث کو بھی ایک نظر ص ۱۴۷ میں بحوالہ (عمدة القاری ص ۳۰ ج ۲) درج کیا ہے۔ مگر حدیث کا مفہوم یا ترجمہ تحریر نہیں کیا نہ ہی اپنا استدلال بیان کیا ہے۔ ہاں آگے نصف سطر کی عبارت یہ ہے کہ اور تعلیقاً پڑھنا بھی حاشیہ بخاری ص ۹۱) اپنا عمل پڑھنے کا تھا۔ ایک نظر ص ۱۴۷ اس عبارت کی صحت کو چھوڑ کر نفس اعتراض کو لئے تو یہ ہے کہ

حاشیہ صفحہ ۹۱ میں نبی ﷺ کا اقامت کے بعد سنتیں پڑھنا ثابت ہیں۔ گویا پیر جی اعتراض کا اصل مقصود یہ ہوا کہ گو نبی ﷺ پڑھنے سے منع کرتے تھے مگر خود آپ علیہ التحیۃ والسلام پڑھ لیا کرتے تھے۔

اب آئیے ملاحظہ کیجئے کہ حاشیہ بخاری میں کیا ہے۔ مولانا احمد علی سہارنپوری فرماتے ہیں۔

وقد روی ابن عباس ان النبی ﷺ کان یصلی عند لاقامة فی بیت میمونة،

یعنی نبی ﷺ سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا جاتا ہے کہ آپ علیہ السلام حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر اقامت کے قریب نماز پڑھتے تھے۔

(حاشیہ بخاری ص ۹۱ ج نمبر ۵)۔

اقامت کے قریب سے مراد اقامت سے پہلے ہے جیسا کہ امی عائشہ رضی اللہ عنہا نے صراحت کی ہے۔ (بخاری

رقم الحدیث ۶۲۶) مگر پیر جی اسے اقامت کے بعد قرار دیتے ہیں۔ جو جہالت کے علاوہ بدترین تحریف معنوی ہے۔

ثانیاً۔ اگر پیر جی کہیں حدیث انس رضی اللہ عنہ سے فصل مکانی کی تعین ہوتی ہے کیونکہ مسجد کی قید صاف الفاظ میں موجود ہے راقم عرض کرتا ہے کہ آپ کے نزدیک مسجد میں سنتیں ادا کرنا بھی جائز ہے۔ (اعلاء السنن ص ۱۱۷ ج ۷) اور احناف کا بھی یہی ہے کہ یہ لوگ مسجد میں ہی ادا کرتے ہیں۔

ثالثاً۔ مولانا سہارنپوری نے جو روایت ابن عباس کے حوالے سے بیان کی ہے وہ راقم کو نہیں ملی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت ابو موسیٰؓ کا اثر

فرماتے ہیں کہ:

ابو موسیٰؓ منع روایت کرتے ہیں، (آثار السنن ص ۳۰ ج ۲) مگر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے اسطوانہ کی اوٹ میں سنتیں پڑھیں تو انہوں نے منع نہیں فرمایا۔ (آثار السنن ص ۳۲ و ۳۳) معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک منع کی روایت ساتھ جماعت کے پڑھنے پر محمول ہے۔ سبیل الرسولؐ پر ایک نظر ص ۱۴۷ و ۱۴۸۔

الجواب: اولاً، آثار السنن میں سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے تین اثر منقول ہیں۔ اور جس اثر میں ستون کی اوٹ میں نماز پڑھنے کا ذکر ہے اس کی سند میں ابواسحاق السبئی راوی ہے (طحاولی ص ۲۵۷ ج ۱) جو غلط ہیں یعنی ان کا آخری عمر میں حافظ بگڑ گیا تھا (تقریب ص ۲۶۱) اور ابواسحاق سے روایت بیان والا راوی زہیر بن معاویہ ہے اور آئمہ فن نے صراحت کی ہے کہ زہیر کی ابواسحاق سے ملاقات حالت اختلاط میں ہوئی تھی۔ تقریب ص ۱۰۹) جس کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے۔ مزید تفصیل کیے لئے دین الحق ص ۴۸۳ ج ۱ کی مراجعت کریں۔

ثانیاً۔ دوسرا اثر حارث بن مضرب کے واسطے سے منقول ہے علامہ نیوی حنفی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ (آثار السنن ص ۲۲۸) بلاشبہ راوی تو ثقہ ہیں مگر سند میں ابواسحاق السبئی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۵۱ ج ۱) اور یہ مدلس ہیں۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں مشہو بالتدلیس، یعنی تدلیس میں مشہور ہیں۔ (طبقات المدلسین ص ۴۲) اور زیر بحث روایت معنعن ہے جس کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ثالثاً۔ تیسری روایت عبد اللہ بن ابی موسیٰؓ سے مروی ہے۔ علامہ نیوی حنفی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ (آثار السنن ص ۲۲۹) حالانکہ اس کی سند میں بھی ابواسحاق السبئی ہے۔ (طبرانی کبیر ص ۲۷۷ ج ۹ رقم الحدیث ۹۳۸۵ و طحاوی ص ۲۵۷ ج ۲) اور سند میں تحدیث کی صراحت نہیں بلکہ معنعن ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ سیدنا ابو موسیٰؓ سے تصدیق تو کجا یہ عمل سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی ثابت نہیں ہے۔

مزید دعویٰ

فرماتے ہیں:

عہد صحابہ و تابعین میں مدینہ میں حضرت عمر کے زمانے میں عام لوگ پڑھتے تھے۔ خود حضرت ابن عمر پڑھتے تھے کسی نے انکار نہ کیا مکہ میں ابن عباس کوفہ میں ابن مسعود بصرہ میں حسن بصری وغیرہ پڑھتے تھے۔ ایک نظر ص ۱۴۸۔
الجواب: اولاً، ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے آثار کا جواب گزر چکا ہے۔

ثانیاً۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی اثر میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں۔ فصلی ابن عباس الر کعتین خلف الامام یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ نے امام کے پیچھے دو رکعتیں پڑھیں۔ (طحاوی ص ۲۵۸ ج ۲) اور یہ چیز احناف کے بھی خلاف ہے، خود پیر جی نے لکھا ہے۔

ہم بھی کہتے ہیں کہ بالکل جماعت کے ساتھ وصل نہ ہو بلکہ فاصلہ پر پڑھی جائیں۔ ایک نظر ص ۱۴۷ علاوہ ازیں یہ روایت بھی سنداً منقطع ہے۔

ترکش کا آخری تیر

مسند احمد ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے۔ عن علی رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ ﷺ یصلی رکعتی الفجر عند الاقامة معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے عمل سے سنت فجر پڑھ کر نمونہ پیش فرمایا صحابہ حضور کے زمانہ میں بھی پڑھتے تھے۔ آپ صرف ساتھ مل کر پڑھنے سے روکتے تھے۔ اور خلافت راشدہ و خیر القرون میں بلا تکرار اس پر عمل جاری تھا۔ سبیل الرسول پر ایک نظر ص ۱۴۸۔

الجواب: اولاً، پیر جی نے اس حدیث کا ترجمہ بھی نہیں کیا۔ ہم یہ تو نہیں کہتے کہ ترجمہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے بلکہ ترجمہ نہ کرنا مطلب برآری کے لئے ہے۔ پھر آگے جو انہوں نے تاثر دیا ہے وہ قطعاً باطل ہے عند الاقامة کا معنی ہے فجر کی سنتیں اقامت کے قریب کے وقت ادا فرماتے، اور اس معنی کو اسی حدیث میں مروی الفاظ کان یوتر عند الاذان یعنی وتر اذان کے قریب ادا کرتے (مسند احمد ص ۱۱۱ و ۱۱۵ ج ۱) اس کا یہ مطلب نہیں کہ وتر اس وقت پڑھتے جب صبح کی اذان شروع ہو جاتی۔

ثانیاً۔ صبح کی سنتیں اقامت سے پہلے ادا کرتے، اس معنی کی تائید دوسری احادیث صحیحہ سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت ہیں کہ نبی ﷺ رات کی نماز تیرہ رکعت ادا فرماتے، ثم یصلی اذا سمع النداء بالصبح، رکعتین خفیفین، پھر آپ جب علیہ التحیۃ والسلام صبح کی اذان سنتے تو دو رکعت نماز ہلکی (جلدی) پڑھتے تھے۔ (بخاری ص ۱۵۶ ج ۱ و مسلم ص ۲۵۰ ج ۱)۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا فرماتیں ہیں مؤذن جب صبح کی اذان سے

فارغ ہوتا تو نبی ﷺ ہلکی سی دو رکعت پڑھتے تھے۔ (مسلم ص ۲۵۰ ج ۱)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ صبح کی سنتیں اذان اور تکبیر کے درمیان پڑھتے۔ (مسلم ص ۲۵۰ ج ۱)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ صبح کی سنتیں اذان سنتے ہی پڑھتے تھے۔

(بخاری ص ۱۳۵ ج ۱ و مسلم ص ۲۵۷ ج ۱)۔

ان احادیث سے عند الاقامۃ کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے کہ تکبیر سے پہلے پڑھتے تھے ناکہ تکبیر کے بعد یا تکبیر کے وقت۔

ثالثاً۔ پیر جی کی پیش کردہ روایت سخت ضعیف ہے۔ اس کی سند میں حارث الاعور راوی ہے۔ (ابن ماجہ ۱۱۳۷ و مسند احمد ص ۸۷ و ۱۱۵ ج ۱) اسے امام شععی امام علی بن مدینی نے کذاب کہا ہے۔ امام جرید فرماتے ہیں مردود ہے۔ ابن حبان کہتے ہیں عالی رافضی اور واہی الحدیث ہے (تہذیب ص ۱۲۶ ج ۲)۔

اس سے نیچے کا راوی ابواسحاق ہے جو غلط ہونے کے علاوہ تدلیس میں مشہور ہے (طبقات المدلسین ص ۴۲) اور روایت بھی معنعن ہے۔ الغرض یہ روایت سخت ضعیف ہے۔
رابعاً۔ پیر جی کا ترمذی کی طرف اس روایت کی نسبت کرنا غلطی ہے۔

حلالہ کی لعنت

حضرت حکیم صاحب نے سبیل الرسول میں حلالہ کے متعلق بھی وضاحت کی تھی پیر جی نے اس کا جواب بھی تحریر کیا ہے کہ مشروط نکاح جو حلالہ کی غرض سے کیا جاتا ہے یہ گناہ کبیرہ ہے۔ یک نظر ص ۱۵۱۔
مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مرد و عورت نکاح حلالہ کن لوگوں میں کیا جاتا ہے یقیناً ایسے لوگ خود کو حنفی ہی کہتے ہیں۔ اس کا انکار دن کے وقت سورج کا انکار ہے پاکستان کے تمام علاقوں سے اس پر ہزاروں شہادتیں مل سکتی ہیں کہ احناف میں نکاح حلالہ کا عام دستور ہے۔ بلکہ احناف کے نزدیک تو جو حلالہ کرتا ہے۔ ثواب کا مستحق بھی ہے۔
ماسٹر امین لکھتا ہے۔

تین طلاق کے بعد عورت کا کسی سے اس شرط پر نکاح کرنا کہ وہ صحبت کے بعد طلاق دے دے گا۔ یہ شرط باطل ہے۔ اور حدیث میں ایسا حلالہ کرنے اور کرانے والے پر لعنت فرمائی گئی ہے تاہم ملعون ہونے کے باوجود اگر دوسرا شوہر صحبت کے بعد طلاق دے دے تو عدت کے بعد عورت پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جائے گی اور اگر دوسرے مرد سے نکاح کرتے وقت یہ نہیں کہا گیا کہ وہ صحبت کے بعد طلاق دے گا لیکن اس شخص کا اپنا خیال یہ ہو کہ وہ عورت کو صحبت کے بعد فارغ کر دے گا تو یہ صورت موجب لعنت نہیں۔ اسی طرح عورت کی نیت ہو کہ وہ دوسرے

شوہر سے طلاق حاصل کر کے پہلے شوہر کے گھر میں آباد ہونے کے لائق ہو جائے گی تب بھی گناہ نہیں (تین طلاق اور حلالہ مندرجہ خیر الفتاویٰ ص ۳۴۶ ج ۵)

دیوبندیوں کے فقیہ العصر مفتی اعظم رشید احمد صاحب فرماتے ہیں۔

اگر کسی کو میاں بیوی کی حالت پر رحم آئے (بالخصوص جب عورت جوان اور خوبصورت ہو تو کئی حنفی رحم کرنے کے لئے تیار ہوں گے میں ابوصہیب) اور وہ ان پر احسان کی نیت سے نکاح کر لے اور صحبت کے بعد طلاق دے دے تو کوئی گناہ نہیں۔ بشرطیکہ اس کی نیت کا دوسرے کسی کو بھی قطعاً کوئی علم نہ ہو، اسی طرح عورت کے دل میں یہ نیت تھی کہ وہ دوسرے شخص سے نکاح کے بعد اس سے طلاق حاصل کر کے پھر پہلے شوہر سے نکاح کرے گی۔ اور اس کی نیت کا کسی دوسرے کو قطعاً علم نہ ہو تو عورت پر کوئی گناہ نہیں۔ (احسن الفتاویٰ ص ۱۵۴ ج ۵)

مروجہ نکاح حلالہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ

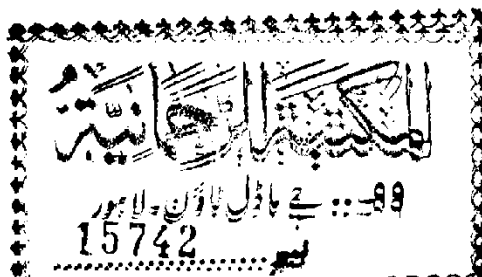
ہمارے نزدیک عدم جواز تو ہے مگر نفاذ ہو جاتا ہے یعنی ایسا کرنا جائز تو نہیں البتہ اگر کوئی ایسا کر دے تو شرط باطل ہوگی اور نکاح صحیح شمار ہو کر عورت زوج اول کے لئے حلال ہوگی۔ خیر الفتاویٰ ص ۴۰۴ ج ۵۔
ان تینوں عبارات کو ملا کر جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یقیناً مروجہ حلالہ کی حوصلہ افزائی ہی ہے۔ اگر پیر صاحب کا دل نہیں مانتا تو بہانے ہزار ہیں۔

اللہ ہم سب کی خطائیں معاف کرے۔

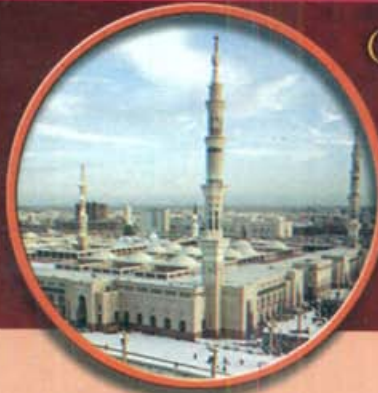
تمت

الحمد لله الذي تتم به الصالحات و ﷺ تعالى علي خير خلقه محمد وآله واصحابه
واتباعه اجمعين

ابوصہیب محمد داؤد ارشد، خطیب جامع مسجد محمدی اہل حدیث۔
کوٹلی درکاں نزد نارنگ منڈی ضلع شیخوپورہ
یکم اپریل ۲۰۰۴ء مطابق ۷ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ



تحقیق و تخریج کے ساتھ (اضافہ شدہ ایڈیشن)



سبیل الرسول

- دین اسلام پر چلنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے راستہ کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔
- حضور ﷺ کی سنت کی شمعیں، حدیث کے چراغ، سیرت کی قدیلیں، فانوس، اخلاق و کردار کے اجالے بہشت بریں کی راہ کو روشن کر رہے ہیں۔
- رسول اللہ ﷺ کا قول، فعل، حدیث، سیرت، اُسوہ، اخلاق اور کردار ہی سبیل رسول ﷺ ہے۔

منزل ملی، مراد ملی، مدعا ملا
سب کچھ ملا مجھ کو ترا نقش پا ملا



پاکستان میں کتاب و سنت کی اشاعت کا قدیم ادارہ

نعمانی بک خانہ
اردو بازار لاہور

E-Mail: nomania2000@hotmail.com